محاسبۂ قادیانیت

- جناب اکبر مسیح صاحب
- جناب پادری بوٹا مل صاحب
- جناب ایس ایم پال صاحب
- جناب موسیٰ خان صاحب
- جناب پادری کے ایل ناصر صاحب
- جناب ایف ای جیمس صاحب
- جناب جی آر اعوان صاحب

جلد ۲

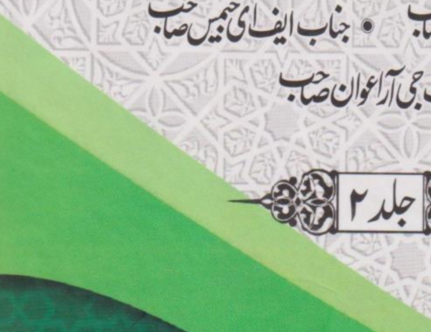

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : محاسبہ قادیانیت جلد دو (۲)

مصنّفین : جناب اکبر مسیح صاحب

جناب ایس.ایم پال صاحب

جناب پادری کے.ایل ناصر صاحب

جناب پادری بوٹا مل صاحب

جناب موسیٰ خان۔خانؔ صاحب

جناب ایف.ای جیمس صاحب

جناب جی.آر اعوان صاحب

صفحات : ۵۲۸

قیمت : ۳۵۰ روپے

مطبع : ناصر زین پریس لاہور

طبع اوّل : ستمبر ۲۰۱۵ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست رسائل مشمولہ...... محاسبہ قادیانیت جلد۲

☆......	عرض مرتب	حضرت مولانا اللہ وسایا	۴
۱......	منارۃ البیضاء	جناب اکبر مسیح صاحب	۷
۲......	مرزا غلام احمد کے فرزند کی وفات	جناب اکبر مسیح صاحب	۴۷
۳......	قادیانی محاسب اور خداوند مسیح کے شاگردوں کی تعداد	جناب اکبر مسیح صاحب	۵۳
۴......	ضربت عیسوی	جناب اکبر مسیح صاحب	۶۷
۵......	معذرت نامہ مرزا	جناب ایس.ایم پاک صاحب	۲۲۵
۶......	حقیقت مرزا بقلم خود	جناب پادری کے.ایل ناصر صاحب	۲۷۷
۷......	مسیح کی آمد ثانی	جناب پادری بوٹامل صاحب	۳۴۳
۸......	کیفیت مباحثہ سیالکوٹ	جناب موسیٰ خان۔خانؔ صاحب	۳۶۵
۹......	مرزا غلام احمد قادیانی کے خطوط عرف جیبی پستول	جناب ایف.ای جیمس صاحب	۴۰۳
۱۰......	احمقوں کی جنت	جناب جی.آر اعوان صاحب	۴۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمدللہ و کفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰے ۰ امابعد!

۱...... جناب اکبر مسیح ہندوستان کے مسیحی مشن کے انچارج تھے۔ آپ نے مرزا قادیانی کے رد میں ’’مینارۃ البیضاء‘‘ لکھی۔ جو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی جلد دو میں شامل اشاعت ہو رہی ہے۔

۲...... جناب اکبر مسیح نے ایک مضمون لکھا جو ماہوار رسالہ ’’تجلی لاہور ۱۹۲۸ء‘‘ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا ’’مرزا غلام احمد کے فرزند کی وفات‘‘ بعد میں آغا شاہباز خان نے مناسب ترمیم واضافہ کے ساتھ سیالکوٹ سے شائع کیا۔ یہ بھی ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی جلد دو میں شامل ہے۔

۳...... جناب اکبر مسیح کا مضمون ’’قادیانی محاسب اور خداوند مسیح کے شاگروں کی تعداد‘‘ کے نام سے ماہوار رسالہ تجلی لاہور میں شائع ہوا۔ بعد میں آغا شہباز خان نے ۱۹۲۸ء میں سیالکوٹ سے شائع کیا۔

۴...... جناب اکبر مسیح نے ایک کتاب ۱۹۵۷ء میں پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور سے شائع کی۔ جس کا نام ’’ضربت عیسوی‘‘ رکھا۔ اس کتاب میں سات رسائل ہیں۔

(۱) عصٰی آدم ربہ ...... بحث عصمت انبیاء۔ (۲) عشرہ کاملہ ...... تحقیق معنی استغفار ذنب۔ (۳) عصمت مسیح از قرآن وحدیث۔ (۴) عصمت مسیح از اناجیل معہ رد شبہات۔ (۵) مسیح کی موت وبعثت کا اثبات اور مرزائے قادیانی کے اوہام کا ابطال۔ (۶) خداوند مسیح کی بعثت اور مرزا کا خبط کشمیر۔ (۷) مرہم رسل۔

ان رسائل کے مصنف ’’جناب اکبر مسیح‘‘ مسیحی قوم کے لیڈر تھے۔ انہوں نے مسیحی نقطۂ نظر سے مرزا قادیانی کی تردید کی ہے۔ مسیحی نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے انہوں نے خلاف اسلام باتیں بھی کہیں۔ لیکن مسیحی حضرات کو خلاف اسلام طعن وتشنیع کرنے پر برصغیر میں مرزا قادیانی کے قلم نے جتنا ابھارا ہے اس کا بھی اس کتاب میں جگہ نمونہ قارئین دیکھیں گے۔ بہرنوع خیال رہے کہ یہ کتاب مسیحی پادری کی تحریر کردہ ہے۔ یہ ذہن میں رکھ کر آپ کتاب کو دیکھیں گے تو کتاب کو سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۵...... معروف پادری ’’سلطان پال‘‘ نے کتاب ’’معذرت نامہ مرزا‘‘ ۱۹۳۰ء میں شائع کی۔ موصوف ایف.سی کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے اور مسیحی رسالہ ’’نورافشاں‘‘ کے ایڈیٹر

بھی رہے۔ آج اس کتاب کے پروف پڑھتے وقت سخت دل گرفتہ ہوں۔ موصوف نے اس کتاب میں دس باب قائم کئے ہیں کہ مرزا قادیانی پر یہ اعتراض ہوا۔ جس کا مرزا قادیانی نے اور مرزا کے مریدوں نے یہ جواب دیا۔ اس کا نام رکھا: ’’معذرت نامہ مرزا‘‘

قارئین! آپ اس کتاب کو پڑھیں۔ مسیحی مصنف کو مرزا قادیانی پر اعتراضات کے جو جوابات مرزائیوں نے دیئے ہیں مصنف نے ان کو جمع کر دیا ہے۔ آپ قادیانیوں کے ان جوابات کو پڑھیں اور پھر غور کریں کہ بڑے سے بڑا کافر بھی معاذ اللہ! پیغمبر اسلام، اسلام، قرآن مجید، احادیث نبویہ کے خلاف اتنی دروغ گوئی، بدزبانی وبدکلامی اور بداطواری نہ کر سکتا تھا جو قادیانیوں نے کر دی ہے۔ کیا کیا جائے اس کمینے پن کا کہ مثلاً کیا مرزا گالیاں دیتا ہے؟ تو ان کی طرف سے جواب یہ ملا کہ گالیاں تو قرآن مجید میں بھی ہیں، یا یہ کہ مرزا نے کذب بیانی کی؟ جواب ملا کہ باقی انبیاء نے بھی کی، یا یہ مرزا کے کلام میں تضاد ہے؟ تو قادیانیوں نے جواب دیا کہ تضاد تو قرآن مجید وحدیث شریف میں بھی ہے۔ ایسی دل خراش باتیں اس کتاب میں جمع ہیں۔

جو کام مسیحوں سے متوقع تھا وہ قادیانیوں نے کر دیا۔ غرض یہ مرزا قادیانی کی وہ خدمت ہے جس سے کہ مسیحی قوم کو کہنا چاہتا ہے کہ میں کسر صلیب کے لئے آیا ہوں۔ کسر صلیب کے لئے مرزا آیا تھا یا کسر اسلام کے لئے؟ یہ کتاب پڑھیں اور سوچیں کہ قادیانیت کس غلاظت کا نام ہے۔

۶...... جناب پادری کے.ایل ناصر گوجرانوالہ کے تھے۔ انہوں نے مرزا قادیانی کے خلاف ’’حقیقت مرزا بقلم خود‘‘ کے نام پر کتاب لکھی جس کا چوتھا ایڈیشن ۲۳/مارچ ۱۹۸۴ء کو شائع کیا جو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی جلد دوم میں شامل اشاعت ہے۔

۷...... جناب پادری بوٹا مل کے ’’مسیح کی آمد ثانی‘‘ کے نام سے مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کے بطلان پر کتاب لکھی۔ جسے پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور کے مسیحی اشاعتی ادارہ نے دوسری بار ۱۹۵۳ء میں شائع کیا جو ’’محاسبہ قادیانیت‘‘ کی دوسری جلد میں شامل ہے۔

۸...... جناب موسیٰ خان۔ خان نے قادیانیوں اور مسیحیوں کے درمیان سیالکوٹ میں مباحثہ کی کارروائی قلمبند کی۔ یہ ستمبر ۱۹۲۴ء میں زیر تجویز مباحثہ کی کارروائی ہے۔ اس کارروائی کی روئیداد کا نام ’’کیفیت مباحثہ سیالکوٹ‘‘ ہے۔ جس کے ترتیب دینے والے جناب موسیٰ خان مسیحی نے ٹائٹل پر یہ تعارف قلمبند کیا۔

’’مشہور ومعروف قادیانی مبلغ ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب کے مسیحیوں سے مباحثہ کرنے کے لئے سیالکوٹ جانے ’’نبوت مرزائے قادیانی‘‘ پر بحث سے کترانے اور مسیح ناصری

کے سامنے مسیح قادیانی کو لانے سے شرماتے اور مسیحی مناظرین پادری سلطان محمد خان اور پادری عبدالحق صاحبان کے سامنے نہ آنے اور فریقین کے درمیان پرلطف اور قابل دید خط وکتابت کی مفصل کیفیت جسے ایم.کے خان، مہاں سنگھ باغ لاہور نے شائع کیا۔۱۹۲۵ء“

۹...... جناب ایف.ای جیمس نے ”مرزاغلام احمد قادیانی کے خطوط عرف جیبی پستول“ کے نام سے پمفلٹ ترتیب دیا۔ جو مارچ ۱۹۳۳ء میں لاہور انارکلی سے شائع ہوا۔ ”محاسبہ قادیانیت“ کی دوسری جلد میں یہ بھی شامل اشاعت ہے۔

۱۰...... جی.آر اعوان جو پہلے عرصہ تک چناب نگر (ربوہ) میں رہے۔ ان کے والد صاحب گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ یہ اپنے والد گرامی کے ساتھ وہاں رہے۔ انہوں نے اس شہر کے رہائشی ہونے کے ناتے قادیانیت اور قادیانیوں کا گیرائی اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور حاصل مطالعہ یہ کتاب لکھ دی۔ جس کا نام ہے ”احمقوں کی جنت“ ۱۹۹۸ء کے اواخر میں کتاب تحریر کی گئی۔ جسے ہم ”محاسبہ قادیانیت“ کی جلد دو میں شائع کر رہے ہیں۔

”محاسبہ قادیانیت“ کی جلد ہذا (دوم) میں:

۱......	جناب اکبر مسیح	کے	۴	رسائل
۲......	جناب ایس.ایم پال	کا	۱	رسالہ
۳......	جناب پادری کے.ایل ناصر	کا	۱	رسالہ
۴......	جناب پادری بوٹامل	کا	۱	رسالہ
۵......	جناب موسیٰ خان۔ خاںؔ	کا	۱	رسالہ
۶......	جناب ایف.ای جیمس	کا	۱	رسالہ
۷......	جناب جی.آر اعوان	کی	۱	کتاب
	گویا کل سات حضرات کے		۱۰	رسائل وکتب

کے مجموعہ کا نام ”محاسبہ قادیانیت جلد۲“ ہے۔ اس جلد میں چھ مسیحی حضرات کے اور ایک مسلمان کا رسالہ وکتب شامل ہیں۔

محتاج دعاء: فقیراللہ وسایا!

۲۹/ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱۴/ستمبر ۲۰۱۵ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

منارة البیضاء

جناب اکبر مسیح صاحب

دیباچہ

مولوی شیخ چراغ دین صاحب جموی مصنف رسالہ ’’منارۃ المسیح‘‘ نے ۴؍اپریل ۱۹۰۶ء کو انتقال فرمایا تھا۔ مرحوم نے اپنے حین حیات مرزا کادیانی کے اباطیل کا تصنیف مذکورہ و نیز دیگر تحریرات میں خوب ہی قلع قمع کیا اور آخری وصیت میں اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو یقین دلایا تھا کہ جو کام وہ شروع کر چکے، جاری رہے گا۔ چنانچہ عین اسی وقت سے گھر کے بھیدی ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے کادیان کے ابلیسی راز کو فاش کرنا شروع کر دیا اور سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔ جیسا ’’الذکر الحکیم نمبر۴‘‘ اور ’’المسیح الدجال‘‘ سے روشن ہو چکا۔ پھر ماہوار تجلی لاہور میں مرحوم کی یادگار سلسلہ چراغ دین برابر چھڑتا رہا اور یہ رسالہ ’’منارۃ البیضاء‘‘ بھی اسی عنوان کے تحت فروری و مارچ کے نمبران تجلی میں نکلا۔ لیکن چونکہ یہ بحث مرزا کادیانی کی تردید میں عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے لئے بہت دلچسپ ثابت ہوئی۔ اس لئے اب مرحوم کی یادگار میں علیحدہ چھاپ کر ایسی صورت میں شائع کی جاتی ہے کہ کل شائقین تک پہنچ سکے۔

یہ دونوں شخص یعنی مولوی (چراغ الدین) اور ڈاکٹر مذکور اپنے خیالات اور مذاق کے لحاظ سے بہت مختلف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن دونوں میں کوئی قدر مشترک ایسی تھی کہ ایک مرتبہ بقول شخصے ؎

گر پڑے اندھے کنوئیں میں چاہ نے دھوکا دیا

اور پھر جب اس گندے چوبچہ سے صحیح سلامت باہر نکلے تو اپنے اپنے جدا انداز سے دونوں نے اپنے ہم جنسوں کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ متنبہ کیا اور ایک نے اپنی موت سے دوسرے نے اپنی زندگی سے مرزائیت کو ایسا رسوا کیا کہ اب وہ پنجاب میں ’’عجلاً جسداً لہ خوار‘‘ ہو کر جیتی ہے۔ مگر مردار در آفتاب سے بدتر اور گو وہ مسلمانوں کے درمیان ایک فرقہ کی صورت اختیار کرتے رہے۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس کا وجود ویسا ہی ہے جیسا ہندوؤں کے درمیان اگھور پنتھ کا جس کے شمار کو بڑھانے والے قوم کے گھناؤنے لوگ ہوتے ہیں اور ہم کو یاد آتا ہے کہ چراغ دین نے کادیان کی یہ تعریف کی تھی۔ ’’ہر گندی روح کی چوکی اور ہر ناپاک اور مکروہ پرندے کا بسیرا۔‘‘ (تجلی مئی ۱۹۰۶ء)

ہندوستان کے سارے مسلمان، مرزا کو اس کے دعوؤں میں کاذب جانتے ہیں اور

مفتری علی اللہ و دجال کا پیشرو یا دجالوں میں سے کوئی ایک۔ اسی طرح تمام عیسائی بھی اس کو جھوٹا مسیح اور فریبی جانتے ہیں۔ یعنی ہر دو گروہ متفق ہیں کہ وہ شیطان کا سونٹا لنگوٹا ہے اور گویا راہ گلی کے روڑے بھی پکار رہے ہیں۔ بلکہ سوتے پڑے خود مرزا کادیانی کے کانوں میں یہی آواز گونجتی ہے کہ:

’’ویل لک ولا فک‘‘ (ریویو کادیان مارچ صفحہ آخر، تذکرہ ص۷۰۴، ۱۳؍مارچ ۱۹۰۷ء)

غرضیکہ جب ہم اس طرح اس کے کارنامہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ اس شخص کی ذات میں بھل منسیت کا اقل معتاد بھی مفقود ہو گیا جس کی اگر انتہاء درجہ کی رعایت کی جاوے تو اس کو کذاب کہنا پڑتا ہے۔ ہم کیونکر موتیوں کو سور کے آگے پھینک دیں۔ ہم کیونکر اس خطاب کو جس کے مستحق مولوی حافظ نذیر احمد سے بزرگ لوگ ہو سکتے ہیں کسی ناکس پر ضائع کریں اور کیوں ہم اپنے واثق یقین کو پوشیدہ کریں جس پر تمام مسلمان اور عیسائی بلکہ ہندو بھی آواز خلق نقارہ خدا کی طرح ایک زبان ہو رہے ہیں۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خداترس و راست باز لوگ بھی بلا الزام شیطان کو لعین اور مردود اور رجیم کہنے کے مجاز ہیں اور مسیلمہ کو کذاب کہنے کے۔

لائق اڈیٹر تجلی ہمارا شاکی ہے کہ ہمارا طرز تحریر ذرا سخت ہے۔ بعض دیگر احباب یہ شکایت کرتے ہیں کہ: ’’ہم تو توقع سے زیادہ مرزا کے ساتھ نرمی کرتے ہیں۔‘‘ ہم نہ اپنی درشتی کی معذرت کرتے ہیں اور نہ نرمی کی۔ مگر ہم اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے دل میں اسلام کی قرار واقعی عظمت ہے اور اس کے بزرگوں اور پیشواؤں کی بھی سچی عزت بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ بھی ہم مروت کا برتاؤ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو بھی ہم کادیانی کے دجل وافک سے بیزار ہیں اور اگر وہ ہمارے قلم اور زبان سے اس کا ایک حصہ (گو وہ بہت ہی تھوڑا حصہ ہو) پالیوے جس کا وہ مستوجب ہے تو ہمارے ناظرین کو متعجب نہ ہونا چاہئے۔

بنی آدم کی خوش قسمتی سے دجال وشیطان کے ایسے ظہور صدیوں کے بعد ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے پرانی کتابوں میں بھی ہم کو کوئی مفصل ہدایات نہیں مل سکتیں کہ ایسوں سے کس طرح خطاب کرنا مناسب ہے اور ان سے کلام کرنے کا کون سا طریقہ مسنون ہے۔ مارٹن لوتھر پراٹسٹنٹ مصلح کی نسبت روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیطان کس بھیس میں آپ کے روبرو آ کھڑا ہوا آپ لکھ رہے تھے سیاہی بھری دوات اٹھا کر اس پر پھینک ماری اور اس کا منہ کالا کر دیا۔ اسی طرح مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کو اتفاق ہوا شیطان نے آ کر آپ کو بے وقت جگا دیا تھا اور گو اس نے قابل تعریف انکساری سے جگا دینے کی مصلحت بھی سچ سچ بتا دی اور اپنی شیطنت کا اقرار بھی کر لیا۔

گفت نام فاش ابلیس شقیست

من حسودم از حسد کردم چنیں من عدوم کار من مکرست دکیں

تاہم حضرت معاویہؓ کا خطاب پر عتاب یوں ہوا۔

اے ابلیس خلق سوز فتنہ جو اے سگ ملعون جواب من بگو

اوراس کوراہ زن اوردزد لعین وغیرہ بھی کہا۔

ہم کو یقین کرنا چاہئے کہ حضرت معاویہؓ نے کچھ زیادتی نہیں کی۔ ورنہ شیطان جس کو کافی موقع تھا خود اعتراض کرتا یا حضرت معاویہؓ آپ کی طرف سے معذرت کرتے اور غالباً ان بزرگوں کے ایسے سلوک کو دیکھ کر ہمارے بعض دوست ہمارے طرز خطاب کی نرمی کے شاکی ہیں۔

منارۃ البیضاء

یعنی نزول مسیح وخروج دجال پر مسیحی اور محمدی خیالات کی تنقید اور کذاب[۱] کادیانی[۲] کی تردید

از: مصنف ضربۂ عیسوی

۱؎ ایڈیٹر ریویو نے اپنے مئی کے پرچہ میں راقم کی شکایت کی ہے کہ وہ ’’چار لاکھ معزز انسانوں کے ایک پیشوا کے نام کی بجائے بھی کذاب ودجال کا لفظ استعمال کرتا ہے۔‘‘ قطع نظر اس کے کہ اس کے مرید ۷۰ ہزار ہیں یا ایک لاکھ یا چار لاکھ یا کہ وہ حیوان ہیں یا انسان یا کہ ان میں کوئی معزز ہے یا سب کے سب مبتذل۔ ہم کو ایڈیٹر کی شکایت بیجا معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اپنے پیر کا نام لینے کی بجائے اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہنے پر اصرار کرتا ہے اور ۴۰ کروڑ عیسائیوں اور ۱۸ کروڑ مسلمانوں کے دل کا کچھ بھی خیال نہیں کرتا۔ جنہیں مقرر انسانوں کی کوئی کمی نہیں اور اگر وہ اپنے دل کے یقین کو زبان سے نکالتے نہیں ڈرتا تو اس کو کون سا حق ہے کہ ہم کو جو اس کو اس سے زیادہ کاذب سمجھتے ہیں۔ جتنا وہ اس کو صادق سمجھتا ہے اس کے کاذب کہنے اور لکھنے سے روکے۔ خصوصاً جب کہ یہ نام اس کے حق میں نہ صرف بہت سچا ہے۔ بلکہ مختصر بھی۔ جس سے ہندوستان میں کسی کو دھوکا نہیں ہوسکا۔ اگر ایڈیٹر ذرہ بھی غور کرتا (مگر افسوس وہ غور وفکر کرنے کا عادی نہیں) تو وہ خود سمجھ جاتا کہ ہم لوگوں کو اس کے پیر کو کاذب کہنے کا اس سے بھی زیادہ حق حاصل ہے جو اس کو مسیلمہ کو کذاب کہنے کا ہے۔ اہل اسلام کے درمیان یعنی اسلامی دنیا میں بڑے بڑے جید علماء کے فتوؤں سے اسے یہ خطاب ملا ہے اور دراصل دنیا اور دین میں یہی اس کی سب سے بڑی مکسوبہ جائیداد ہے۔ اس سے اب شرمانا بہت ہی بعد از وقت ہے۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

دوقومیں جو ۱۳۰۰ سو سال سے ایک دوسرے کی ہمسایہ ہوکر انگریز وفرانسیس کی طرح مخالف بنی رہیں اور کبھی گاڑی ناؤ پر کبھی ناؤ گاڑی پر حاکم بھی رہیں محکوم بھی۔ آخر ایک ہی خوشی کی امید میں شریک ہیں اور رمضان کے روزہ داروں کی طرح انتیسویں کی شام کو ایک ہی سمت گردن اٹھا اٹھا کر تاک میں لگی ہیں کہ عید کے چاند کی پہلی جھلک مل جائے اور ۳۰ دن کے کلفت کے بعد خوشی کے شادیانے بجائیں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں۔ وہ دوقومیں کون ہیں؟ عیسائی اور مسلمان۔ وہ چاند کون ہے؟ مسیح ابن مریم جس کے ظہور کے لئے بڑی بے صبری کے ساتھ دونوں چشم براہ بیٹھی ہیں اور گوان کا دل چاہتا ہے کہ مسیحا آ کر ہماری آرزوؤں کو اسی طرح پورا کردے جیسا ہم چاہتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کمینے لوگ دوسروں کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھالیتے ہیں۔ کسی بیوہ کا بچہ گم ہوگیا۔ ایک شہدے نے جھوٹ موٹ یہ کہہ کر کہ میں تیرے بچہ کا پتہ لگاؤں گا۔ دس پانچ روپیہ اس سے جٹ لئے کوئی بھلا آدمی بیمار پڑا عیار دوا فروشوں نے اس کو جاٹھ گا اور اس کی حالت اور برباد کردی۔ خود دیکھ لو طاعون کے زمانہ میں کتنے ٹھگ بیچارے لوگوں کے ہاتھ موسیٰ کی

حاشیہ گزشتہ صفحہ: ہم نے یہ نام اختصار کے لحاظ سے لکھنا شروع کیا۔ کیونکہ ہم طوالت نہیں پسند کرتے۔ یک گو ونیکو گو، ہاں اگر ہندوستان میں اس کی مانند کوئی دوسرا کذاب پیدا ہوگیا ہو تو وہ ہم کو فوراً خبر کرے۔ ہم اس میں ترمیم کردیں گے۔

۲؎ اس نام پر بھی ایڈیٹر نے اعتراض کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ''شخص اپنے غیظ میں اس طرح جلا ہوا ہے کہ کادیان کو دوسرے کمینہ مخالفوں کی طرح کادیان لکھ کر جی خوش کرتا ہے۔'' اس کو اتنا نہیں معلوم کہ تمام واقف کار شریف وغیر شریف اس موضوع کو کادیان کہتے اور لکھتے ہیں اور ان کو صحت کے لحاظ سے ایسا ہی کرنا چاہئے۔ سرکار دولت مدار سے بڑھ کر کون شریف ونجیب ہوسکتا ہے۔ اس کے نہایت معزز اور بکار آمد محکمہ ڈاک میں اس موضوع کی مہر کندہ ہے۔ پس جو نام اس کے موضع کو سرکاری دفاتر میں حکماً مل چکا ہے اس سے وہ کیوں شرماتا ہے اور اگر کسی بدروح نے خواب میں اس کو کادیان کا نام قادیان سنادیا تو اس کی غلط کاری کی سند پر اگر وہ سرکاری محرروں کو کمینہ کہے گا تو اس کی اپنی شرافت میں سرمو اضافہ نہیں ہوسکتا۔ پس اگر اب بھی کوئی شخص بھولے سے کادیان کو ق سے لکھے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ کبوتر کو قبوتر اور کوّا کو قوا کہے اور اگر ہم سے ایسی غلطی کبھی ہوئی ہے تو ہم اس کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

تعویذیں اور عیسیٰ کی مرہمیں بیچ بیچ کر دام کھرے کر رہے ہیں۔ اسی طرح بعض لمبی داڑھی[۱] والے فربہ بدمعاش بھولے بھالے عیسائی اور مسلمان دینداروں کی اس انتظاری سے نفع کمانے کی سوچتے ہیں اور اچھے خاصے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے بیسیوں آئے جنہوں نے اپنے آپ کو مہدی آخرالزمان بنا کر اپنا الّو سیدھا کیا۔ ایک خلق کی خلق ان کے پیچھے جا لگی اور ان پر اپنی جان قربان کر دی۔

خدا نے تو اپنے مسیح کی آمد کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور اس وقت سے پیشتر وہ نہیں آنے کا۔ ''لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون '' مگر بے صبری بری بلا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ وقت سے پہلے تشریف لے آویں اور یہ لوگ ضرور نادان ہیں جن کی ہوس ان کی فہمید سے بڑھی ہوئی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو ان عیاروں کا شکار بنتے ہیں۔

تین باتیں آپ کی آمد کے متعلق دونوں گروہ کے درمیان مسلم ہو چکی ہیں۔

ا...... یہ کہ آپ کی آمد مشتبہ نہ رہے گی۔ جب آپ نازل ہوں گے تو سب آپ کا خیر مقدم بلاچون وچرا بحیثیت مسیحائی کے کریں گے۔ ایسا نہ ہوگا کہ لوگ شک میں رہ جائیں کہ آپ مسیح ہیں یا نہیں۔ کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ جس طرح آفتاب جس کو چمگادڑ بھی مانتا ہے۔ گو آنکھ بند کر کے تاریکی میں جا چھپی۔ دوست ودشمن سب مانیں گے کہ آنے والے مسیحا آپ ہی ہیں۔ آپ ایسے جلال وقدرت کے ساتھ آویں گے کہ پھر اس کی ضرورت باقی نہ رہے گی کہ کوئی پادری صاحب یا مولوی صاحب ایک یا کئی ایک ضخیم کتابیں ان کی مسیحیت کے اثبات میں لکھیں اور جب منکرین کی طرف سے ان کا رد چھپے تو جواب الجواب کی تکلیف اٹھاویں اور جب اس میں بھی کامیابی نہ ہو تو بددعاؤں کا اکھاڑا جما کر مباہلہ کیا جاوے اور انجام کار حاکم وقت کے روبرو فریقین کا مچلکہ ہو جاوے اور مسیحیت جیسی کی تیسی مشتبہ رہ جاوے۔ حق بہت زمانے تک دبا رہا۔ باطل نے اکثر اس کو

۱؎ یہاں ہم نے عام تذکرہ کیا تھا۔ جس میں مرزا کادیانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ مگر اس سے ایڈیٹر ریویو نے اس کی طرف خاص اشارہ سمجھ کر ہم کو برا بھلا کہا۔ ہم نے مرزا کو کبھی نہیں دیکھا اور ہم کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ اس کی داڑھی لمبی ہے۔ جیسا اس اعتراض سے مستنبط ہوا بلکہ ہمارے ذہن میں تو اس کی وہی صورت تھی جو امرتسر کے مولوی ثناء اللہ نے دیکھی تھی۔ یعنی ''لکھنؤ کے شہدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور داڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئی۔'' (الہامات مرزا ص۵) چلو اچھا ہوا جو آپ نے داڑھی بڑھالی۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ داڑھی کا بڑھانا یا گھٹنا کذب کی کمی بیشی پر کیونکر مؤثر ہو سکتا ہے۔

مغلوب کر دیا۔ انبیاء کو جھٹلا دیا۔ رسولوں کو قتل کیا۔ لیکن مسیح حق کو تمام ناراستی پر، عدل کو ظلم پر، فتح دلانے آویں گے۔ لہٰذا اس دور میں وہی اگلی سی باتیں پھر نہ ہونے پاویں گی۔ بلکہ حق حق رہے گا اور غالب رہے گا۔ مسیح کو سب مانیں گے۔ کوئی مسیح کو جھٹلانے کا یارانہ کر سکے گا۔ اس ظہور میں آپ کی شان نرالی ہوگی۔

۲...... یہ کہ آپ کے زمانہ میں عدل وانصاف وآسودگی اور امن وچین بے اندازہ ہوں گے آپ ایک پرآشوب زمانہ کے بعد ظاہر ہوں گے جو کچھ فتنہ وفساد ہونا ہے سب ہو چکے گا۔ جس طرح گرمی خشکی طپش اور قحط کے بعد بارش آسمان سے گرتی ہے اور زمین سیراب ہوکر اپنا حاصل اچھال دیتی ہے اور ہر طرف سبزہ زار نظر آتا ہے۔ جس طرح حاملہ عورت کو پہلی پیڑیں لگتی ہیں اور بہت شدت سے، مگر بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی رفع ہوجاتی ہیں اور اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اسی طرح مادر دہر کو بھی پیڑیں لگیں گی۔ پہلے قحط وخشک سالی ہوگی۔ پھر ابن آدم ابر کرم کی طرح نازل ہوگا اور سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ تب سینے کینہ سے پاک ہو جاویں گے۔ بغض وعداوت وحسد ورشک معدوم ہوں گے۔ زمین صلح وسلامتی سے معمور ہو جاوے گی۔ جیسا حدیث شریف میں بھی وارد ہوا۔ ہر طرف ثواب ہی ثواب ہوگا۔ خیر وبرکت سے دنیا مالا مال ہوگی اور دوبارہ باغ عدن وفردوس کا نمونہ ہو جاوے گی۔ یعنی مسیح موعود دوبارہ تشریف لا کر کسی آدمی کی نصرت وحمایت کے محتاج نہ ہوں گے۔

۳...... یہ کہ آپ کی آمد کے اور آثاروں میں ایک یہ بھی ہوگا کہ جھوٹے مدعیان نبوت ومسیحیت ضرور اٹھیں گے۔ ’’**لا تقوم الساعة حتیٰ یبعث دجالون کذابون قریباً من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول اللّٰه** (مسلم) ‘‘ قریب تیس کے جھوٹے دجال برپا ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کو دعویٰ خدا کے رسول ہونے کا ہوگا۔ مگر جس طرح رات کے بعد دن ہوتا ہے گمراہی اور جھوٹوں اور موت کے بعد راہ اور حق اور زندگی کا تسلط ہوگا۔ انجیل شریف میں اپنی آمد کے متعلق خداوند مسیح نے بہت صاف صاف فرمایا: ’’تم تیار رہو۔ کیونکہ جس گھڑی تمہیں گمان بھی نہ ہوگا اس میں ابن آدم آوے گا۔‘‘ (متی ۲۴:۴۴)

پس آپ کا آنا وقعتاً ہوگا۔ قیامت کی ساعت کی مانند اور قرآن شریف نے اس معنے میں بھی آپ کو ’’**علم للساعة** (زخرف:۶۱) ‘‘ فرمایا۔ گو کچھ ایسے آثار بھی بتلا دیئے گئے ہیں جس سے ایماندار سنبھل بیٹھیں۔ ہوشیار ہو جائیں اور انتظاری میں سرگرمی کریں۔ پس جب کوئی ہمیں یہ کہتا ہے کہ بیسیویں صدی شروع ہوئی اور ان آثاروں میں کچھ آثار نظر آنے لگے جو اپنی

آمد کے خداوند نے بتلائے ہیں تو ہم خوشی سے اس کی سنتے ہیں اور چشم روشن اور دل شاد سے کہتے ہیں۔آمین!

اے خداوند یسوع آ۔ (مکاشفات۲۲:۲۰)

جنوری کے کادیانی ریویو میں بعنوان ''مسیح کی آمد ثانی'' ایک مضمون شائع ہوا جس کی طولانی اور یولیدگی کے لحاظ سے میرے ایک ظریف دوست نے وہ پرچہ مجھے یہ کہہ کر دیا۔''دیکھئے! یہ ایک مضمون شب فرقت کی طرح لمبا اور چڑیل کے بالوں کی طرح الجھا ہوا ہے۔'' میں اس مضمون کو پڑھ کر ہرگز اپنا وقت ضائع نہ کرتا۔اگر مجھے یہ اطمینان نہ دلایا جاتا کہ گذشتہ پندرہ برس کی مدت میں جو کچھ اس مسئلہ پر کادیانی اور اس کے یاران طریقت لکھ چکے یہ اس سب کا لب لباب ہے۔جس پر اب اور جلا ممکن نہیں اور شاید پھر بھی میں یہ گوارا نہ کرتا اگر مضمون کے عنوان ہی پر یہ لکھا نہ پاتا۔''مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی اے'' ہم نے سنا ہے کہ اس مذاق کے ایک بی.اے آگرہ میں بھی ہیں۔وہ صاحب نہیں جن کا ذکر خیر رتن ناتھ کے ہشو میں ہوا وہ شاید ایم.اے تھے۔

انجیل متی باب۲۴ میں ہمارے خداوند نے اس دوسری آمد کے ذکر میں یہ فرمایا ہے۔

۵...... ''کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور اپنے آپ کو مسیح کہیں گے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔''

۶...... اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کے افواہ سنو گے۔خبردار گھبرانا نہیں۔کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔لیکن اس وقت خاتمہ نہ ہوگا۔

۷...... کیونکہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔

۸...... لیکن یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہی ہوں گی۔

۱۱...... اور بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔

۲۱...... کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی کہ دنیا کے شروع سے نہ اب تک ہوئی نہ کبھی ہوگی۔

۲۳...... اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا۔

۲۴...... کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں۔

۲۵...... دیکھو میں نے پہلے ہی سے تم سے کہہ دیا۔

۲۶...... پس اگر وہ تم سے کہیں دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا۔ دیکھو وہ کوٹھریوں میں ہے تو یقین نہ کرنا۔

۲۷...... کیونکہ جیسی بجلی پورب سے کوندہ کو پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔

۳۳...... اس طرح تم بھی جب یہ سب دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔

شیر علی صاحب بڑے اصرار سے فرماتے ہیں: ''یہ تمام باتیں جو یسوع نے بیان کی تھیں غیر معمولی رنگ کے واقعات کے متعلق تھیں۔ اس پیشین گوئی کو اس طرز پر مطالعہ کر کے ہمیں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس کو پورا ہونے کے لئے خدا نے اسی زمانہ کو مقدر کیا ہوا تھا۔ یہ پیشین گوئی اس زمانہ میں بہت عجیب طریق سے پوری ہوئی۔ چنانچہ اخبار پایونیر کا فاضل ایڈیٹر ان حوادث کا ذکر کر کے جو سال ۱۹۰۶ء کے ابتدائی مہینوں میں واقع ہوئے تھے لکھا ہے کہ ایسے وحشت ناک عالمگیر تہلکے کی مثال پہلی صدی مسیحی سے لے کر آج تک کہیں پائی نہیں جاتی۔ (دیکھو پایونیر ۲۳/اپریل ۱۹۰۵ء) اس کیفیت سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ زلزلوں وغیرہ کے متعلق مسیح کی پیشین گوئی پہلی دفعہ اس زمانہ میں واقع ہوئی اور مسیح کی وفات کے بعد سے آج تک جو قریب دو ہزار سال کا زمانہ ہے اس طویل مدت میں کوئی ایسا حادثہ نہیں گزرا جو اس کا ثانی ہو سکے۔ ان زلزلوں اور مصائب کا ایک غیر معمولی اور نہایت خطرناک صورت میں آنا ہی ایسے امور ہیں جو ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حوادث سے یسوع مسیح کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔''

''ساری دنیا کے مختلف مقامات میں قحطوں وباؤں اور زلزلوں کی مصیبتیں احاطہ کر رہی ہیں۔ کیا کوئی شخص تواریخ میں کوئی ایسا زمانہ پیش کر سکتا ہے کہ جس میں اس قسم کے غیر معمولی حوادث مجموعی طور پر نوع انسان نے دیکھے ہوں اور جس میں یسوع کی پیشین گوئی ایسی عمدگی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیر علی صاحب نے نتیجہ نکالنے میں تعجیل کی ورنہ خداوند مسیح کے اس فرمودہ کو نہ بھول جاتے۔ ''یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہی ہوں گی۔'' (متی ۸:۲۴)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حودث جو ظہور میں آرہے ہیں ان حوادث کا دیباچہ بھی نہیں۔ بلکہ شاید محض بسم اللہ ہیں جو آنے والے ہیں جن کی نسبت خداوند نے فرمایا ہے۔ کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی کہ دنیا کے شروع سے نہ اب تک ہوئی نہ کبھی ہوگی۔ (متی ۲۱:۲۴)

اور ہمارا مخاطب اپنے متضاد اور پریشان بیانوں میں ایک جگہ خود ہی تسلیم کرتا ہے کہ: ''ابھی تو یہ اس وبا کی چھوٹی سی ابتداء ہوئی ہے۔ گزشتہ زلزلوں سے جس قدر تباہ کن خرابیاں دنیا

میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ ان خرابیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو دنیا پر آنے کے لئے پردۂ تقدیر میں ابھی مقدر ہیں۔‘‘

افسوس کی بات ہے کہ شیر علی نہ پایونیر کی سمجھا نہ انجیل کی اور نہ اپنی۔ کیونکہ پویونیر نے بتلا دیا کہ ’’پہلی صدی مسیح کے بعد‘‘ ایسی وحشت ناک عالمگیر تہلکے کی مثال نہیں ملتی۔ یعنی پہلی صدی میں اور اس کے قبل ملتی ہے۔ لیکن خداوند مسیح فرماتا ہے کہ پیشین گوئی والی مصیبتیں ایسی بے مثل ہوں گی کہ ’’دنیا کے شروع سے‘‘ کبھی ایسی مصیبتیں نہ ہوئی ہوں گی اور تم خود کسی مصیبت کبریٰ کے متوقع ہو پس موجودہ مصیبت مسیح کی پیشین گوئی کی تکمیل نہیں۔ گو اس کے پورا ہونے کے کچھ آثار دور سے نظر آنے لگے ہوں۔ پھر ہم ان جاہلوں یا ابلہ فریبوں کو کیا کہیں جو یہ بھی مانتے ہیں کہ اصلی بڑی بڑی مصیبتیں جو آنے والی ہیں ابھی تک آئی نہیں اور پھر پیشین گوئی کا پورا ہونا بھی بتلاتے ہیں۔ ان بعض نادانوں نے جلدی سے محض مبادیات کو تکمیل وعید سمجھ لیا۔ حالانکہ خداوند نے صاف فرمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی جب یہ سب دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے۔ (متی ۲۴:۳۳)

پس گو اب وقت ہو کہ ہم ان بڑے بڑے حوادث کے وقوع کے لئے تیار ہو بیٹھیں جن کے بعد مسیح خداوند تشریف لانے والے ہیں نہ یہاں نہ وہاں کہ بعض لوگ بعض لوگوں کو بتلائیں بلکہ آپ کا تشریف لانا آن واحد میں ہوگا۔ اچانک بجلی کی کوند کی طرح جس کی سب کو ایک چشم زون میں اطلاع ہو جاتی ہے۔ اندھوں تک کو اور ایک دوسرے کو بتلانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک اور بات بھی اس نزول کے متعلق ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں کہ آپ سب سے پہلے کہاں نازل ہوں گے۔ عیسائیوں کے درمیان مقام نزول کی نسبت عموماً سکوت ہے۔ گو اگلے زمانہ میں ایک فرقہ عیسائیوں کا تا جن کا پیر مشہور مؤمن ٹینس ہو گزرا جو کہتا تھا کہ ملک فرجیا میں مسیح نازل ہوں گے اور وہیں چل کر سب ایمانداروں کو بسنا چاہئے کہ وقت نزول فوراً مسیح کے استقبال کا شرف حاصل کریں۔ مگر اب عیسائیوں کو اس مقام کی بابت چنداں فکر نہیں اور جس طرح کوئی ٹھیک ٹھیک ساعت آپ کے نزول کے لئے مقرر نہیں ہو سکی ان کی دانست میں کوئی ٹھیک مقام بھی نہیں مقرر ہو سکتا۔ وہ لوگ اسی بات پر قانع ہیں کہ جب آپ تشریف لاویں اور جہاں ہم کو خبر ہو جاوے گی کیونکہ آپ سب کے یکساں ہادی ہوں گے۔ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گڈریا ہو جاوے گا۔ مگر ہمارے مسلمان بھائیوں نے حدیث شریف کی بناء پر نزول مسیح کے لئے منارۃ البیضاء دمشق کو تجویز کر رکھا ہے اور ہم کو کوئی امر ان کے اس خیال کی مخالفت کرنے پر برانگیختہ نہیں کرتا اور میں

ایک پہلو سے اس کے قبول کرنے پر طبیعت کو آمادہ پاتا ہوں۔ دمشق دنیا کی تاریخ میں سب سے قدیم شہر ہے جو آج تک صفحۂ ہستی پر برقرار رہا۔ گو سچ ہے ہزاروں شہر کے اور گاؤں کے نشان یوں مٹ گئے کہ جیسے مٹیں پاؤں کے نشان۔ مگر دمشق باقی ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ آخر تک باقی رہے۔ حضرت یحییٰ کا مزار بھی یہیں بتایا جاتا ہے اور کلیسیا کی تاریخ میں بھی اس شہر کی شہرت ایک عظیم الشان واقعہ کی بدولت قائم ہوگئی ہے اور وہ بھی خداوند مسیح کے ظہور کے ساتھ یعنی آپ کا ایک جلالی نزول سولوس پر جو بعد میں مقدس پولوس ہوئے اسی شہر میں ہو چکا ہے۔ پس کوئی امر مانع نہیں کہ کیوں آپ دوبارہ پھر اسی شہر میں نازل نہ ہوں۔ جو آپ کے اس جلال کی جھلک پا چکا جو آنکھیں چکا چوند کر دینے والا ہے۔ دشمنوں کو سرنگوں گرا دینے والا اور اس کی مسیحیت منوا لینے والا وہ جلال جس سے اس کی آنکھیں سیر نہیں ہوئیں۔ دمشق قدیم ترین شہر گویا ساری دنیا کا مختار بن کر مسیح کی نصرت وفتح کا نمونہ پا چکا تو اب جب وہ اپنے اس جلال کو کمال تک پہنچائیں گے تو کیوں وہیں سے نہ شروع ہو جہاں سے باقی داشتہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

شاید عیسائیوں کو آپ کا نزول اس شہر کی ایک نامی مسجد کے اوپر ناپسند ہو۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر آپ دمشق میں نازل ہوں تو آپ کا مبارک قدم پہلے مسجد ہی میں پڑنا چاہئے۔ پولوس کیسے سخت دشمن آپ کے لوگوں کے تھے۔ مگر آپ کسی دوست پر اس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔ بلکہ دشمن پر اور نتیجہ یہ ہوا کہ جانی دشمن آپ کا اور آپ کے لوگوں کا جانی دوست بن گیا۔ پھر جب آپ کا نزول اسی لئے ہوگا کہ بچھڑے ہوئے مل جاویں۔ دشمن دوست ہو جاویں تو مسجد پر نازل ہوکر...... گویا آپ ایک دوسرے سولوس کو پولوس بنادیں گے اور تب مسلمانوں سے ملنے کے لئے عیسائی خنانیا کی طرح جانے پر مجبور کئے جائیں گے۔ خداوند کہیں نہ کہیں ضرور نازل ہوں گے۔ پس آپ اگر دمشق میں نازل ہوں اور جامع دمشق میں تو اس سے میرے دل کو بڑی خوشی ہوگی اور میں اس جامع دمشق کو سینٹ صوبیہ کے گرجے کا نعم البدل سمجھوں گا۔

ایک اور بات ہے خداوند کے نزول کے متعلق جس کا ذکر حدیث میں تاکیدی ہے اور ظاہراً عیسائیوں کے لئے ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ یعنی قتل خنزیر اور کسر صلیب لیکن اگر دوستی کے خیالات کے ساتھ فکر کیا جاوے تو یہ بھی لطف سے خالی نہیں۔ مسلمان عموماً عیسائیوں کی نسبت صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سور کھاتے ہیں۔ اس لئے قتل خنزیر سے وہ سمجھتے ہوں گے کہ عیسائیوں کو رنج ہوگا اور حضرت مسیح گویا عیسائیوں کو دق کریں گے۔ جس سے مسلمانوں کے جی ٹھنڈے ہوں گے۔ یہ خیال بہت ہی عامیانہ ہے اور مروت سے بعید اور نزول مسیح کے اغراض کی

منافی۔ بھلا اس سے عیسائیوں کا کیا ہرج۔ اگر مسیح نے سوروں کو قتل کیا تو سور کھانے والوں کی اور بھی بن آئے گی۔ ایک تو سور مفت کا پھر وہ بھی مسیح کے ہاتھ کا مارا ہوا۔ ہم خرما ہم ثواب لیکن مسیح کا آنا تو اس لئے ہوگا کہ آپس کا بغض وعداوت دور ہو جاوے۔ اگر قتل خنزیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان خوشی مناویں کہ عیسائی دق ہو رہے ہیں یا عیسائی افراط سے سور کھا کھا کر مسلمانوں کو چڑاویں تو گویا باہمی حسد اور بڑھ گیا اور نزول ثانی کا مقصد فوت ہوا۔ ہاں ممکن ہے کہ اس وقت سور اس لئے معدوم کئے جاویں کہ مسلمانوں کو اور نیز یہودیوں کو جو اپنی تعصبات میں مسلمانوں سے بھی زیادہ پختہ اور سخت جان ہیں۔ عیسائیوں کے سات شیر وشکر ہونے میں کچھ تامل نہ ہو۔ پھر عیسائیوں کو منع کر دیا جاوے کہ اپنے ان بھائیوں کی خاطر اس کا کھانا ترک کردو اور مقدس پولوس کی نصیحت بھی موجود ہے۔ کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائے گا۔ کیونکہ اگر نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اگر کھائیں تو کچھ نفع نہیں۔ لیکن ہوشیار ہوا ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ آزادی کمزوروں کی ٹھوکر کا باعث ہو جائے۔ اس سبب سے اگر کھانا میرے بائی کو ٹھوکر کھلائے تو میں ہرگز کبھی گوشت نہ کھاؤں تا کہ اپنے بھائی کی ٹھوکر کا باعث نہ ہوں۔ (خط بنام کرنتھی باب ۸)

پس اگر سور ہی پر تکرار ہے اور اس کے رہتے ہوئے یہودیوں اور مسلمانوں کے دلوں میں آشتی ومحبت نہیں پیدا ہوسکتی تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں کہ سور کھانا عیسائی قطعاً چھوڑ دیں۔ یا وہ گائے کا گوشت کھانا بھی چھوڑ دیں۔ تا کہ ہندو بھی ان کے ساتھ ایک ہو جاویں۔ کیونکہ مسیح کے ایک گلہ میں سب قوموں کو شریک ہونا ہے۔ پس ہم مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم کو قتل خنزیر سے ذرہ بھی تردد نہیں۔ اگر عداوت کا خبیث خدا کے بندوں کو چھوڑ کر سوروں کی ہلاکت کا باعث ہو جاوے کہ بھائیوں کے دل آپس میں صاف ہوں اور وہ گڈرینی دیوانہ کی مانند چنگے ہو جاویں۔ لیکن میرا گمان ہے کہ اس وقت تک سب قوموں کی اصلاح ہو جاوے گی یا عیسائی ازخود سور کھانا ترک کر دیں گے۔ یا مسلمان اس کو کوئی بناء مخاصمت نہ سمجھیں گے اور سوروں کی قتل عام کی ضرورت لاحق نہ ہوگی۔

ہاں! کسر صلیب میں کچھ مشکل ضرور ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیوں صلیبوں کو توڑیں گے۔ لیکن اگر آپ ایسا کریں تو کچھ مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ جب ہمارا مسیح مصلوب ''جو جہاں کے گناہوں کے لئے قربان ہوا۔'' آپ ہمارے درمیان موجود ہوگا تو پھر اس وقت لکڑی یا پتھر یا سونے چاندی کی صلیب کی ہم کو کیا ضرورت ہوگی۔ اگر سچ پوچھو تو ہم صلیبوں کے توڑے جانے کے بھی پہلے سے عادی ہو چکے ہیں۔ پیوری ٹن لوگ جو نرے زاہد تھے اور دین دین پکارتے

تھے انہوں نے لاکھوں صلیب توڑ ڈالی تھیں۔ پھر اس میں بھی کلام نہیں کہ صلیب کے متعلق بعض لوگوں نے بہت سی بت پرستی کی رسوم پیدا کر رکھی ہیں کہ جن کا مٹانا شاید صلیب کے مٹائے بغیر مشکل ہو۔ غرضیکہ ہم کو اس پر اصرار نہیں کہ جب ہمارے خداوند یعنی مسیح مصلوب خود ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں اس وقت بھی صلیب بحال رہے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب مسیح خدا کی ہیکل ہمارے درمیان موجود ہوگی تو اس وقت ہم کو گرجوں کی بھی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔ آسمان پر نہ کوئی صلیب ہے نہ کوئی گرجا اور جب آسمان کی بادشاہت زمین پر مسلط ہو جائے گی تو مقدسوں کی رفاقت کے لئے گرجوں اور صلیبوں کی ضرورت اٹھ جاوے گی۔ پس قتل خنزیر اور کسر صلیب اور نزول دمشق میں بھی ہم ایک سچائی پوشیدہ پاتے ہیں...... اور ہماری اس سے زیادہ آرزو نہیں۔ یعنی صلیب کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ اس کو توڑے تو وہی توڑے جو صلیب پر چڑھا تھا۔ پس معلوم ہو جاوے کہ سوروں کے قتل سے ہم کو مطلق غم نہیں اور ان ظاہری صلیبوں کے مٹ جانے سے کوئی تردد نہیں۔ خاص کر اس وقت جب کہ خداوند ہمارے ساتھ ہوگا وار وہ صلیب جو ہمارے دل میں اور ہماری پیشانی پر ہے وہ ٹوٹ نہیں سکتا اور اس سے اسلامی پیشین گوئی کے الفاظ کو کوئی بحث نہیں۔

ہم اپنے مضمون سے کچھ دور جا پڑے اور پھر وہی سلسلہ چھیڑتے ہیں۔ ناظرین ذرہ غور سے سنیں۔ خداوند کی پیشین گوئی میں بھی صاف صاف لکھا ہے کہ آپ کے نزول وظہور کے قبل انہیں بلاؤں میں جو آنے والی ہیں ایک یہ بھی ہوگی کہ بہت سے جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے جن میں بعض بڑے بڑے نشان اور اچنبھے بھی دکھلائیں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ پس جہاں ہم مری وبا کال بھونچال اور جنگ کو دیکھیں گے جن کی خبر دی گئی وہیں ہم جھوٹے نبیوں اور جھوٹے مسیحیوں کو بھی دیکھیں گے اور ان کی گمراہ امتوں کو۔ جس طرح ان کا آنا لفظاً اور حقیقتاً برحق ہے۔ ان کا بھی اسی معنی میں۔ تاویلی معنے نہ ان کے لئے ہیں نہ ان کے لئے۔ ہو نہیں سکتا کہ امن وسلامتی، فتنہ وفساد کے آئے بغیر نصیب ہو یا سچا مسیح ان جھوٹوں کے آئے بغیر آجاوے۔ پہلے ظلمت کا دور ہے پھر نور ہدایت کا۔ پس اگر یہ حوادث وہی بتلائے جاتے ہیں جو مسیح کی آمد ثانی کے مبادی ہوں گے تو شیر علی بی۔اے کا فرض ہے کہ براہ مہربانی ہم کو وہ یہ بھی بتلا دے کہ جھوٹے مسیح کہاں ہیں جن کا آنا ضرور ہے یا آیا ان کی کوئی لین ڈوری آئی ہے جس کی نسبت ہم سے ”کوئی کہے گا کہ دیکھو مسیح یہاں ہے۔“ اور جس کی نسبت خداوند مسیح نے تاکید سے فرما دیا۔ ”تم اس کا یقین نہ کرنا۔“ خداوند مسیح کا یہی فرمودہ ہے اور تم نے خود مان لیا کہ ابھی اور

خرابیاں آنے والی ہیں جن کے مقابلہ میں وہ جو گذر چکیں کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا جب وہ گذر چکیں گی اور جب وہ کذاب آلیں گے تب ہم سچے مسیح کی خیر مقدم کرنے کو اٹھیں گے اور جان جائیں گے کہ: ’’وہ قریب ہے ہاں دروازہ پر۔‘‘

پس ماننا پڑا کہ یہ زمانہ جھوٹے مسیحیوں کا یا کم سے کم ان کے پیشروؤں کا ہے نہ سچے مسیح کا۔ اب ہم کو تیار رہنا چاہئے کہ کسی جھوٹے مسیح کی طرف اشارہ کر کے کوئی کہنے والا کہہ دے کہ ’’دیکھو مسیح یہاں ہے۔‘‘ مسلمانوں اور عیسائیو کان لگاؤ۔ سن لو۔ اس کا اک نقیب فی الحقیقت یہ کہتے ہوئے سنائی دیتا ہے۔ ’’وہ جس کے ظہور کا زمانہ پہنچا ہوا ہے کہاں ہے؟ تو اس بات کا پتہ ہم دیتے ہیں کہ وہ کادیان میں نازل ہو چکے ہیں۔‘‘ یہ شہادت ہے ایک جھوٹے کے دوسرے جھوٹے کے حق میں۔ مگر مسیح خداوند کی نصیحت موجود ہے۔ ’’تم ان کا یقین مت کرنا۔‘‘ اور ہر ایماندار مسلمان اور عیسائی فی الحقیقت کہہ رہا ہے: ’’اے شیطان دور ہو۔‘‘ جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ جھوٹا نبی یا جھوٹا مسیح صرف کوئی ایک ہی نہیں اٹھان ہے۔ بلکہ بہت سے اور حدیث میں ان کا شمار تیس بتلایا گیا اور ان سب کے بعد اصلی حقیقی مسیح کا ظہور ہے اور یہ ظہور اکیلا ہے تو ہم سچے مسیح سے ملنے کی جلدی نہیں کرتے۔ کیونکہ ابھی تو بہت بڑی وبائیں اور بہت بڑے بھونچال بھی نہیں آئے اور جھوٹا مسیح۔ لیکن سب سے چھوٹا، صرف ایک ہی اٹھا ہے جس کا پتہ شیر علی نے کادیان میں بتلایا۔ ابھی ہم اور جھوٹے مسیحوں کے منتظر ہیں جس طرح اور وباؤں اور زلزلوں کے۔ کادیان والا کذاب بھی اور مسیحوں اور وباؤں کے آنے کا قائل ہے اور اس کا یار غار نورالدین بھی گواہی دیتا ہے کہ مرزا نے ’’مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ممکن ہے مثیل مسیح بہت آویں۔‘‘

(ازالہ اوہام ص ۴۸۸، خزائن ج ۳ ص ۳۶۲، اور اس کے آخر میں نورالدین کا خط ص ۱۱)

پس ہم کو ماننا پڑا کہ جھوٹے مسیحوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور چونکہ اس زمانہ میں مسیح ہونے کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔ بجز کادیانی کے اس لئے ہم کو بھی ماننا پڑا کہ وہ جھوٹے مسیحوں میں سب سے پہلا ہے گو سب سے چھوٹا اصلاح حدیث میں جھوٹے مسیح کو مسیح کذب اور مسیح الدجال کہتے ہیں تو ابھی ۲۹ دجال اور آنا چاہئے۔ ایک سے ایک بڑھ کر سب سے بڑا دجال آخری ہوگا۔ جس کے خروج کے بعد مسیح خداوندی نازل ہوں گے اور اس کو مع اس کے فتنہ کے نیست کریں گے۔ رہے یہ چھوٹے موٹے دجال جو حشرات الارض کی طرح اس گاؤں میں اور اس گاؤں میں

پیدا ہوا کریں گے ان کی قلع قمع کے لئے محمد کے امتی اور مسیح کے امتی جو دونوں سچے مسیح کی آمد کے منتظر ہیں کافی سے زیادہ ہیں۔ مرزا کادیانی کو ہم نے بہت ہی چھوٹا دجال ادنیٰ قسم کا یعنی دجال کو چک کہا اور شاید محمد علی ایم.اے اور شیر علی بی.اے کی افہام یہ بات سمجھنے سے قاصر رہیں۔ اس لئے ہم وجہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ جو ہم نے کہا تو کیوں۔ جو بڑے بڑے دجال آویں گے وہ حیرت انگیز نشانات وکرامات دکھلاویں گے۔ ایسے کہ ممکن ہے کہ بعض برگزیدہ لوگ بھی بہک جاویں اور اس کے پھندے میں آجاویں اور اس کو مسیح مان لیں۔ مگر مرزا کادیانی نے نہ کوئی نشان دکھلایا نہ کوئی کرامت کی۔ صرف بے حیائی کی باتیں بکیں اور ڈینگیں ماریں۔ جتنی ہی فاش شکستیں اٹھائیں اتنے ہی آفت کے اشتہار روئے اور اس کی مسیحیت کی ساری کامیابی بس یہ رہ گئی کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے ایک زبان ہوکر اس کو ملعون اور کذاب ٹھہرادیا۔ گویا دور سے شکل دیکھتے ہی پہچان گئے کہ دجال کی سواری آئی۔ ہاں! ان چھ کروڑ مسلمانوں میں یعنی صرف ہندوستان میں (ہم اسلامی ممالک کے مسلمانوں کا ذکر نہیں کرتے) کچھ تھوڑے سے لوگ اس کو مسیح مان بیٹھے۔ جن کا شمار اس جگہ کسی ایسی کسر اعشاریہ سے بھی نہیں دکھلایا جاسکتا۔ جس کا اندازہ معمولی اور اوسط درجہ کے مسلمان کو ہو سکے اور وہ بھی پیر پرستوں قبر پرستوں، خام خیال نیم مسلمانوں میں جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ ان میں اور غیر مسلمانوں میں اصلی مابہ الامتیاز کون شئے ہے۔ ہاں! ان میں دو چار لوگ ایسے بھی ہیں جن کے نام کے پہلے مولوی لگا ہوا ہے یا بعد میں بی.اے یا ایم.اے جو بڑی بڑی کتابیں لکھ لکھ کر اس کی مسیحیت کا اثبات کیا کرتے ہیں۔ لوگوں کا گمان ہے اور غالباً سچ ہے کہ اگر یہ لوگ مجذوب اور مخبوط نہیں تو صرف بھاڑے کے ٹٹو ہیں۔ مگر ہم ان کو پہلی قسم میں شمار کرنا زیادہ قرین مروت سمجھتے ہیں۔ اس کی دجالیت وکذابیت کے تو لوگ بلادلیل قائل ہیں۔ جس طرح آفتاب کے وجود کے۔ لیکن اس کی مسیحیت پر چند دلائل کے بہانے ہیں جو صرف نورالدین یا شیر علی یا محمد علی کے پاس ہیں جن کو آج تک وہ دکھلا نہ سکے اور جب دکھلایا شرمندہ ہوئے اور جب ان کو کسی نے پاس سے تجربہ سے بس کر، کس کر دیکھ لیا تو مولوی چراغ دین جموی اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی طرح ؎

ہوا گھر کو روانہ پڑھ کے لاحول

اور وہ چند بزرگ بھی جن کا نام نامی اوپر آیا جب سینہ پر ہاتھ رکھ کر مرزا کادیانی کی تصدیق کرتے ہیں تو ہم کو صائب کا شعر یاد آتا ہے ؎

بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند[1]

اب اور سنئے یہ جو معدودے چند اس کے امتی ہیں یہ بھی شامت کے مارے سب کے سب برگزیدوں سے یعنی مسیحوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ ایک بھی آپ کے دام تزویر میں نہ آیا۔ گو ان میں بیسیوں مسلمان ہوگئے۔ آریہ ہوگئے۔ ہندو ہوگئے۔ بدھ ہوگئے۔ عیسائیوں کی طرح سے جس قدر ناکامی آپ کو نصیب ہوئی وہ بلا مبالغہ آپ کی کرامت ہے جس سے مسلمانوں نے بھی ہدایت پائی اور اس بات کو آپ کا دل ہی خوب جانتا ہے۔

اس ناکامی کا حال ایک شمہ میں یہاں واسطے تفریح ناظرین بیان کئے دیتا ہوں۔ پہلے عیسائیوں کی کامیابی کا حال سنئے۔ بلکہ اپنے کہے ہوئے کو یاد کیجئے: ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس ملک ہند میں ایک لاکھ کے قریب لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور چھ کروڑ اور کسی قدر زیادہ اسلام کے مخالف کتابیں تالیف ہوئیں اور بڑے بڑے شریف خاندانوں کے لوگ اپنے پاک مذہب کو کھو بیٹھے۔ یہاں تک کہ وہ جو آل رسول کہلاتے تھے وہ عیسائیت کا جامہ پہن کر دشمن رسول بن گئے۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۱، خزائن ج ۵ ص ۵۸)

''لیکن عیسائی قوم اس زمانہ میں چالیس کروڑ سے کچھ زیادہ ہے اور بڑے زور سے اپنے دجالی خیالات کو پھیلا رہی ہے اور صدہا پیرایوں میں اپنے شیطانی منصوبوں کو دلوں میں جاگزیں کر رہی ہے۔ بعض واعظوں کے رنگ میں پھرتے ہیں۔ بعض گوئیے بن کر گیت گاتے ہیں۔ بعض شاعر بن کر تثلیث کے متعلق غزلیں سناتے ہیں۔ بعض جوگی بن کر اپنے خیالات کو شائع کرتے پھرتے ہیں۔ بعض نے یہی خدمت لی ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اپنی محرف انجیل کا ترجمہ کر کے اور ایسا ہی دوسری کتابیں اسلام کے مقابل پر ہر زبان میں لکھ کر تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۴۷، خزائن ج ۵ ص ۳۴۷)

---

[1] ایڈیٹر ہم سے پوچھتا ہے کہ چار لاکھ معزز انسانوں کو جماعت پر خرے چند کا لفظ صادق آتا ہے یا گیارہ ماہی گیروں پر۔ اور ہم خوشی سے اس کو بتلائے دیتے ہیں کہ چار لاکھ پر۔ کیونکہ ان گیارہ کا انصار اللہ ہونا اور مرسلین ہونا خود تمہارے نزدیک ایسی آسمانی شہادت سے ثابت ہے جس کا انکار کرنا کفر ہوتا ہے۔ مگر کیا کوئی ایسی ہی معتبر شہادت تم پیش کر سکتے ہو جس کی رو سے ان چار لاکھ میں سے کسی کو گدھا سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ خفا ہو کر حواریان مسیح کی نسبت یہ گستاخی کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تئیں مسلمان بتلاتے ہیں تو لاریب خرے چند کی ان میں کمی نہیں۔ کیا یہ گدھا پن نہیں کہ ان میں سے کوئی مرزا کادیانی کے حق میں اپنی تصدیق کو اس پایہ کا سمجھے جیسا کہ حواری کا مسیح کی تصدیق کرنا۔

’’اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ غالب آگئے اور ان کا مذہب زمین پر بہت بڑھ گیا اور زمین کے کناروں تک پھیل گیا اور ہر ایک بلندی زمین کی ان کے حصہ میں آگئی۔‘‘

(نور الحق حصہ اوّل ص۶، خزائن ج۸ص۹)

’’لاکھوں آدمی دجالی (یعنی پادریوں کے) مذہب میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۴۹۶، خزائن ج۳ص۴۹۶)

’’نہ ستر ہزار بلکہ ستر لاکھ سے زیادہ متفرق ملکوں میں لوگ دین اسلام سے انحراف کر چکے ہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۷۴۳، خزائن ج۳ص۴۹۴)

پھر آپ ضمیمہ ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء میں اپنے وجود کی علت غائی یہ فرماتے ہیں: ’’اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے۔‘‘

’’اور اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور نیز اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کے لئے جو بغیر تائید الٰہی دور نہیں ہوسکتی۔ عیسائیوں کے فلسفانہ حملہ اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں جن کے دور کرنے کے لئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۱، خزائن ج۵ص۳۴۱)

اچھا صاحب! عیسائی جو: ’’چالیس کروڑ سے کچھ زیادہ۔‘‘ موجود ہیں تو آپ نے ان کی گنتی میں کیا کمی کردی۔ ان کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ بھی تو آپ نہ نکال سکے۔ خیر اسے جانے دیجئے۔ آپ ہی بتلادیں کہ دنیا کے ’’عام لوگوں‘‘ میں سے وہ کون امتیں ہیں جو آپ کی کوششوں سے ’’اسلام کی طرف مائل ہوگئیں۔‘‘ روس؟ جرمنی؟ انگلستان؟ فرانس؟ چین؟ جاپان؟ آپ ’’عراق اور عرب اور ایران وافغانستان مصر وشام ومشرقی افریقہ وبربر۔‘‘ کی طرف نہ دوڑیں۔ پہلے پنجاب ہی کو دیکھ لیں جو اسی ہندوستان میں ہے جہاں آپ طاعون کے ساتھ پیدا ہوئے۔ ان بیس کروڑ عام لوگوں میں اسلام کو آپ نے کتنا پیارا بنادیا۔ آریوں میں، سکھوں میں، ہندوؤں میں، عیسائیوں میں؟ عیسائی مذہب نے: ’’جو جو غلطیاں وگمراہیاں پھیلائی ہیں۔‘‘ ان میں سے

کون کون سی آپ نے دفع کر دی کہ جس پر کسر صلیب کا اطلاق آپ کی اصطلاح میں ہو سکے۔ عیسائیوں کے حملوں سے آپ نے اسلام کو کیا بچالیا۔ ہاں! ایمان کی بات ہے کہ اسلام پر آپ ہی نے ایسے ایسے حملے کرائے۔ جیسے کبھی بھی نہ ہوئے تھے حتیٰ کہ انگریزی رسالہ گرائی آف پین یعنی دردزہ میں آپ کو آٹھ آٹھ آنسو رونا پڑا اور آج تک ان کے سو حملوں سے ایک کو بھی آپ دفع نہ کر سکے۔ غرضیکہ وہ خاص کام جس کا پورا کرنا آپ نے اپنا خاص منصب بتلایا تھا۔ اسی کو آپ نے نہ کیا بلکہ الٹا اور بگاڑ دیا۔ غرضیکہ آپ ایک انڈا تھے جو گندہ ہو گیا۔ خود آپ کو اعتراف ہے کہ پادری لوگ متفرق ملکوں میں ''ستر لاکھ سے زیادہ'' مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرا چکے۔ پھر کیا آپ اس ستر لاکھ کے سترویں حصہ کو بھی اپنی ستر برس کی عمر میں اسلام میں واپس لوٹا لائے۔ اچھا صاحب! آپ ہم کو کوئی دس ہی گنا دیں۔ ان ''بڑے بڑے بزرگوں اور پادریوں کی اولاد بڑے بڑے خاندان کے'' آدمیوں سے جن کو آپ دوبارہ عیسائی دین سے اسلام میں پھیر لائے۔ اسی برتے پر عیسائیت کے غلبہ توڑنے کا وہم! اور ان کے فلسفہ کو دلائل قویہ کے ساتھ توڑنے کا حوصلہ اور لفظ فلسفہ آپ کی زبان پر۔

آپ کی ناکامی پر تو ہم آپ کو بہت شرمندہ کر چکے۔ اب آپ کی کامیابی کا حال بھی سنائے دیتے ہیں۔ مگر یہ معرکہ آرائی آپ کی خدمات کے پروگرام میں داخل نہیں تھی۔ یعنی چند ہزار مسلمانوں کو آپ نے گمراہ کر لیا اور باقی چھ کروڑ کو کافر ٹھہرادیا اور ان کے علماء اور مشائخ پر لعنت کی اور کرائی یعنی رہی سہی جو کچھ برائے نام مسلمانی باقی رہ گئی تھی اس کا بھی آپ نے نام مٹا دیا۔ یورپی سلطنتوں میں ٹرکی کو ''مرد بیمار'' کہتے ہیں جو حالت نزع میں ہے ؎

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مگر ہمارے نزدیک ٹرکی اسلام نہیں گو اسلام کی تلوار کی یادگار ہے۔ ٹرکی کی بیماری یا موت اسلام کی بیماری یا موت نہیں۔ لیکن آپ نے اسلام کی یہ تعریف ہندوستان کو سنائی۔ ''تھوڑے دن گذرے ہیں کہ ایک مدقوق اور قریب الموت انسان مجھے دکھائی دیا اور اس نے ظاہر کیا کہ میرا نام دین محمد ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ دین محمدی ہے جو مجسم ہو کر نظر آیا اور میں نے اس کو تسلی دی کہ تو میرے ہاتھ سے شفا پا جاوے گا۔'' (ازالہ اوہام ص۲۱۴، خزائن ج۳ ص۲۰۶)

واویلا اس مریض پر جس کے معالج آپ ہوں تو اب صرف وہی چند ہزار مرزائی صفحہ روزگار پر مسلمان رہ گئے۔ جنہوں نے آپ کا پیالہ پی لیا اور کادیان کو اپنا قبلہ بنا کر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فٹ بال بنے ہوئے ہیں۔ کبھی ادھر پادری کی ٹھوکر کھائی۔ کبھی ادھر مولوی

کی اور لعنتیں دونوں طرف سے ایسی ملیں کہ کادیان کے مکانوں پر کھپروں کی ضرورت نہ رہی۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ مرزادارو
وائے گردر پس امروز بود فردائے

مگر ہم آپ کی درازیٔ عمر کی دعا مانگتے ہیں۔ اگر آپ کا دم نہ رہا تو یہ کھیل مٹ جائے گا۔ اب اس کھلی ہوئی حقیقت کو دیکھ کر پھر بھی کامیابی کا نام لینا ایک ایسی بے شرمی و بے غیرتی ہے جو صرف کسی دجال ہی کا حصہ ہوسکتی ہے اور آپ کو سب لوگوں نے پہچان لیا۔ مسلمانوں نے بھی اور عیسائیوں نے تو خوب ہی، بودھ لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی بدھ دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس میں ۳۲ بڑی علامات اور ۸۰ چھوٹی علامات ایسی ہوتی ہیں کہ جس سے وہ فوراً پہچانا جاتا ہے۔ آپ میں اس سے بھی دو چند ایسے علامات موجود ہیں کہ کبھی کسی کو دھوکا نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے مقابل میں آپ کو اگر کچھ کامیابی ہوگئی ہے تو ہوگئی۔ مگر یہ بات سب کو معلوم ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو خاص طور پر کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں آپ بہت ہی بے آبرو ہوئے۔

عبداللہ آتھم مرحوم کا نام سن کر آپ کے بدن پر رعشہ آجاتا ہے۔ مناظرہ کے بعد آپ نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ پندرہ ماہ میں مرجاوے گا۔ وہ جیتا جاگتا بچہ اور جو رسوائی آپ کو نصیب ہوئی خدا دشمن کو بھی اس سے بچائے۔ آپ کا قصیدہ گواہ ہے کہ کس طرح لوگوں نے آپ کے ساتھ نثر اور نظم سے ہولی کھیلی تھی اور آپ کو نہلایا تھا۔

”میرا دل مہتمان اور ایڈیٹران کی ایذا سے دکھ گیا اور ان کی باتوں سے پارہ پارہ ہوگیا۔ انہوں نے بڑے جور سے اپنی زبان میری مذمت میں کھولی اور ان کی گرفت کی شدت سے میں رسی کی طرح بل کھا کھا کر بٹا گیا۔ انہوں نے پکار دیا کہ یہ کذاب ہے اور ہر کاغذ کو انہوں نے میری بدگوئی سے پر کردیا اور جس طرح زخمی رات کاٹ کر صبح کرتا ہے میرا بھی وہی حال ہوگیا۔“

(انجام آتھم ص ۲۰۷، ۲۰۸، خزائن ج ۱۱ ص ۲۰۸)

یہ لوگ کون تھے جنہوں نے آپ کو بہ آواز دہل کذاب پکار دیا تھا؟ اہل اسلام تھے جن کو دام تزویر میں لانے کی غرض سے آپ یہ سمجھاتے تھے کہ ہم تمہارے وکیل ہوکر عیسائیوں سے لڑتے ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کی چالیں پہچان لیں۔ عیسائیوں کے ہاتھ سے آپ نے وہ ایک ایسی زک اٹھائی کہ آپ کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد پھر آپ کی وہی مثل رہی۔

ہر کہ دست از جاں بشوید ہرچہ در دل آرد بگوید

اور جتنی ہی سچی بدگوئی آپ نے مسلمانوں سے سنی تھی اتنی ہی جھوٹی بدگوئی آپ نے

بیچارے عیسائیوں کی کی۔ مگر آپ کا دل تو پارہ پارہ ہوگیا۔ آپ رسی کی طرح بل کھاتے رہے۔ رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ لیکن عیسائیوں کی ابرو پر میل بھی نہ آیا۔

پھر بتائیے وہ کون سا مناظرہ ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ جس میں آپ بازی لے گئے۔ ضربۃ عیسوی کو بھی آپ نہیں بھول سکتے۔ غرضیکہ ہم کو تو آپ پر ترس آتا ہے کہ جب مسلمانوں کے سامنے منہ کھولا حرماں نصیب ہوئے اور جب عیسائیوں کے مقابلہ میں آئے تو رسوا وخوار۔ عیسائیوں میں تو آپ کی کامیابی نرا اصفر رہا۔ مسلمانوں کے گھر کا کوڑا کرکٹ یعنی چند ہزار مؤمن بے شک آپ کے قبضہ میں آگئے۔

بہت بڑی دلیل میاں شیر علی کی یہ ہے کہ: ''مرزا قادیانی اپنے گاؤں میں خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کون ہیں...... اور عام طور پر تمام دنیا میں آپ کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی۔'' افسوس اس بی.اے نے کچھ نہ سمجھا۔ اس کو معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں بعض عورتوں نے وہ شہرت حاصل کی ہوئی ہے جس کا پچاسواں حصہ بھی اس کے پیر کو نہیں حاصل ہوئی۔ شہرت نیک نامی کے ساتھ۔ شہرت پڑھے لکھے علم دوستوں کے درمیان شہرت لیاقت کے ساتھ وہنر مندی کے ساتھ کسی ایک ملک میں نہیں سب ملکوں میں۔

امریکہ میں ایک بڑھیا ہے مسز اڈی جس کے پیرو بیس لاکھ موجود ہیں۔ سب اس کی کشف وکرامت کے قائل اور اس کو مسیح کا نائب سمجھتے ہیں۔ جس کے سب سے بڑے مخالف امریکہ کے جادو رقم ظریف مارک ٹوین نے یہ گواہی دی کہ مسز اڈی سے زیادہ عجیب وغریب کوئی شخص ہمارے اس سیارے پر قدم نہیں مارتا۔ جس کو دنیا کہتے ہیں میڈل بلوڈ ٹکائی کا نام کس نے نہیں سنا۔ جس کی ایک عالم میں دھوم مچ گئی تھی اور آپ ہی کی آنکھوں کے سامنے جو اس ملک میں تھوصوفی کے بانیہ ہوگذری اور تمام ہندو ڈگری یافتوں کو تھوسوفسٹ بنا گئی اور آج کل بھی اس کے جانشین ایک دوسری بڑھیا مسز اینی بسنٹ ہے جس کو ہندو پوج رہے ہیں۔ ایک دو نہیں کروڑوں کشمیر سے لے کر سیلون تک جس نے بنارس میں ہندو کالج جہاں کی دولت بٹور کے قائم کر دیا جس کو دیکھ کر لوگوں کی عقل دنگ ہوتی ہے۔ پھر ایک آپ ہیں کہ منہ پر داڑھی بھی ہے اور صرف چند ہزار جاہل مسلمانوں کو چیلہ بنا کر شہرت کی گدی پر بیٹھ گئے اور وہ شہرت بھی بس اسی قدر کہ سرحد کے قریب ہندوستان میں پنجاب کے ایک گاؤں میں مسلمانوں کے درمیان ایک ملا اٹھا ہے جو اپنے تئیں مہدی مسیح کہتا ہے جس کو سارے مسلمان دجال کذاب جانتے ہیں۔ اس نے ڈپٹی عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کی تھی جو جھوٹی نکلی تو سارے ہندوستان نے تالیاں بجائیں۔ پھر بھی

کچھ احمق مسلمانوں میں ہیں جو اس کو مہدی مانتے ہیں۔ بڑا دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ کسی مغل کی بیٹی کو یہ اپنی آسمانی جورو کہتا ہے مگر وہ کسی دوسرے کی جورو ہے اور درجن بھر بچے بھی جن چکی۔ پھر بھی یہ اس پر فدا ہے اور اس کے چیلے اس عورت کو ماں جانتے ہیں۔ اخباروں میں ان باتوں کی دھوم ہے لوگ بڑھتے اور قہقہہ لگاتے ہیں۔ اس شہرت کو کوئی شریف قابل رشک نہیں سمجھتا اور مسیحیت یا مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کر کے شہرت حاصل کرنا اس سے بھی بدتر ہے جو کسی گمنام اوباش کو دم میں حاصل ہو جاتی ہے جو کسی تاجدار کے اوپر نتیجہ داغ دیتا ہے۔ شہرت اسے کہتے ہیں جو سرسید نے حاصل کی تھی کہ ایک قوم کو جو دینی تعصب کی چکی گلے میں بنادھ کر پستی کے سمندر کی تہہ میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر اسے اچھال دیا اور کنارہ لگا کر اس قابل کر دیا کہ ترقی کے میدان میں اوروں کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہو جاوے۔ شہرت اسے کہتے ہیں جو عثمان پاشا نے حاصل کی تھی کہ جب ساری قوم بازی ہار چکی تو صرف دو ایک مہروں کے بل سے ایک ٹڈی دل لشکر کو کچھ دیر روک رکھا اور مردانگی کے جوہر دکھلا کر گویا قضا وقدر سے ٹھہر گیا کہ دشمن مرحبا پکار اٹھے۔ شہرت اسے کہتے ہیں جو کونٹ ٹولسٹائی کو حاصل ہے۔ جس کے صدق خدا پرستی اور راست بازی کے دبدبہ نے زار روس کا جاہ وجلال پامال کر دیا۔ اس کے ظالمانہ قوانین کا منہ بند اور اس کی افواج قاہرہ کے بھیڑیئے کو بکری بنا دیا۔ شہرت اسے کہتے ہیں جو آج کے دن اینڈرو کارنگی کو حاصل ہے جس نے اکل حلال وصدق مقال سے قارون کی دولت اور حاتم کی سخاوت کا نام بھلا دیا۔ شہرت اسے کہتے ہیں جو جنرل بوتہ کو حاصل ہے جو محض ایک گمنام ان پڑھ شخص تھا جس کے کارنمایاں پانچوں براعظموں میں ابدتک اس کی یادگار رہیں گے۔ جس کی زیارت کو شاہان جہاں فخر سمجھتے ہیں اور اپنے خزانوں کو اس کے پیروں پر انڈیلتے ہیں اور بڑے بڑے مدبران اور سپہ سالاران جس کی تدبیر رعب ووجاہت اور حکومت کے قابل ہیں۔ ہاں! یہ بھی شہرت ہے جو دیانند سرستی نے حاصل کی۔ بت پرستی باطل پرستی اور وہم پرستی کو لاکھوں گھروں سے میٹ دیا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی مخالفت کر کے خود عیسائیوں اور مسلمانوں کی خدمت ادا کی اور ان کی بڑی بڑی مشکلیں حل کر دیں۔ اب یار باقی اور صحبت باقی پھر لوگ اس کو بھی شہرت کہتے ہیں جو سوڈان کے نیم وحشی مگر شجاع ملا محمد احمد نے ۳۰ برس کے اندر اندر حاصل کر لی تھی کہ سارے ملک کو اپنا فدائی بنا کر مہدی بن بیٹھا۔ جس کے مقابلہ میں ایسے ایسے ناموروں نے سرہار روئے جیسے ہکس پاشا اور جنرل گارڈن گذرے ہیں۔ جس کے دینی اثر کو گھٹانے اور جس کے ذریات کی قوت توڑنے کی خاطر لارڈ کچنر کو ام ڈرماں کے میدان میں تلوار کھینچنا پڑی۔ یہ درویش تھے کہ موت سے یوں بغل گیر ہوئے تھے گویا عاشق اپنے محبوب سے۔

آپ شیر علی کے پیر کی شہرت دیکھئے! نہ زبان آوروں میں، نہ اہل علم میں، نہ اہل قلم میں، نہ اہل سیف میں، نہ اہل دول میں، نہ اہل سخا میں۔ بلکہ مفتریوں میں، ابلہ فریبوں میں خاص کر کوسنے والوں میں بلکہ کوسنے والیوں میں جو مرا آپ کا کاٹا۔ جو گرا آپ کا کوسا۔ عورتوں میں ایک خام خیال مشہور ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بعض پلید عورتوں کی نظر کا مارا بچہ نہیں بچتا۔ جن کی ہونس بچوں کو کھا جاتی ہے ان کے گمان میں اس کی زبان کالی ہوتی ہے۔ پس ان عورتوں میں ضرور آپ کی شہرت ہونا چاہئے اور غالباً آپ کے مریدان باعقیدت میں پیشرو ہی ہوں گے جو ایسی ماؤں کی آغوش میں پل کر بدایوں کے للا بنے رہے۔ علاوہ اس کے آپ کی شہرت کے سائین بورڈ پر اہل اسلام نے یہ لکھ رکھا ہے۔ ''دجال کذاب'' اور اس برتی پر دعویٰ مسیحائی بلکہ دعویٰ مسیح موعود اور مہدی مسعود ہونے کا۔ کیا اور کوئی قافیہ نہیں مل سکتا تھا۔ بھلا آپ نے عیسائیوں آریوں اور مسلمانوں پر اتنی ہی دھاک بٹھلا دی ہوتی جتنی تانتیا بھیل نے ممالک متوسط کی پولیس پر۔

اس پر ہم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ اگر اس زمانہ میں میں مسیح نہیں تو پھر تم بتاؤ کہ مسیح کہاں ہے؟ اس کا جواب وہی ہے جو سعدی علیہ الرحمۃ فرما گئے ؎

کس نیاید بزیر سایہ بوم
ورہما از جہاں شود معدوم

اب ہم شیر علی صاحب کی تین اور دلیلوں کی بھی حقیقت عیاں کرتے ہیں جس سے عیسائیوں کے روبرو وہ مرزا کادیانی کو مسیح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل...... یہودی اور مسیحی حلقوں میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ مسیح موعود کا نزول آدم علیہ السلام سے ساتویں ہزار میں واقع ہوگا اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جا رہا ہے۔ اس لئے یہی وقت مسلم طور پر ظہور مسیح موعود کا ہے۔ خدا نے دنیا کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ لیکن (زبور ۹۰:۴۰) اور قرآن شریف کی رو سے ثابت ہے کہ خدا کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال تک تو دنیا مشقت اور محنت میں گزارے گی اور ساتویں ہزار میں جو سبت اور آرام کا دن مقرر تھا۔ اس میں خدا کے بندے مسیح موعود کی بادشاہت میں امن وآرام سے بسر کریں گے۔ یہ ساتواں ہزار ابھی شروع ہوا ہے اور اگر مسیح موعود اس وقت ظاہر نہ ہو تو پھر اس کا ظاہر ہونا ہی محال اور ناممکن ہے۔

یہ تقریر نہ منطق ہے نہ ظرافت۔ عجب نہیں کہ پنجاب یونیورسٹی میں اس دلیل کی وجہ سے میاں شیر علی کی بھی شہرت ہو جاوے۔ دنیا کا چھ دن میں بنانا اور خدا کا ساتویں دن آرام کرنا اس کو

دنیا کی چھ ہزار سال کی مشقت اور خدا کے بندوں کے آرام سے وہی مناسبت ہے جو گھٹنے کو خیرآباد سے اگر اس قسم کی دلیل ہم نہ سنتے تو ہماری حیرت رفع نہ ہوتی کہ کادیان میں بی.اے کیسا؟

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا کہ: ’’آدم علیہ السلام سے ساتواں ہزار جارہا ہے۔‘‘ اگر کوئی کہے کہ سترواں ہزار جارہا ہے تو شاید زیادہ قرین حق ہوگا۔ کیونکہ ہم تو اس معاملہ میں کسی بشپ یا ربی یا مولوی کے خیال پر صاد کرنے کو تیار نہیں۔ دنیا کی عمر اور بنی آدم کی مدت اور نظام شمسی کی کیفیت بیان کرنا نبی کا منصب نہیں۔ بلکہ سائنس کا ہے جو بتلا رہا ہے کہ نسل انسان ایسی کم سنی کی حالت میں نہیں۔ بلکہ دراصل اس کا ایک ایک دن تمہارے حساب کے ہزار ہزار برس کے برابر ہے۔ تمہارے اپنے ہی قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ کے ساتویں ہزار ہونے کا قطعی ثبوت اس کا سبت یعنی ’’امن وآرام‘‘ کا وقت ہونا ہے اور یہ کالشّمس ہے کہ یہ زمانہ سبت کا نہیں بلکہ حوادث وآفات کا ہے جن کا سلسلہ ابھی صرف شروع ہی ہوا۔ پس لاریب تمہارا حساب غلط ہے۔ لیکن ہم ضرور پوچھیں گے کہ تم نے کس دلیل سے اس زمانہ کو آدم سے ساتواں ہزار کہا۔ چونکہ ’’یہودی اور مسیحی حلقوں‘‘ کا ذکر کیا گیا۔ اس لئے ہم اس بحث کو صاف کئے دیتے ہیں۔ یہودیوں میں جو سنہ مروج ہے اس کی رو سے پیدائش آدم ۳۷۶۰ سال قبل مسیحی زمانہ کے ہوئی۔ اگر اس میں ۱۹۰۶ء جوڑیں تو ۵۶۶۶ ہوتے ہیں۔ یعنی ابھی ہزار سال پورے ہونے کو ۳۳۴ سال باقی ہیں جن کے گذر جانے کے بعد سبت کا ہزار شروع ہوا۔

مسیحوں کی نسبت واضح ہو کہ اس وقت ان میں کوئی مستند عالم نہیں جو اس زمانہ کو آدم سے ساتواں ہزار ماننے پر اصرار کرتا ہو یا سن تولد آدم کے تعین کی فکر میں ہو۔ سترھویں صدی میں بشپ اشر اور ڈاکٹر ہیلس دو شخص گذرے جنہوں نے عبرانی اور یونانی متن توریت سے ایک حساب لگایا تھا جو ایک مدت تک عموماً لوگوں میں مقبول رہا۔ مگر اب نہیں ہے۔ ڈاکٹر ہیلس کا حساب اشر سے زیادہ معتبر سمجھا گیا اور اسی کے ساتھ جوزیس یہودی مورخ بھی متفق ہے اور سامریوں کی تورات سے بھی بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ اس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ۵۴۱۱ سال قبل مسیح تھی جس میں اگر ۱۹۰۶ء مابعد زمانہ جوڑا جاوے تو دنیا کی پیدائش کو ۷۳۱۷ سال گذر چکے۔ یعنی نہ صرف سبت کا ساتواں ہزار گذر چکا بلکہ آٹھویں ہزار سے بھی ۳۱۷ سال بیت گئے۔ رفرنس بائبل میں حاشیہ کے اوپر ہر صفحہ میں کچھ ہندسے دیئے ہوئے ہوتے ہیں جو بائبل کے متن سے بالکل جدا ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شجرہ میں جن اشخاص کے نام ہیں فرزند پیدا ہونے کے قبل جو ان کی عمروں کا تخمینہ تھا ان کو جوڑ کر آرچ بشپ اشر نے ایک حساب اپنے قیاس پر

بنایا تھا جس کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ۴۰۰۴ سال پیشتر مسیح کے کہی جاتی ہے۔

اگر ۴۰۰۴ سال قبل مسیح میں ۱۹۰۶ء سال بعد مسیح کو جوڑ دیں تو ۵۹۱۰ سال آدم علیہ السلام سے ہوئے۔ یعنی ہم چھٹویں ہزار کے اواخر میں ہیں اور جب پورے ۹۰ برس چھٹے ہزار کے پورے ہولیں گے تب کہیں ساتواں ہزار شروع ہوگا۔ چنانچہ شیر علی کے پیر بھی ایک جگہ لکھ چکے ہیں کہ: ’’حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے حساب سے الف ششم کا آخری حصہ آ گیا۔‘‘

(ازالہ اوہام ص ۴۵۵، خزائن ج ۳ ص ۳۴۲)

اور میں آدم الف ششم ہوں۔ پس اس دلیل سے مرزا کادیانی اسی زمانہ میں آئے جب بقول جناب ’’دنیا مشقت اور محنت‘‘ جھیل رہی تھی اور بڑی مشقت اور بڑی محنت آنے والی ہے جس کو ابھی تک جھیلا نہیں اور امن وآرام یعنی سبت کا دن منزلوں دور ہے یعنی یہ زمانہ عین وہ زمانہ ہے جب جھوٹوں کے آنے کا اندیشہ لگا ہوا ہے اور ایک حساب سے ۳۳۴ سال اور دوسرے سے پورے ۹۰ سال ’’ملینل ڈان‘‘ یعنی مسیح کی ہزار سالہ بادشاہت کے فجر کو باقی ہیں اور دوسرے حساب سے ساتویں ہزار کو نکلے ہوئے ۳۱۷ سال گذر گئے۔ پس اب یہ فرض آپ کا ہے کہ پہلے آپ کسی دلیل مسلمہ فریقین سے ثابت کر دیں کہ آدم کی پیدائش کو پورے چھ ہزار سال گزر گئے اور فلاں ساعت ساتویں ہزار کے پہلے سال کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ شروع ہوئی اور پھر مرزا کادیانی کے جنم پترہ سے جس کو کسی منجم نے بیان حلفی سے تصدیق کیا ہو ان کی تاریخ تولد کو اس کے مطابق کر کے دکھلائیں۔ کیونکہ ایک گھڑی کا آگا پیچھا اس دلیل کو بالکل باطل کر دے گا۔ آرچ بشپ اشر کی تقویم نے اور ڈاکٹر ہیلس اور جوزیفس اور سامریوں کی تقویم نے تو آپ کو دغا دی۔ بہتر ہے کہ آپ منشی رحمت اللہ صاحب رعد کانپوری سے کچھ مدد لیں۔ شاید اگلے سال کی نامی جنتری میں وہ اس عقدہ کو حل کر دیں۔

لیجئے! یہ بڑی ہفت ہزاری دلیل کا دیوالہ نکل گیا اور آپ دجال کے دجال ہی رہے۔

اب ہم آپ کی دوسری دلیل اور بہت بڑی دلیل کی جانچ میں مصروف ہوتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: ’’بائبل میں جھوٹے اور سچے نبیوں کو شناخت کرنے کا معیار موجود ہے اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی وہی ہوتا ہے جس کی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی۔‘‘ اور پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ’’مرزا غلام احمد تیس سال کے عرصہ سے خدا کے نام پر پیش گوئیاں شائع کر رہے ہیں۔ دوسو سے زیادہ ایسی پیش گوئیاں ہیں جن کو انہوں نے خدا کے نام سے پہلے شائع کیا اور پھر وہ پوری ہوئیں۔‘‘ یہ بحث بہت طول ہو جاوے گی اور کم سے کم دوسو صفحے درکار ہیں کہ ہم مرزا کادیانی کی ہر

ایک جھوٹی پیش گوئی کا قصہ سنائیں۔ اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ ''الہامات مرزا'' موجود ہے۔ مصنفہ مولوی ثناء اللہ امرتسری۔ جس کا جواب آج تک کوئی کادیان کا شیر یا بز نہ دے سکا۔ ہم کو کچھ ضرورت نہیں کہ ہم اس کام میں مصروف ہوں۔ یہاں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ سوائے کادیان کے چند احمقوں کے سارا ہندوستان ان کو باطل جانتا ہے اور کسی پیش گوئی کو اس طرح لوگوں کا باطل ٹھہرانا اس کے بطلان کے ثبوت میں کافی ہے۔ کیونکہ جب کوئی پیش گوئی پوری ہوتی ہے تو اس کا حق ہونا مسلمہ ہو جاتا ہے۔ مشتبہ نہیں رہتا۔ مثلاً ایک ہندو منجم نے رسم تاج پوشی کے پہلے حکم لگایا تھا کہ شہنشاہ عالم پناہ قیصر ہند پیٹ کے پھوڑے میں مبتلا ہوں گے اور تاج پوشی رک جائے گی۔ اسی طرح ایک یہودی منجم نے شاہ ہمبرٹ والئی اٹلی کے زائچہ میں حکم لگایا تھا کہ وہ فلاں تاریخ کو کسی قاتل کے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔ پھر اس نے حکم لگایا تھا کہ اواخر مارچ اور اوائل اپریل ۱۹۰۵ء کو بڑا زلزلہ خطہ کانگڑہ میں آوے گا۔ جب یہ واقعات بجنسہ اسی طرح پورے ہوئے تو کسی نے نہیں کہا کہ پیش گوئی باطل تھی۔ پس جب ہندو، مسلمان، عیسائی، سب ان کے بطلان پر گواہ ہیں تو ہم کو مرزائیوں کے قائل کرنے کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ بات چھڑ گئی اس لئے اپنے ناظرین کو ان دوسو پیش گوئیوں میں ہم صرف دو یاد دلائے دیتے جو مرزا کادیانی کی پیش گوئیوں میں سب سے مشہور ترین ہیں اور ہمارے شیر علی صاحب نے بھی افسوس ہے انہیں کا ذکر متروک کر دیا۔

ایک ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے متعلق مرزا کادیانی نے ۵؍جون ۱۸۹۳ء کو شہر امرتسر میں ایک جلسہ عام کے روبرو اعلان دیا تھا کہ اگر ''وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسا ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین وآسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔''

(جنگ مقدس ص۱۸۹، خزائن ج۶ ص۲۹۲، ۲۹۳)

چنانچہ ۵؍ستمبر ۱۸۹۴ء کو وہ میعاد پوری ہوگئی اور آتھم صاحب جیتے جاگتے فتح کے شادیانے بجاتے۔ امرتسر کی انہیں گلیوں میں شان وشوکت سے گاڑی میں بیٹھے نکلے جن میں اس پیش گوئی کی دھوم مچائی گئی تھی۔ لیکن عیسائیوں نے آپ کے گلے میں رسا نہیں ڈالا نہ پھانسی دی۔ بلکہ جیتا رہنے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو روسیاہی اور رسوائی پیٹ بھر کے نصیب ہوئی جس سے

بچنے کے لئے اگر آپ موت کو بھی پکاریں تو وہ بھی فریادرسی کو نہ آوے۔ مگر مسلمانوں نے ضرور آپ کی دم میں رسا باندھ دیا جس کو امرتسر کے ثناء اللہ اور میرٹھ کے شوکت برابر بھانج بھانج کر مضبوط کرتے رہے۔ ۵/ستمبر ۱۸۹۴ء کے بعد مسلمانان امرتسر نے بعنوان ''مرزا قادیانی اور آتھم کی لڑائی میں اسلام کی صداقت'' ایک اشتہار جاری کیا۔ ''**انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون**'' آج ہم اس آیت کی تصدیق پاتے ہیں کہ خدا اپنے دین اسلام کی کیسے تائید کرتا ہے جو لوگ اس دین کی آڑ میں ہوکر اس دین کو بگاڑنا چاہتے ہیں ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا کہ تمام مخلوق کی نظروں میں ذلیل اور رسوا ہوا کہ آتھم امرتسر باوجود پیرانہ سالی کے پندرہ مہینہ کی مدت میں نہیں مرے۔ عیسائیوں میں ہم ان چند لوگوں کی طرف سے معذرت کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے آپ سے باادب پوچھا تھا ؎

کرکے منہ کالا گدھے پر کیوں نہیں ہوتے سوار
فیصلے کی شرط ہے مانی منائی آپ کی

ہمدردی سے مشورۂ جتلایا تھا ؎

داڑھی سر اور مونچھ کا بچنا بڑا دشوار ہے
کرہی ڈالے گا حجامت اب تو نائی آپ کی

نائی کو کون غرض تھی یہ خطا ڈاکٹر کلارک کی تھی جن کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ ایک حجام بارہ ماسی مقرر کردیتے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ عذر بھی نامسموع ہے کہ عیسائی ایسے کاموں میں اپنا روپیہ صرف نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر وہ درخواست کرتے تو امرتسر وبٹالہ میں ایسے بہت سے مولوی مل جاتے جو ہراٹھوارے بلا داموں مرزا قادیانی کی حجامت آپ بنا آتے۔ نہیں! ہم ہی بھولتے ہیں وہ بیچارے برابر خدمت کئے گئے بال نہیں جمنے دیئے۔ افسوس مرزا قادیانی کی حجامت نے ہمارے مضمون کو خبط کردیا۔

غرضیکہ وہ پیرمرد آتھم جو دراصل گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا اور اسی گمان سے آپ نے اس کے مرنے کی پیش گوئی کردی تھی۔ مرنے سے رک رہا اور جب تک آپ کی ذلت وخواری وروسیاہی نہ دیکھ لی نہ مرا۔ پھر رہے نام اللہ کا۔ مرنا کس کو نہیں جو پیدا ہوا مرے گا۔

یہ پیش گوئی آپ کی کذابیت پر آسمانی دلیل تھی اور ایسی چوکس کہ چوں کرنے کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ آپ کے بڑے معتقد محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے بھی ۷/ستمبر ۱۸۹۴ء کو بڑے درد واضطراب سے آپ کو لکھ دیا۔ ''اب کیا یہ پیش گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری

ہوگئی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ عبداللہ آتھم اب تک صحیح وسالم موجود ہے اور اس کو بسزائے موت ہاویہ میں نہیں کرایا گیا۔'' میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر کوئی تاویل ہوسکتی ہے تو یہ بڑی مشکل بات ہے کہ ہر پیش گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہو۔ لڑکے کی پیشین گوئی میں تفاول کے طور پر بشیر نام رکھا وہ مرگیا۔ تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب اس معرکہ کی پیشین گوئی کے اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے نے تو غضب ڈھایا۔

کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ اہل حق کو بالمقابل کفار کے ایسے صریح وعدے ہوکر اور میعار حق وباطل ٹھہرا کر ایسی شکست ہوئی ہو۔ (الہامات مرزاص ۳۸)

ہم نے اس پیش گوئی کا ذکر کچھ وضاحت سے کیا۔ خاص کر اس لئے کہ آتھم صاحب عیسائی تھے اور عیسائیوں کے مقابل میں اس پیش گوئی نے آپ کو چاردانگ عالم میں رسوا کیا اور اسی رسوائی پر آپ کی ساری شہرت مبنی ہے اور اس سخن کے معنے پر ایک عملی تفسیر ہے ؎

بدنام بھی ہوویں گے تو کیا نام نہ ہوگا

دوسری پیش گوئی بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی ہے۔ مگر ہم اس کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔ خود کچھ نہیں لکھتے بلکہ صرف مولوی سلطان محمد کے مضمون سے کچھ حصہ بہ ترمیم بعض الفاظ وفقرات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے بعنوان ''کادیانی کی پیشین گوئی اور ہم'' انہیں میاں شیر علی صاحب ہمارے مخاطب کے جواب میں نور افشاں ۱۹/اکتوبر ۱۹۰۶ء میں لکھا تھا جس کا جواب کادیاں کے ملک سے نہیں ہوسکا اور نہ ہوسکتا ہے۔

آپ کے پیر دستگیر کی بہت بڑی پیش گوئی اپنی زوجہ آسمانی کی نسبت یہ احلام ہے جو انجام آتھم میں بھی چھپا ہے۔ ''انا زوجناکھا'' یعنی مرزا احمد بیگ کی بیٹی کا نکاح خدا نے مرزا کادیانی کے ساتھ کر دیا۔ یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۂ احزاب میں بعد طلاق زید (زینب کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح ہو جانے پر) وارد ہوئی۔ جس کی منشاء کے موافق زینب زوجیت میں آگئی۔ بہرحال سچ ہے یا جھوٹ دختر احمد بیگ مرزا کی جورو ہوگئی اور جورو کیونکر نہ ہو اس کا نکاح آپ کے ساتھ ہوا۔ کرنے والا خدا ٹھہرا۔ یہ الہام اور پیشین گوئی جھوٹی ہوگئی اور بالکل جھوٹی اب کوئی شیر علی مرد میدان بن کر اس کو سچی ثابت کر دے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ۱۸۸۵ء میں آپ نے مرزا احمد بیگ کی لڑکی مانگی اس نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ جس سے ''انا زوجناکھا'' کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ اب دوسرا جز آپ کے اس احلام کا یہ ہے کہ: ''اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جاوے گی وہ روز نکاح سے

اڑھائی سال تک...... فوت ہو جاوے گا۔‘‘ اس میں آپ نے بہت سی پیشین گوئیاں کر دیں۔ منجملہ اس کے ایک یہ بھی ہے: ’’کہ بیوہ ہو جانے کے بعد تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آ جانا۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۵، خزائن ج ۵ ص ۳۲۵)

اب نہ صرف ’’انا زوجنا کھا‘‘ بالکل باطل ہوگیا۔ یعنی مسماۃ کادیانی کی جورو نہیں بنی۔ باوجودیکہ مرزا کہتے رہے کہ: ’’جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر وہ ہرگز بدل نہیں سکتا۔‘‘ وہ بدل گیا اور بساعت سعید ۱۷؍اپریل ۱۸۹۲ء کو مرزا کادیانی کی زوجہ آسمانی کا نکاح ثانی جو از بس موجب پریشانی کادیانی ہوا مرزا سلطان محمد صاحب سے ہوگیا۔

پھر آپ کی دوسری پیشین گوئی بھی باطل ہوگئی کہ سلطان محمد اڑھائی برس کے بعد تاریخ نکاح کے مرجاوے گا۔ کیونکہ وہ آج کی تاریخ تک زندہ وصحیح سلامت ہے۔ پھر آپ کی تیسری پیشین گوئی بھی باطل ہوئی کہ ’’اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔‘‘ انجام نیک اور اس سے کیا زیادہ ہوتا کہ گیارہ بچوں کی ماں ہوگئی اور اس کا شوہر بقول شخصے آپ کی چھاتی پر مونگ دل رہا ہے۔ ہاں سنتے ہیں کہ مرزا احمد بیگ مرگئے سو مر جائے۔ آخر کبھی مرنا ہے۔ پھر اس سے کیا۔ غرض تو اس کی دختر اور اس کے داماد سے تھی جو اب تک جیتے جاگتے ہیں۔

پھر آپ کی چوتھی پیشین گوئی بھی لازمی طور سے باطل ہوئی۔ مسماۃ نہ رانڈ ہوئی نہ آپ کے ہاں آئی۔ ہاں شیر علی صاحب بی۔اے ذرا اس کا جواب ضرور دیجئے گا کہ اب وہ کس کی جورو کہلائی۔ کیونکہ آسمانی نکاح اس کا مرزا کادیانی کے ساتھ ہوگیا۔ مرزا کادیانی نے اس کو طلاق دیا نہیں اور دوسرا شرعی نکاح اس کا سلطان محمد کے ساتھ ہوگیا۔ یہ تو بڑے پیچیدہ رشتے ہوگئے۔ مرزا کادیانی نے آج تک اس پیشین گوئی سے زیادہ صاف اور صریح پیشین گوئی کی نہیں اور اس کا باطل ہونا ایسا روشن ہے جیسے دوپہر کا سورج۔ اس مضمون پر لوگ خوب لکھ چکے ہیں۔ ناظرین مولوی ثناء اللہ امرتسری کا رسالہ الہامات مرزا اور ڈاکٹر عبدالحکیم کا رسالہ المسیح الدجال پڑھیں۔ یہ ایک پیشین گوئی مرزا کادیانی کی تمام الہامات کے باطل کرنے کو کافی سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان قریبی رشتہ داروں میں ایسے نکاح روز ہوا کرتے ہیں۔ کچھ بھی دقت نہیں ہوتی اگر نکاح ہو جاتا تو ہرگز ہرگز اس کے لئے کسی الہام ووحی کی ضرورت نہیں تھی۔ سینکڑوں نکاح اس طرح روز ہوا کرتے ہیں۔ کچھ عجوبہ نہیں۔

مگر اس نکاح کا نہ ہونا اور مرزا کادیانی کا تمام ناجائز وشرمناک کوششیں کرنا اور رونا گڑگڑانا اور کہنا کہ لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے۔ ذلیل کیا جائے۔ مجھے

آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزارہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے۔ دکھلا رہا ہے کہ اگر نکاح ہو جاتا تو کوئی خارق عادت امر نہ ہوتا۔ مگر جو نکاح نہ ہوا تو ثابت ہو گیا کہ جھوٹا نبی وہی ہے جس کی پیشین گوئی پوری نہیں ہوتی۔ پس آپ کی نبوت پر تو کوئی دلیل نہیں۔ مگر کذب پر ہزاروں۔ دیکھیں شیر علی صاحب اب کیا لکھتے ہیں۔ غالباً منہ دکھلائیں گے۔ ہمارے اس مضمون پر دوبارہ قلم اٹھاتے ہاتھوں میں رعشہ پڑ جاوے گا اور یہ پیشین گوئی مولوی سلطان محمد کی بھی سچ نکلی۔

اب ہم شیر علی کی تیسری دلیل پر کہتے ہیں جو (استثنا۱۸:۲۰،۲۲) پر مبنی ہے۔ لیکن وہ نبی جو گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاوے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈر۔

ہمارا مخاطب کہتا ہے: ''خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاوے گا۔'' اس میں دو باتیں بتلائی گئیں کہ جھوٹے نبی کی شناخت یقینی کیا ہے اور جھوٹے نبی کی سزا کیا ہے۔ پہلی بات عقل اور صحیح منطق پر مبنی ہے اور ہر وقت صادق ہے دوسری بات مختص المقام والوقت ہے اور دونوں لازم وملزوم نہیں۔ ہم کو اپنے مخاطب کی سمجھ پر افسوس ہے وہ نہیں دیکھ سکتا کہ اس میں صرف قوم بنی اسرائیل کے قانون فوجداری کا ذکر ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا جرم مستوجب سزائے موت ہے اور جس پر یہ جرم حاکم وقت کے روبرو ثابت ہو وہ قتل کیا جاوے۔ یہ حکم غیر بنی اسرائیل کے لئے بے اثر ہے اور مدت گذر گئی کہ اسرائیل کے لئے بھی یہ شرح فوجداری ان کی سلطنت کے ساتھ اٹھ گئی۔ پس اس زمانہ میں اور ہندوستان میں اور سلطنت انگلشیہ کے زیر سایہ کسی مغل بچہ کا جھوٹا دعویٰ نبوت مسلمانوں کے درمیان موسوی شریعت کے نقیض کیونکر سمجھا جاسکتا ہے۔ خدا نے اس میں موسیٰ کو صرف یہ بتلایا کہ بنی اسرائیل کو جھوٹے نبیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہوگا۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ جونہی نبی جھوٹی بات منہ سے نکالے گا فوراً مر جائے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر اسرائیل کو اس کے قتل کی تکلیف کیوں دی جاتی اور سچ اور جھوٹ میں صبر کے ساتھ امتیاز کرنے کی کیوں ہدایت ہوتی۔ یہی نہ سکھایا جاتا کہ اگر نبی کسی پیشین گوئی کرنے کے بعد فوراً مر جائے تو بس اس کے مر جانے کو تم اس کے دروغ کی دلیل سمجھنا۔ پس اس شرع کے موافق صرف

اسی جھوٹے نبی کی موت یقینی تھی جو بنی اسرائیل میں اٹھے۔ بنی اسرائیل کے روبرو دعویٰ کرے اور ان کے ہاتھ میں پڑ جاوے۔ لیکن اگر وہ بھاگ جاوے یا ان کے قابو سے باہر ہو یا حدود اسرائیل سے نکل جاوے تو اس کی موت لازمی نہیں اور نہ اسرائیل پر اور شرع پر الزام آ سکتا ہے۔ شیر علی کی دلیل بجنسہ یہ ہے۔ مثلاً شرع محمدی میں ہے کہ اگر کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاوے۔ مگر کوئی شخص ہندوستان میں کسی مسلمان کی چوری کر کے بید کھائے اور پھر اسی مسلمان سے کہے کہ میں چور نہیں۔ اگر چور ہوتا تو میرا ہاتھ کٹ جاتا۔ پس معلوم رہے کہ سچے اور جھوٹے نبی کی شناخت کی معیار سے مرزا کادیانی کا جھوٹا ہونا اسی روز ثابت ہوگیا جس روز آتھم کے متعلق اس کی پیشین گوئی باطل ہوئی یا جس روز احمد بیگ کے داماد کے متعلق اور اگر وہ بنی اسرائیل میں ہوتا اور ان کی حکومت کے وقت تو وہ کبھی کا گردن زدنی ہو چکا ہوتا۔ لیکن اگر نہیں مارا گیا تو اس سے اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی کسر نہیں باقی رہ جاتی۔ بلکہ مسلمانی کا دم بھرنے کے باعث اس پر قرآن کا فتویٰ صادق آیا۔ **لعنت اللہ علیٰ الکاذبین!**

شیر علی نے خداوند مسیح کے کلام کی بھی جھوٹی تاویل کی ہے۔ ''جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے ہیں پر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ تم انہیں ان کی پھلوں سے پہچانو گے اور کہ ہر درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔'' (متی ۷:۱۹)

ہمارا مخاطب کہتا ہے: ''یسوع کہتا ہے کہ جھوٹے نبی برے درخت کی طرح کاٹے جائیں گے۔'' ہاں! سچ ہے مگر یہ عاقبت کے عذاب کی خبر ہے۔ لفظ آگ جس پر شاہد ہے یعنی وہ دوزخ کی آگ کے ایندھن ہوں گے۔ مگر برے پھلوں سے ان کا پہچانا جانا یقینی ہے۔ چنانچہ یہ مرزا کے اوپر عجیب وغریب صداقت سے چسپاں ہے۔ اس کو عیسائی بھی مدت ہوئی۔ پہچان چکے اور مسلمان بھی۔ رہا فتویٰ سزا کا سو وہ صرف جھوٹے نبیوں پر نہیں بلکہ ہر جھوٹے پر ہے۔ اگر شیر علی نے حضرت یوحنا اصطباغی کا کلام دیکھا ہوتا تو وہ بھی اس غلطی سے باز رہتا۔ آپ نے فرمایا ہے: ''اب تو درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔'' (لوقا۳:۹)

پس معلوم ہے کہ اس دنیا کی سزا کا ذکر یہاں نہیں ہے۔ بلکہ اس دنیا کی سزا کا ذکر ہے۔ اس دنیا میں موت اور تنگ دستی اور مصیبت نیکوں کو گھیرے رہتی ہے۔ کیا اس نے قرآن شریف میں کبھی نہیں پڑھا: ''**یقتلون النبیین بغیر الحق**'' نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں۔ پس

مرجانے اور مارے جانے سے کوئی سچا جھوٹا نہیں ثابت ہوتا اور جیتے رہنے سے یا حرام خوری کی زندگی بسر کرنے سے کوئی جھوٹا سچا نہیں بن سکتا۔ پس مسیح کی امت کے زیر سایہ پناہ لے کر یہ سوال کہ مرزا قادیانی قتل کیوں نہیں کئے گئے کچھ مردمی نہیں۔ اگر ان کی جان کا بیمہ ہوگیا تھا اور اس پر ان کو یقین کلی تھا تو ان ہی سے آپ یہ پوچھ لیجئے۔ ''حضرت اقدس مسلمانی کا دم بھرتے ہوئے حج سے فرض کو آپ نے کیوں ترک کر دیا یا افغانستان جو پاس ہے وہاں جاکر اپنے دونوں شہیدوں کی گور پر فاتحہ پڑھ آئے یا ان کی ہڈیوں کو مقبرہ بہشتی کے لئے جاکر لے آئے۔'' فوراً اس لاف وگزاف کا جواب آپ کو مل جاوے گا۱۔

اسلام کا مہدی آخرالزمان آپ کو اسلامی ممالک کے درمیان بننا واجب تھا اور عیسائیوں کا مسیح قوم عیسائی کے درمیان یعنی یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دونوں دعویٰ آپ کو یا شام میں شایاں تھے یا عرب میں۔ مگر یہ نامردی اور مغلگی کا جبن جواب آپ کر رہے ہیں اس سے وہ بڑا دجال تمام دجالوں کا گرو گھنٹال بھی شرماوے گا۔

اس تقریر کے بعد شیر علی صاحب فرماتے ہیں: ''خداتعالیٰ نے آپ کو (مرزا قادیانی کو) تباہ نہیں کیا بلکہ آپ کے کاروبار اور مساعی کو نہایت خارق عادت کامیابی اور برکت بخشی۔'' کامیابی کا نقشہ وخسرہ ہم دکھلا چکے اور برکت کی بھی اصل کیفیت سمجھا چکے۔ رہی، تباہی، تو دہریوں اور خداناترسوں کی تو بات ہی جدا ہے۔ ایمانداروں کی آنکھ میں یہ جو کچھ آپ کا راگ ہے نری تباہی ہے۔

سرفرازی اور آبروداری دو لفظ ہیں۔ ان کا ایک مفہوم شرفاء کی زبان پر جاری ہے۔ دوسرا ارباب نشاط کے۔ مگر جب دوسرے گروہ کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہیں تو شرفاء لعنت بھیجتے ہیں اور اسی طرح ہماری اصطلاح میں تو مدت ہوئی مرزا قادیانی تباہ ہوگئے۔ ''خسر الدنیا والاٰخرہ'' اور مٹ گئے گو مرزائیوں کی اصطلاح میں آپ کو شہرت اور سرفرازی نصیب ہوئی۔

۱؎ چنانچہ مئی نمبر میں مرزا قادیانی کو خود اعتراف ہے جو اس نے اپنے چیلوں کے سامنے کیا۔ ''کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔'' تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتوؤں کی رو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لئے دانت پیس رہی ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو۔

ایک اور نکتہ بھی ہے جو ہم اس جگہ سمجھا دیں۔ عموماً جھوٹے نبیوں کا حشر چاہے جو کچھ ہوا اور ہوا کیا مگر جھوٹے مسیحوں کا حال ہم کو اوروں سے جدا بتلایا گیا۔ خداوند مسیح نے صاف فرمایا کہ: ''وہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔'' حتیٰ کہ برگزیدوں کو بھی۔ جس سے اظہر ہے کہ ان کو کافی مہلت ملے گی کہ اپنی خباثت کو پکائیں اور دنیا کی ہلاکت ان کے لئے لازمی نہیں۔ بجز اس کذاب کے جو سب سے آخر ظاہر ہوگا اور خود خداوند کے ہاتھوں سے نیست کیا جاوے گا۔ بلکہ ہمارا قیاس ہے کہ وہ اصلی جھوٹے جو ایک کے بعد ایک تیس کے قریب پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک کسی قسم کی نمایاں کامیابی بھی ضرور حاصل کرے گا۔ ایسی کہ ایک کے بعد دوسرے کو اس راہ میں چلنے کی ہوس و آرزو پیدا ہوتی رہے گی۔ یعنی شیطان اس دنیا کی زندگی کو ان کے لئے زینت دار بنادے گا اور وہ اپنی حالت کو مبارک سمجھیں گے۔ اگر ایسا نہ ہو اور ان کا پودا فوراً کاٹ دیا جاوے تو ان کا بیج کہاں سے آوے گا کہ تیس فصلیں پوری ہوں۔ اس میں ایک دوسرا نکتہ بھی ہے کہ جب کوئی مجرم اس دنیا میں مقررہ سزا بھگت لیتا ہے تو وہ سزا کفارۂ ذنوب متصور ہوتی ہے وہ نبی جو جھوٹ بول کر بنی اسرائیل کے ہاتھ سے قتل کیا گیا عاقبت کے مواخذہ سے بچ جاتا تھا۔ مگر چونکہ مسیحیت کا جھوٹا دعویٰ سب کفروں سے بڑا کفر ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان جھوٹوں کی رسی دراز کی جاوے گی۔ تاکہ دنیا میں رسوائی کا پیالہ ان کا خوب لبریز ہو جاوے اور سارا عذاب عقبیٰ میں بھگتیں۔ پس ان کی درازی عمر اور ایک جتھا ان کے چیلوں کا اور گھی چپڑی روٹیاں ان کے عذاب الیم پر شاہد ہیں۔ اس بات کو بھولنا نہ چاہئے۔ پس اگر خدا کسی عاصی پر رحم کرتا ہے تو اس کو جلد مار دیتا ہے کہ وہ عصیاں کا پیالہ نہ بھرے اور جب اس پر غضب کرتا ہے تو اس کو جیتا رہنے دیتا ہے۔ پس اس کی زندگی اس کے لئے وبال ہے۔

شیر علی صاحب کی ایک اور تقریر قابل شنید ہے۔ ''اگر یسوع فی الحقیقت خدا ہے اور ان کی دعائیں سنتا ہے تو کیوں وہ اس کے حضور میں دعا نہیں کرتے کہ وہ مرزا غلام احمد کو تباہ کرے۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے بڑھ کر کس نے یسوع مسیح کے غصے کو بھڑکایا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ کیا ہوا ہے کہ گویا وہ آپ ہی مسیح ہیں۔ ایسے رقیب وحریف پر یسوع کی خدائی کا غصہ بے تحاشا بھڑک اٹھنا چاہئے۔'' ہم اس کا راز بھی سمجھائے دیتے ہیں۔ مرزا قادیانی اپنے دل سے عیسائیوں کا دشمن ہے۔ مگر کیسا دشمن جو اپنی دشمنی کی آگ میں خود جلتا ہے اور عیسائیوں کو حکم ہے۔ ''اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو۔'' (متی ۵:۴۴،۴۵)

پھر بھلا وہ مرزا قادیانی کے لئے بددعا کیسے کریں۔ وہ تو سال بسال اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ ’’اے خداوند اس سال تو اسے اور رہنے دے۔‘‘ (لوقا۱۳:۸)

رہا ان کا مسیح تو وہ اپنے دشمنوں کے لئے اپنی جان دینے آیا تھا۔ جنہوں نے اس کو قتل کیا۔ ان کے لئے اس نے دعا کی۔ ’’اے باپ ان کو معاف کر۔‘‘ (لوقا۲۳:۳۴)

اس کو غصہ کیسے آسکتا ہے اور ہماری دانست میں تو مرزا قادیانی نے خاص طور سے کسی عیسائی کے غصہ کو بھی نہیں بھڑکایا۔ کیا ان کو سلطنت سے اس نے محروم کر دیا یا ان کی مشنوں کو روک دیا یا ان کے مطابع کو بند کر دیا یا ان کے ہاتھ سے قلم چھین لیا یا ان کے مناظرین اور واعظین اور فلاسفروں کی زبان بند کر دی یا مسیح کی کلیسیا کا شمار گھٹا دیا یا کوئی اوزار جو ان کے ہاتھ میں تھا اس کی باڑہ کند کر دی۔ نہیں بلکہ عیسائی کئی طرح سے اس کے مشکور ہیں۔ ہم نے ایک عیسائی کو جو پہلے مسلمان تھا کہتے سنا کہ میں محض مرزا قادیانی کی تصانیف پڑھ پڑھ کر عیسائی ہوا۔ اس کا قصہ ہم اس رسالہ کے آخر میں بطور ضمیمہ الگ درج کرتے ہیں۔

ہم ان تمام خیالات کے جوابدہ نہیں جو اس نومرید نے ظاہر کئے۔ مگر ہم کو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مرزا قادیانی کے طریق کا رجحان مسیح کے سمت ہے۔ اس طریق کو جس وقت کوئی اچھی طرح سمجھ لے گا تو جھوٹے مسیح سے سچے کی طرف بطور لازم ملزوم پھرے گا۔ اس کو بیچ میں کئی جگہ ٹھہرنے کی مل نہیں سکتی اور اس کی کتابوں نے عیسائی مناظرین کے ہاتھ بہت مضبوط کر دیئے اور یہ نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان پہلے مرزا قادیانی کے پاس جاتا ہے اور وہاں سے دوسری منزل یا عیسائیت ہوتی ہے یا اس کا قرب وجوار۔ اب یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عیسائیت کی بنیاد مسیح کی صلیب اور موت ہے۔ پس کسر صلیب کے نام سے مرزا ہی نے صلیب کو مسلمانوں کے درمیان نصب کیا اور مسیح کی وفات کو قرآن کے ورق الٹا الٹا ثابت کیا۔ لہٰذا اس کی نسبت ہمارے دل سے یہی نکلتا ہے۔

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اور نتیجہ ظاہر ہے کہ گوگرجا کے احاطہ سے مرزا قادیانی ہمارا ایک گدھا بھی نہ ہانک لے گئے۔ مگر حرمین شریفین کی فضا کا اڑا ہوا کبوتر ہماری کابک کے اور نیستان قادیان کا شیر یعنی چراغ دین جموی ہماری سرکس کی نذر کر چکی اور دوسرا یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم خان ان کے کٹہرے سے نکل گیا۔ جس نے ان کو اور ان کے یار وانصار کو کاری زخم پہنچائے۔ پھر کہئے عیسائی آپ کو برخوردار کیوں نہ کہیں۔

پھر بھی ہم کو آپ کی ادّعاء مسیحیت پرہنسی آتی ہے کہ اپنے کو خدا کو خداوند مسیح کا رقیب وحریف فرماتے ہیں۔ بلکہ رشک مسیحا، اور تعجب کرتے ہیں کہ خداوند مسیح نے آج تک آپ کو ہلاک کیوں نہ کیا۔ پہلے ہم اس کا بھی پتہ بتادیں کہ مرزا کادیانی نے یہ برہان قاطع اپنی صداقت میں کس اوستاد سے سیکھی تاکہ مسلمان بھائیوں کی تسکین ہو جاوے۔ بریڈلا مشہور ومعروف ممبر پارلیمنٹ کانگریس کے ولائتی حمائتیوں کا سرگروہ ایک بے پڑھا شخص تھا۔ چند سال ہوئے فوت ہوگیا۔ پہلے کوملا فروش تھا۔ پھر خداداد جوہر قابلیت گویائی اور حسن اخلاق سے بڑھتے بڑھتے بڑے اونچے پایہ پر پہنچ گیا۔ یہ شخص لامذہب تھا۔ بلکہ دہریہ اور دہریت کو انگلستان میں اسی نے بڑا رواج دیا۔ (مسز اینی بسنٹ جواب تھوصوفسٹ ہیں اس کے حین حیات اسی کی ہم صفیر تھیں) اس نے الحاد اوانکار الوہیت پر بہت کتابیں لکھیں اور اپنی دھن کا پکا اور نہایت ہی کامیاب ہوگزرا۔ اس کا نرالا شیوہ تھا کہ دہریت پر لیکچر دیتے دیتے یکا یک بڑے کفر کے ساتھ لوگوں سے مخاطب ہوکر کہتا تھا کہ سن لو اگر زمین وآسمان میں کوئی خدا ہے تو میں اس کو پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو جو اس کا دشمن اور اس زور وشور سے انکار کرتا ہوں فنا کردے اور تم سب لوگ جو خدا کو مانتے ہو مل کر دعا کرو کہ میں فنا ہو جاؤں۔ اگر تمہارے خدا میں طاقت ہے تو اس عمارت کو جس میں میں کھڑا ہوں میرے اوپر گرادے یا اپنے جلال کو ظاہر کرنے کے لئے کسی طور سے مجھے ہلاک کردے۔ پھر جب پندرہ منٹ گزرجاتے تو پھر کہتا کہ میں تمہارے خدا کو اور ۵ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس نے اب بھی تمہاری دعا نہ سنی اور مجھ کو ہلاک نہ کیا تو ثابت ہے کہ یا وہ نہیں ہے یا اگر ہے تو بلاقدرت وعاجز اور مجھ سے خائف۔

عوام کے اوپر اس کا بہت بڑا اثر پڑتا تھا وہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ بریڈلا کے اس انکار سے خدا کا کچھ نقصان نہ ہوتا تھا۔ بریڈلا ایک چیونٹی تھی جو زمین پر رینگتی تھی۔ قادر مطلق کو اس کے انکار کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ یہ شخص اپنی پوری عمر کو پہنچ کر بڑی عزت کے ساتھ آخری دم سے اپنے کفر کا اقرار کر کے مرا اور اسی نمبر ریویو میں پنڈت شیونارائن اگنی ہوتری کی نسبت تم خود کہتے ہو کہ اس نے ''نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا۔ بلکہ بعض دریدہ دہن دہریوں کی طرح خداتعالیٰ کو گالیاں بھی نکالیں ہیں۔''

پھر جب خدا کو ایسے جہل وسفلہ پن کی باتوں پر غصہ نہیں آتا تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیوں اس کے کسی بندہ کو غصہ آوے۔ پس روشن ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ اس قسم کی جہل کی باتیں کرنا بالکل لاحاصل ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ تم ان کے پروردہ ہو ان کے ساختہ پرداختہ ہو اور ان ہی

کا کام کر رہے ہو۔ مگر تمہاری طبیعت میں شکر کا مادہ نہیں اور تم اپنی حقیقت ناواقفوں سے چھپانے کی خاطر ان ہی لوگوں کو گالی دیتے ہو جن کے روحانی ٹکڑوں سے تم پلے۔ تم تو ابھی اس پایہ کو بھی نہیں پہنچے۔ جس پر دشمن خدا بریڈلا پہنچا تھا جو تمہارا استاد ہے اور ابھی اتنی عمر کو بھی نہیں پہنچے جو اس کے استاد ہولی اوک کو نصیب ہو چکی تھی جو پارسال مرا۔

ذرا سوچو عیسائی دین کے ساتھ دشمنی کر کے تم کیا کر سکے، کچھ نہیں، مطلق کچھ نہیں۔ تم تو اتنا بھی نہ کر سکے جو بریڈلا کر چکا، اتنا بھی نہ کر سکے جو والٹیر کر سکا، کیونکہ وہ ایک فلاسفر تھا جادو زبان تھا قومی لیڈر تھا۔ اس کی تصانیف اب تک زبان فرنچ کے ادب میں داخل ہیں۔ تم سے بڑے بڑے دشمن ہو گزرے ہیں اور اس وقت موجود ہیں انہیں کی رکابیاں تم چاٹ رہے ہو اور جب ان کے اعتراضات مسیحیت کے خلاف سناتے ہو تو دراصل اپنے گلے پر چھری چلاتے ہو اور اس احمق کی سی روش اختیار کرتے ہو جو اسی ڈال کو کاٹتا تھا جس پر کھڑا تھا۔ پس آپ کی دشمنی نے عیسائیت کو بال بھر نقصان نہیں پہنچایا۔ حالانکہ اس عیسائیت نے فائدہ اٹھایا تم نے۔ ہم اعتراف کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت مدد دی۔ پس اگر تمہارا وجود بلا ہے تو اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے، تم نے خداوند مسیح کی موت اور اس کا صلیب پر چڑھنا ثابت کیا۔ یہی ایک خدمت ایسی ہے جس کے صلہ میں عیسائی آپ کی جان بخشی کرتے ہیں۔ پھر آپ نے اپنا چراغ دین ہم کو نذر کر دیا۔ اس کے صلہ میں ہم آپ کو درازی عمر کی دعا دیتے ہیں۔ عیسائی احسان فراموش نہیں۔ جب شیطان داد کا مستحق ہو تو اس کو بھی ملے گی۔ اب اس رسالہ کو ہم مرزا قادیانی کے مضمون پر ختم کرتے ہیں۔ جو ان کے اور ان کے اس سوال کا قطعی جواب ہے کہ اگر مرزا فاسق تھا تو اب تک کیوں نہ مرا۔ اس کی عمر کیوں دراز ہوئی۔ ہندو مہنتوں کی طرح مرغن غذائیں کیوں کھاتا ہے۔ عیش وعشرت سے کیوں بسر کرتا ہے جوروؤں کی حرص کیوں رکھتا ہے۔ ہزاروں مسلمانوں کو اس نے کیونکر مونڈ لیا اور اتنے بے وقوف اس کو حضرت اقدس کیوں کہتے ہیں؟ اور اس کی قبر کیوں ''مقبرہ بہشتی'' میں کھود رہی ہے۔ اس حکایت میں ایک حضرت اقدس کا حال ہے جو مرزا قادیانی سے بانسوں اونچے ہیں۔ اب مرزا قادیانی سے آپ وہی سوالات اس کی نسبت پوچھ کر تشفی حاصل کر لیجئے۔ یہ بیان مرزا قادیانی نے عربی وفارسی دونوں میں لکھا ہے۔ فارسی زیادہ عام فہم ہے۔ اس لئے ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب فارسی نہ جانتے ہوں تو کسی سے ترجمہ کرا کر لطف اٹھائیں۔

''بلکہ بسا اوقات مردے فاسقی راخواہی یاف کہ مضبوط وکثیر النشاط مے باشد۔

درلباس خوشی میخ آمد و تیر او از نشانہ خطا نے کند۔ از گوشت نرم برائے او بر سیخ کباب طیار مے کنند چوزہ ہائے مرغ ہا بہ ہمراہ کلچہ در شور با شکستہ بریاں مے کنند۔ وا وہمچو آہو ہا مے جہد۔ وگا ہے گنجے در بیابانے مے یابد و مردم را ہمچو چارپایاں شکار میکند۔ و درخش سراب خود مے نماید و باوجود ایں ہیچ تنگی و تکلیف را نمے بیند۔ و سختی را نمے بردارد۔ واز زناں نرم و سرود گویاں بہرہ بسیار وادہ مے شود۔ و نیز او را اموال و پسراں و املاک و زمین ہا میسر مے آیند۔ وغلاماں و نوکراں مے باشند۔ باوجودیکہ او در بدی ہا مے دود۔ واز ممنوعات توبہ نمے کند۔ و دریں فکر نمے باشد کہ بدی ہا را بہ نیکی ہا دور کند۔ و قبل از وقت لغزشہائے خود را تدارک نمائد۔ بلکہ بر ممنوعات دلیری مے کند۔ واز حدود خدا تعالیٰ ہمچو غلو کنندگاں تجاوز میکند و پرہیزگاری اختیار نمے کند۔ بلکہ از ملاقات پرہیزگاراں بیزار مے باشد۔ واز قرب اہل دیانت نفرت مے کند۔ بلکہ درآمیزش زناں سرود گویاں رغبت مے نماید۔ و برائے دیدن زناں بدکار خواہش مے کند۔ و نصیحت تردیکاں و بیگانگاں نمے شنود۔ بلکہ نصیحت کنندگاں را ہمچو کثر و مہانیش مے زند۔ وسوے وصیتہاے قبیلہ التفات نمے وارد۔ بلکہ ہمچو مارے بر ایشاں حملہ مے کند۔ و باز نمے گرود نامہ پراگندہ او سوے پیچیدن۔ بلکہ ہر روز در گناہ ترقی مے کند۔ و اسوار مے شود بر اسپانے کہ دست و پائے شاں سبک اند و طویل و عریض اند۔ واز ہر خصومت کنندہ شعد ید العداوت قدمش پیشتر مے باشد و در بدن شتر بزرگ سرا مے ماند۔ و ایام عمر خود را ہمچور ہا کردہ رسن شہوات و درازی خواب مے گذراند۔ وخانہ خود را از خانہ اہل صلاح دور مے گرداند۔ و با اہل فسق و بدبختی مے نشیند۔ و ہیچ مسجدے را اندر نیاید۔ بلکہ زر مے طلبد۔ وسوے پیالہ ہائے شراب مے خمد۔ مے خواہد کہ پیالہ ہائے از شراب سرخ او را دادہ باشند۔ و شراب را در رفیقاں یک جہت و در انبوہ مرداں مے نوشد۔ دنیاے خود را بیتے مے گیر و پس دراں رغبت مے کند و بد و حریص مے باشد و بر دآرزومندے ماند و بر و فخر میکند ہیچ از عقبیٰ و دین نمے گیرد ہمہ عمر او در فراہم آوردن زر میرود و آرزومندی دنیا بر دل او ہمچو آتش افروختہ مشتعل مے باشد۔ واز ہر طرف دلہا بر و مہربانی میکند و مطلب او برائے او آسان کردہ مے شود۔ و دیگہاے او معطل کردہ نمے شوند و نہ دستما لہاے آں دیگہا بیکار مے ماند۔ در روز ہاے او از وے نمے گریزند و نہ اقبال آں روز ہا۔ و زنبور ہاے او دفع کردہ میشوند۔ و در آب شیریں او برکت داشتہ مے آید و در نعمت ہاے خود روز محرومی نمے بیند۔ و نہ طالع او سے برگشتگی قصد میکند باوجودیکہ او عمر خود در بدکار یہا مے گذارند۔ نہ بروے صاعقہ مے افتد۔ و نہ او را مارے مے گزد۔ و نام او از زمین محو کردہ نمے شود۔ بلکہ اولاد و اولاد اولاد او بسیار مے شود۔ در ہر مجلسے کہ مجمع دار د صدر نشیں مے گردد۔ و در ہر مجلسے کہ در ادا کا بر حاضر مے آیند ا یر ایشاں او

مے باشد۔ واوراماہ تمام محافل وراس رئیس تمام مردماں مے دانند وخدمتگاراں برسراوایستادہ مے باشند تابوقتیکہ ازخواب خود بیدارشود۔ ومے نوشدہ مے خورد تاآنکہ شکم اوہمچو گنبدے مے شود۔ وشیر چنداں مے نوشد کہ ظرف کلاں شیر راخالی میکند۔ مگر طعام اودرمعدہ فاسد نمے شود ونہ اوراددرد شکم مے گیرد برچناں اس پے سوارمے شود کہ نمے جنباند اورا۔ تنعم اواوراامثل عطیہ مے باشد۔ ومحبت ملک ہاوغلامان دردل اومے نشیند۔ ونمے داند کہ ایمان چہ باشد۔ نمے گزاروصغیرہ رانہ کبیرہ را وکسے تعریف خلق وسیرت اونمیکند۔ وباوجودایں ہمہ خرابی ہااومرجع خواص وعوام مے باشد۔ وبکمال محبت اورادوست مے گیرند۔ تاآنکہ قبراوبعدازمرون اوزیارتگاہ زائراں مے گردد۔ وہرصبح وشام معتقداں برمزارشریف اوبتعہد مے روند۔'' (انجام آتھم مکتوب عربی ص۱۰۳،۱۰۹، خزائن ج۱۱ص۱۰۹)

ایک مسلمان کا حال جو مرزاکادیانی کی تصانیف پڑھ کر عیسائی ہوگیا

''میں مسلمان تھا اور متعصب، مگر میرا دین تقلیدی تھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند میں قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔ گو تفاسیر سے مجھ کو کچھ شوق نہ تھا۔ مناظرہ کی کتابیں میں نے دیکھی تھیں۔ مگر عیسائیوں اور یہودیوں کی دینی کتابوں کو میں نے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ کیونکہ میں ان کو کتاب ہی نہ سمجھتا تھا۔ محض محرف ومنسوخ اور موجودہ حالت میں ان کو افسانے جانتا تھا۔ عیسائیوں سے مجھ کو نفرت تھی۔ خاص کر اس لئے کہ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس کو مصلوب مانتے تھے اور حضرت محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا نبی کہتے تھے اور قرآن کو جسے میں اللہ کا کلام مانتا تھا وہ حضرت محمد ﷺ کی تصنیف بتاتے تھے۔ میرے جملہ خیالات مقلدانہ تھے۔ عیسائیوں کے ساتھ جب بات چیت کی نوبت آئی تھی تو میں ان سے کہتا تھا کہ اگر قرآن انسان کا کلام ہے تو تم بھی اس سا بنادو اور یہ بات شدت کے ساتھ میرے دل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اگر آنحضرت ﷺ اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے اور آپ پر وحی نازل نہ ہوتی تو پھر قرآن میں یہ کیسے لکھا ہوتا۔''ومن اظلم ممن افتری علیٰ اللہ کذبا (انعام:۹۳)'' اور جب عیسائی کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی معجزہ نہیں کیا تو میں کہتا کیا ایک معجزہ کافی نہیں فصاحت قرآن کا جو دوامی ہے۔ جس کی مثل آج تک کوئی نہ کرسکا۔ مجھ کو عیسائیوں کا مسیح کو ابن اللہ کہنا اور یہ ماننا کہ آپ کو کفار نے صلیب پر چڑھایا ازحد شاق گذرتا تھا۔ اسی اثناء میں مجھ کو حج کا شوق دامن گیر ہوا۔ اس کو بڑا ثواب اور اسلامی فرض جانتا تھا۔ عرب گیا۔ حج کیا بلکہ وہاں قریب ایک سال کے رہا۔ لوٹ کر بمبئی آیا۔ وہاں ایک دو مرزائیوں سے ملاقات ہوئی۔ حمامتہ البشریٰ اور نورالحق اور مکتوب عربی ودیگر کتب مرزا کی تصنیف سے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ دل پر یکایک یہ

روشن ہوگیا کہ حضرت مسیح کا وجود اسلام کے لئے لازمی ہے۔ کوئی ایسی کسر دین میں رہ گئی کہ ایک نبی کو نبی آخرالزمان کے بعد آنا پڑا۔ پس اس کی مصلحت پر سوچنا شروع کیا۔ پہلے نزول مسیح کی احادیث پر توجہ کی، پیشین گوئیوں کی بحث پر قطعی فیصلہ کرنے کی غرض سے بائبل شریف لینا پڑی۔ پھر جو اس کو پڑھا تو عجب لطف اور روحانی سرور محسوس کیا۔ ساری کتاب پڑھ گیا اور روشن ہوگیا کہ دین کے لحاظ سے تو وہ قرآن کی مثال ہے۔ تب یہ خیال دل میں آیا کہ اگر دراصل لوگوں نے اس میں تحریف کی تو بہت تھوڑی کی ہوگی۔ جس سے مقصود خداوندی میں فرق نہیں آتا۔ غالباً ہمارے نبی کی پیشین گوئیاں دشمنوں نے نکال ڈالی ہوں گی۔ مرزاقادیانی کی کتابیں پڑھ کر گو اس میں تو ہم کو بال برابر بھی شک نہیں رہا کہ قرآن کی رو سے حدیث کی رو سے، بائبل کی رو سے مرزا جھوٹا ہے۔ وہ مسیح نہیں اور اس نے پیشین گوئیوں کو کچھ نہیں سمجھا۔ اس کا وجود ضرور فتنہ ہے۔ مگر ہمارے دل پر ضرورت مسیح کا لجر ہوگئی اور مرزاقادیانی کی تصنیفات سے ابن اللہ کا سچا مفہوم بھی کھل گیا اور ایک پیچیدہ مسئلہ حل ہوگیا اور دل نے گواہی دی کہ مرزا ابن اللہ کے معنے پرانے صوفیوں سے کہیں اچھا سمجھا۔ پھر مسیح کے مصلوب ہونے کا خیال بھی سچا معلوم ہوا۔ قرآن سے آپ کی وفات مرزاقادیانی کی بحث کے موافق آیت النص سے ثابت ہے۔ جب آپ کی تصلیب کا عقدہ حل ہوگیا اور وفات کا تو یہ بھی روشن ہوگیا کہ مرزاقادیانی کا یہ وہم کہ آپ صلیب دیئے گئے۔ مگر دھوکے سے بچ گئے اور مرے تو مگر صلیب پر نہیں مرے۔ محض بکواس ہے۔ ان دونوں عقدوں کا حل وہی انجیل تاریخی بیان ہے جس کے سمجھنے میں غلطی تو مرزاقادیانی نے کی...... مرزاقادیانی کا ایک فارسی شعر ہے جو میرے دل میں کھب گیا۔ جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربان جہاں

جس نے میرے لئے سارہ مسئلہ کفارہ کو حل کر دیا۔ اب دل اس طرف مائل ہوا کہ مرزاقادیانی اس تحدی کے کیا معنے کہ میں ایسی فصیح عربی لکھتا ہوں کہ جہاں میں کوئی نہیں لکھ سکتا۔ اس کی عبارت کے بعض نمونوں پر جو غور کیا تو مجھ کو بالکل قرآن کے مثل بلکہ بعض جا قرآن سے افضل معلوم ہوئے اور میں نے یہ دیکھا کہ مولوی لوگ اس کی اس تحدی سے گھبراتے ہیں۔ اس کے مقابل ویسی عبارت نہیں لکھتے۔ گو اس کے انشاء میں ہزاروں سقم بتلاتے ہیں تو میرا ایمان ڈانواڈول ہوا۔ بلکہ میرا تعجب اور بھی بڑھ گیا کہ قرآن کی عربی تو عرب کے ملک میں لکھی گئی اور ایک خالص عرب کے ہاتھ سے ملی۔ جب عرب اپنے عروج پر تھے اور یہاں ایک ہندی پنجابی

شخص ہے جو کبھی عرب کو بھی نہیں گیا۔ اس نے ایسی بڑی تحدی اپنے سخن کی نسبت کی کہ قرآن میں بھی ویسی موجود نہیں۔

’’غرضیکہ ایک دم میں مجھ پر یہ راز کھل گیا کہ قرآن مثل کلام مرزا کے کلام بشر ہے اور ہر شخص جس نے ادب میں مہارت پیدا کی اور سلف کی کلام پر توجہ کی وہ قرآن کی مثل لکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اپنے مکتوب عربی میں مرزا اپنے مخالف مولویوں کی شکایت کرتا ہے۔ (صفحات ۲۳۱، ۲۴۱، ۲۶۱) کہ وہ میرے سخن کی داد نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ مرزا جو کچھ عربی نثر و نظم سنایا کرتا ہے وہ اس کا طبعزاد نہیں بلکہ کسی شامی عرب نے اس سے بہت سا مال لے کر لکھ دیا ہے: ’’**بل الفها دجل من الشامیین واخذ علیه کثیر من المال کالمستاجرین**‘‘ یہ ساری عبارتیں اسی کی انشاء ہیں اور دوسرے لوگوں کی قلموں کا نتیجہ ’’**بل تلک کلم خرجت من اقلام الاخرین**‘‘ اور گمان کرتے ہیں اس کی کتاب کو شامیوں نے تالیف کیا اور س میں اس کی دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے۔ ’’**وزعمتم انه الفه الشامیون اواعان علیه قوم آخرون**‘‘ اور اس گروہ میں سے وہ لوگ ایک شخص کا نام بھی بتلاتے ہیں۔ محمد سعیدی النشار الحمیدی الشامی جس کا تذکرہ بطور انکار مرزا کرتا ہے۔ (نورالحق ص۱۶، ۱۸)

بجنسہ یہ واقعہ قرآن کو درپیش آچکا۔ ’’**انهم یقولون انما یعلم**‘‘ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے۔ ایک آدمی جس پر تعریض کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے۔ (نحل:۲۵)

’’**قال الذین کفروا ان هذا الا امک افتراه واعانه علیه قوم آخرون**‘‘ کہنے لگے منکر یہ کچھ نہیں مگر جھوٹ جو وہ آپ باندھ لایا ہے اور اس میں اس کی مدد کی اور لوگوں نے اور کہنے لگے یہ کہانیاں ہیں۔ اگلوں کی جو لکھ لایا ہے۔ سو وہی لکھوائے جاتے ہیں۔ اس کے پاس صبح و شام۔ (فرقان)

جس طرح علمائے عصر پر مرزا قادیانی کا راز طشت از بام ہے معاصرین پر قرآن کا راز الم نشرح تھا۔ مگر یہ راز ہمارے لئے سربستہ رہتا۔ اگر مرزا قادیانی نے وہی پرانا سوانگ بھر کر ہم کو سارا تماشہ نہ دکھلا دیا ہوتا۔ پس جس طرح قرآن کے مثل مرزا لکھ رہا ہے اور اس ملک کے علماء بھی لکھ سکتے ہیں اور ان کی سکوت سے ان کا عجز ثابت نہیں بلکہ اس کا بھید یہ ہے کہ ان کے لئے اس نمونہ پر مشق کرنا ترک ادب و خلاف ایمان ہے۔ اگر وہ بھی مرزا قادیانی کی مانند کچھ لکھیں یا اس سے بڑھ کر لکھیں تو گویا وہ قرآن کی مانند لکھ ڈالیں اور یہ کسی ایماندار مسلمان سے ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا ان کا سکوت مرزا قادیانی کی فتح پر تو کوئی دلیل نہیں۔ مگر مرزا کی تحدی قرآن کی تحدی کو ضرور توڑتی

ہے۔ لہٰذا مرزا کادیانی کی انشاء پردازی کی وجہ سے میں ایک باطل تقلیدی خیال سے آزاد ہوا اور مجھ کو مان لینا پڑا کہ قران معجزہ نہیں اور جو اس کو لایا وہ بے کرامت تھا اور میں کسی بڑے رسول کو جو دنیا کا شارع بن کر خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ کرے بلا معجزہ قبول نہیں کرسکتا۔ اب اس کے ساتھ ہی میرا جو دوسرا خیال جما ہوا تھا کہ آنخضرتﷺ سے ''افترا علی اللہ'' محال تھا۔ یہ بھی باطل ہوگیا۔ میں نے مرزا کادیانی کو ہر قسم کا افتراء علی اللہ کرتے دیکھ لیا اور یقین ہوگیا کہ آنخضرتﷺ کے صدق کی وہ دلیل جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا ہیچ نکلی۔ میری ایک اور مشکل بھی آسان ہوگئی۔ پادری عمادالدین وغیرہ کی کتابوں میں بہت بڑا الزام آنخضرتﷺ کی نبوت پر یہ ہے کہ آپ نے زینب کو اپنی منکوحہ کہا۔ ''انا زوجنا کھا'' والی آیت خدا کے نام سے قرآن میں نازل کی۔ بجنسہ میں نے مرزا کادیانی کو وہی کرتے اور کہتے دیکھا آپ کی بھی زوجہ آسمانی ہے اور اس پر بھی آیات موجود ہیں بلکہ میرے دل میں یقین ہوگیا کہ مرزا کادیانی نہ قرآن کو مانتے ہیں نہ اسلام کو، بلکہ آپ کوئی ملحد و دہریہ ہیں۔ سزا و جزاء کے منکر۔ اس لئے دنیا کو ٹھگتے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو یوں لوگ نبی بن جاتے تھے اور یوں احمقوں کو رجھاتے تھے۔

اب مجھ کو ذرا شک نہیں کہ مرزا کادیانی آنخضرتﷺ کی پوری پوری نقل اتار کر کادیان میں وہی لیلا کر رہے ہیں جو اس سے پہلے مدینہ میں کی گئی تھی۔ آپ کو اسی طرح الہام ہوتا ہے اسی طرح وحی آتی ہے۔ اسی طرح خوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی جورواں ہیں اسی طرح وہ امہات المومنین ہیں اور اسی وضع کے آپ کے صحابی اور مہاجرین ہیں۔ آپ احمد ہیں، گو غلام احمد محض تالیف قلوب کی غرض سے بنے ہیں اور یہ آپ کی انکساری ہے۔ کیونکہ آپ کو ٹھگنا مسلمانوں کو ہے اور چونکہ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ تعصب ہے۔ اس لئے ان کے تعصّبات سے فائدہ اٹھانے کو محض تالیف قلوب کی غرض سے انہوں نے پادریوں کی مخالفت کی تاکہ اس حیلہ سے مسلمان ان کی کتابیں پڑھیں اور ان کی نسبت حسن ظن رکھیں اور انجام کار قدم بوسی حاصل کریں۔ پہلے آپ نے اپنے کو عیسیٰ بنایا کہ مسلمان عیسائیوں کی مخالفت میں یسوع کی مذمت سننے کے عادی ہو جاویں اور پھر محمد کی مذمت بیان کر کے آپ ان کے سامنے بلا دقت احمد بن جاویں اور غلامی سے آزاد ہوں۔ پس اس طرح میں اسلام اور قرآن سے بدظن ہوگیا۔ میری آنکھوں کے آگے گویا سارا بھانڈا پھوٹ گیا اور مجھ کو سوائے عیسائیت کے کہیں پناہ نہ تھی۔ پس مین دل سے ان مرزا کا مشکور ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی عمر دراز ہوتا، اور لوگ بھی میری طرح حقیقت کو دیکھ لیں۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مرزا غلام احمد کے فرزند کی وفات

جناب اکبر مسیح صاحب

دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا ہے خداتعالیٰ کی ازلی مشیت کے موافق ہوتا ہے۔ کبھی وہ مشیت انسان کی آرزو کے مطابق پڑ جاتی ہے تو اس کو خوشی ہوتی ہے۔ کبھی اس کی آرزو کے مخالف تب اس کو رنج ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی خدا کا بندہ اپنی آرزو کو الٰہی مشیت کے موافق کرنا سیکھ لیتا ہے بلکہ اپنے لئے کسی آرزو کا رکھنا بھی گناہ سمجھتا ہے جو الٰہی مرضی کے تابع نہ ہو تو اس کو ہر حالت میں خوشی ہوتی ہے۔ اگر کوئی پیدا ہو وہ خوش، کوئی مر جائے وہ خوش، اپنی زندگی میں وہ خوش اپنی موت میں وہ خوش، تندرستی میں خوش، بیماری میں خوش، یہی وہ لوگ ہیں جو دل سے کہتے ہیں:

''خداوند تیری مرضی پوری ہو۔''

لیکن انسان تو بے صبر ہے۔ دنیا میں اس کی حالت ایسی خام ہے کہ وہ بیشتر الٰہی مشیت سے راضی نہیں رہتا۔ بعض لوگ اپنی خامی کی وجہ سے اپنے دل میں عناد کو جگہ دیتے ہیں۔ دوسروں کو اپنا دشمن سمجھ لیتے ہیں۔ ان کے رنجوں اور غموں پر شادیانے بجاتے ہیں اور ایسا کرتے اور کہتے ہیں گویا ان کے مخالفوں پر جو مصیبت آئی وہ خاص ان کے بلائے آئی۔ گویا خدا کو کسی جن کی طرح انہوں نے اپنے قابو میں کرلیا۔ جو ان کی اپنی آرزؤں کے موافق ان کے دشمنوں پر عذاب کرتا ہے۔

جس طرح دنیا میں بیٹوں کے باپ مر گئے اور باپوں کے بیٹے۔ اسی طرح بالکل قانون فطرت کے تحت مرزا قادیانی کا فرزند مر گیا۔ نہ وہ کسی کی بددعا سے مرا اور نہ اب کسی کی دعا سے جی سکتا ہے۔ ایک بالکل معمولی واقعہ ہے اور جیسا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اس کے لئے رنج وافسوس اس کے عزیزوں کو ہونا بھی لازمی ہے۔ میں خود بھی کئی دفعہ ایسے رنجوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ مگر مجھ کو ایک صاحب کی تحریر سے ضرور صدمہ ہوا۔ جنہوں نے بجائے اس کے کہ افسوس کے ساتھ اس واقعہ کا تذکرہ فرماتے۔ الحمدللہ! کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ خدا کی حمد تو ہر حال میں واجب ہے۔ ''خدا نے دیا، خدا نے لیا۔ خدا کا نام مبارک ہو۔'' مگر الحمد کو کسی دشمن کا دل دکھانے کے لئے دوسرے کی مصیبت پر اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرنا حمد کی مناسب قدر نہ پہچانا ہے۔

غیرانجیلی روایات سے ہم کو خداوند مسیح کا ایک فرمودہ پہنچا ہے۔ ’’مبارک وہ جو بے دینوں کی تباہی پر ماتم کرتے ہیں۔‘‘ پس ہم اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کے لئے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اس مزاج سے بچائے کہ ہم کسی مخالف کی مصیبت پر زبان سے ’’خوب ہوا‘‘ کہیں یا دل سے خوشی حاصل کریں۔ بلکہ ہم کو توفیق دے کہ ہم اس کے لئے دعا کریں کہ خدا اس کو تسلی بخشے اور مصیبت کو اس کے لئے برکت بنائے۔

اس وقت ہمارے سامنے اہل حدیث مورخہ ۱۱؍اکتوبر اور ریویو ستمبر واکتوبر ۱۹۰۷ء موجود ہیں اور ہم مولوی ثناء اللہ کو معذور سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے مخالف کے لئے اسی پیمانے سے ناپ رہے ہیں جس پیمانہ سے اسے ناپتے دیکھا۔ کیونکہ ان کے ’’مباہلے کا اثر‘‘ ان کے حریف کے الفاظ سے ظاہر ہوا ہے۔ گو ہم اس کے واقعی اثر کے قائل نہیں۔ کیونکہ جو اس کا قائل ہو اس کو ماننا پڑے گا کہ جب مرزا قادیانی اپنے حق میں کوئی بددعا کرتے ہیں تو وہ مقبول ہو جاتی ہے اور ہم نہ ان کی دعا کے قائل، نہ ان کی بددعا کے، نہ ان کی ذات کے لئے نہ کسی غیر کی۔ جو کچھ ہونا ہے وہ ہوتا جاتا ہے۔ اس میں نہ مرزا قادیانی کو دخل نہ مولوی صاحب کو اور نہ ڈاکٹر صاحب کو مشیت ایزدی ان سبھوں سے مستغنی ہے۔

یہ تو سچ ہے کہ اس منطق کے موافق جو قادیان کے مدرسہ الٰہیات میں مدت سے پڑھایا جاتا رہا۔ ان الفاظ کی بناء پر جو مرزا قادیانی نے مولوی صاحب کے مقابل استعمال کئے تھے۔ مولوی صاحب کی فتح ماننی پڑتی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر خدانخواستہ واقعہ اس کے برعکس ہوتا تو اس قسم کے شادیانے فتح کے فریق مخالف کے خیموں میں بجتے سنائی دیتے۔

مگر ہم اس منطق کے قائل نہیں۔ اس لئے ان مباہلوں کے اور ان کے اثر کے بھی قائل نہیں نہ کبھی رہے اور نہ اب ہو سکتے ہیں۔ ہم ان خام خیالوں میں نہیں جو دو جھوٹوں میں سے پیچھے مرنے والے کے قائل ہو جائیں۔

ہمارے دل میں اس وقت اور خیالات پیدا ہو رہے ہیں اور مرنے والے کے عزیزوں کے ساتھ خالص ہمدردی کے ہیں۔ عزیزوں کی موت دنیا کی بے ثباتی ہمارے ذہن میں جماتی ہے اور دلوں کو نرم کرتی ہے۔ ہم جس وقت اپنے متوفی وعزیز کے پیچھے آسمان کی طرف تاکتے ہیں تو اکثر ایسا نور نظر آجاتا ہے جو اور حالت میں نظر آنا مشکل تھا اور ایسے وقت میں ہم کو امید ہوتی ہے

کہ عجب نہیں۔ اگر خدا اس فرزند کی موت کو مرزا قادیانی کے کفر وفریب سے رہائی کا باعث کر دے اور اگر کسی شخص کا کھویا ہوا ایمان اپنے فرزند دلبند کے عوض میں مل جائے تو وہ ضرور نعم البدل ہے۔ گویا اس نے ایک نہایت مقبول قربانی خدا کے آگے گذری۔

ریویو ماہ ستمبر سے روشن ہے کہ ۲۷/اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے کی صحت یابی کی قطعی پیش گوئی کی تھی اور ۱۶/ستمبر کو اس کی موت واقع ہوگئی اور اسی تھوڑی سی مدت میں اس کی شادی بھی ہوچکی تھی۔ اب اس میں تو کلام نہیں کہ پیش گوئی جس کو الہام سے منسوب کیا تھا باطل ہوگئی اور بری طرح باطل ہوگئی۔ اگر لڑکے کو شفا ہو جاتی تو کسی کو معتقد ہونے کی حاجت نہ تھی۔ لیکن اب کوئی شخص جو عقل سے کام لیتا ہے۔ آپ کے الہام کا قائل نہیں رہ سکتا۔ پر اب سوال یہ ہے آپ اپنے الہام کے خود بھی قائل ہو سکتے ہیں؟

ہم ضرور تمہارے کفر کے دشمن ہیں۔ ہم کو دل سے یقین ہے کہ تم کذاب ہو، مفتری ہو۔ ہم تمہاری نسبت مشتبہ نہیں۔ ہاں ایک زمانہ تھا جب ہم تم کو صرف فریب خوردہ جانتے تھے۔ مگر مدت ہوئی کہ فریبی جاننے لگے۔ لیکن ہم خدا کے کسی بندہ سے مایوس نہیں۔ تم سے بھی نہیں، ہم کو آنحضرت ﷺ کی اس حدیث پر پورا یقین ہے کہ کبھی انسان ساری عمر دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے۔ جب دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے تو جنت کے کام کرنے لگتا ہے اور جنتی ہو جاتا ہے۔ ہم تمہارے کفر کے دشمن ہیں۔ لیکن تمہارے دشمن کبھی نہیں ہوئے اور ہم ہرگز تمہارا دل دکھانا نہیں چاہتے۔ بلکہ دوستی کے طور پر ایک بات کہتے ہیں۔ شاید اس کے سننے کو تم اس وقت زیادہ تیار ہو۔

جو شخص برابر دعویٰ کرتا رہا ہو کہ ''دشمنوں کی موتوں کی خبر مجھ کو ہو جاتی ہے۔ میں ان کے حق میں پیش گوئیاں کر دیتا ہوں۔ ان کے حق میں میری دعا تیر بہدف ہے۔ میں مستجاب الدعوات ہوں۔ امریکہ کے مرنے والوں کی مجھ کو خبر، دہلی کے خاندان طبابت میں مرنے والوں کی مجھ کو خبر، جو سخت مخالف پلیگ میں مرنے والا ہے۔ اس کی مجھ کو خبر، آنے والے زلزلے کی مجھ کو خبر، آنے والی وبا کی مجھ کو خبر، آنے والے قحط کی مجھ کو خبر۔''

جس کے اوپر رؤیا اور الہام کا دروازہ یوں وا ہو پھر اس کو اپنے بیٹے کی موت کا علم کیسے نہ ہوا۔ بجائے موت کی خبر کے اس کی شفا کی خبر سنا گیا۔ دروازے پر موت کا فرشتہ کھڑا تھا۔ اسے نہ

دیکھ سکا بلکہ مرنے والے کا ایک معصوم کم سن لڑکی کے ساتھ سہرا باندھ کرا سے رانڈ ہو جانے دیا۔ یہ دیکھ لینے کے بعد بھی کیا وہ شخص اپنے الہام ووحی کا قائل رہ سکتا ہے؟ الہام ووحی تو بڑی چیزیں ہیں۔ معمولی فطری شعور واحتیاط سے بھی اگر کام لیا جاتا تو غلط کاریوں کا ایسا لمبا سلسلہ جاری نہ کیا جاتا۔ ہرگز برا ماننے کی بات نہیں۔ اگر کوئی کہہ بیٹھے

تو براوج فلک چہ دانی چیست
کہ نہ دانی کہ درسرائے تو کیست

مسیح زمان ہونے کا ولولہ! اور مستجاب الدعوات ہونے کا دعویٰ! چھوٹا منہ بڑی بات۔

ذرا سوچو تو کیا مسیح کبھی بیمار ہوئے تھے؟ کیا کبھی کوئی مریض اپنا یا پرایا ان کے قدموں پر سے بے شفا لوٹا تھا؟ کس بیمار کے بستر پر وہ بلائے گئے اور اس کو شفائے کلی حاصل نہیں ہوئی؟ کب انہوں نے قم کہا کہ تن بے جان اٹھ نہ کھڑا ہوا؟ کون مردہ ان کے پاس لایا گیا جو جلایا نہیں گیا؟ کیا کبھی ان کے لوگوں میں کوئی بیمار کا بیمار رہا؟ کیا ان کے دوستوں میں سے کسی کو ان کے موجود ہوتے ہوئے قبر نگل گئی؟ مبادا کوئی کہتا ''کل من مات فات'' موت سب پر غالب ہے۔ مسیح پر بھی غالب رہی۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو اپنی ذات پر پورا اختیار بھی بخش دیا کہ وہ جس طرح سے چاہیں ان کو اپنے اطمینان کے موافق مار ڈالیں تاکہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر گور اور قبر کے اوپر اپنا اقتدار ثابت کر دیں۔

خدا رحم کرے مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اور تم بیمار۔ جسم کے اوپر حصہ میں بھی اور جسم کے نیچے حصہ میں بھی۔ جیسے دنیا مرتی جاتی ہے بلاتاویل تمہارے مرید اور عزیز بھی مرتے جاتے ہیں۔ عبدالکریم آپ کا روحانی فرزند مر گیا۔ آپ نے دعائیں کیں۔ ان کی شفا کی پیش گوئیاں کیں۔ مگر وہ نہ بچا۔ آپ کا فرزند صلبی بیمار پڑا اور مر گیا۔ تم نے دعائیں کیں اور ضرور کیں اور کیوں نہ کرتے تم باپ تھے۔ اس کی مفارقت گوارا نہ ہو سکتی تھی۔ وہ کس کام کا حکیم کہ تمام جہاں کا علاج کرے اور اپنے گھر کو بے علاجی میں چھوڑے۔ وہ مر گیا۔ خدا کا حکم اس کے حق میں پورا ہوا۔ تم اس کی بیماری وموت کے حق میں صفر کا اثر بھی نہ رکھتے تھے۔ تم مسیح نہ تھے کہ تم اس کو شفا دیتے۔ تم مسیح نہیں ہو کہ اب اس کو مردوں میں سے جلا لو۔ حالانکہ مسیح نے مردے جلائے۔ قبروں میں سے گلے سڑے اٹھا دیئے۔

خیر یہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا۔ ان کا مرنا برحق تھا۔ تمہارا جھوٹا ہونا برحق ہے۔ تم بھی

مروگے جس طرح ہم بھی مریں گے۔ آگے یا پیچھے۔ پھر تم کو مسیحیت اور استجابت دعا کا وہم اپنی ذات کے لئے کہاں سے پیدا ہوا؟

جو دلیل اس وقت ہم تم کو دے رہے ہیں وہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو صرف ہماری سمجھ کے موافق ہو ورنہ ہم ہرگز اس کا ذکر نہ کرتے۔ کیونکہ ہماری سمجھ تمہاری سی سمجھ نہیں ہے۔ بلکہ ہم کو خوب معلوم ہوگیا کہ یہ وہی دلیل ہے جس کے تم خود قائل ہو چکے ہو اور ایک حریف کے مقابل استعمال کر چکے ہو۔ پس اگر اب بھی تم اس کے زور کے قائل نہ ہو تو یہ خدا اور بندوں کے سامنے سرکشی ہے۔

ڈاکٹر ڈوئی امریکہ کا ایلیاہ جس کو مستجاب الدعوات ہونے کا بہت بڑا دعویٰ تھا اور جس کے آپ شدت سے منکر تھے۔ آپ نے خود کیسی معقول بات اس کو سنائی تھی۔ ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں۔ آپ خوب یاد کر لیں اور خدا کے سامنے اپنے دل کو کھول کر اور سر کو سجدہ میں جھکا کر غور کریں۔ اس کو تم ہماری دلیل مت سمجھنا۔ خود اپنی دلیل سمجھو اور اس کے زور کو دیکھو۔ عینی تم کو اس وقت اپنا قائل ہونا چاہئے۔

ستمبر ۱۹۰۲ء کے ریویو میں ص ۳۴۵ پر آپ نے ڈوئی کی نسبت لکھا تھا۔ ’’ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ میں نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کر سکا اور وہ مرگئی اور اب تک اس کے فراق میں روتا ہے اور کیونکر اپنے اس مرید کی عورت کو اچھا نہ کر سکا جو بچہ جن کر مرگئی اور اس کی بیماری پر بلایا گیا۔ مگر وہ گذر گئی۔‘‘

آپ اس ڈوئی کے مریدوں کی خام خیالی اور خوش اعتقادی پر حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ کیونکر اس کی بیہودہ باتوں اور تاویلوں سے ان کی تسکین ہو جاتی ہے اور وہ اس کے معتقد بنے رہتے ہیں۔ باوجود اس سخت ناکامی کے اور آپ کہتے ہیں: ’’امریکہ کے سادہ لوحوں پر نہایت تعجب ہے کہ وہ کس خیال میں پھنس گئے۔‘‘

اب وہی بات ہم تم سے کہہ رہے ہیں۔ کاش تم خود اپنی بات یاد کرو اور اس کو سچ جانو اور آئندہ ڈوئی کی سی ’’بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھنا‘‘ چھوڑ دو اور ’’سادہ لوحوں‘‘ کو ان کے امریکائی بھائیوں کی نظیر سے عبرت دلاؤ۔ کیونکہ دن ڈھل چکا۔ اب غروب کا وقت ہے۔ صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹے تو اسے نہ بھولا نہیں کہتے۔ خدا تمہارے فرزند کی موت کو تمہاری روحانی زندگی کا باعث بنائے اور اسی کو خوب معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا ہونا چاہئے؟

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

قادیانی محاسب

اور

خداوند مسیح کے شاگردوں کی تعداد

جناب اکبر مسیح صاحب

سرسید احمد مرحوم نے اپنے آخری مضمون ’’ازواج مطہرات‘‘ میں خداوند مسیح کے مریدوں کی تعداد کی نسبت ایک بڑی غلطی کی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا: ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی عمر کا زمانہ مہاجرت میں گذرا اور اخیر زمانہ کچھ بہت طویل نہ تھا۔ کیونکہ صرف ۳۳ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ اس وقت تک صرف ستر آدمی آپ پر ایمان لائے تھے۔‘‘ قادیانی فرقہ نے سید کے تمام خیالات کو مسخ کر کے سرقہ کر لیا اور آخری فقرہ کی غلطی کو آمنا صدقنا کہہ کر قبول کر لیا اور اپنی دلیل بنالیا۔

ہم ضربت عیسوی میں دکھلا چکے ہیں کہ مسیح خداوند کی موت کے بارہ میں مرزا قادیانی نے بالکل سرسید کے خیالات نقل کر کے صرف خان یار کی قبر کا اضافہ کر دیا۔ یہ بات مشہور ہے کہ عادی چور اور ڈاکو مال مسروقہ کی حیثیت تبدیل کر دیتے ہیں کہ شناخت نہ ہو سکے۔ اکثر ان میں کوئی نقص پیدا کر دیتے ہیں۔ بجنسہ یہی حال مرزائیوں کا ہے۔ وہ سرسید کے عمدہ خیالات میں اپنی حماقت، تعصب اور خباثت کو ملا کر اپنی چوری چھپانا چاہتے ہیں اور ان کی غلطیوں کو اور بھی بھونڈا اور بدنما کر کے ایجاد بندہ بتلاتے ہیں۔

خداوند مسیح کے سوانح میں کئی امر حیرت ناک ہیں جن کی نظیر دنیا کے کسی مصلح کی حیات میں نہیں ملتی۔ آپ کی کل مدت عمر ۳۳ برس تھی۔ جس میں آپ کی تبلیغ کا زمانہ ایک یا اڑھائی برس کے اندر اندر ہے اور عیسائیت کی یہ عظیم الشان سلطنت جس نے تمام جہان کے مذاہب کو اپنی تعداد اپنی تہذیب اپنی فتح مندی اور اقتدار سے نیچا کر رکھا ہے۔ اسی قلیل مدت کا نتیجہ ہے۔ مہاتما بدھ نے پچاس برس تبلیغ دین کی۔ حضرت محمد نے تئیس برس۔

مصلحین نے اپنے دین کو ایک ظاہری کامیابی کی حالت میں چھوڑا۔ ترقی کی راہ میں رواں۔ پھر اگر ان کے دین کی ترقی ہوئی تو توقع کے موافق۔ بدھ نے اپنے شاگردوں کے درمیان اسی برس کی عمر کو پہنچ کر عافیت کے ساتھ انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عرب کے قلب کو اپنی زندگی میں فتح کر لیا اور بت پرستی کے زور کو توڑ کر ملک کے نہایت مضبوط حصہ کو مسلمانی کی حالت میں ایک فوج ظفر موج کے ساتھ چھوڑا۔ یعنی عین عروج کے وقت وہ اس جہان سے اپنے دین کو نصرت کی راہ میں لگا کر گئے۔

عیسویت کی حالت بالکل برعکس ہوئی۔ اس کے خداوند نے دشمنوں کی فتح کے نعروں کے درمیان صلیب کے اوپر اپنی جان دی۔ دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت کو اپنے خلاف اور اپنی عداوت پر کمر بستہ دیکھا اور اپنے شاگردوں کو منتشر اور سراسیمہ اور بقول مرزا (ریویو ماہ مئی ۱۹۰۷ء) ’’جس کو یہودیوں نے ذلیل ورسوا کیا اور اس کی کچھ پیش نہ گئی۔‘‘ اور اس کی طاقت کا یہ حال ہو کہ عدالتوں میں گھسیٹا جائے۔ اس کے منہ پر تھوکا جائے۔ کوڑے لگائے جائیں اور آخر گلے میں پھانسی کا رسہ ڈالا جائے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ ایک مسیحیت کے دعویدار کو صلیب پر لٹکانے کا حکم حاکم وقت سے ملا تھا اور اس نے چپکے سے اسے قبول کیا اور اس کے منہ پر تھوکا گیا اور وہ کچھ نہ کر سکا اور کوڑے لگائے گئے اور سارا سلوک بدترین مجرموں کا سا کیا گیا اور آخر ہاتھوں میں کیل ٹھونکے گئے اور صلیب پر لٹکایا گیا۔

مرزا قادیانی نے خداوند کی شہادت کے واقعات کو بہت مزا لے کر اور مسرت کے ساتھ بیان کیا اور ان لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہوا۔ جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے کانٹوں کا تاج گوندھا تھا اور ہمارے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ شخص مسیح الدجال کے دور کے رشتہ داروں میں ضرور ہے۔ انہیں واقعات کو ہم نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر دل کے درد کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر کر واقعات تو سچے ہیں۔ مگر ان کے بیان میں اور بیان کرنے والوں میں فرق ہوتا ہے۔ ہم ان کو اس دل اور اس زبان سے بیان کرتے ہیں جس سے اہل بیت کے چاہنے والے معرکۂ کربلا کی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر مرزائی اس دل سے جس سے یزید اور اس کے ہوا خواہوں نے وہ ستم کئے تھے۔ یزیدیوں نے وہ تمام کوششیں کر ڈالیں جو اہل بیت کا بنس ٹاس کرنے کے لئے فہم میں آ سکتی تھیں۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ سادات برقرار رہے مگر یزیدیوں میں سے کسی کا پتہ نہیں اور ہم کو اس میں خدا کی قدرت نظر آرہی ہے اور اگر خداوند مسیح کے دین کو مٹانے کے لئے رومی حاکم اور یہودی مرزائے قادیانی کو بھی اپنے مشورہ میں لیتے تو بھی کوئی بہتر یا نئی تدبیر نہ نکلتی۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو وہ دین اب تک برقرار ہے۔ مسیحیت کا لقب دنیا نے اسی ’’دعویدار‘‘ کو دیا جو مستحق تھا۔ اگرچہ وہ ’’چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ‘‘ مارا گیا اور ہر جھوٹا دعویدار دجال اور کذاب بن جاتا ہے اور یہ بھی شان مسیحائی ہے کہ سب سے بڑا فخر جو دشمن اپنے لئے سمجھتا ہے یہی ہے کہ کوئی اس کو مثیل مسیح کہے۔

تاریخ میں کسی دیرپا تحریک کا آغاز ایسی بے سروسامانی کے ساتھ نہیں ہوا جیسی عیسویت کا آغاز اور نہ اس کا انجام اس رسوائی میں ہوا۔ جو خدا کو اس دین کی ابتدائی حالت کے لئے منظور ہوئی۔ اس کے آسمانی دین ہونے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اس کا نشوونما کسی زمینی چیز کی طرح نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خداوند مسیح نے اپنے دین کے مددگار ایسے لوگ منتخب کئے جن کا شمار لوگوں میں نہیں ہوسکتا تھا۔ جن کی شان میں مرزا قادیانی یہ لکھتا ہے:

''گیارہ جاہل ناخواندہ ماہی گیر'' جو مچھلیاں پکڑتے پکڑتے ساتھ ہو لئے۔

کہتے ہیں کہ کسی ولی نے اپنے مریدوں کی اطاعت، فرمانبرداری اور عقیدت کا امتحان لینے کو انہیں حکم دیا کہ باغیچہ میں جاکر فلاں قسم کے پودوں کو لگادو اور ہدایت کی کہ زمین کھود کر جڑ اوپر اور پتے نیچے کر کے پودا گاڑنا اور پھر کھولتا ہوا پانی تھیلے میں بھرنا۔ یہ سن کر سبھوں نے اعتراض کیا کہ کوئی پودہ اس طرح زمین میں نہیں لگ سکتا۔ ان میں صرف ایک ایسا نکلا جو بلاچون وچرا جاکر مرشد کے حکم کی تعمیل کرنے لگا اور اس نے ولی کی کرامت دیکھی اور قائل ہوگیا ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

بجنسہ یہی حال عیسویت کے نشوونما ہوا کہ لوگ ہنستے رہے اور اس وقت ہنسنا بے جا نہ تھا مگر جو نتیجہ دیکھ چکنے کے بعد بھی وہی بڑھانکتے اور مچھلیاں پکڑنے والوں پر ہنستے ہیں۔ پھر بھی ماہی گیروں کے مرشد کے مثیل بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہم ان کو شاباش کہتے ہیں ؎

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

ایک اور حیرت ناک بات بھی ہے جس کی نظیر تاریخ دنیا نہیں پیش کرسکی۔ عیسائی لوگ تین سو برس تک انتہاء درجہ کی ذلت اور خواری میں بسر کرتے رہے۔ موت اور قید اور رسوائی ہی دنیا میں ان کا بخرہ رہا جو کھیت خداوند نے جوتا اس کو اپنے خون کے قطروں سے بویا اور گیارہ ماہی گیروں نے اس کو اپنے اور مریدوں کے خون سے تین سو برس تک سینچا۔ جس کی بدولت یہ کھیتی خوب لہلہارہی ہے اور وہی عیسائی جنہوں نے دنیا کو لات ماری تھی آج ہیں کہ دنیا اور مافیہا ان کے قدموں سے لپٹی ہوئی ہے اور انہوں نے بے مانگے وہ بھی پالیا جس کے باعث وہ اہل عالم کے رشک بنے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی شان میں بھی صادق آیا۔ ''وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ''

مرزا قادیانی لکھتا ہے یا لکھواتا ہے (وہی مئی کا ریویو پادری صاحبان کی تہذیب)

’’کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ غیر اقوام میں سے آپ کے فرضی خدا پر اس کی زندگی میں کتنے ایمان لائے تھے…… تم یہودیوں میں سے ہی اپنے فرضی خدا کے اتنے پیرو دکھا دو جو اس فرضی خدا کو حوالات میں دینے کے وقت بھاگ نہ گئے ہوں اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں اور انکار نہ کر دیا ہو۔‘‘ ہم یہاں صرف خداوند کے مریدوں کی تعداد کی نسبت لکھیں گے اور اس امر کا بار ثبوت مرزا کے اوپر ہے کہ سوائے مقدس پطرس کے کسی اور نے بھی انکار کیا یا یہودا کے سوا کوئی اور ایمان پر ثابت قدم نہ رہا۔ ہم کو معلوم ہو گیا کہ قادیانی کے ذہن میں سرسید کی وہ بات جم گئی کہ خداوند کے مریدوں کی تعداد صرف ستر آدمی تھی اور ہم اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔

خداوند مسیح کے شاگردوں کی کوئی مردم شماری نہیں ہوئی تھی۔ جس کی رو سے ان کا صحیح شمار و اعداد بتلایا جائے۔ لیکن قرائن موجود ہیں جن کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک یا اڑھائی برس کی قلیل مدت میں آپ نے یہودیوں اور غیر یہودیوں کے درمیان بے شمار مرید بنا لئے تھے۔ جن کی مجموعی تعداد نے ان کو ایک پولیٹیکل وقعت بخش دی تھی۔ جس کے باعث اس زمانہ کی سب سے طاقتور سلطنت نے اس کے خلاف اپنا سارا زور لگا دینا اپنا فرض سمجھا۔ محض اس اندیشہ سے مبادا یہ لو قوت پکڑ کر سلطنت کو خطرہ میں ڈال دیں اور اس نے یہ خطرہ برابر تین سو سال تک محسوس کیا۔ حتیٰ کہ روم اور اس کی سلطنت خداوند مسیح کی غلامی میں داخل ہو گئی۔

۱…… خداوند مسیح سے پہلے یوحنا اصطباغی یعنی حضرت یحییٰ کی بشارت تھی۔ جس کا نتیجہ بطور خلاصہ انجیل شریف میں یہ بیان کیا گیا۔ اس وقت یروشلم اور سارے یودیا اور یردن کے گردونواح کے سب لوگ نکل کر اس کے پاس گئے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرکے دریائے یردن میں اس سے پبتسمہ لیا۔ (متی۳:۵،۶)

اس سے روشن ہے کہ ملک کا ملک حضرت یحییٰ کی طرف امنڈ آیا تھا اور ان سے بیعت کرنے لگا تھا۔ چنانچہ مسیح نے بھی فرمایا ہے: ’’سب لوگوں نے یہ سن کے اور محصول لینے والوں نے خدا کی تصدیق کی اور یوحنا کا بپتسمہ لیا۔‘‘ (لوقا۷:۲۹)

چنانچہ منکر لوگ یوحنا کے مریدوں کے سامنے آپ سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ اگر کہیں تو سب لوگ ہمیں سنگسار کریں گے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ یوحنا نبی تھا۔ (لوقا۲۰:۶)

بلکہ ہیرودیس کو یہی خوف لگا ہوا تھا اور وہ ہر چند اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔ مگر عام لوگوں سے ڈرتا تھا۔ کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے۔ (متی۱۴:۵)

جب مقدس یوحنا نے برملا خداوند مسیح کی تصدیق کر دی تو یہ تمام مرید جو یوحنا فراہم کر چکے تھے خداوند مسیح کے مریدوں کے دائرہ میں داخل ہوگئے اور خود اپنے مرشد کی وصیت سے مسیح کو وراثت میں ملے اور جب یوحنا کے بعض شاگردوں نے آ کر آپ سے کہا: ''اے ربی جو شخص یردن کے پار تیرے ساتھ تھا جس کی تو نے گواہی دی ہے۔ دیکھ وہ بپتسما دیتا ہے اور سب اس کے پاس آتے ہیں۔'' تو یوحنا نے خوشی سے جواب دیا۔ ''میری یہ خوشی پوری ہوگئی ضرور ہے کہ وہ بڑھے اور میں گھٹوں۔'' (یوحنا۳:۲۶تا۳۰)

ہم اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی بڑی تعداد یوحنا کے شاگردوں کی تھی جو سب کے سب مسیح کے شاگردوں میں مل گئے۔ جن کی تعداد کو دیکھ کر یہودی علماء اور ہیرودیس بادشاہ بھی خوف کھاتے تھے۔

۲...... مگر مسیح کے شاگرد ہی نہ ہوئے جو یوحنا کے شاگرد تھے بلکہ ان کی تعداد روزافزوں بڑھنے لگی اور اس کا عام چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ ''فریسیوں نے سنا کہ یسوع یوحنا سے زیادہ شاگرد کرتا اور بپتسما دیتا ہے۔ گو یسوع آپ نہیں بلکہ اس کے شاگرد بپتسما دیتے تھے۔'' (یوحنا۴:۱،۲)

۳...... مسیح خداوند کے شاگردوں کی تعداد کا اندازہ کچھ اس بات پر غور کرنے سے لگ سکتا ہے کہ آپ کی زیارت کرنے کو اور آپ کے وعظ سننے کو لوگ کس طرح دور دور سے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر جوق در جوق سر کے بل دوڑتے ہوئے جنگل پہاڑوں اور دریاؤں میں آپ کو کھوجتے ہوئے جمع ہوتے تھے۔ ان کے کلام کی تاثیر کیسی حیرت انگیز تھی۔ کیونکہ وہ کلام دراصل خدا کا کلام تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کی گرفتاری پر مامور ہوئے تھے وہ ناکام واپس ہوکر اپنے آقاؤں کے روبرو اقبال کرتے تھے کہ اس آدمی کی طرح کبھی کسی نے کلام نہیں کیا۔ (یوحنا۷:۴۵)

اس ہجوم کے ساتھ لوگ آپ کا کلام سننے کو آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے کہ آپ کو بارہا کشتی کے اوپر دریا کے اندر پناہ لینا پڑی اور آپ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے کنارے کھڑے ہونے والوں کو وعظ کرتے تھے: ''جب بھیڑ اس پر گری پڑتی تھی اور خدا کا کلام سنتی تھی اور وہ گنیسرت کی جھیل کے کنارے کھڑا تھا...... اور اس نے ان کشتیوں میں سے ایک پر چڑھ کر جو شمعون کی تھی اس سے

درخواست کی کہ کنارے سے ذرا ہٹالے چل اور بیٹھ کر لوگوں کو کشتی پر سے تعلیم دینے لگا۔“

(لوقا۵:۱،۳)

”اور یسوع اپنے شاگردوں کے ساتھ جھیل کی طرف چلا گیا اور گلیل سے ایک بڑی بھیڑ پیچھے ہولی اور یہودیہ اور یروشلم اور ادومیہ سے اور یردن کے پار اور صور اور صیدا کے آس پاس سے ایک بڑی بھیڑ یہ سن کر کہ وہ کیسے بڑے کام کرتا ہے اس کے پاس آئی۔ پس اس نے اپنے شاگردوں سے کہا بھیڑ کی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے لئے تیار رہے تاکہ وہ مجھے دبا نہ ڈالیں۔“ (مرقس۳:۷،۱۰)

غرضیکہ خداوند مسیح کی طرف لوگ اس طرح فوج فوج امنڈ آتے تھے کہ ایک کے اوپر ایک گرا پڑا تھا۔ ہزاروں آدمیوں کی بھیڑ لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔

(لوقا۱۲:۱)

اور سارا شہر دروازہ پر جمع ہو گیا۔ (مرقس۱:۳۳)

اس کی شہرت تمام سوریہ میں پھیل گئی...... اور گلیل اور دکاپولس اور یروشلم اور یہودیہ اور یردن کے پار سے بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی۔ (متی۴:۲۴،۲۵)

کئی دن بعد جب وہ کفرنحوم میں پھر داخل ہوا تو سنا گیا کہ وہ گھر میں ہے۔ پھر اتنے آدمی جمع ہو گئے کہ دروازے کے پاس بھی جگہ نہ رہی اور وہ انہیں کلام سنا رہا تھا۔ (مرقس۲:۱،۲)

اس نے (مسیح نے) ان سے (شاگردوں سے) کہا تم آپ الگ ویران جگہ میں چلے جاؤ اور ذرا آرام کرو۔ اس لئے کہ بہت لوگ آتے جاتے تھے اور انہیں کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ پس وہ کشتی میں بیٹھ کر الگ ایک ویران جگہ میں چلے گئے اور لوگوں نے انہیں جاتے دیکھا اور بہتیروں نے پہچان لیا اور سارے شہروں سے اکٹھے ہو ہو کر پیدل ادھر دوڑے اور ان سے پہلے جا پہنچے۔ (مرقس۶:۳۱،۳۳)

جس شخص کی تعلیم اور تلقین نے ملک یہودیہ میں ایسی ہلچل مچا دی تھی اور جس کے کام دیکھنے اور کلام سننے کے لئے لوگ ٹڈی دل کی طرح جنگل اور پہاڑوں پر دوڑے جاتے تھے اس کے فوری اثر کا پورا اندازہ آج دو ہزار برس کے بعد کر لینا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی انجیل کی تاریخ کے صفحے پر یہاں وہاں کچھ اشارات مل جاتے ہیں۔ جن سے کچھ پتہ لگ سکتا تھا۔ مثلاً روٹی اور مچھلیوں

کے معجزہ کے ذکر کے بعد مقدس یوحنا فرماتے ہیں: ’’پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا۔ فی الحقیقت یہی ہے۔‘‘ (یوحنا۶:۱۴)

جب وہ یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہلچل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے؟ بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرۃ کا نبی یسوع ہے۔ (متی۲۱:۱۰،۱۱)

بھیڑ میں سے بہتیرے اس پر ایمان لائے اور کہنے لگے کہ مسیح جب آئے گا تو کیا ان سے زیادہ معجزے دکھائے گا جو اس نے دکھائے ہیں؟ (یوحنا۷:۳۱)

۴...... جب فریسیوں نے یہ حال دیکھا تو ان کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ وہ یہ سوچنے لگے کہ کیونکر اس حیرت افزاء ترقی کو روکیں جو دن دونی اور رات چوگنی ہوتی جاتی ہے۔ انہوں نے مجلسیں کرنا شروع کیں۔ آپس میں اقرار کیا کہ اب چھپانے نہیں چھپ سکتا۔ اس شخص نے تمام لوگوں کو مرید کر ڈالا۔

’’پس فریسیوں نے آپس میں کہا سوچو تو تم سے کچھ نہیں بن پڑتا۔ دیکھو جہاں اس کا پیرو ہو چلا۔‘‘ (یوحنا۱۲:۱۹)

تب انہوں نے ایک یہ تدبیر نکالی کہ علماء سے فتویٰ دلایا کہ: ’’اگر کوئی اس کے مسیح ہونے کا اقرار کرے تو عبادت خانہ سے خارج کیا جاوے۔‘‘ (یوحنا۹:۲۳)

جس کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ: ’’یہودیوں کے ڈر سے کوئی شخص اس کی بابت صاف صاف نہ کہتا تھا۔‘‘ (یوحنا۷:۱۳)

علانیہ اقرار سے بہت لوگ رک گئے۔ مگر ان کے ایمان کی آگ ویسی ہی سلگتی رہی۔ حتیٰ کہ سرداروں میں سے بھی بہتیرے اس پر ایمان لائے۔ مگر فریسیوں کے سبب اقرار نہ کرتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ عبادت خانہ سے خارج کئے جائیں۔ یہ کمزور مریدوں کا حال ہے جن کی نسبت مقدس حواری فرماتا ہے۔ ’’وہ آدمیوں کی عزت کو خدا کی عزت سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔‘‘ (یوحنا۱۳:۴۲،۴۳)

ادھر فریسیوں نے تو یہ کیا ادھر مریدوں کے دل میں جوش پیدا ہوا اور انہوں نے اس کا جواب دینا چاہا۔ جس سے نہ صرف ایمان کا اقرار ہوتا۔ بلکہ بڑے جوش کے ساتھ ہوتا۔ جس پر

خداوند اپنے مریدوں کو دلیر نہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک بڑے گروہ نے یہ کہتے ہوئے کہ: ''جو نبی دنیا میں آنے والا تھا۔ فی الحقیقت یہی ہے۔'' چاہا کہ مسیح کو اپنا بادشاہ بنالیں اور سب کو علانیہ للکار دیں۔ مگر خداوند نے ان کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ ان کا ساتھ چھوڑ کر کسی پہاڑ پر اکیلا چلا گیا۔ (یوحنا۶:۱۴،۱۵)

کیونکہ وہ روحوں پر شاہی کرنے آیا تھا، نہ جسموں پر۔ پھر اک اور مرتبہ جب آپ یروشلم میں داخل ہوئے۔ جہاں کہ فتویٰ دینے والے عالموں کا مسکن تھا تو آپ کے مریدوں نے راستے میں اپنے کپڑے ڈال ڈال کر فرش بچھا دیا اور لوگوں نے درختوں کی ہری ڈالیوں سے سڑک کو سجایا اور ''بھیڑ جو اس کے آگے چلتی آتی تھی پکار پکار کر کہتی تھی کہ ابن داؤد کو ہوشعنا مبارک ہے۔ وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے عالم بالا پر ہوشعنا۔'' (متی۲:۸،۹)

اس گرم جوشی کو جو بہت ہی صلح اور آشتی کے ساتھ تھی خداوند نے روا رکھا۔ یہ وہ مرید تھے جو علانیہ اپنے ایمان کا اقرار کر کے یروشلم کی دیواروں کو ہلا رہے تھے اور جب بعض فریسیوں نے اس سے کہا اے استاد اپنے شاگردوں کو ڈانٹ۔ تو آپ نے جواب دیا۔ ''اگر یہ چپ رہیں تو پتھر چلائیں گے۔'' (لوقا۱۹:۳۹،۴۰)

۵...... مسیح کے شاگردوں کی یہ کثرت دیکھ کر دشمنوں کے دلوں پر ہیبت چھا گئی تھی اور جب وہ خداوند کو گرفتار کرنے کی سوچتے تھے تو ان کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی بڑا بلوہ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ خداوند کے شاگردوں کو تلوار چلانا حرام تھا کہ خداوند خود گرفتاری کے لئے تیار تھے اور اپنے مریدوں کو سمجھا چکے تھے کہ کوئی ہاتھ نہ ہلائے کہ صلیب ہی آپ کا تخت تھا جس پر بیٹھ کر وہ سارے جہاں کو ابد تک تسخیر کریں گے۔ وہ دو زخمی ہاتھ تھے جس سے آپ مملکتیں زیر و زبر کر دیں گے کہ بادشاہ تو خلق خدا کے خون کی ندیاں جھیل کر تخت تک پہنچے۔ مگر ابن داؤد اپنے کون کو بہا کر خدا کی بادشاہت قائم کرے گا۔

رومی اور فریسی ناحق لرزتے تھے۔ فریسیوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ پر لوگوں سے ڈرے۔ (مرقس۱۲:۱۲)

اس کے ہلاک کرنے کا موقع ڈھونڈنے لگے۔ کیونکہ اس سے ڈرتے تھے۔ اس لئے

کہ سارے عام لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوتے تھے۔ (مرقس ۱۱:۱۸)

وہ اس جستجو میں لگے کہ اسے کیونکر فریب سے پکڑ کر قتل کریں۔ پر انہوں نے کہا کہ عید کو نہیں، ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں بلوا ہو جائے۔ (مرقس ۱۴:۱،۲)

اور اس وجہ سے وہ یہ چال چلے کہ یہودا اسکریوتی کو ملایا۔ تاکہ بغیر ہنگامہ کے وہ اسے ان کے حوالے کرادے۔ (لوقا ۲۲:۶)

ان چند آیات سے جو ہم اوپر لکھ چکے جو بطور جملہ معترضہ کے جگہ جگہ وارد ہیں۔ یہ روشن ہو جاتا ہے کہ خداوند مسیح کے مریدوں کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں سے نہیں بلکہ لاکھوں سے گنی جاتی تھی جو کسی ایک شہر یا قصبہ میں نہ تھے۔ بلکہ تمام ملک میں ہر بستی میں تمام ملتوں اور تمام گروہوں میں۔ امیروں میں اور غریبوں میں حاکموں میں اور رعیت میں۔ عالموں میں اور جاہلوں میں۔ تجاروں میں، کاشتکاروں میں، اہل قلم میں اور اہل سیف میں۔ مزدوروں میں اور پیشہ وروں میں۔ مردوں میں اور عورتوں میں جو آیا سجدہ میں گرا جس نے دیکھا مطیع ہوا۔ یہی دیکھ دیکھ کر فقیہ اور فریسی جو اس ملت کے فرعون تھے بڑے یاس وحرمان سے کہتے تھے۔ ''سوچو تو تم سے کچھ نہیں بن پڑتا۔ دیکھو جہاں اس کا پیرو ہو چلا۔''

۶...... یہاں تک جو کچھ ہم لکھ چکے۔ یہ عموماً مسیح کے یہودی مریدوں کی بابت تھا۔ غیر یہودیوں میں سے بھی بہت سے آپ کے مرید تھے۔ مثلاً سامریوں کے شہر سخار میں شہر کے رہنے والوں میں سے بہت سامری ایک ہی دن میں ایمان لے آئے۔ ''اس شہر کے بہت سے سامری اس عورت کے کہنے سے...... اس پر ایمان لائے۔'' اور انہوں نے دو روز تک مسیح کو اپنا مہمان رکھا اور اس اثناء میں ان کے سوا اور بہتیرے اس کے کلام کے سبب ایمان لائے۔

(یوحنا ۴:۳۹،۴۱)

اسی طرح ایک رومی سردار کی نسبت لکھا ہے کہ: ''وہ اور اس کا سارا گھرانہ ایمان لایا۔''

(یوحنا ۴:۵۳)

اور ہر معجزہ کا نتیجہ یہی ہوتا تھا۔ لوگ ایمان بھی لاتے تھے اور انکار بھی کرتے تھے۔ انکار تو سخت دلی کی وجہ سے تھا۔ مگر ایمان توقع کے موافق۔ اگر ان بہرے، اندھے، لنگڑے، کوڑھیوں،

مفلوجوں، دیوانوں اور طرح طرح کے بیماروں کا شمار کیا جائے جن کو خداوند نے چنگا کیا یا مردوں کو جن کو جلایا اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا جنہوں نے اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت دیکھی اور ان صالح ایمانداروں کا بھی جو دیکھ کر خدا کی قدرت کا فطرۃً اعتراف کر لیتے ہیں اور اس کا خیال کیا جائے کہ خداوند نے ہزاروں معجزے دکھلائے تو ہماری آنکھ کے سامنے سے ایمانداروں کی فوجیں کی فوجیں گذر جاتی ہیں جن سے کئی رجمنٹیں بن سکتی ہیں۔

مرزا قادیانی اور اس کے چیلوں کی بے بصیرتی سے تو ذرا بھی تعجب نہیں آتا۔ مگر ہم کو سرسید کی غلطی کا افسوس ہے کہ انہوں نے مسیح کے دوسرے درجہ کے حواریوں کو جنکی تعداد ستر تھی مگر جن کے نام سے ہم کو خبر نہیں جو خاص طور سے مثل بارہ حواریوں کے منتخب ہوئے تھے آپ کے کل مریدوں کی تعداد سمجھ لیا جو بے شمار تھی۔ جن میں سے کچھ لوگ جو کسی ایک جگہ صعود کے قبل اور صلیب و بعثت کے بعد خداوند کی زیارت کرنے کو پوشیدہ جمع ہوئے تھے ان کی تعداد ''پانچ سو سے زیادہ تھی۔'' (اوّل قرنتی ۱۵:۶)

خداوند کے مریدوں کی تعداد اس کثرت سے تھی اور مسلمہ تھی کہ خداوند نے آپ اس کو پلاطوس کے آگے اس دلیل میں پیش کیا کہ میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں بلکہ آسمانی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہت اس دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑائی کرتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا۔'' (یوحنا ۱۸:۳۶)

مسیح نے گویا اس میں یہ فرمایا۔ تجھ کو یہ معلوم ہے کہ میرے مریدوں کی کتنی بڑی تعداد ہے۔ اگر میں ان کو حکم دیتا تو وہ مخالف گروہ کو مغلوب کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھی اور میں کبھی گرفتار نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن انہوں نے تلوار نہیں چلائی جو وہ میرا حکم پا کر ضرور چلا سکتے تھے۔ جب انہوں نے مقابلہ نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ میرا حکم اس کے خلاف تھا اور ایسا حکم نہ دیتا اگر میں دنیا میں بادشاہی کرنا چاہتا۔ پلاطوس نے اس کا جواب نہیں دیا۔ ورنہ وہ یہ کہتا تیرے پاس خادم کہاں ہیں یا تیرے سو پچاس خادم کب لڑ سکتے تھے۔ مگر پلاطوس قائل ہوگیا۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے خداوند کی نہایت واضح تعلیم اپنے مریدوں کو یہ بھی ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ اگر تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ۔ جو تمہارے

ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کے سامنے دوسرا بھی پھیر دینا۔ یعنی آپ نے مریدوں کو دفع ظلم کے صرف دو طریق بتلائے یا وہ جو قابیل نے اختیار کیا جس کا قرآن شریف میں ہے کہ شہید ہو جاؤ مگر ہاتھ نہ اٹھاؤ یا گریز پا اور جب آپ نے اپنے رسولوں کو تلوار چلانے سے قطعی منع فرمایا۔ جیسا ہم آگے اپنے مضمون ''عیسویت اور تلوار'' میں ثابت کریں گے تو مرزا کا ان رسولوں کو ''بھگوڑے'' کہنا صرف اپنے ناپاک دل کی خباثت کا اظہار کرنا ہے جو شخص تلوار کھینچنا اور کشت وخون کے لئے میدان میں اترنا اپنا فرض سمجھے اور پھر پیٹھ دکھلائے اس کو بھگوڑا کہتے ہیں۔ مگر جن کو دفع شر کی بھی اجازت نہ ہو اور مرشد کا حکم ہو کہ بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ان کو اس لقب سے یاد کرنا مردمی کی بات نہیں خصوصاً ان لوگوں کو جو اپنا سنہ بھاگنے کی تاریخ سے شروع کرتے ہیں اور ہم نے بار بار اس بات پر اصرار کیا کہ عیسویت کے سچے نمونہ مکہ والے اسلام میں ملتے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ مرزا قادیانی اور اس کے گروہ کو چونکہ محمدی دین سے خارج کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو حواریوں کی نسبت اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی آریہ کو۔

مگر انصاف پسند لوگوں کو ہم یہ سمجھا دینا چاہتے ہیں کہ شاگرد اپنے خداوند کی گرفتاری گوارا نہ کر سکتے تھے اور فطرۃً مارنے مرنے کو تیار بھی تھے۔ بلکہ اس امر میں خداوند کی نافرمانی کرنے کی بھی جسارت کرتے تھے کہ مقدس پطرس سے نہ رہا گیا اور انہوں نے تلوار بھی کھینچ لی اس پر خداوند کو انہیں ڈانٹنا پڑا اور از سر نو سمجھانا کہ ''آیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ کی منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دے گا؟ مگر وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے۔ کیونکر پورے ہوں گے؟...... مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔ اس پر سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' (متی ۲۶:۵۳،۵۴،۵۶)

پس اب کیا چارہ تھا یا وہ خداوند کی نافرمانی کر کے مشیت ایزدی سے لڑتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے یا وہی کرتے جو کیا، یعنی بھاگ گئے اور خداوند کو منظور تھا کہ وہ لوگ بھاگ جائیں اور اس کے ساتھ گرفتار نہ ہوں۔ کیونکہ ان لوگوں کی رہائی کے لئے خداوند نے آپ اپنے گرفتار کرنے والوں سے درخواست کی تھی۔ ''پس اگر تم مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو۔''

(یوحنا ۱۸:۸)

مگر شاگرد بڑبڑا رہے اور ایک لمحہ قبل از وقت نہ بھاگے یعنی اس وقت تک کہ خداوند مسیح نے قطعی طور پر سمجھا دیا کہ میری موت اور گرفتاری میں نوشتے پورے ہورہے ہیں۔ تب سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ سچ ہے کہ مقدس پطرس نے انکار کیا اور اس کا مقدس رسول کو ساری عمر قلق اور اقرار رہا۔ جس کے باعث اس نے اپنے دل کو پانی کر کے انکھوں سے انڈیل دیا اور انجام کار اپنے خون کو بھی اسی صلیب پر بہایا۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ رسول کو اور کیا چارہ تھا اس کی تلوار خداوند نے میان میں کرادی اس کو منع کر دیا کہ مقابلہ نہ کرے اور گرفتاری اور موت سے اس کو نہ بچائے۔ پس اس کی جان اس وقت خداوند کے کام میں نہیں آسکتی تھی اور حکم تھا کہ بھاگ جائے۔ لیکن محبت اور جان نثاری کے ولولہ نے اس کو پھر مجبور کیا کہ وہ اس مقام تک چھپ کر پہنچے جہاں اس کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی یا دیکھے کہ خداوند پر کیا بیتا۔ یہ فعل اس کا ذاتی ذمہ داری کا تھا جب پہچانا گیا اور ڈرا کہ ناکام رہے اور بلا دریافت حال واپس جائے۔ اس نے جھوٹ بول کر اپنے تئیں پوشیدہ کیا اور جاسوسی میں لگا رہا۔ لیکن جب انجام کار پھر بھی پہچانا گیا تو اس نے قسم کے ساتھ اور اپنے اوپر لعنت کر کے لوگوں کو یقین دلایا کہ میں مسیح کا ساتھی نہیں ہوں۔ قادیانی کہتا ہے: ”سب سے بڑا بہشت کی کنجیوں کا مالک تو پطرس تھا وہ بھی لعنت کر چکا۔ کس پر؟ اپنے اوپر نہ کسی غیر کے اوپر۔ انہوں نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے۔ خدا کی قسم میں اسے نہیں جانتا۔ اگر اس سے مجھے کچھ واسطہ ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت۔“

حاشا ہم نہیں کہتے کہ مقدس پطرس نے اچھا کیا۔ انہوں نے ضرور برا کیا اور اپنی برائی کا اعتراف کیا۔ انہوں نے جھوٹ بولا بلکہ ایک اور خطا کی کہ اس مقام پر گئے۔ جہاں جانے کے واسطے ان کو خداوند کی اجازت نہ تھی۔ مگر انہوں نے ایک ایسے موقع پر جھوٹ بولا۔ ایک ایسی غرض کے واسطے کہ ان کے جھوٹ کو ہر ملت اور مذہب نے بجز مسیحی دین کے تقیہ اور توریہ اور دروغ مصلحت آمیز کے نام سے روا رکھا ہے۔ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کو اور اپنی جان بچانے کو نہ کسی کو نقصان پہنچانے کو اور قرآن شریف نے تو اس کو صراحۃً قابل مواخذہ ہونے سے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا۔ ”**الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**“ مگر وہ نہیں جس پر زبردستی ہوئی اور اس کا دل ایمان پر برقرار رہا۔ (نحل)

مگر چونکہ معترض کو مسیح اور اس کے رسولوں کے ساتھ گہری عداوت ہے اور قرآن اور حدیث سے وہ ناواقف ہے۔ اس لئے اس کے منہ سے اس قسم کے اعتراضوں کا نکلنا کچھ بھی تعجب کی بات نہیں۔

مگر ہم سوچتے ہیں کہ ان لوگوں کے دل کیسے سیاہ ہوں گے جن کی ہمدردی ظالم یہودی کے ساتھ ہو اور مظلوم حواری کے خلاف۔ ان کے دل اس بات سے کڑھتے ہوں گے کہ ہم کیوں اس وقت نہ ہوئے کہ یہود کے ساتھ مسیح پر اور اس کے رسولوں پر کچھ ظلم اپنے ساتھ سے بھی کر سکتے۔ دو ہزار برس پہلے کیوں نہ پیدا ہوئے۔ ہمیں ڈر ہے کہ ان لوگوں کی روحانی ہم جنسی سے آریہ لوگ تناسخ کی دلیل نہ پکڑیں کہ یہ لوگ انہیں مردودوں کی ناپاک اور خبیث روحیں ہیں جو برابر چولے بدلتے ہوئے آخرکار پنجاب کے قصبہ قادیان میں مجسم ہوئیں۔

پس مریدوں کا یہ تعمیل ارشاد مرشد بھاگ جانا کسی طرح ان کو انصافاً ملزم نہیں بناتا اور نہ ان کی جان نثاری پر حرف لاتا ہے۔ جس کو مابعد کے سوانح نے روز روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ ایک وہ شخص جس کے سر دو ہزار برس سے لعنت تھوپی گئی۔ یعنی یہودا اسکریوطی جس نے اپنے مرشد کے ساتھ وہ کیا جس کو جہان نے دغا بتلایا اور ہمارے لئے اب تک ایک اسرار ہے جو کھلتا نہیں۔ اس نے بھی آزمائش کے لمحہ کے بعد ہی اپنی جان نثاری اور وفاداری کا ثبوت دیا جو اس حالت میں اس کے لئے ممکن تھا۔ یعنی خود اپنے تئیں ہلاک کیا اور اس روپیہ کو جس کے لالچ میں کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ حرکت کی تھی انہیں لوگوں کے منہ پر پھینک مارا جن کے ہاتھوں سے وہ ملا تھا۔

ہم کو نہ مقدس پطرس کی معذرت کرنا منظور ہے نہ یہودا اسکریوطی پر اس سے زیادہ تشدد کرنا جو اس نے اپنے اوپر آپ کیا اور جس کا وہ مستوجب تھا مگر ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ ڈیڑھ دو برس کی صحبت نے ان لوگوں کے دل میں ایسی بڑی جان نثاری اور وفاداری پیدا کر دی تھی کہ جن لوگوں کو ایک لمحہ لغزش لگی وہ بھی ایسی جلد سنبھل گئے اور انہوں نے اپنی جانیں پانی کی طرح اپنے مرشد کے دین کی راہ میں بہائیں اور یہ سب خالصتاً للہ! آرے کے اوپر لات مارنا قادیانی کے لئے مشکل ہے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

ضربت عیسوی

جناب اکبر مسیح صاحب

تفصیلی فہرست

دیباچہ	۷۵
ا ......عصٰی آدم ربہ ...... بحث عصمت انبیاء	۷۷
عیسائیوں کا عقیدہ	۷۷
اہل اسلام کا عقیدہ	۷۷
ربط اقوال	۷۸
تعریف معصوم	۷۸
آزاد تحقیق	۷۹
مرزا کی نرالی رائے	۷۹
مرزا لکیر کے فقیر	۸۰
معصوم کی مرزائی تعریف	۸۰
اس تعریف کی لغویت	۸۰
ہماری تحدّی (چیلنج)	۸۱
مسلمانوں کی خدمت میں ہماری گذارش	۸۱
بحث کا اختصار	۸۲
اصول تفسیر قرآن	۸۲
ہمارا قضیہ	۸۳
تعریف گناہ	۸۳
گناہ حضرت آدم	۸۳
حضرت آدم اولوالعزم نبی نہ تھے	۸۵
مرزا کی تحریف	۸۵
لفظ عزم پر بحث	۸۵
تفسیر کی سند	۸۶
بھول جانے کا عذر	۸۶
بھول جانے کے معنی	۸۷
آیت کے صحیح معنی	۸۸
دوسری آیت	۸۸
تاویل لفظ غوٰی	۸۸
معنی لفظ غوٰی	۸۹
حضرت آدم پر شرک کا الزام	۹۰

مرزا قادیانی کا ترجمہ	۹۰
امر تنقیح طلب	۹۱
آدم کا نام آیت میں ندارد	۹۱
قرآن آپ اپنا مفسر	۹۱
حوّا کی پیدائش	۹۲
مرزا قادیانی کا اقرار	۹۲
مرزا قادیانی پر ہمارا تشدد	۹۲
امام رازی کا اقرار	۹۳
محقق مفسرین کی رائے	۹۴
حدیث شریف کی سند	۹۵
مرزا قادیانی کے فہم کا قصور	۹۶
مرزا قادیانی کی قرآن دانی	۹۶
مرزا قادیانی کی ناعاقبت اندیشی اور حضرت اسماعیل کی عصمت	۹۸
فصل الخطاب	۹۸
عصمت انبیاء یا عصمت صلحاء	۹۸
۲......عشرہ کاملہ ...... تحقیق معنی استغفار ذنب	۱۰۰
مرزا قادیانی اور تعلیم یافتہ مسلمان	۱۰۰
صحیح ترجمہ	۱۰۱
مرزا قادیانی کا ترجمہ	۱۰۱
مرزا قادیانی کی غلط بیانی	۱۰۲
استغفار کے صحیح معنے	۱۰۲
مرزا قادیانی کی شرط	۱۰۳
مغفرۃ کے معنی	۱۰۳
مغفرت کے لئے گناہ لازم	۱۰۴
مرزا قادیانی کا ادّعاء اور اس کی تردید	۱۰۴
تعلّی	۱۰۷
سند حکیم نورالدین	۱۰۷
مرزا قادیانی کی اختلاف بیانی	۱۰۸
لفظ جرم قرآن میں ندارد	۱۰۹
یہودی بھی مجرم نہیں	۱۱۰
یہ لفظ آنحضرت ﷺ پر چسپاں کیا گیا	۱۱۰

مجرم بمعنی ذنب	۱۱۱
ظلم بمعنی جرم	۱۱۱
ظلم انبیاء سے منسوب	۱۱۲
عصیاں بمعنی جرم انبیاء سے منسوب	۱۱۳
میثاق النّبیین اور غلط ترجمہ	۱۱۴
صحیح ترجمہ	۱۱۵
عقلی قرینہ	۱۱۶
مسیح اس آیت کے مفہوم سے خارج	۱۱۷
الٹا منطق	۱۱۸
ہماری حجت	۱۱۹
امر قابل غور	۱۱۹
۳......عصمت مسیح از قرآن وحدیث	۱۲۱
باعتبار عصمت مسیح کی فضیلت	۱۲۱
مرزا نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے	۱۲۲
مسیح استغفار ذنب سے بری بروئے قرآن	۱۲۳
بروئے حدیث	۱۲۳
مسیح مس شیطان سے پاک بروئے قرآن	۱۲۴
مرزا قادیانی اور مس شیطان	۱۲۴
معنی حدیث ’’مامن مولود‘‘	۱۲۵
حدیث کی صحت	۱۲۶
عصمت صدیقہ مریم	۱۲۶
تولد بے پدری	۱۲۷
مرزا قادیانی کا اقرار وانکار	۱۲۷
تولد بے پدر کا اقرار	۱۲۸
مرزا کی مشکل	۱۲۹
تولد بے پدری کی نظیر مفقود	۱۳۰
پیدائش آدم	۱۳۰
مسیح آدم ثانی	۱۳۱
بطن اطہر صدیقہ	۱۳۱
مسیح آیت اللہ	۱۳۲
سقیم قادیان	۱۳۲

اسباب عصمت جو مسیح میں بہم ہوئے	۱۳۳
نبوت مادرزاد	۱۳۳
خصوصیات مسیح	۱۳۴
عظمت روح اللہ	۱۳۵
۴......عصمت مسیح از اناجیل ...... معہ ردشبہات	۱۳۶
اوّل مرزا کا طریق عمل	۱۳۶
حضرت خضر پر نکتہ چینی	۱۳۷
مرزا قادیانی کی مفروضہ امامت	۱۳۷
مرزا قادیانی کا مسیح کے حق میں حسن ظن	۱۳۸
سر تسلیم ختم	۱۳۹
من آنم کہ من دانم	۱۴۰
پلاطوس کی شہادت	۱۴۱
دشمن جان کی شہادت	۱۴۱
اہل عصر کی شہادت	۱۴۱
مرزا قادیانی کے اعتراضات کا خلاصہ	۱۴۲
نیک استاد	۱۴۲
توبہ کا اصطباغ	۱۴۳
مسیح کے اصطباغ کی نوعیت	۱۴۴
یحییٰ کی گواہی	۱۴۴
عیسیٰ کی فضیلت یحییٰ پر	۱۴۵
مسیح کی کامل راست بازی	۱۴۵
یحییٰ مسیح کے مرشد نہیں	۱۴۶
مسیح مسجود یحییٰ	۱۴۶
مسیح کو اصطباغ کی ضرورت	۱۴۶
جوازِ مے	۱۴۷
یہود کا الزام	۱۴۷
حضرت یحییٰ کی روزہ داری	۱۴۸
مسیح کی غذا	۱۴۸
شراباً طہوراً	۱۵۰
شرابی گنہگار	۱۵۱
عشائے ربانی کی حقیقت	۱۵۱

نقل کفر	۱۵۲
مرزا قادیانی گالی دیتا ہے	۱۵۳
ایک اور بہتان	۱۵۴
مرزا قادیانی کی خباثت	۱۵۴
ماں کی بےادبی	۱۵۶
مرزا قادیانی سوروں کے حامی	۱۵۶
مسیح کا معجزہ	۱۵۶
انسان کا صدقہ حیوان	۱۵۷
قتل خنزیر	۱۵۸
مرزا قادیانی اور بلی	۱۵۸
شاگردوں کا بالیں کھانا	۱۵۹
لعن الذین کفروا	۱۵۹
مرزا قادیانی کی غلط فہمی	۱۶۰
مسیح کی دعا	۱۶۱
ناجی چور	۱۶۱
مسیح عالم ارواح میں	۱۶۱
مسیح کی طفلی کا مبارک عہد	۱۶۲
مسیح کا عہد شباب	۱۶۳
۵......مسیح کی موت وبعثت کا اثبات اور مرزا قادیانی کے اوہام کا ابطال	۱۶۴
مسیح کی موت پر اہل جہاں کا اتفاق	۱۶۵
نادان دوستوں کا خیال	۱۶۵
ماخذ معلومات قادیانی	۱۶۶
مرزائی دلائل کا لب لباب	۱۶۸
مسیح کی اذیتیں صلیب سے پہلے	۱۶۹
درّے کی سزا	۱۷۰
مصلوب کرنے کا طریقہ	۱۷۰
انسانی جسموں میں فرق	۱۷۲
۶......خداوند مسیح کی بعثت اور مرزا قادیانی کا خبط کشمیر	۱۷۹
مرزا قادیانی کا گلدستہ لغویات	۱۷۹
مرزا قادیانی کے بھائی کی روح	۱۸۰
فخر دوراں	۱۸۰

فانی اور جلالی جسم	۱۸۳
مسیح کے زخموں کی حقیقت	۱۸۴
مسیح کے زندہ شدہ جسم کی تبدیلی	۱۸۵
مرزا قادیانی کے دعاوی	۱۸۶
مرزا قادیانی مشکل میں پھنسے	۱۸۷
بوسیدہ کتابیں	۱۸۹
مٹے ہوئے کتبے	۱۸۹
کئی لاکھ چشم دید گواہ	۱۹۰
یہودی شاہد	۱۹۱
خان یار کا چبوترہ قبر نہیں	۱۹۲
صدیقہ کی قبر	۱۹۲
علم اللسان	۱۹۳
باب لد ولد اخ	۱۹۵
۶......مرزا کا خبط کشمیر اور شہادت انجیل وقرآن وحدیث ...... اوّل ...... انجیلی دلائل	۱۹۶
کاٹھ پر لٹکایا گیا	۱۹۶
صلیب کی شرمندگی	۱۹۷
مصلوب ہونا اور مرنا	۱۹۸
صلیب کے اوپر شہادت	۱۹۸
حضرت مسیح کی دعا اور اس کی قبولیت	۱۹۹
صلیب کی شان	۲۰۰
ایلی ایلی لما سبقتنی	۲۰۱
اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں	۲۰۱
عرب کے گم شدہ اسرائیلی	۲۰۲
یونس نبی کی تمثیل	۲۰۳
دوم ...... قرآن شریف کے دلائل	۲۰۵
کشمیر کی طرف صریح اشارہ	۲۰۵
کشمیر کی مرزائی تعریف	۲۰۶
صلیب کے پہلے مصیبت کا زمانہ	۲۰۶
ربوہ فلسطین میں	۲۰۶
سوم ...... احادیث کے دلائل	۲۰۷
مرزا قادیانی کے دو جھوٹ	۲۰۷

حضرت مسیح کی عمر	۲۰۷
مرزا قادیانی کے لغو اقوال	۲۰۸
تین حدیثوں میں مرزا قادیانی کی تحریف لفظی اور معنوی	۲۰۸
مرزا قادیانی کے دعویٰ کے خلاف حدیث	۲۱۰
مرزا قادیانی اور اس کا دعویٰ	۲۱۲
مسیح کے رفع جسمانی پر مرزا قادیانی کی فیلسوفی	۲۱۳
۷......مرہم رسل	۲۱۴
مرزا قادیانی کا دعویٰ	۲۱۴
اعجاز عیسوی	۲۱۴
مرغ عیسیٰ	۲۱۴
دوسوال	۲۱۵
رومی قرابادین	۲۱۵
ترمیم دعویٰ	۲۱۵
فہرست کتب طب	۲۱۶
بوعلی سینا	۲۱۶
مرزا کا بہتان	۲۱۶
عوام کا خیال	۲۱۷
علاج ضربہ وسقطہ	۲۱۷
اس مرہم کے مختلف نام	۲۱۸
وجہ تسمیہ	۲۱۸
مرہم کا یونانی نام اور وجہ تسمیہ	۲۱۹
لفظ شلیخا کی تحقیق	۲۲۰
طبیب اسرائیلی کا قول	۲۲۰
اسرائیلی پر مرزا قادیانی کا بہتان	۲۲۱
حوض شیلوخ کا تذکرہ	۲۲۱
اصلی مرہم عیسیٰ	۲۲۱
اصلی مرہم حواریین	۲۲۲
آخری مالش	۲۲۲
عوام کا خیال اور مرزا قادیانی کی تردید	۲۲۳
مرزا قادیانی کی اختلاف بیانی	۲۲۴

دیباچہ

زاں کہ از قرآں بسے گمراہ شدند　　زاں رسن قومے دردن چہ شدند

رسالہ ضربت عیسوی ان سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ ہے جو مرزاغلام احمد قادیانی کے ریویو کے جواب میں لاہور کے رسالہ ترقی ۱۹۰۳ء میں شائع ہوتے رہے۔ان میں جابجا اضافہ بھی کیا گیا تاکہ مابعد کی نکتہ چینیوں کی رعایت ہوجائے۔

جن لوگوں کو ضرورتاً مرزا قادیانی کی تصنیفات پڑھنے کا ناگوار اتفاق ہوا ہوگا وہ خوب جانتے ہیں کہ مناظرہ میں فحش بیانی، سخت کلامی، بدزبانی بلکہ گالی کوسنے کا مرزا قادیانی نے گویا سرکار سے ٹھیکہ لے لیا۔[1] آپ اس فن کے جگت استاد مانے جاتے ہیں۔ ہر مذہب کے بزرگوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔آپ کے دست وزبان سے کسی مؤمن کو امان نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ ہی کی انشاء پردازی کی بدولت گبرد مسلمان کا چلن بگڑا اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو مرزا قادیانی کی تحریرات کو ایک معنی میں لاجواب کردیتی ہے اور میدان یقیناً آپ ہی کے ہاتھ رہ جاتا۔اگر ایسے مبارزنہ اٹھ کھڑے ہوتے جیسے ضمیمہ شحنہ ہند کا ایڈیٹر شوکت، جس نے قادیان کی ترکی تمام کردی۔یہی تو وجہ ہے کہ عیسائی آپ کی طرف سے ناک بند کر کے گزرتے رہے۔انہوں نے ہمیشہ آپ کا ادب کیا اور دبتے بھی رہے اور اگر آتھم مرحوم کے جنگ مقدس کو ہم شمار نہ کریں تو عیسائیوں کے لاٹ پادری نے بھی آپ سے ہم کلام ہونا عار سمجھا اور طرح سے بھی عیسائیوں کا یہ سکوت بے جا نہ تھا۔ مرزا قادیانی مہدی مسعود ہوں یا دجال مردود۔آپ جو کچھ ہیں اسلام کے حق میں ہیں۔گمراہ کیا آپ نے تو مسلمان کو، راہ پر لگایا تو مسلمانوں کو۔چودھویں صدی کے سرے پر آپ اسلام کو زندہ کرنے آئے اور ''مسلمانوں کے عظیم الشان امام'' بنے۔مارا آپ کو تو مسلمانوں نے۔مانا آپ کو تو مسلمانوں نے۔انہوں نے آپ کی واجبی آؤ بھگت میں کچھ اٹھا نہیں رکھا۔پس بقول شخصے

چوکارے بے فضول من برآید　　مرا دروے سخن گفتن نشاید

---

[1] اسی زبان درازی کی انتہاء مشتے نمونہ ازخروارے یہ ہے کہ مقدس پولوس کو ''شریرانسان، رئیس المفترین'' کہتا ہے اور مریم صدیقہ کو پانی پی کر کوستا ہے۔اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔(اشتہار وحی اللہ القہار مورخہ ۱۴؍جنوری ۱۸۹۷ء، مکتوب عربی ص۱۹۵) سخنانے برزبان خود آرد کہ بجز شیطان لعین ہیچ کس بداں گونہ تکلم نکند۔اسی شائستگی کی تعریف ہے۔(مکتوب ص۲۵۳) اوروں نے اگر کسی مذہبی پیشوا کی نسبت کوئی بے ادبی کا کلمہ نکالا ہوگا تو اپنی ذاتی ذمہ داری پر۔مگر یہ سخن آفرینی مرزا قادیانی کے حامل وحی کا حصہ ہے اور یہ کلام آپ ہی پر نازل ہوا۔اے احمد رحمت تیرے لبوں پر جاری ہورہی ہے؟

عیسائیوں کو پرائے پھڈے میں پاؤں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہاں! کسر صلیب کا ڈھول آپ بجاتے رہے۔ مگر ان کو اس کی کیا پرواجب وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کے اوپر صلیب کا جھنڈا برابر لہرا رہا ہے۔ جس کے نیچے وہ خود امن سے رہتے ہیں اور آپ کو بھی بیک بینی اور دو گوش سلامت رہنے دیتے ہیں۔ ان کے گرجوں کے مناروں پر صلیب بدستور بلند ہے اور ہر سال نئے صلیب نصب ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور گو مرزا قادیانی ایک صدی کی چوتھائی کسر صلیب کی کوششوں میں برباد کر چکے۔ مگر پھر بھی دم نزع آپ قابل ترس حسرت سے یہی روتے سنائی دیئے۔''ان الصلیب سیکسرن ویدقفن ''صلیب تو عنقریب ٹوٹ جائے گا۔ (نور الحق ص ۹۷، خزائن ج ۸ ص ۱۲۹)

آخر انسان آرزو میں کب تک جی سکتا ہے۔ اس سے تو اندھی آنکھ ٹھنڈی جو صلیب نہیں دیکھتی وائے ناکامی ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب آپ اس امید میں جیتے ہیں کہ میری طرح ''میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے۔'' اور پس مرگ میرے مزار پر دیا جلاوے۔ (ازالہ اوہام ص ۴۵۵، ۴۸۸)

مرزا قادیانی کو سرسید مرحوم کی ہمیشہ شکایت رہی کہ انہوں نے آپ کو مجنوں اور پاگل قرار دے کر کبھی منہ نہ لگایا۔ (آئینہ کمالات ص ۲۳۱)

مبادا عیسائیوں سے بھی مرزا قادیانی کو یہ شکایت رہ جائے۔ اس لئے ہم آپ کے جواب میں یہ تھوڑا سا لکھتے ہیں جس کو بہت کام دینا ہے اور اس طرح گویا آپ کے خیالات کو گمنامی کے کوچوں سے باہر نکال کر عیسائیوں کو سنائے دیتے ہیں۔ مگر ہم کو تہذیب کا اور اپنے ناظرین کے سنجیدہ مذاق کا بہت خیال ہے۔ اس لئے جو کچھ سب وشتم انہوں نے ہمارے بزرگوں اور ہمارے مقدس دین کے حق میں روا رکھا اس کو ہم طاق نسیان پر رکھ کر اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ناظرین انصاف آئین کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر کہیں ہمارا قلم بہک جائے تو ہم کو معذور رکھیں۔ کیونکہ اگر کوئی بانس کا ایک سونٹا لے کر آئے اور یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی ایک سنجیدہ مجلس کو للکار کر کہے کہ یہ وہی عصائے موسیٰ ہے جو فرعون کے آگے اژدھا بن گیا تھا اور جس نے بحر قلزم کو دو حصہ کر دیا تھا۔ تو کہاں تک کوئی اپنی متانت کو نباہ سکے گا۔ سری نگر کی قبر کے متعلق مرزا قادیانی کے دعاوی اس سے بھی زیادہ ہنسانے والے ہیں اور ہم بھی خوب ہنسے۔ الف۔میم!

۱ ...... عصیٰ آدم ربہ ...... بحث عصمت انبیاء

عیسائیوں کا عقیدہ

عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل رہے کہ بجز مسیح کلمۃ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے۔ (عبرانی ج۷ص۲۶) ہر انسان ...... کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا اور ابوالبشر آدم کی طرح توبہ کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا اپنے خدا کے آگے گرا: ’’ربنا ظلمنا انفسنا وان الم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ‘‘ اے ہمارے رب ہم نے برا کیا اپنی جان کا اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد۔ (اعراف)

یہ ایک ایسا سیدھا اور سچا مسئلہ ہے کہ اہل کتاب کے صحف ربانی کی قرآن شریف نے جس کی تعریف مصدقالما بین یدیہ ہے پوری تصدیق کر دی۔ پھر جب نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء بھی دیگر انسانوں کی طرح اپنے ذنب (خلاف اولیٰ کام۔ مرتب!) کا اقرار کر کے طلبگار مغفرت ہوئے۔

اہل اسلام کا عقیدہ

اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا...... امام رازی آیت: ’’فازلھما الشیطان عنھا (بقرہ) ‘‘ کی تفسیر میں اس مسئلہ میں مسلمانوں کے اختلاف میں یہ لکھتے ہیں کہ: ’’خوارج میں سے فرقہ فضلیہ اس بات کا قائل ہوا ہے کہ انبیاء سے گناہ صادر ہوئے ہیں اور ان کے نزدیک گناہ کفر یا شرک ہوتا ہے۔ پس لامحالہ وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ انبیاء سے کفر صادر ہوا ہے اور فرقہ امامیہ اس بات کا قائل ہے کہ تقیہ کے طور پر انبیاء سے کفر صادر ہو سکتا ہے۔‘‘

انبیاء کے افعال اور سیرت کے متعلق اس میں امت کے چار قول ہیں۔ (’’علیٰ خمسۃ اقوال ‘‘ پانچ قول ہیں) ایک فرقہ حشویہ کا قول وہ انبیاء سے قصداً کبائر کے صادر ہونے کو تجویز کرتے ہیں۔ دوسرا ان لوگوں کا قول ہے کہ جو کبائر کو تجویز نہیں کرتے اور صغائر کو قصداً تجویز کرتے ہیں...... تیسرا یہ کہ ان سے قصداً کوئی گناہ نہیں صادر ہو سکتا۔ صغیرہ اور نہ کبیرہ۔ البتہ تاویل کے طور پر ہو سکتا ہے۔ جبائی کا قول یہی ہے۔ چوتھا یہ کہ ان سے کوئی گناہ نہیں صادر ہوتا البتہ سہو یا خطا سے صادر ہو سکتا ہے۔ مگر اس طور سے بھی اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو ان سے

باز پرس ہوتی ہے۔ اگرچہ امت کے لوگوں سے خطا اور نسیان معاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی معرفت بہت قوی ہوتی ہے اور ان کے دلائل خدا کی شناخت کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور جس قدر وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں امت کے لوگ نہیں کر سکتے۔

غرضیکہ ہر اہل کتاب انبیاء سے صدور گناہ (خلاف اولیٰ۔مرتب!) کا تو قائل ہے۔ مگر کوئی بلاتاویل اور کوئی باتاویل، کوئی گناہ میں کبیرہ وصغیرہ دونوں داخل کرتا ہے کوئی صرف صغیرہ کوئی عمداً ارتکاب گناہ جائز رکھتا ہے۔ کوئی محض سہواً اور کوئی تقیۃً۔ ہاں! صرف ایک قول ہے: ''پانچواں انبیاء سے کوئی گناہ نہیں ہوتا نہ کبیرہ اور صغیرہ نہ قصداً اور نہ سہواً نہ بطور خطا کے نہ بطور تاویل کے مسلمانوں کا مذہب یہی ہے۔ پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء کے معصوم ہونے کا زمانہ کون سا ہوتا ہے۔ اس میں بھی تین قول ہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ وقت پیدائش سے برابر انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اکثر معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وقت بلوغ سے وہ معصوم ہوتے ہیں اور قبل از نبوت ان سے کفر یا گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں ہوسکتا۔''

ربط اقوال

ہم عیسائی دوسرے لوگوں کے ساتھ دونوں قولوں میں متفق ہیں۔ ان سے بھی جو انبیاء سے صدور گناہ کے قائل ہوئے۔ مگر اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور صدور گناہ کو بہ نص صریح ثابت سمجھتے ہیں اور انبیاء کو عموماً ''افعال اور سیرت'' کے لحاظ سے گنہگار اور عاصی جانتے ہیں اور رافضیوں سے بھی۔ مگر ان کے قول کو صرف حضرت مسیح کے حق میں ثابت سمجھتے ہیں اور یہی مانتے ہیں کہ نہ صرف وہ ہر ایک قسم کے گناہ سے محفوظ تھے۔ بلکہ پیدائش ہی کے وقت سے ہر گناہ وخطا سے معصوم رہے اور وہ نبی مادرزاد تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ہم (عیسائی) بھی عصمت انبیاء کے قائل ہیں۔ عموماً نہیں بلکہ خصوصاً۔

تعریف معصوم

اہل اسلام کے علماء نے نبی کے معصوم ہونے کی تعریف بھی کر دی ہے۔ چنانچہ ملّا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: ''**اختلف الناس فی کیفیت العصمة فقال بعضهم هی محض فضل الله تعالیٰ بحیث لا اختیار للعبد فیه**'' لوگوں نے عصمت کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عصمت محض خدائے تعالیٰ کا ایک فضل ہے جس میں بندہ کو کوئی اختیار بھی نہیں۔'' **وقال بعضهم العصمة فضل من الله ولطفه ولا کن علیٰ وجه یبقی اختیارهم بعد العصمة فی الاقد ام علیٰ الطاعة والامتناع عن المعصیة** (فقہ

اکبر) ''اور بعض کا قول ہے کہ عصمت، اللہ کا فضل اور لطف تو ضرور ہے مگر اس طور پر کہ انبیاء کو باوجود عصمت کے اختیار باقی رہتا ہے کہ فرمانبرداری پر پیش قدمی کریں اور گناہ سے رک جاویں۔

اس اخیر قول پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ (ملّا علی قاریؒ نے بعض کا قول نقل کیا ہے۔ جمہور کا اتفاق نہیں، جسے مصنف اپنی منشاء پر ڈھال رہے ہیں۔ مرتب!) اور عیسائی بھی اس قول سے متفق ہیں کہ حضرت مسیح اس معنی میں معصوم تھے۔ ہر فاعل ذی اختیار کی طرح ارادہ اور اختیار رکھتے ہوئے آپ نے گناہ کو مطلق ترک کیا اور نیکی پر کامل عمل کیا۔

آزاد تحقیق

اب ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں عیسائیوں کی تحقیقات اپنی کتابوں کی نسبت اور مسلمانوں کی قرآن کی نسبت بالکل ایک دوسرے سے آزاد ہے۔ عدم عصمت انبیاء کے خیال میں نہ عیسائی مسلمانوں کے مقروض ہو سکتے ہیں اور نہ ملحدین عیسائیوں کے۔ قرآن پڑھ کر بے دین لوگوں نے اور صحف سابقہ پڑھ کر عیسائیوں نے ایمان کے رنگ میں عصمت انبیاء سے انکار کر کے قرآن یا کتب سابقہ سے استدلال کیا اور جب کسی نبی کے حق میں عصمت کے قائل ہوئے تو ایک معقول تعریف بھی عصمت کی کر دی۔ جس سے انسان فاعل ذی اختیار اور سزا و جزا کے قابل ٹھہرا۔

مرزا کی نرالی رائے

مگر ہمارے مرزا کی متھر انگرزی نیاری ہے۔ نہ معلوم کیوں آپ کی عنایت انبیاء کے اوپر اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آپ سب کو باستثنائے مسیح کے معصوم مانتے ہیں۔ شاید اس طور پر آپ اپنی عصمت کو ثابت کرنا چاہتے ہوں۔ آپ منکرین عصمت انبیاء کی نسبت جو دیندار کلمہ گو کھرے مسلمان گزرے فرماتے ہیں: ''اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں ان لوگوں کے ذریعے سے آئے جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔''

(ریویو ج۲ ص۲۵۳)

وہ خیالات موجود ہیں اور ان کی تاریخ موجود ہے۔ (ریویو ج۲ ص۲۵۳)

بلکہ ہم تو یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ہم نے یہ خیالات انہیں سے حاصل کئے اور ان کو قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ ہمارے خیالات کے موید اور گہری تحقیقات پر مبنی ہیں۔ ہاں! اگر ضرورت ہوتی تو ہم یہ بڑے زور سے ثابت کر دیتے کہ تمہارے بہت سے خیالات اسلام سے دور اور نرے اہل کتاب سے مسروقہ ہیں۔

مرزا لکیر کے فقیر

عصمت انبیاء پر جو کچھ تم نے لکھا اس میں تم نرے لکیر کے فقیر ہو۔ تحقیق کی جس میں بوتک نہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ امام رازی وغیرہ علماء نے اس خیال کو جو فی نفسہ کمزور تھا ایک معقولیت کے پیرائے میں پیش کیا۔ جس کو تم نہ نباہ سکے۔ تم نے اس کو ایسی بھونڈی طرح بیان کیا کہ اس کی کمزوری بالبداہت عیاں ہوگئی اور تم اس خیال کے بڑے نادان دوست نکلے اور اگر تم ہی اسلام کے ''عظیم الشان امام'' اور چودھویں صدی کے مجدد ہو تو اسلام کی خیر نہیں۔

معصوم کی مرزائی تعریف

ہمارے مرزا قادیانی کی مراد عصمت انبیاء سے کیا ہے؟ انہوں نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے۔ ''انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اسی طرح بکلی خدائے تعالیٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔'' ''انبیاء نہیں بولتے جب تک خدا ان کو نہ بلاوے اور کوئی کام نہیں کرتے جب تک خدا ان سے نہ کرائے۔ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہیں اور ان سے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ۔'' (ریویو ج۲ص۷۰)

''انبیاء کے اقوال وافعال کو خدائے تعالیٰ اپنے اقوال وافعال ٹھہراتا ہے اور وہ اسی طرح پھرتے ہیں جس طرح وہ ان کو پھراتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایسے بے اختیار ہوتے ہیں جیسے ایک مردہ اور بکلی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اپنے جذبات وخواہشات کچھ نہیں ہوتے اور نہ ان کے حرکات اور کلام اور ارادے ان کے اپنے ہوتے ہیں۔''

(ریویو ج۲ص۷۲)

اس تعریف کی لغویت

جب انبیاء خدا کے ہاتھ میں مثل کٹھ پتلی کے ٹھہرے اور ان کی اپنی خواہشات اور ارادے ندارد ہوگئے تو معلوم ہوا کہ وہ فاعل ذی اختیار نہیں اور مکلّف ہونے کے دائرے سے باہر نکل گئے اور سزا جزا کے احکام ان پر سے مثل ہر مرفوع القلم کے ساقط ہوگئے۔ کیونکہ معصوم اور غیر معصوم ہونے کے لئے اختیار اور ارادہ لازمی ہے۔ خود مرزا قادیانی نے ایک جگہ عصمت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا: ''عصمت کا مفہوم صرف اس حد تک ہے کہ انسان گناہ سے بچے اور گناہ

کی تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کے حکم کو عمداً توڑ کے لائق سزا ٹھہرے...... تعریف مذکورہ بالا کی رو سے نابالغ بچے اور پیدائشی مجنون بھی معصوم ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں۔'' (جلد اوّل ص۱۸۰)

گو یہ مضمون خبط بے ربط ہے۔ مگر جب گناہ کی تعریف میں عمداً وارادہ لازم ہوا تو معصوم حقیقی صرف وہ ہے جو ایسے گناہ سے محفوظ ہو۔ پس گویا مرزا قادیانی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی عصمت پیدائشی مجنون کی عصمت سے بھی گئی گذری۔ کیونکہ پیدائشی مجنون میں فہم تو نہیں مگر ارادہ اور اختیار ضرور ہے۔

مرزا قادیانی نے جو تعریف عصمت انبیاء کی کی وہ نہ صرف عقل سے بالکل بعید بلکہ نقل کے سراسر معارض ہے اور ہم نے آج تک مسلمانوں میں کسی فہمیدہ شخص کو یہ کہتے نہیں سنا کہ انبیاء ایک مردہ کل ہیں جو بڑھیا کے چرخے کی طرح چلے جاتے ہیں۔

ہم کو ان خیالات کی لغویت پر تو تعجب نہیں۔ مگر تعجب ہے اس بات پر کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ سخن راست بے کم وکاست ہے۔

ہماری تحدّی (چیلنج)

اب ہم بڑے دعویٰ کے ساتھ مرزا قادیانی کو تحدّی کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو بکثرت ایسی آیات موجود ہیں۔ ان میں سے تم کوئی ایک آیت جس کو اپنی دانست میں سب سے بڑی نص عصمت انبیاء پر سمجھتے ہو۔ جس سے تمہارے معنی عصمت ثابت ہوں ہمارے لئے پیش کرو اور ہم تمہاری تردید اسی اصول تفسیر قرآن سے کریں گے جو تم نے اپنے منہ سے بیان کر دیا ہے۔

مرزا قادیانی کو تو سب ہی انبیاء کی عصمت کا دعویٰ ہے اور اسی معنی میں جو اوپر بیان ہوئے مگر ہم کو صرف حضرت مسیح کی عصمت کا دعویٰ ہے اس معنی میں کہ اختیار اور ارادہ اور امکان گناہ رکھتے ہوئے انہوں نے عمداً وارادۃً اپنے تئیں گناہ اور خطا سے محفوظ رکھا اور ہمیشہ صراط مستقیم پر قدم مارا اور سر مو انحراف نہ کیا۔

مسلمانوں کی خدمت میں ہماری گذارش

کسی اور نبی کی عصمت اس طرح ہماری کتب سے ثابت نہیں ہے...... پس ہم کسی دوسرے نبی کو معصوم نہیں مانتے اور مسلمان بھائیوں کی خدمت میں ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ ہم اس مسئلے کو صرف اس لئے مانتے ہیں کہ وہ ہماری کتب مقدسہ کے مطابق

ہے...... نہ ہم کو آپ کے ساتھ ضد ہے نہ آپ کو ہمارے ساتھ ہونا چاہئے...... اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف حضرت مسیح معصوم تھے تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ہمارے بھی نبی ہیں اور آپ کے بھی۔ پس ٹھنڈے دل سے آپ کو اس امر کا تصفیہ کرنا چاہئے۔

ربنا انا ظلمنا گفت وآہ
یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

بحث کا اختصار

مرزاقادیانی کے ساتھ اس بحث میں اختصار کو مدنظر رکھنا چاہتے ہیں اور اس لئے سب سے پہلے ثابت کریں گے کہ وہ اپنی بدقسمتی سے بسم اللہ ہی میں چوک گئے اور سب سے پہلے نبی یعنی حضرت آدم صفی اللہ کی عصمت بھی نہیں ثابت کر سکتے اور یہ ابتدائی شکست ان کی ساری مہم کو بدشگونی ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی ایک نبی کا معصوم ہونا بھی ثابت نہ ہو سکے تو مسئلہ عصمت انبیاء سراسر باطل ہو جاتا ہے اور صرف یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ فلاں نبی معصوم نہیں مگر فلاں ہے اور ہم یہی کہتے ہیں۔ پس ہم اس جگہ اپنی بحث حضرت آدم کی عصمت پر محدود کرتے ہیں اور اس کو برابر جاری رکھیں گے تاوقتیکہ ہمارا اور مرزاقادیانی کا فیصلہ قطعی نہ ہو جائے۔

اصول تفسیر قرآن

ایک بات میں ہم مرزاقادیانی کے بہت ہی مشکور ہیں کہ انہوں نے تفسیر قرآن کا ایک اصول بیان کر دیا جو بطور ''کلمۃ سواء بیننا وبینکم'' فریقین کے درمیان حکم بن کر فیصلہ کر دیتا ہے اور اس اصول کو ہم سبق کی طرح یاد رکھیں گے اور نہ خود کبھی بھولیں گے اور نہ مرزاقادیانی کو بھولنے دیں گے۔ باوجودیکہ ہم کو معلوم ہے کہ مرزا را حافظہ نباشد۔ وہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیریں خدا کا کلام نہیں ہیں۔ جن کے ہر ایک لفظ کا وہ اپنے کو پابند خیال کرتے ہیں۔ ہاں! اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اس کو بے شک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع ماناجائے گا۔''

اکثر حالتوں میں آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ کسی فقرے پر بلحاظ سیاق وسباق کے کون سے معنی چسپاں ہیں اور کون سے وہ معنی ہیں جو قرآن شریف کے عام مفہوم کے مطابق ہیں۔ قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کریں گے اور معنی کرنے میں انہیں معنوں کو صحیح سمجھیں گے۔ جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہ ہوں اور جن کا

موید خود قرآن شریف ہو۔ اگر کوئی کہیں تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ میں ہوگا۔ لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ (ریویو ج۲ ص۲۵۴)

چشم ماروشن دل ماشاد

مرزا قادیانی نے ایسی سچی بات کہی ہے کہ وہ ان کے منہ کی سی معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں! یہی تو حضرت مولانا روم فرما چکے

معنی قرآن زقرآں پرس و بس

ہمارا قضیہ

اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت آدم معصوم نہ تھے۔ ان سے گناہ صادر ہوا اور وہ عاصی ہوگئے اور اپنے مرتبے سے ایسے گرے کہ ان کو نبی اولوالعزم بھی نہیں کہہ سکتے۔ (یہ قضیہ ''ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم'' کے خلاف ہے۔ اگر حضرت آدم معصوم نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے؟ مرتب!)

تعریف گناہ

مرزا قادیانی کے اپنے قول کے مطابق گناہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک انسان اس فعل کے ذریعے سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھہرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہنچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھہرے گا اور آخر میں لکھا ہے کہ: ''انبیاء علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھہرایا ہے۔'' (ریویو ج۲ ص۲۵۵)

گناہ حضرت آدم

حضرت آدم علیہ السلام کی ذات پر اس تعریف کا جو مرزا قادیانی کے اوپر حجت قطعی ہے حرف حرف صادق آتا ہے۔

دیکھو خدا کا حکم آدم کو ''لا تقربا ہٰذہ الشجرۃ لتکونن من الظالمین (اعراف)'' پاس نہ جانا اس درخت کے ورنہ تم ہو جاؤ گے ستم گاروں میں۔ اس میں نہ صرف حکم ہے بلکہ حکم عدولی کا نتیجہ بھی صاف وصریح الفاظ میں بتلا دیا۔ یعنی جرم کی تعریف اور اس کی سزا بھی مقرر کردی۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بڑی تاکید کے ساتھ ان کو خوب سمجھا بھی دیا کہ شیطان تمہارا

دشمن ہے اور اس ذکر میں لگا ہوا ہے کہ تم کو خدا سے برگشتہ کر کے اس جائے آرام سے نکلوا دے۔ ’’**فقلنا یا آدم ان هذا عدولک ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنة**‘‘ ہم نے کہہ دیا اے آدم یہ شیطان تیرا اور تیری جورو کا ضرور دشمن ہے۔ خبردار کہیں تم دونوں کو یہ جنت سے نکلوا نہ دے۔ اب نہ تو کوئی حکم اس سے زیادہ صاف ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی تاکید و تنبیہ اس سے زیادہ مؤثر ممکن تھی۔ یعنی خدا کا حکم بھی موجود تم نے دیکھ لیا اور یہ بھی کہ وہ حکم آدم کو اچھی طرح پہنچ چکا تو پس تمہاری تیسری و چوتھی شرط پوری ہو چکی۔

اب یہ بات تو تم خود مان چکے ہو کہ: ’’اس میں شک نہیں کہ آدم حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔‘‘ (ریویو ج۲ ص۲۵۶،۲۵۷)

کیونکہ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ آدم نہ صرف اس درخت کے پاس گئے بلکہ اس کا پھل بھی کھا لیا اور خدا کا حکم توڑا اور اللہ نے آپ فرمادیا۔ ’’**وعصیٰ آدم ربه فغویٰ**‘‘ اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس گمراہ ہوا۔ لو آدم نے تمہارے گناہ کی پہلی شرط کو بھی بلا عذر پورا کر دیا۔

پھر حضرت آدم اس گناہ کی وجہ سے ’’سزا کے لائق ٹھہرے‘‘ وہ سزا کیا تھی یہی کہ اسی جنت سے جس میں ان کو ’’**من الخالدین**‘‘ ہونے کی آرزو تھی۔ بصد حرمان نکال دیئے گئے۔ ’’**قال اهبطا منها**‘‘ کہا تم نکل جاؤ اس جنت سے اور جنت والوں کو جیتے جی سب سے بڑی سزا یہی مل سکتی تھی کہ وہ جنت سے جلاوطن کئے جائیں۔ چنانچہ شیطان کو اس کی شیطنت کی سزا بھی خدا نے یہی دی۔ ’’**قال فاهبط منها** (اعراف)‘‘ کہا اے شیطان تو جنت سے نکل جا۔

پس آدم نہ صرف سزا کے لائق ٹھہرے بلکہ ان پر سزا کا نفاذ بھی ہو گیا۔ میعاد اپیل بھی گزر گئی اور حکم بحال رہا۔ جس میں آپ کی دوسری شرط بھی مبالغہ کے ساتھ پوری ہو گئی۔

اب رہی پانچویں شرط کہ ’’عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھہرے گا۔‘‘ اس کا تصفیہ ذرا مشکل ہے۔ خدا کی عقل نے تو اس کو تجویز کیا۔ مگر الٰہی فیصلہ مرزا قادیانی پر کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم کی عقل نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اپنے ظلم کے وہ قائل ہو گئے۔ مگر ایسے دیرینہ سالی بڈھے کے فعل کو قادیان میں کون باور کرتا ہے؟ ہم کو بھی ضد ہے۔ ہم یہی کہیں گے کہ اگر اہل قادیان کی عقل اس کو تجویز نہیں کرتی تو یہ اس کی خطا ہے نہ کہ آدم کی یا خدا کی اور ہم کو خدا اور آدم کے ساتھ غلطی کرتے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ پس نہایت صفائی سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم نے مرزا قادیانی کی پانچوں شرطیں پوری کر دیں اور گنہگار

ہو گئے۔ ایسے کہ آپ کو معصوم کہنے کی جرأت اب مرزا قادیانی کو بھی نہیں ہوسکتی۔ تاوقتیکہ وہ گناہ کی تعریف اور طرح بدل کر اپنے سخن کو باطل ٹھہرائیں۔ اس تقریر سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ آدم مرزا قادیانی کی تعریف گناہ کے موافق گنہگار ٹھہرے۔ بلکہ یہ بھی کہ خدا نے ان کو ظالم اور غاوی کہا جن الفاظ سے گنہگار انسان قرآن شریف میں یاد کئے گئے ہیں۔

حضرت آدم اولوالعزم نبی نہ تھے

چنانچہ لکھا ہے: ''**ولقد عهدنا الیٰ آدم من قبل فنسی ولم نجدله عزماً (طـه)**'' شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔'' بہرحال اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے عہد لے لیا تھا آدم سے پہلے ہی۔ مگر وہ اس کو بھول گیا اور ہم نے نہ پایا اس میں عزم۔ آدم میں خدا نے عزم کی نفی کی اور یہی ایک صفت ہے جو بعض انبیاء کو اولوالعزم بنادیتی ہے۔ پس عزم کے عدم کی وجہ سے آدم نبی اولوالعزم نہ رہے۔ صاحب قاموس لفظ عزم کے معنی ہیں۔ لکھتے ہیں: ''**واولوالعزم من الرسل الذین عزموا علیٰ امر الله تعالیٰ فیما عهد الیهم**'' رسولوں میں اولوالعزم وہ لوگ ہی جو عزم رکھتے ہیں اور پر بجاآوری حکم خدا تعالیٰ کے جن باتوں میں خدا نے ان سے عہد کیا ہے۔

مرزا کی تحریف

ہم کو افسوس آتا ہے کہ آیت شریفہ کے معنی مرزا قادیانی نے کیسے بگاڑے اور اس میں تحریف معنوی کرنا چاہی۔ وہ اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں: ''اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا۔'' اور کہتے ہیں: ''کہ اس سے حضرت آدم کی صاف بریت ہوتی ہے کہ انہوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا۔'' آدم اس میں بے قصور تھا۔

(ریویو ج۲ص۳۵۶،۳۵۷)

لفظ عزم پر بحث

ابھی ابھی مرزا قادیانی نے ہم سے عہد کیا تھا کہ: ''ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی پیش کریں گے۔'' اور وہ ایسا جلد اپنا عہد بھول گئے۔ آیت میں لفظ عہد کا آیا اور لفظ عزم کا۔ اس میں کوئی لفظ نہیں جس کے معنے گناہ کئے جاسکیں اور نہ معنی آیت کسی تیسرے لفظ کے ادخال کے حاجت مند ہیں۔ دیکھو شاہ صاحب نے اس جگہ کیسا معقول ترجمہ کیا تھا۔ جس میں الفاظ کی پوری

رعایت ہے۔ کیا مرزا قادیانی اس سے بڑھ کر ترجمہ کر سکتے ہیں؟ پس آدم میں مطلق عزم کی نفی کی گئی اور عزم کے معنی بھی شاہ صاحب نے ''ہمت'' بتلائے۔

تفسیر کی سند

بعض لوگوں نے الفاظ کی پوری پابندی اپنے لئے دشوار سمجھی۔ انہوں نے ایک درجہ ہٹ کے الفاظ کا لحاظ رکھا اور عزم کو عہد سے متعلق کر دیا۔ جو لفظ متن آیت میں موجود تھا اور اس صورت میں آیت کے معنی ہوئے۔ ''ہم نے اس میں (عہد پر) ہمت نہیں پائی اور عہد پر عزم سے مراد صرف ایفائے عہد پر عزم ہو سکتا ہے۔ اب کسی تفسیر کا حوالہ صرف تائیدی رنگ میں درکار ہو تو امام بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ نہ پایا ہم نے اس میں صبر منہیات سے بچنے کا اور نہ رائے پختہ۔ عطیہ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ نہ پائی ہم نے اس میں نگہبانی اوامر الٰہی کی۔ اب مرزا قادیانی کی شامت دیکھئے۔ عہد تو ہم سے کیا: ''ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔'' اور ایسی جلد ایفائے عہد سے ہمت ہار دی کہ ترجمہ کرتے وقت نہ صرف ''قرآن کریم کے الفاظ'' سے چشم پوشی کی بلکہ باہر سے لا کر آیہ کریمہ میں ''گناہ'' ملا دیا۔ یہاں مرزا قادیانی پر وہی صادق آیا جو وہ اپنے مخالفوں کو کہتے تھے۔ ''کس طرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہیں قرآن شریف کے الفاظ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہیں جن کو مسلمان سند مانتے ہیں۔'' (ریویو ج۲ ص۲۶۴)

اے بسا عیبے کہ بینی درکساں
خوئے تو باشد درایشاں اے فلاں

بھول جانے کا عذر

اسی طرح مرزا قادیانی کا دوسرا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے عہد کو بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح آدم بھی ''بھول گیا'' اور اس قول میں مرزا قادیانی پھر اپنا اصول تفسیر بھول گئے۔ اگر کوئی لڑکا کتب میں اپنا سبق اس طرح بار بار بھول جاتا تو منہ لال کر دیا جاتا۔ لو ہم قرآن سے دکھلائے دیتے ہیں کہ آدم عہد کو مرزا قادیانی کے معنوں میں نہیں بھولے تھے۔ ان کو خوب یاد تھا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر شجر ممنوعہ کے پاس جاؤ گے تو ظالم ہو جاؤ گے۔ بلکہ اس امر پر تو انہوں نے شیطان سے بحث بھی کی تھی۔ جیسا کہ شیطان کے جواب سے روشن ہوتا ہے۔ ''قال ما نھکما ربکما عن ھٰذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین (اعراف)'' کہا تم کو خدا نے اس لئے نہیں منع کیا بلکہ اس لئے کہ مبادا تم فرشتے ہو جاؤ۔ شیطان نے یہ کہہ کر خدا کے قول کی

تکذیب کی اور آدم نے اس کی بات مان لی۔ خدا کے سخن کو لغو قرار دیا اور شیطان کی بات سچی مانی۔ پھر آخر کو جب خدا نے بھی آدم سے پوچھا: ’’الما انھکما عن تلکما الشجرۃ‘‘ کیا تم کو میں نے اس درخت سے منع نہیں کیا تو آدم لاجواب رہ گیا۔ اس نے نہیں کہا کہ خداوند میں بھول گیا۔ بلکہ اقرار کرلیا کہ ربنا ظلمنا انفسنا۔ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ تیرا فرمانا حق ہوا ہم ظالمین میں ہوگئے۔ پس مرزاقادیانی تم کس منہ سے حضرت آدم کے لئے ایک جھوٹا حیلہ تراشتے ہو۔ کیا یہ ’’اگر پدر نتواند پسر تمام کند‘‘ کی نظیر ہے؟

بھول جانے کے معنی

پس یہ تو معلوم ہوگیا کہ حضرت آدم علیہ السلام مرزاقادیانی کے معنوں میں عہد کو نہیں بھولے تھے۔ پھر بھول گیا کے معنی اس جگہ کیا ہیں؟ اب پھر ہم اسی اصول تفسیر پر کاربند ہوتے ہیں: ’’قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں۔‘‘

چنانچہ ایسے موقعوں پر نسی بھول گیا کی مراد ایسی غفلت اور بے پروائی ہوتی ہے جس کے واسطے کسی عذر اور حیلے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس سورہ اور اسی رکوع میں یہی محاورہ استعمال ہوا۔ جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔ وہ کہے گا کہ اے رب کیوں اٹھایا یا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ ’’قال کذلک اتتک آیاتنا فنسیتھا‘‘ فرمایا یوں ہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا۔ دیکھو خدا فرماتا ہے کہ تو نے ہماری آیتیں بھلادیں اور اس بھلا دینے کی پاداش میں جہنم کا عذاب دیتا ہے۔ اس کو عذر نہیں قبول کرسکتا۔ ایسے ہی (سورہ ص) میں ہے۔ ’’لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب‘‘ ان لوگوں کے واسطے سخت عذاب ہے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے بھلا دیا حساب کا دن۔ یہ اصول خود مرزاقادیانی کا بیان کیا ہوا ہے کہ: ’’اس امر کا کہ قران شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔‘‘ (ریویوج۲ص۳۵۶)

پس اس معنی میں اس طرح بھول جانا کوئی عذر وحیلہ نہیں ہے۔ جو شئے بھلا دینے کی نہ تھی اس کو آدم نے بھلا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا نافرمانی ہوسکتی ہے؟ اللہ کی، تاکیدا کیدا اور ایک ہی حکم اور ہر پہلو سے سمجھا دینا اور پھر بھی بھول جانا۔ پس اب ہم بلاخوف تردید آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔

آیت کے صحیح معنی

’’ہم نے عہد لے لیا تھا آدم سے پہلے ہی مگر اس نے غفلت و بے پروائی سے اسے ایسا بھلا دیا گویا کبھی عہد ہی نہیں کیا تھا اور اس میں ہم کو کچھ بھی ہمت اور آرزو وایفائے عہد کے لئے نہ ملی۔‘‘ آپ کا یہ کہنا کہ آدم اس میں بے قصور تھا ایک لغو سخن ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم بے قصور تھا۔ بلکہ قصور اللہ نے کیا جو بے قصور کو سزا دی جنت سے مار نکالا اور پھر گھسنے نہ دیا۔ قرآن نے آدم کو ظالم اور قصوروار کہا تھا۔ اس کے بدلے آپ نے خدا کو ظالم اور قصوروار ٹھہرا دیا۔ آپ آدم کے بڑے سپوت نکلے۔

دوسری آیت

قرآن کی جو دوسری آیت ہے: ’’**وعصیٰ آدم ربه فغویٰ**‘‘ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے عصیاں یعنی نافرمانی کا صریح مذکور ہوا ہے۔ مرزا قادیانی عصیاں کی تاویل میں تو دم نہیں مارتے۔ مگر غویٰ کی تاویل پر اصرار کرتے ہیں۔

تاویل لفظ غویٰ

غویٰ کے معنی لسان العرب میں صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ ’’**فسد علیه عیشه**‘‘ یعنی اس کے آرام میں خلل آ گیا۔

آخر نہ قائم رہ سکے اپنے عہد پر قرآن شریف کے الفاظ بھی پس پشت پھینک دیئے اور احادیث کو بھی بھول گئے اور لسان العرب کو سند پکڑ لی۔ ہم کو اس شخص کی سراسیمگی پر ترس آتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی نگاہ عبرت سے دیکھے تو گناہ کی یہ بھی ایک سچی تعریف ہے۔ دوزخ میں پڑنا اور خدا سے دور مہجور ہونا انجام کار اپنا ہی برا کرنا ہے۔ بلکہ قرآن نے تو اس کو بہت صفائی سے ظاہر کیا۔ گنہگاروں کو ’’**ظالمی انفسهم** (نساء)‘‘ اپنی جان پر ظلم کرنے والا کہا۔ ’’**من یعمل سوء اویظلم نفسه** (نساء)‘‘ جو کوئی کرے بدی یا ظلم کرے اپنی جان پر۔

حتیٰ کہ صریحاً دوسرے کے اوپر ظلم کرنا بھی اپنی جان پر ظل کرنا شمار ہوتا ہے جوروؤں کے ستانے کو اور ان پر زیادتی اور ظلم کرنے کی بابت لکھا: ’’**ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسه** (بقره)‘‘ جس نے یہ کیا اس نے ظل کیا اپنی جان پر۔

اور اسی معنی میں کفر کو ظلم کہا اور دنیا کے کافروں کو ظالم۔ ’’**والکافرون هم الظالمون**‘‘ کافر جو ہیں سو ظالم ہیں اور یہی بات تھی جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے تسلیم کیا

تھا۔’’ربنا ظلمنا انفسنا[1]‘‘اے ہمارے رب ہم نے تیری حکم عدولی کی۔ہم نے تیرا کچھ نہیں بگاڑا۔گناہ کر کے اپنی جان کا برا کیا۔پس اگر غویٰ کے معنی صرف’’فسد علیہ عیشہ‘‘بھی ہوتے تو بھی آپ کی گلوخلاصی نہ ہوسکتی اور اگر یہ حق ہے کہ قرآن شریف اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔تو غویٰ کے معنی دریافت کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔یہ نتیجہ عصیاں کا کہا گیا۔یعنی شجرہ ممنوعہ کو کھانے کا اور سوائے گناہ کے کچھ نہیں ہوسکتا۔خدا نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اگر تم اس درخت کے پاس گئے تو ظالمین میں ہو جاؤ گے۔پس اگر خدا نے سچ کہا تھا اور اس میں کوئی شائبہ جھوٹ کا نہیں تھا تو آدم ظالم تو اسی وقت ہو گئے جب درخت کے پاس پہنچے اور اس قدر تو خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا تھا۔مگر چونکہ پھل بھی کھا لیا۔پس وہ ظالم سے بھی کچھ زیادہ ہو گئے اور اس پر یہ لفظ غویٰ والی ہے یہ لفظ ہمیشہ روحانی اور ایمانی گمراہی پر دلالت کرتا ہے۔

معنی لفظ غویٰ

سورۂ نجم میں ہے:’’ماضل صاحبکم وما غویٰ‘‘بہکا نہیں تمہارا رفیق اور گمراہ نہیں ہوا۔اس میں کسی دنیاوی یا جسمانی فساد کا اشارہ نہیں ہوتا۔اس کو عیش کے فاسد ہونے سے کوئی سروکار نہیں۔چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں صاحب جلالین بتلاتا ہے کہ یہاں’’اعتقاد فاسد‘‘کی نفی ہے اور شرح مواقف (نولکشوری) میں لکھا ہے۔

’’المراد نفی الضلالت والغوایۃ فی امور الدین‘‘یعنی نفی ضلالت وگمراہی امور دین میں مراد ہے۔پس ایک خاص امر میں جس بات کی نفی یہاں آنحضرتﷺ کے حق میں کی گئی اس کا اثبات آیت زیر بحث میں آدم کی نسبت کیا گیا۔’’اور ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کریں گے۔‘‘غی ایمانی گمراہی ہے اور رشد یعنی ایمانی ہدایت کی ضد۔’’قد تبین الرشد من الغیٔ‘‘مراد اس کی یہ ہے کہ آدم پہلے خدا کے راستے پر تھا۔اب وہ شیطان کے راستے پر لگ گیا اور گنہگاری کا یہی کتابی مفہوم ہے۔شیطان کی راہ چلنے والوں کو غاوین کہا گیا۔’’من اتبعک من الغاوین (الحجر)‘‘......پس لسان العرب کچھ بھی آپ کی دستگیری نہ کر سکے گا۔لسان القرآن نے آپ کو بے زبان کر دیا۔اسی طرح لکھا ہے:’’برزت الجحیم للغاوین (شعریٰ)‘‘جب نکالی جاوے گی دوزخ سامنے غاوین کے تو کیا آپ اسی بھروسے ہیں کہ اس وقت ان کا کوئی ادیب لسان العرب سے’’فسد علیہ عیشہ‘‘دکھا کر سب کو جہنم سے نجات دلائے گا؟ مرزا

[1] اس معنی کی تشریح ہم آگے چل کر حضرت یونس علیہ السلام کے بیان میں کریں گے۔

قادیانی اب ایک دفعہ پھر یاد کرلو اپنا وہی اصول کہ: ’’اس امر کا کہ قرآن شریف نے کس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔‘‘ اب ہمارا طریق عمل دیکھا اور اپنا۔

حضرت آدم پر شرک کا الزام

قرآن شریف میں یہ آیت ہے: ’’**ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا فلما تغشھا حملت حملاً خفیفا فمرت بہ فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما لئن آتینا صالحاً لنکونن من الشاکرین فلما آتھما صالحاً جعلالہ شرکاء فیما آتھما فتعلی اللہ عما یشرکون (اعراف)**‘‘

مرزا قادیانی کا ترجمہ

مرزا قادیانی نے اس کا نرا اردو ترجمہ یہ کیا ہے: ’’وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا تاکہ وہ اس کے ساتھ آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا۔ پس اس سے چلتی رہی پھر وہ جب بوجھل ہوئی تو دونوں نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں۔ لیکن جب خدا نے ان کو چنگی بھلی اولاد عطاء کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے۔ اس نے جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا۔ بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ اس کے ساتھ ٹھہراتے ہیں۔‘‘ (ریویوج۲ص۲۵۹)

مرزا قادیانی نے بے چون وچرا اس کو تسلیم کرلیا ہے کہ ان آیات میں: ’’خدا کے شریک ٹھہرانے‘‘ کے گناہ کا مذکور ہے اور وہ اس شرک کے لئے نہ کوئی معذرت کرتے ہیں نہ تاویل اور ان کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم ﷺ کے مخاطب ہیں۔ وہ اپنا سارا غصہ اور غضب صرف ان لوگوں پر نکالتے ہیں جو ’’کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ میں لے کر۔‘‘ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اس آیت میں آدم وحوا کا ذکر ہے۔ ان کے نزدیک ’’مختلف باتوں پر غور کر کے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہیں ہے۔‘‘ اور اس پر سب سے بڑی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ: ’’آدم کا نام ان آیات میں مذکور نہیں۔‘‘ آپ کو

ان لوگوں کی نسبت جو آیت میں آدم وحوا کی طرف صریح اشارہ پاتے ہیں سخت شکایت ہے۔ گویا وہ قرآن شریف کے الفاظ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ الفاظ ہیں جن کو مسلمان سند مانتے ہیں۔

امر تنقیح طلب

پس اب ساری بحث اس ایک بات پر آپڑی ہے کہ آیت میں اس طرح صاف صاف تثنیہ کا صیغہ کس کے لئے آیا۔ آدم وحوا کے لئے یا کسی اور جوڑے کے لئے۔ اس میں تو شک ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ نہ کسی واحد کا ذکر ہے اور نہ جمع کا۔ صرف ایک جوڑے کا ذکر ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں آدم وحوا مقصود نہیں تو بھی حضرت آدم کی عصمت ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ تو ہماری پہلی دلیل سے باطل ہوچکی۔ لیکن اگر کہیں یہ ثابت ہوگیا کہ اس آیت میں آدم وحوا کا ذکر ہے تو مرزا قادیانی کا سارا کھیل بگڑ جائے گا اور آپ کو قادیان میں بھی امان نہیں مل سکتی اور یہ راہ مرزا قادیانی کے لئے ہم کو پل صراط سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اب ان کے گریز کے لئے تاویل کی مفر بھی باقی نہیں رہی۔

آدم کا نام آیت میں ندارد

نام ہی ایک وسیلہ نہیں جس سے کسی شخص کا تعین کیا جاتا ہے۔ معہود ذہنی بھی تو شخص کو معین کرتا ہے۔ اگر کوئی مولانا بالفضل ادلا نا لکھ دیں کہ کذاب قادیانی دجال کا پیش رو ہے تو حکیم نورالدین بھی نہ رہیں گے کہ یہ ذکر خیر حضرت اقدس کا نہیں۔ کیونکہ جناب مولوی صاحب نے مرزا قادیانی کا نام تو نہیں لیا۔ اسی طرح گو اس آیت میں آدم اور حوا کا نام نہیں تو بھی کسی قرآن خواں کو پڑھتے وقت شبہ نہیں ہوسکتا کہ **''خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا''** سے آدم وحوا ہی مراد ہیں۔ اس قول میں ہم سراسر مرزا قادیانی کے اصول تفسیر سے متمسک ہوئے ہیں کہ قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآن آپ اپنا مفسر

تو آپ سن لیجئے! سورۂ نساء کی پہلی آیت میں بجنسہ یہی کلام وارد ہوا۔ **''یاایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساء''** اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ اب تم ہی ایمان سے بتادو کہ

اس آیت میں ’’نفسٍ واحدۃ وخلق منھا زوجھا ‘‘ سے آدم اور حوّا ہی مراد ہیں یا کوئی اور شخص۔ باوجودیکہ اس میں نہ آدم کا نام ہے اور نہ حوّا کا۔ مگر نہیں ہم تمہارے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ کہیں تم انکار کر جاؤ اور کہہ دو کہ ہر خاندان کا ایک مورث اعلیٰ ہوتا ہے اور اس کی جورو بھی اسی کی جنس سے ہوتی ہے۔ آدم اور حوّا کو اس سے کیا خصوصیت وتعلق؟ اس آیت میں بھی ’’ذکران تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم ﷺ سے مخاطب ہیں۔‘‘ تو ہم تمہارا کیا کریں گے۔ اس میں تمہارا ایمان جائے گا اور ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے پہلے کان لگا کر خوب سن لو اور سمجھ لو۔

حوّا کی پیدائش

’’خلق منھا زوجھا ‘‘ پیدا کی اس سے جورو اس کی۔ یہ ایک واقعی اور حقیقی تعریف علم دین میں حضرت حوّا کی ہے۔ اس پر توریت کتاب پیدائش اور احادیث شاہد ہیں۔ ’’فالقی اللہ تعالیٰ علیہ النوم ثم اخذ من اضلاعہ من شقہ الا یسر وضع مکانہ لحما وخلق حوّا منھا ‘‘ ڈالی اللہ تعالیٰ نے آدم کے اوپر نیند پھر نکالی اس کی بائیں طرف کی ایک پسلی اور بھر دیا اس کی جگہ گوشت اور پیدا کیا حوّا کو اس سے۔

(تفسیر کبیر آیت ’’یا آدم اسکن انت وزوجک (بقرہ)‘‘)

مرزا قادیانی ایک ایسے خصیم مبین اور سخن پرور ہیں کہ ہم کو اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسی مضبوط نقلی دلائل کے آگے بھی سر تسلیم خم کر دیں اور کسی بات کو چاہے وہ کتنی ہی سچی ہو مان لیں۔ پس ہم کیونکر ان حضرات سے اتنی بات منوالیں کہ یہ آیت یعنی سورۃ نساء والی آیت آدم وحوّا کے باب میں ہے۔ مگر ہماری مشکل آسان ہے۔

مرزا قادیانی کا اقرار

یہ جو کچھ ہم نے کہا مرزا ان سب کو مان چکے ہیں۔ وہ اپنے ریویو نمبر۵ بابت مئی ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۱۷۹ میں فرماتے ہیں۔ خدا نے ’’حوّا کو علیحدہ پیدا نہ کیا بلکہ آدم کی پسلی سے اس کو نکالا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ ’’خلق منھا زوجھا ‘‘ یعنی آدم کے وجود میں سے ہم نے اس کا جوڑا پیدا کیا جو حوا ہے۔‘‘

مرزا قادیانی پر ہمارا تشدد

ہم پوچھتے ہیں کہ اس آیت میں آدم کا نام کہاں سے آیا اور حوّا کا کہاں سے؟ بلکہ حوّا کا

نام سارے قرآن میں بھی کہیں نہیں ہے۔ پھر تم نے کہاں سے آدم کی پسلی کا ذکر پایا اور کہاں سے آدم کے وجود میں سے حوّا کا پیدا ہونا بیان کیا۔ پس جب تم نے اس بات کو قبول کر لیا کہ ’’خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا ‘‘میں نفس واحدۃ سے مراد صرف آدم ہے اور زوجہا سے حوّا اور خلق منہا میں اشارہ آدم کی پسلی کی طرف ہے جس سے حوّا پیدا کی گئی تو پھر آیت متنازعہ ’’خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا ‘‘ کی نسبت کیوں ہٹ دھرمی سے کہتے ہو کہ اس میں آدم اور حوّا کا نام نہیں؟ تمہارے ہی اپنے قول اور قاعدے سے یہ آیت حرف حرف صرف آدم اور حوّا پر صادق آتی ہے اور از آدم تا ایں دم کوئی دوسرا بشر اس کا مصداق نہیں ہوسکتا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں صرف ایک لفظ کا بل ہے۔ پہلی آیت میں لفظ خلق ہے اور دوسری میں جعل۔ مگر معنی مرزا نے ’’پیدا کیا‘‘ بتلائے اسی طرح جعل کے معنے کیئے ’’پیدا کیا‘‘ لکھے اور اس میں لفظ منہا ہے۔ جس کے معنی ہیں ’’آدم کے وجود میں سے‘‘ پس اگر تمہارا ایمان قرآن پر دراصل کچھ ہے تو کیوں ہمارے مقابلہ میں ہٹ اور ضد سے جو روحانی بزدلی وجبن پر دال ہیں یہ کہنے کی جرأت کرتے ہو کہ: ’’آدم کا نام ان آیات میں ہرگز مذکور نہیں۔‘‘ مرزا قادیانی نے اپنی سخن پروری میں جو کچھ لکھا ہے وہ حرف حرف امام رازی کی تفسیر کبیر سے اڑایا ہے۔ امام رازی نے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے اثبات میں بڑی کوشش کی ہے کہ کسی طرح ان پر سے شرک کا الزام ہٹادیں اور یہ خطرناک امر ان سے منسوب نہ ہونے پائے۔ مگر جب وہ ناکام رہے تو ہمارے بیچارے مرزا کی کیا بساط کہ زبان کھول سکیں۔

امام رازی کا اقرار

امام رازی نے اور مقامات میں جہاں ان کو مخالفین کے اعتراض کا اندیشہ نہ تھا۔ اس بات کا بھی اقرار کر لیا ہے اور آیت متنازعہ میں آدم اور حوّا کے ذکر کو تسلیم کیا۔ ہم یہاں امام صاحب کی مدد کے محتاج نہیں۔ ہم تو اپنے دعویٰ کو قرآن وحدیث کے الفاظ سے ثابت کرتے ہیں۔ مگر چونکہ امام رازی کو مرزا قادیانی نے مفسرین میں سب سے بڑھ کر ایک جگہ مانا ہے۔

(ریویو ج۲ ص۲۹۳)

اس لئے مرزا قادیانی پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم ان کے قول کا حوالہ دیتے ہیں۔ سورۂ بقر میں آیت: ’’اسکن انت وزوجک الجنۃ ‘‘ کی تفسیر میں امام صاحب لکھتے ہیں۔ ’’علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوجہ سے حضرت حوّا مراد ہیں۔ اگرچہ اس سورۃ میں ان کا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا۔ مگر قرآن کی اور آیات سے اس کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا

ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ سورۃ نساء میں فرماتا ہے: ’’الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا ‘‘اور سورہ اعراف میں ہے: ’’وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا ‘‘(ترجمہ تفسیر کبیر ص۲۳۳)اور یہی آخری آیت زیر بحث ہے۔امام رازی کی زبان پر تو حق جاری ہوگیا۔انہوں نے یہاں مان لیا کہ یہ آیت آدم اور حوّا کے باب میں ہے۔مگر کتنی بے انصافی ہے کہ مرزا قادیانی سورۂ نساء کی آیت کو تو آدم اور حوّا کا مذکور مان لیں۔لیکن سورۂ اعراف میں جب وہی آیت آئے تو بے محابہ کہہ دیں کہ یہ آدم وحوّا کا ذکر نہیں۔ یہاں تو ان کا نام وارد نہیں ہوا۔آدم وحوّا سے اس آیت کو منسوب کرنا۔صرف کسی مفسر کی مردود رائے ہے۔‘‘

محقق مفسرین کی رائے

یہ قول خود مردود ہے۔مرزا قادیانی! آپ انہیں الفاظ کو سورہ نساء میں آدم اور حوّا سے منسوب کر چکے۔اب تو ہم نے یہ بھی دکھا دیا کہ امام رازی نے بھی اس کو ایک مقام پر تسلیم کر لیا ہے۔اسی رائے کو امام بغوی سے مستند مفسر نے تفسیر معالم التنزیل میں قبول کیا۔اسی کو صاحب مدارک التنزیل نے تفسیر متن آیت میں ممتاز جگہ دی۔اسی کو حسینی نے بیان کیا اور اسی کو جلالین سے معتبر اور مستند تفسیر نے جو درسی کتب میں داخل ہے اختیار کیا۔جس کو ہم ابھی نقل بھی کریں گے تاکہ مرزا قادیانی کو اس کے ایسے صحیح اور سچے معنی کو’’کسی مفسر کی مردود رائے‘‘ کہنے کی پھر جرأت نہ رہے۔اب تک تو ہم نے اپنے معنی کی تحقیق میں’’صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کیا اور معنی کرنے میں انہیں معنوں کو صحیح سمجھا جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہیں اور جن کو مؤید خود قرآن شریف ہے۔‘‘اب جو ہم نے’’معتبر اور محقق مفسرین‘‘ کا اس جگہ حوالہ دیا تو یہ ’’صرف تائیدی رنگ میں ہے‘‘ تاکہ مرزا قادیانی کی غلط بیانی طشت ازبام ہو جائے۔ ورنہ ’’ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی رہی۔‘‘اور یہ روش مرزا قادیانی کو کبھی بھی نصیب نہ ہوئی۔ جب قرآن شریف کے معنی کرنے میں وہ ہمیشہ بہکا کئے تو کیا مجال کہ وہ عیسائیوں کے علوم دین میں دخل دیں اور انجیل شریف کی ایک آیت کے معنی بھی صحیح لگا سکیں۔جیسا ہم عصمت مسیح کی بحث میں قدم قدم پر الم نشرح کریں گے۔

تو براوج فلک چہ دانی چیست
چوندانی کہ در سرائے تو کیست

اس خاص آیت کی صحیح تفسیر میں ہم حدیث شریف کی سند دے کر بھی ثابت کئے دیتے ہیں۔

حدیث شریف کی سند

آیت میں ’’**جعل منها زوجها**‘‘ سے مراد حوّا ہیں اوران سے شرک سرزد ہوا تھا اور اسی کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنی زبان سے اقرار کرلیا ہے کہ: ’’اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہوتو اس کو بے شک یقینی طور پر صحیح ار قابل اتباع مانا جائے گا۔‘‘ پس واضح ہو کہ مفسر جلالین بلاتکلف لکھا ہے: ’’**الذی خلقکم من نفس واحدة ای آدم وجعل خلق منها زوجها حوا**‘‘ یہ مفسر شرک کی تاویل کرتا ہے۔ مگر مرزا قادیانی جو کسی مفسر کی سنتے نہیں وہ اس میں تاویل روا نہیں رکھتے۔ وہ کہتا ہے کہ شرک نام رکھنے میں تھا کہ بچے کا نام عبدالحارث رکھا۔ یہ اشراک فی العبودیہ نہیں جلال الدین سیوطی اس آیت کے حضرت آدم اور حوّا کے حق میں ہونے کی تائید میں حاکم اور ترمذی کی صحیح اور حسن حدیثوں کی سند دیتا ہے۔ ’’**روی سمرةؓ عن النبی ﷺ قال لما ولدت حوّا وطان ابنها ابلیس وکان لا یعیش لها ولد فقال سمّیه عبدالحارث فانه یعیش فسمته فعاش وکان ذلک من وحی الشیطان مره**‘‘

ترجمہ...... روایت کی سمرہؓ نے نبی ﷺ سے کہ فرمایا تھا کہ جب حوّا کے بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے اس کو آگھیرا اور حوّا کی اولاد نہ جیتی تھی۔ پس شیطان نے حوّا سے کہا کہ بچے کا نام عبدالحارث رکھ دے تو وہ جئے گا۔ پس حوّا نے اس کا یہی نام رکھا اور وہ جیا اور یہ بات شیطان کی وحی اور اس کے حکم سے واقع ہوئی۔ حدیث شریف میں صرف حوّا کا مذکور ہوا۔ اس میں آدم کا ذکر متروک تھا۔ مگر قرآن شریف نے اسی واقع کی طرف اشارہ کر کے اس امر کی پوری تصریح کردی ہے کہ ’’**جعلا له شرکاء**‘‘ آدم اور حوّا دونوں نے شرک کیا تھا۔ شاید حضرت حوّا نے شرک پہلے کیا تھا اور آدم ان کے شرک میں شریک ہوگئے۔ حدیث میں صرف حضرت حوّا کے فعل کا بیان مقصود تھا۔ یہاں دونوں کے فعل کا تذکرہ کر دیا کہ: ’’وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے۔‘‘ یہ حدیث جامع ترمذی ابواب التفسیر سورہ اعراف میں وارد ہے اور اس صحیح ترمذی کے اوپر مرزا قادیانی کی عنایت بھی خاص ہے۔ کیونکہ آپ فروری واگست ۱۹۰۲ء کے ریویو میں اس کی شروح کا اشتہار ان الفاظ میں دیتے ہیں۔ ’’صحاح ستہ کی مشہور کتاب ترمذی۔‘‘

مرزا قادیانی کے فہم کا قصور

اس لئے ہم نے اس کتاب کی سند پکڑی۔ ہم تو یہ سب کچھ کہہ چکے۔ مگر مرزا قادیانی کا فہم یہ سمجھنے میں قاصر ہے کہ جب آیت میں اوپر صیغہ تثنیہ کا استعمال ہو چکا تھا تو آخر میں کیوں جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑی۔ وہ تو ہم کو یہ نہ سمجھا سکے کہ آیت میں اگر آدم اور حوّا کا ذکر نہیں تھا تو پھر تثنیہ کا صیغہ کیوں آیا۔ کیونکہ تثنیہ سوائے دو کے تیسرے کے لئے نہیں آتا۔ مگر ہم ان کو سمجھائے دیتے ہیں کہ جو افعال تنہا آدم یا حوّا کی ذات خاص سے مخصوص تھے۔ وہ تو صیغہ واحد میں آئے۔ جیسے ''تغشها، حملت، اثقلت، مرت ''اور جن افعال میں دونوں کی شرکت تھی۔ ان کے لئے صیغہ تثنیہ موضوع ہوا۔ جیسے ''دعوا جعلا آتهما ''مگر جو فعل ایسا تھا کہ اس میں نہ صرف آدم اور حوّا بلکہ ان کی اولاد میں تمام جہان کے مشرکین سب ہی شریک تھے۔ اس کے اظہار کے واسطے سوائے صیغہ جمع کے اور کچھ آ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے آخر فقرے میں تمام مشرکین کے شرک سے بیزاری ظاہر کی۔ ''فتعلی الله عما یشرکون ''اور یشرکون سے آدم اور حوّا خارج نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے ساتھ کل مشرکین کو داخل کیا۔ کیونکہ یہ فعل آدم اور حوّا سے مخصوص نہیں رہا اور جو تم نے یہ کہا کہ: ''اگر یہ انہیں (آدم وحوا) کے شرک کا ذکر ہوتا تو آخری الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے کہ بلند تو ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس کے شریک ٹھہرائے۔'' تو اس سے بڑی خرابی واقع ہوتی اور یہ ایک ایسی بدتمیزی تھی جس کے مرتکب صرف جہلاء قادیان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مراد یہ ہو جاتی ہے کہ خدا صرف آدم اور حوّا کے شرک سے بیزار ہے۔ دیگر مشرکین کے شرک سے اس کو بیزاری نہیں اور ہم قرآن کو اس قسم کی غلطی سے بہت بلند و بالا سمجھتے ہیں۔

ناظرین اب انصاف سے دیکھ لو کہ ہم نے کس طرح اپنی تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر رکھی۔ ہم نے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی اور قرآن کے مطالب کی تشریح آنحضرت ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی حدیث شریف سے بھی کی اور صرف تائیدی رنگ میں معتبر اور محقق مفسرین کا زور دکھلایا۔

مرزا قادیانی کی قرآن دانی

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مرزا قادیانی نے قرآن شریف کے ان خاص الخاص ''بعض حصوں'' کو پس پشت پھینک دیا؟ جو دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں؟ اور بجائے اس کے کہ آیت ''خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء'' کو پیش کرتے ہیں جس کو وہ خود آدم اور حوّا کے حق میں ثابت کر چکے۔ یا دوسری ہم معنی

آیت کو''یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوباً وقبائل ''اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور ایک مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں۔ (حجرات) وہ بات بنانے کے لئے حیلہ ڈھونڈتے ہیں اور ایسی صاف صاف آیات سے آنکھ بند کر کے (سورہ روم)''وخلق لکم من انفسکم ازواجاً'' کا حوالہ دیتے ہیں۔ (ریویو ج۲ ص۲۶۳)

جس کے معنی ہیں بنادیئے تم کو تمہاری جنس سے جوڑے اور یہ غالباً اشارہ عرب کے رواج کی طرف ہے کہ شادی بیاہ قریبی رشتہ داروں یعنی ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی دادا یا نانا کی اولاد میں ہوتا ہے۔ مگر مرزا قادیانی بات بناتے ہیں کہ''قرآن شریف کے رو سے صرف حوّا ہی آدم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اسی سے پیدا کی گئی۔''

اگر دراصل اس جگہ اس طرف اشارہ بھی ہوتا تو یہ سخن محض مجاز پر مبنی ہوگا نہ کہ حقیقت پر۔ کیونکہ حقیقتاً تو خدا نے صرف حوّا ہی کو''آدم کی پسلی سے نکالا۔''اور اس کے وجود میں سے۔ پیدا کیا اور تمام عورتوں کی فطرتی پیدائش کا تو یہ طریق نہیں ہے۔ پس ان کو صرف مجازاً حوّا کی اولاد ہونے کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مردوں سے پیدا ہوئیں اور مردوں کی پسلیوں سے بنیں۔ دیکھو! اس مقام پر سورۂ روم میں لکھا ہے:''خلقکم من تراب ''تمام انسانوں کو خاک سے پیدا کیا۔ یہ بھی مجاز ہے کیونکہ حقیقتاً تو انسان کی پیدائش''من نطفة '' ہے اور فی الواقع صرف آدمی ہی کو کہہ سکتے ہیں کہ''خلقه من تراب ''پس حقیقت اور مجاز میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے یا دیدہ ودانستہ بات بنانے کی غرض سے مرزا قادیانی نے''خلق لکم من انفسکم ازواجاً ''کو''جعل منها زوجها'' کی تفسیر بنایا ہے۔ گویا قرآن میں ان کی نظر سے کوئی اس سے زیادہ متعلق آیت کبھی نہیں گذری اور گویا انہوں نے خلق منہا زوجہا کبھی پڑھا ہی نہیں تھا۔ جس میں آدم اور حوّا کی پیدائش کے حقیقی واقع کا اشارہ ہے۔ کیا اسی جہل کی دستار فضیلت پر آپ''مسلمانوں کے عظیم الشان امام'' بن کر دعویٰ عرفان الٰہی وعلم ربانی کرتے ہیں؟ پس جب تم مان چکے کہ اس آیت میں مشرکین کا بیان ہے کہ کیونکہ وہ''خدا کے شریک ٹھہرانے لگے''اور جب قرآن سے اور حدیث سے بلکہ خود تمہارے اقرار وتسلیم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ آیت میں آدم اور حوّا کا ذکر ہے تو پھر تمہاری کیا مجال ہے کہ تم حضرت آدم کو''شرک جیسے قبیح گناہ'' سے معصوم کہہ سکو۔ کیونکہ تم نے تو تاویل کی بھی راہ ماردی جس کو علمائے اسلام اختیار کرتے تھے۔ تم تو صاف صاف ترجمہ کر چکے کہ''وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے۔ اس میں جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا۔'' (ریویو ج۲ ص۲۵۹)

مرزا قادیانی کی ناعاقبت اندیشی اور حضرت اسماعیل کی عصمت

مرزا قادیانی کی ایک اور ناعاقبت اندیشی بھی قابل ملاحظہ ہے۔ آپ تو یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ یہ آیت حضرت آدم پر چسپاں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں صریح شرک کا ذکر ہے۔ مگر آپ یہ ضرور فرماتے ہیں: ''اگر خلقکم میں ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ یک جان یعنی ''نفس واحد عربوں کا حد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے۔'' اور پھر یہ بھی مانتے ہیں کہ: ''سیاق وسباق آیت انہیں معنوں کو ترجیح دیتا ہے۔'' (ریویو ج۲ص۲۶۳)

مرزا اس وقت بالکل بھولے ہوئے ہیں کہ ہم ہزار جگہ اس کو قبول کر چکے اور تمام مسلمان ہمیشہ سے مانتے آئے کہ: ''عربوں کا حد مشترک'' حضرت اسماعیل ہیں اور رسول ﷺ اسماعیلیوں میں سے پیدا ہوئے تھے اور توریت کی پیشین گوئی کے مطابق اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے تھے۔ (ریویو ج۱ص۲۷۰)

اور خود آنحضرت ﷺ نے عربوں کو بنی اسماعیل فرمایا ہے۔ ''ھیاً بنی اسماعیل وان آباکم کان رامیًا'' (مشارق الانوار نمبر۱۹۳۰)

تو اگر آیت آدم کے حق میں نہیں ہے تو پھر حضرت اسماعیل کے حق میں اور ان کی زوجہ کے حق میں یقینی ہوئی۔ جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے۔ اسماعیل قرآن اور اسلام کا نبی ہے۔ پس اگر آدم شرک کے مرتکب نہ بھی ہوئے تو اسماعیل شرک کے مرتکب ضرور ہوئے اور عصمت انبیاء کا دعویٰ پھر باطل ہوگیا۔ حق یہ ہے کہ مرزا قادیانی کو آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ سب حافظہ نباشد کے کرشمے ہیں۔

فصل الخطاب

اس کل تقریر میں ہم ایک ایسا اہم عقیدہ حل کر چکے ہیں جس سے عصمت انبیاء کی بحث قطعاً طے ہو جاتی ہے۔

عصمت انبیاء یا عصمت صلحاء

مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ: ''اور کئی مقامات بھی ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام اور راست بازوں کی خداتعالیٰ نے ایسی تعریف کی ہے جس سے ان کا معصوم اور خدا کی نظر میں مورد غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے۔'' (ریویو ج۱ص۳۸۲)

پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ:’’انبیاء علیہم السلام کو خدا نے ہر قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھہرایا ہے۔‘‘ (ریویو ج۲ص۲۵۵)

اگر عصمت کے معنی یہ ہوتے کہ اختیار وقدرت رکھتے ہوئے انسان خدا کی اطاعت کرے اور نافرمانی سے بچا رہے یعنی مرتکب عصیاں نہ ہو تو اس معنی پر قرآن کی ایک آیت بھی شاہد نہیں کہ کوئی نبی چہ جائیکہ اس کا امتحان ’’راست باز‘‘ معصوم ہے۔ مگر تم بھول جاتے ہو۔ جب تم ’’راست بازوں‘‘ کو بھی ’’انبیاء علیہم السلام‘‘ کے ساتھ ’’معصوم‘‘ بنانے لگے تو عصمت انبیاء کا مسئلہ ٹل گیا اور عصمت کوئی خصوصیت نبی کی نہ رہی۔ تم تو اب عصمت صلحاء کے قائل ہوگئے اور غلطی پر غلطی کر بیٹھے اور بالکل بھول گئے۔’’خطاء آدم فخطات ذریة‘‘ آدم نے خطا کی پس اس کی نسل نے بھی خطا کی۔ پھر تمہارا یہ سخن بھی باطل ہوگیا کہ انبیاء ’’ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری‘‘ ہیں۔ کیونکہ ہم تو دکھلا چکے کہ حضرت آدم کو ضرور سزا ملی۔ وہ جنت سے جلاوطن کئے گئے۔ لیکن مانا کہ انبیاء سزا سے محفوظ ہیں اور بشمولیت راست بازوں کے وہ خدا کی نظر میں مورد غضب نہیں۔ تو معصوم ہونا گویا گناہ کی سزا سے محفوظ ہونا ہوا اور اس کو عصمت سے کچھ لگاؤ بھی نہیں۔ جس کے معنی گناہ سے محفوظ ہونا ہے نہ کہ صرف سزائے گناہ سے اور اگر سزا سے محفوظ ہونے کا نام معصوم ہونا ہو تو سب سے زیادہ معصوم بدری صحابہ ہیں۔ جن سے موافق حدیث کے اللہ عہد کر چکا۔ ’’اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم‘‘ جو تمہارا جی چاہے کیا کرو۔ میں تو تم کو بخش چکا۔

(مشارق الانوار حدیث نمبر ۴۵۸)

ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اب تک یہی نہیں سمجھے کہ معصوم کس کو کہتے ہیں۔ عصمت سے کیا مراد ہے اور وہ کیوں۔ ’’عصمت انبیاء‘‘ ثابت کرنے چلے اور پھر کیوں عصمت روح اللہ سے ان کو پرخاش ہے۔ منطق میں ایسی آشفتگی اور ژولیدگی ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ چونکہ اہل اسلام عصمت انبیاء کے قائل ہیں اس لئے ان کے اکثر علماء اس مسئلہ کی حمایت میں ہمیشہ لکھتے رہے اور بہت کچھ رطب ویابس لکھ چکے۔ مگر ہم نے کسی تقریر میں ایسی خامی اور ناکامی آج تک نہیں دیکھی۔ جیسی جناب مرزا قادیانی کی تقریر میں اور اگر خدانخواستہ چودھویں صدی کے پرآشوب زمانہ نے مسلمانوں کا یہی امام پیدا کیا اور یہی اسلام کو زندہ کرنے والا ہے تو ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘

۲......عشرہ کاملہ ...... تحقیق معنی استغفار ذنب

توبہ آں جوید کہ کرداست آں گناہ
آہ ادگوید کہ گم کرداست راہ

عصمت انبیاء کی عام بحث ہیں۔اس وقت تک آپ لوگوں نے مرزا قادیانی کی زبان مبارک سے جو کچھ سنا وہ سب علماء سلف کا فرمودہ تھا جو کہ بدتمیزی اس میں تھی وہ ضرور مرزا قادیانی کی اپنی ہے۔اب اس ''مرزا قادیانی کا طبع زاد'' باب میں ہم مرزا قادیانی کے طبع زاد سے بحث کریں گے۔ یہ خیالات نرے ان کے اپنے ہیں جو علماء سلف یا خلف کو نہیں سوجھے اور سوجھتے بھی کیسے؟ ان میں کوئی بات بھی علم کے متعلق نہیں۔

یہ مضمون ہم نے ابتداً مرزا قادیانی کے انگریزی ریویو مئی ۱۹۰۲ء کے جواب میں کلکتہ کے اخبار اپیفنی ۲۹رنومبر، ۶ردسمبر ۱۹۰۲ء کے واسطے لکھا تھا۔ وہ آرٹیکل اب جناب جیمس منرو صاحب کمپینین آف دی آرڈر آف دی باتھ کے انگریزی رسالہ موسلم ٹیچنگ میں درج ہے۔

مرزا قادیانی اور تعلیم یافتہ مسلمان

اس وقت ہمارا ارادہ تھا کہ یہ کل مضامین انگریزی میں لکھیں اور اس وقت تک ہماری نگاہ سے صرف انگریزی پرچہ ریویو گزرا تھا۔ مگر ہم کو فوراً معلوم ہوگیا کہ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مرزا قادیانی کے خیالات کو اتنی وقعت بھی حاصل نہیں ہوئی جتنی انگریزی زبان میں نجوم اور جادو اور سامودرک اور فالناموں کو حاصل ہے۔ یہ لوگ تو مرزا قادیانی کو ایک صحیح العقل آدمی بھی نہیں جانتے اور کیونکر جانیں۔ جب ان کا لیڈر سرسید آپ کو ''مجنوں اور پاگل'' قرار دے گیا۔ پس ایسے مردود خیالات کو انگریزی تعلیم یافتہ گروہ کے لئے زبان انگریزی میں رد کرنا محض تحصیل حاصل تھا اور ہم نے اس ارادے کو فسخ کر کے اپنا مضمون عام فائدہ کے لئے اردو میں ترجمہ کیا اور ''ترقی لاہور'' کے کالموں کے لئے سلسلہ مضامین اردو میں جاری کردیا تاکہ ان اہل اسلام کو فائدہ پہنچے جو ان خیالات کی تردید یا ترویج میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم اپنے مضمون کو یہاں اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بیشتر انگریزی کا ترجمہ ہے۔ اس لئے مرزا قادیانی کی وہ عبارت جو بلا حوالہ اس میں آئی ہیں انگریزی ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۰۲ء کے مطابق ہیں اور اگر ان کے اردو رسالہ سے لفظاً متفق نہ ہوں تو جاننا چاہئے کہ ہمارے ترجمہ میں فرق

نہیں بلکہ مرزا قادیانی کے اردو رسالہ میں۔ ناظرین اصلی انگریزی سے مقابلہ کر کے جانچ سکتے ہیں۔

قرآن شریف کی نص ہے:''واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمومنات (محمد:۱۹)''

اوّل...... آیت کا صحیح لفظی ترجمہ یہ ہے:''معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے۔''

مترجمین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ الفاظ''واسطے گناہ کے۔''

صحیح ترجمہ

آیت کے فقرہ ثانی میں لازمی طور پر محذوف ہیں۔ چنانچہ شرح مواقف میں ہے:

''ای ولذنب المؤمنین له دلالة القرینة السابقة وهی ذکر الذنب''

(نولکشوری ص۲۱۳)

یعنی قرینہ سابقہ ذکر ذنب کا اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس ساری آیت کا ترجمہ یہی کیا گیا۔''معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے گناہ ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے۔'' اگر ایسی سیدھی اور سچی بات کو اگر مرزا قادیانی مان لیں تو''قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع'' ہونے کے دعویٰ میں بٹہ لگ جائے۔ آیت کے معنی اس پیچیدہ عبارت میں فرماتے ہیں۔

مرزا قادیانی کا غلط ترجمہ

''خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسے ہی ان مردوں اور ان عورتوں کے لئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہیں بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ تاکہ جو فطرتی کمزوری سے ان سے خطائیں ہوتی ہیں ان کی سزا سے وہ محفوظ رہیں۔''

(ریویو اردو ج۱ نمبر۵ ص۱۹۴، مئی ۱۹۰۲ء)

افسوس اس آیت کریمہ کی مرزا قادیانی نے کیسی گت بنائی۔ جائے غور ہے کہ الفاظ استغفر (معافی مانگ) اور ذنب (گناہ) صرف ایک ہی دفعہ اس آیت میں وارد ہوئے اور وہ بھی صرف فقرۂ اوّل میں۔ لیکن وہی الفاظ فقرہ ثانی پر بھی محذوف ہو کر حاوی ہیں۔ پس ذرا بھی شک نہیں کہ کل آیت میں صرف ایک ہی معنی لگائے جاسکتے ہیں۔ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر مرزا قادیانی کی زبردستی تو دیکھو کہ کیسی جرأت سے آپ اصل فقرہ میں جہاں لفظ وارد ہوا ہے ذنب

کے معنے ’’جسم کی کمزوری‘‘ فرماتے ہیں اور فقرہ محکوم میں جہاں لفظ ذنب صرف محذوف ہے۔ ’’خطائیں جو سرزد ہو چکیں۔‘‘ گویا مرزا ہم سے کہتے ہیں کہ اس آیت میں قرآن کو الگ الگ دو مختلف المعنے الفاظ لانا چاہئے تھا اور یہ محض اس کی غلطی تھی کہ ایک ہی لفظ لایا اور وہ بھی صرف ایک ہی دفعہ اور غلط مقام پر۔ مرزا قادیانی نہ منطق کے پابند نہ قواعد تفسیر کے۔

دوم...... لفظ استغفار کے معنے۔

مرزا قادیانی کی غلط بیانی

آپ فرماتے ہیں: ’’استغفار کے حقیقی اور اصلی معنی یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی کمزوری ظاہر نہ ہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نفرت کے حلقہ کے اندر لے لے۔‘‘ (ریویو اردو ج۱ نمبر۵ ص۱۹۲، مئی ۱۹۰۲ء)

۱...... اس معنی کی تائید میں جس کے سچے اور اصلی معنی ہونے پر اس قدر تاکید ہے مرزا قادیانی کسی کتاب لغت کی سند پیش کر کے اپنے ناظرین کی تشفی نہیں فرماتے۔

۲...... نہ اس معنی پر جناب قرآن شریف سے کوئی مثال ہی پیش کرتے ہیں۔

استغفار کے صحیح معنے

۳...... اور کبھی یہ لفظ توسع کے طور پر ان لوگوں پر بھی اطلاق پاتا ہے جو اوّل کسی گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اس جگہ استغفار کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو گناہ صادر ہو چکا ہے اس کی سزا سے خدا بچاوے۔ (ریویو اردو ج۱ نمبر۵ ص۱۹۸، مئی ۱۹۰۲ء)

اس معنی کو صرف ’’بعض موقعوں‘‘ پر محدود فرمانا جناب کی خطا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اور ہر جگہ لفظ استغفر کے یہی معنی آئے ہیں۔ خصوصاً لفظ ذنب سے مل کر جیسا اس آیت میں ہے۔ استغفار کی یہی مراد ہوتی ہے کہ خدا سرزد شدہ گناہوں کی سزا سے بچاوے۔ ہم مرزا قادیانی کے اصول تفسیر کو مدنظر رکھ کر اس معنی پر قرآن شریف سے نظائر بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ اہل بہشت اور محسنین کی شان میں آیا ہے۔ ’’**والذین اذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا الذنوبهم** (آل عمران:۱۳۵)‘‘ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کوئی کھلا گناہ یا برا کریں اپنی جانوں کا تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔

اس آیت سے استغفار اور ذنب کے سچے اور اصلی معنے بالکل روشن ہو جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ استغفار کس اصول پر مبنی ہے۔ یعنی استغفار کا موقع جبھی ہوتا ہے جب بندہ کوئی کھلا گناہ کرے یا اپنی جان کا برا کرے۔ ایسا ہی دوسرے مقام میں لکھا ہے: ’’**من یعمل**

سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ (نساء:۱۱۰)‘‘جو کوئی بدی کرے یا اپنی جان کا برا کرے پھر اللہ سے استغفار کرے۔

مرزا قادیانی کی شرط

۴...... مرزا قادیانی کو اعتراف ہے:’’ایسی وسعت معنوں میں جائز ہے جب متن کلام اس کا متقاضی ہو۔‘‘ چشم ماروشن! اب جناب ہی دیکھ لیں کہ آیت زیر بحث کا متن کوئی بھی فرق درمیان نبی اور اس کے مومنین کے نہیں کرتا۔ ایک ہی لفظ کل پر حاوی ہے۔ نبی کی شان میں صریحاً مؤمنین کی ضمناً۔ پس ایسی وسعت یہاں تو ضرور جائز رکھنا ہوگی۔

مغفرۃ کے معنی

مرزا قادیانی فرماتے ہیں:’’استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اس کے اصلی معنی دبانے اور ڈھانکنے کے ہیں۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۱نمبر۵ص۱۹۷، مئی۱۹۰۲ء)

لیکن انہوں نے پھر یہ سراسر غلط کہا کہ:’’یعنی یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر ہوکر نقصان نہ پہنچاوے اور وہ ڈھکی رہے۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۱نمبر۵ص۱۹۷، مئی۱۹۰۲ء)

نہ اسلام میں اور نہ اہل کتاب کے دینی علم میں کبھی ایسے معنے آئے۔ یہ تو ایک اصطلاح ہے اور اس کے معنی معروف ہیں۔ ہر قسم کے ڈھکنے کو غفر نہیں کہتے۔ ستر پوشی غفر نہیں بلکہ صرف گناہ کا ڈھکنا غفر ہوسکتا ہے۔ زبور۳۲ میں ہے:’’مبارک ہے وہ جس کی خطا بخشی گئی اور جس کا گناہ ڈھانکا گیا۔‘‘

اور گناہ کے ڈھکنے سے کئی نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ جب گناہ ڈھک کر چھپ گیا تو گویا اس کو خدا نے بھی بھلا دیا اور وہ محسوب نہیں ہوا اور ڈھک جانا سزا کے تیر کے سامنے گویا ڈھال ہو جانا ہوا اور اس میں ایک اور بہت ہی لطیف معنی بھی ہے کہ خدا انسان کے گناہوں کو اس قدر پوشیدہ کر دے کہ ایمان دار کی آنکھ سے بھی گناہ چھپ جائے اور اللہ کی رحمت کی فراوانی کے ساتھ پچھلے گناہ ونافرمانی کی یاد اسے نہ ستائے جو شرمندگی اور ندامت ہے اور الٰہی بخشش کی معیت میں ابرار کو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ سچی اور پوری معافی کے لئے انگریزی میں محاورہ ہے۔ معاف کردینا اور بھلا دینا۔ زبور میں ہے:’’میری جوانی کی خطاؤں اور میرے گناہوں کو یاد نہ کر۔‘‘ (زبور ج۷ص۲۵)

پس کامل مغفرت یہ ہے کہ گناہ یہ ہے کہ گناہ اس طور سے نسیاً منسیاً ہو جائیں کہ ان کو خدا غفار بھی بھلا دے اور بندۂ مغفور کو بھی یہ نعمت صرف عقبیٰ میں حاصل ہوسکتی ہے جب ایماندار گناہ

کے بیرونی عذاب سے امن پاکراس کی روحانی تلخی کے عذاب سے بتدریج مخلصی پائیں گے۔اس طرح گناہ کی ایک مغفرت بہشت کے اندر بھی ہوسکتی ہے۔مگراس کا علاقہ بھی انسان کی اسی گنہگاری کے ساتھ ہوگا جو دنیا میں سرزد ہوچکی تھی۔

مغفرت کے لئے گناہ لازم

۵...... اب سخن پروری میں مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ’’اگر دنیا میں گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی استغفار جو انسان کی مخلوقیت کا تقاضا ہے۔ضرور برقرار رہتا۔‘‘ ہم کہتے ہیں کہ اگر استغفار مخلوقیت کا تقاضا ہو، نہ کہ ارتکاب معاصی کا تو فرشتے مخلوق ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے ہم کو استغفار کرتے ملتے۔مگر اس باب میں قرآن بالکل ساکت ہے۔ باوجودیکہ وہ فرشتوں کو بنی آدم کے سامنے لاتا ہے۔’’**یستغفرون للذین آمنوا** (مومن:۷)‘‘ درآنحالیکہ وہ معافی مانگتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے ہیں۔پس ظاہر ہو کہ کسی بشر کو بھی حاجت استغفار نہیں ہوسکتی۔تاوقتیکہ وہ مرتکب نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہم نہیں پڑھتے کہ آدم نے قبل لغزش اقرار گناہ یا طلب مغفرۃ کیا اور یہی وجہ ہے کہ آدم ثانی یعنی کلمۃ اللہ جو گناہوں سے پاک اور محض معصوم تھا استغفار و اقرار ذنوب کا محتاج نہیں ہوا۔

مرزا قادیانی کا ادّعاء اور اس کی تردید

مرزا قادیانی نے فروری ۱۹۰۳ء کے ریویو میں بڑا زور مارا ہے کہ کوئی آیت قرآن سے اپنے معنی کی تائید میں لائیں۔چنانچہ دو آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔’’**لھم فیھا من کل الثمرات ومغفرۃ من ربھم** (محمد:۱۵)‘‘ ایمان داروں کو جنت میں سب طرح کے میوے اور مغفرت ہے۔ان کے رب سے۔

’’**یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا** (تحریم:۸)‘‘ کہیں گے اے رب ہمارے پوری کردے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کردے ہم کو۔

مرزا قادیانی کہتے ہیں پھر وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہوچکے کیوں استغفار کریں گے اور کیوں خدائے تعالیٰ بہشت کی نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتوں سے ظاہر ہے۔یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنی گناہ کی سزا سے بچائے جانے یا گناہ سے معافی کے نہیں ہیں۔

(ریویو(اردو) ج۲ نمبر۲ ص۶۷، فروری ۱۹۰۳ء)

پہلی آیت میں نہ استغفار کا ذکر ہے نہ استغفار ذنب کا۔جس پر بحث ہورہی ہے۔اس

کی تفسیر دوسری آیت ہے۔ ’’سارعوا الیٰ مغفرة من ربکم وجنة (آل عمران:۱۳۳) ‘‘ دونوں جگہ جنت اور مغفرت کو ایک بتلایا یعنی بہشت وہ جگہ ہے جہاں پوری معافی گناہوں کی ہے۔ جہاں کسی پچھلے گناہ کا اندیشہ نہیں اور جہاں بلا معافی گناہ کے دخل نہیں۔ مومن جب تک جیتا ہے اس کا ایمان بیم ورجا کے درمیان ہے۔ گناہوں کی معافی کا خواست گار اور امیدوار ہے۔ مگر جب تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوا بیم بھی اس کے ساتھ لگا ہے۔ پس مغفرت گناہ کے عذاب کا خوف دور ہو جانا اور امید کا برآنا جنت ہی میں ہے۔ دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق نہیں ہے جو بہشت میں داخل ہو چکے بلکہ ان لوگوں کے متعلق جو یوم قیامت امید مغفرت اور رحمت الٰہی کے منتظر اٹھیں گے۔ جیسا اس فقرے سے روشن ہوتا ہے۔ ’’یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معه ‘‘ جس دن نہ ذلیل کرے گا اللہ نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے اس کے ساتھ اور جیسا اس فقرے سے روشن ہے۔ ’’توبوا الیٰ اللہ توبة النصوحا ‘‘ توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل سے۔ پس یہ آیت سرزد شدہ گناہوں کی مغفرت کا ذکر کرتی ہے۔ مگر تم بھول گئے کہ اس آیت کو تم خود اس حالت سے متعلق بتا چکے جو ’’حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۳۵۹، خزائن ج۳ ص۲۸۴)

تو اب یہ دونوں آیتیں تمہاری بحث سے خارج ہو کر ہمارے ہی دعویٰ کی مؤید ٹھہریں اور ذنب اور استغفار کے وہی معنی برقرار رہے جو ہم بیان اور ثابت کر چکے۔

سوم...... آیت کی تفسیر نبوی۔

اب ہم زیادہ تحقیق کو کام میں لائیں گے اور دریافت کریں گے کہ اللہ پاک کا جو یہ خطاب پیغمبر صاحب کو ہوا۔ ’’استغفر لذنبک ‘‘ تو آپ نے خود ذنب واستغفار کا مفہوم کیا سمجھا؟ کتاب مشارق الانوار میں حضرت کے بعض استغفار یوں درج ہیں۔ ’’اللهم اغفرلی خطیئتی وجهلی واسرامی فی امری ‘‘ الٰہی بخش دے میری خطا اور میری نادانی اور میری زیادتی جو مجھ سے اپنے حال میں ہوئی۔

’’اللهم اغفرلی هذلی وجدی وخطیئتی وعمدی ‘‘ الٰہی بخش دے میری غیر مناسب بات اور میرے گناہ اور میری خطا اور میری قصد کو۔

’’اللهم اغفرلی ذنبی کله وقد وجله واوّله وآخر لا وعلا نیه وسره ‘‘ الٰہی بخش دے میرے گناہ سارے چھوٹے اور بڑے پہلے اور پچھلے کھلے اور چھپے۔

''ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعاً''میں نے برا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔ پس بخش دے مجھ کو میرے سارے گناہ سے۔

پس اگر متن کلام اس نزاع کو فیصل کرے تو ہمارا آپ کا جھگڑا ہمیشہ کو چک گیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آنحضرت ﷺ نے خود ذنب کو ایک دوسرے لفظ جس کے مفہوم پر کوئی نزاع نہیں یعنی خطا کا مترادف بیان فرما کر آپ کو بالکل مایوس کر دیا ہے۔''اللھم طھرنی من الذنوب والخطایا (مسلم کتاب الصلوٰۃ) ''بارخدایا پاک کر دے مجھ کو گناہوں (ذنوب) سے اور خطاؤں سے۔ پس اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو کہ:''اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ کے منہ سے نکلی ثابت ہو تو اس کو بے شک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائے گا۔''تو تم کو چارہ نہیں بجز اس کے کہ ہمارے قول پر صاد کر دو۔ (قارئین! آپ ﷺ کے یہ الفاظ تعلیم امت کے لئے ہیں۔ مگر مرزا قادیانی کو صحیح جواب نہ آیا جس سے مسیحی لیڈروں کو اعتراض کا موقع مل گیا۔ مرتب)

چہارم...... ذنب کے لغوی معنی اور سند۔

مرزا قادیانی فرماتے ہیں:''لفظ ذنب اس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے۔ گناہ کی عربی جرم ہے اور درمیان ذنب اور جرم کے ایک اہم فرق ہے۔''لفظ ذنب کا اطلاق انسانی فطرت کی کمزوری پر بھی ہوتا ہے۔ اگر ہم ذنب کو گناہ کا مترادف مان لیں تو یہ بات عربی کے علم لغت کے خلاف ہے۔

کچھ تعجب کی بات نہیں جو اتنی بڑی علمیت مدعی اپنے بالبداہت لغو قول کی تائید میں کسی سلف یا خلف کی سند پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نہ صرف سارے قرآن میں اور ساری احادیث میں بلکہ سارے عربی لٹریچر میں بھی مرزا کو کوئی مقام نہیں مل سکتا۔ جہاں ذنب سوائے گناہ کے کسی دوسرے معنی میں آیا ہو۔ اب اس کا بار ثبوت مرزا قادیانی کے کندھوں پر ہے کہ ذنب کا اطلاق انسانی فطرت کی کمزوری پر بھی ہوتا ہے۔

ذنب بمعنی جرم

۱...... ہم کہتے ہیں کہ ذنب کے نہایت سچے اور نہایت ٹھیک معنے سوائے گناہ کے کچھ نہیں ہیں اور اس کے لئے لغت کی سند ہے۔''الذنب الاثم۔ الا ثم بالکسر الذنب والخمر والقمار وان تعمل ما لا یحل الحرم بالضم الذنب (قاموس) ''یعنی ذنب بمعنی اثم۔ اثم بمعنی ذنب وشراب وجواء وہر فعل ناجائز۔ جرم بمعنی ذنب۔ ذنب گناہ۔ جرم بالضم گناہ (صراح)

ذنب بالفتح گناہ وہر کار کہ کردن آں ناروا باشد۔ جرم بالضم گناہ (منتہی الارب)

لیجئے اہل لغت تو یک زبان پکار رہے ہیں کہ ذنب جرم واثم مترادف ہم معنی گناہ کے ہیں نہ اس سے کچھ زیادہ نہ کم۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا کون سا قاعدہ ہوسکتا ہے؟ جس سے ہم مرزا قادیانی کو قائل کر دیں کہ اس آیت میں ذنب بمعنی گناہ ہے۔ اس نے لغت کا نام لیا ہم نے لغت کی سند دے دی۔ اس نے ''سیاق وسباق عبارت'' کی شرط کی ہم نے اس کو پورا کر دیا۔ اب اگر وہ کہہ دے۔

تعلّی

''علمت اربعین الفاً من اللغات العربیة '' مجھ کو لغت عربی میں چالیس ہزار لفظ معلوم ہیں۔ میں ابوالحسن علی اور ابوعبداللہ جعفر وابوعیسیٰ ابراہیم اور ان کے باپ محمد موسیٰ بن حسن بن فرات چاروں وزرائے عباسیہ سے بڑھ کر ہوں۔ (انجام آتھم ص۲۳۴،۲۳۵، خزائن ج۱۱ ص ایضاً) میں عربیت کے دریا کا کوزہ۔ قاموس کی کیا حقیقت جو میرے سامنے امنڈ آئے؟ تو ہم کیوں کر اس کی زبان پکڑ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب کی سند پکڑیں۔

سند حکیم نورالدین

جن کو مرزا قادیانی بھی الفاضل الاجل تسلیم کرتے ہیں اور لوگ بھی جن کو مرزا قادیانی کا استاد سمجھتے ہیں۔ (انجام آتھم ص۲۶۴، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

پس واضح ہو کہ ''حکیم الامة فصل الخطاب حصہ اوّل'' میں آیت ''واستغفر لذنب وللمؤمنین '' میں ذنب کے معنی ''یقینی طور پر بلحاظ عربی بول چال کے'' گناہ ہی قبول کرتے ہیں اور ایسا گناہ کہ ان کو کہنا پڑتا ہے کہ صاحب قوم، قوم کے گناہ سے گنہگار کہا جاتا ہے۔ اس لئے '' وللمؤمنین '' والا واؤ عطف تفسیر کا ہے۔ پس حکیم صاحب جیسے فاضل اجل نے بلاتامل مان لیا کہ یہاں ذنب کے معنی اس قسم کے گناہ کے ہیں جو امت سے سرزد ہوا کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی دوسری آیت آنحضرت ﷺ کے حق میں ہے۔ ''لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (فتح:۲) '' اس کا ترجمہ بھی حکیم صاحب یہی کرتے ہیں۔ تا بخشے اللہ تیرے پہلے اور پچھلے گناہوں کو۔ یعنی حکیم الامۃ نے بھی معنے ذنب کے اس آیت میں گناہ ارشاد فرمائے۔

مرزا قادیانی کی اختلاف بیانی

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ مرزا قادیانی کی تقریر کا اصل تماشا یہ ہے کہ ایک طرف تو فرمادیا کہ ''ذنب اس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے۔'' اور پھر اس آیت میں اس لفظ کا ترجمہ فقرہ ثانی میں یہ کردیا۔ ''خطائیں جو سرزد ہوچکیں۔'' ممکن ہے کہ مرزا قادیانی کے ذہن میں خطاؤں اور گناہوں میں بھی کوئی فرق ہو۔

اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو مرزا قادیانی کے سخن کی تکذیب ہم خود ان کے الہام ربانی کی سند سے کئے دیتے ہیں۔ اگر مان گئے تو بحث طے ہوئی ذنب کے معنے گناہ ہوئے۔ عصمت انبیاء کا عقدہ حل ہوگیا۔ نہ مانے تو آپ کا الہام جھوٹا ہوگیا۔ مسلمانوں کے سر سے ایک بلا ٹلی۔

سن لو اے ناظرین سورہ فتح میں جو آیت ہے: ''**لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر**'' یہی آیت مرزا قادیانی کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے لفظ بہ لفظ اور اس کا اردو الہامی ترجمہ بھی آپ پر نازل ہوا اور وہ یہ ہے۔ ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے تا تیرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کئے جائیں۔ (مجموعہ اشتہارات ج۲ص۲۷۳) اب تو مرزا قادیانی کو معلوم ہو جائے گا کہ ''کھلی کھلی فتح'' کے معنی کیا ہیں۔

یہ سن کر بھی ناظرین کو بڑی حیرت ہوگی کہ مرزا قادیانی نے اپنے طول طویل مکتوب عربی میں الفاظ ذنب، مذنبین، یذنبون، بار بار بڑی تکرار سے استعمال کئے اور ہر جگہ ان کا فارسی الہامی ترجمہ گناہ و گناہگاران و گناہ مے کنند کیا۔ کیا یہ سب دروغ گورا حافظہ نباشد کا نمونہ ہے؟

مرزا قادیانی نے ایک اور لطف کی بات کہہ ڈالی ہے۔ ''مجرم کا ذنب گناہ ہے۔ اسی طرح آثم اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گنہگار ہونا ثابت نہیں کرتا۔''

(ریویو(اردو) ج۱ نمبر۹ ص۳۸۲، ستمبر۱۹۰۲ء)

یعنی ہر کسی کا ذنب تو گناہ ہے۔ مگر مذنب کا ذنب گناہ نہیں۔ اسی کو لوگ کٹ حجتی کہتے ہیں۔ مگر ہم اس کو بھی دفع کریں گے۔ مرزا قادیانی نے ہندوؤں اور ان کے ویدوں کی مذمت میں اپنے مکتوب عربی ارشاد فرمایا ہے۔ ''**بل یحب ویدھم ان لا تقطع ابداً سلسلة ذنب المذنبین**'' اور اس کا فارسی الہامی ترجمہ یہ فرمایا: ''بلکہ وید ایشاں دوست میدارد کہ سلسلہ گناہ گنہگاراں گاہے منقطع نگردد'' (انجام آتھم ص۱۲۳،۱۲۴ حاشیہ، خزائن ج۱۱ص ایضاً)

تو محض مذنب ہونا بھی گنہگار ہونا ثابت ہوگیا۔

سعدی از دشت خویشتن فریاد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنے چالیس ہزار لغت عربیہ میں ذنب کا یہ نیا مفہوم اضافہ کرلیا ہے اور یہ غلطی آپ کے علم کی شدت وکثرت پر دال ہے۔

پنجم...... آیا انبیاء کے حق میں لفظ جرم یا اس کا ہم معنی لفظ قرآن میں آیا ہے۔

مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ''یہی تو وجہ ہے کہ چونکہ خدا کے نبی انسانی فطرت میں شریک ہیں اور اس وجہ سے جسم کی کمزوری میں بھی۔ اس لئے کلام اللہ میں لفظ ذنب ان پر چسپاں کیا گیا۔''

یہ بات اس امر سے بھی روشن ہے کہ لفظ جرم جو ٹھیک ہم معنی گناہ کا تھا خدا کے کسی نبی پر چسپاں نہیں کیا گیا۔ اگر کلام اللہ کا مقصود انبیاء کو گنہگار بتلانے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں ان کی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صریح معنے گناہ تھے اجتناب کیا جاتا؟ باوجودیکہ وہی لفظ کوئی ایک سو مقاموں پر پاک کتاب نے مخالفین انبیاء کے حق میں استعمال کیا ہے جن کو وہ گنہگار تصور کرتی ہے۔

لفظ جرم قرآن میں ندارد

مرزا قادیانی کو بلا الہام ووحی کی مدد کے یہ بات معلوم ہونا چاہئے تھی کہ جرم ایک ایسا لفظ ہے جو سو مرتبہ تو درکنار قرآن میں کسی ایک جگہ بھی وارد نہیں ہوا[1]۔ حالانکہ اگر بقول جناب ''وہ ٹھیک ہم معنی گناہ کا ہوتا۔'' تو قرآن میں سو کیا وہ ہزاروں جگہ آیا ہوتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بجز اسی ایک لفظ کے گناہ کا ہر ایک مرادف مثلاً خطا، اثم، ظلم، ذنب، جناح، فسق، عصیاں، عدوان، سیئۃ وغیرہ قرآن میں بکثرت ملتا ہے۔ تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ گو تصور گناہ کا تو قرآن میں اس درجہ عام ہے۔ ولیکن اس کے اظہار کے لئے جو صرف ایک ہی ٹھیک لفظ زبان عرب میں موضوع ہوا تھا اسی کو ترک کر دیا۔

---

[1] مرزا قادیانی کے خلیفہ کی تاویل: اہل انصاف دیکھ لیں کہ کیسے کھلے الفاظ میں مرزا قادیانی نے اپنے انگریزی پرچہ (ریویو نمبر۵ ص۱۸۳) میں لکھ دیا ہے کہ: ''وہی لفظ (جرم) کوئی ایک سو مقاموں پر کتاب پاک نے مخالفین انبیاء کے حق میں استعمال کیا۔'' اور جب ہم نے اس کو بتلا دیا کہ ''وہی لفظ قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں آیا تو اس کا خلیفہ ہم پر گرم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ گو حضرت اقدس نے کہا تو ''وہی لفظ'' تھا مگر ''جرم سے آپ کی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں۔'' جیسے مجرم، یجرمون، اجرمو'' (۱۹۳۳ء ص۲۳۹)

اس کو چاہئے کہ اپنے پیر سے کہے کہ تم صحیح اردو لکھو اور محمد علی ایم اے سے کہے کہ انگریزی درست کر دیا خود اپنے پیر کی تحریر پر اعتراض ہونے سے قبل حاشیہ شائع کر دیا کرے۔ یہ کیا تماشہ ہے کہ پیر جی کی غلطی وبدتمیزی کے لئے ہم کو ڈانٹا جاتا ہے؟

یہودی بھی مجرم نہیں

ہم آپ کو اور آپ کے تمام ہم خیالوں کو پھر بتلائے دیتے ہیں کہ لفظ جرم قرآن میں نہ کسی نبی کے حق میں آیا اور نہ غیر نبی کے حق میں۔ بلکہ آپ کا قول سن کر بڑی حیرت ہم کو یہ ہوتی ہے کہ یہ لفظ جرم یا اس سے کوئی مشتق لفظ یہود کے حق میں بھی نہیں آیا جو پیغمبر اسلام کی دشمنی پر ہمیشہ تلے رہے اور جو اپنے گناہ کی سزا میں بقول قرآن سور اور بندر بنا دیئے گئے۔ پس اب ہم آپ ہی کے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ: ''اگر کلام اللہ کا مقصود یہودیوں کو گنہگار بتلانے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں ان کی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صریح معنی گناہ تھے اجتناب کیا جاتا؟'' کیا یہود کو بھی قرآن نے معصوم مانا؟ کیونکہ نہ ان سے جرم منسوب ہوا نہ وہ مجرمین کہلائے[1]۔

یہ لفظ آنحضرت ﷺ پر چسپاں کیا گیا

لیکن اگر جرم سے تمہاری مراد یہی ہے جو تمہارا شاگرد بتارہا ہے تو گو یہود اور دیگر انبیاء کے حق میں ایسا کوئی لفظ قرآن میں نہیں وارد ہوا۔ تاہم آنحضرت ﷺ کے حق میں ضرور آیا ہے۔ سورۂ سبا میں ہے: ''قل لا تسئلون عما اجرمنا ولا نسئل عما تعملون (سباع:۲۵)'' تو کہہ تم سے نہ پوچھ ہوگی جو ہم نے (جرم) گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھ ہوگی جو تم کرتے ہو۔ لو یہ حجت بھی تمام ہوگئی۔ مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو جھٹلائیں گے اور شاگرد استاد کو اور پھر کہا جائے گا کہ اس آیت میں ''اجرمنا'' ہے اور ہم نے تو وہی لفظ جرم مانگا تو ان کو یاد رہے کہ ''جرم اپنی مصدری صورت میں'' قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں آیا۔

ششم...... جرم اور ذنب ایک ہی ہے۔ مرزا کہتے ہیں: ''لفظ ذنب اگر انبیاء کی شان میں کلام مقدس میں کبھی وارد ہوا تو اس کے معنی وہاں گناہ نہیں بلکہ صرف انسان کی فطرتی کمزوری ہے۔'' قرآن مجرم کو یعنی ایسے شخص کو جو جرم یا گناہ کا مرتکب ہو عقاب دوزخ سے ڈراتا ہے۔ مگر وہ اس قسم کی سزا کا مذکور مذنب یعنی ایسے شخص کے حق میں کسی جا نہیں کرتا۔ جس سے ذنب یعنی انسان کمزوری منسوب کی جائے۔

---

[1] مرزا قادیانی کا خلیفہ کہتا ہے کہ: ''وعلی الذین هادوا حرمنا کل ذی ظفر (انعام:۱۴۶)'' ''مرزا قادیانی کے خلیفہ کی غلطی'' میں یہودیوں کا ذکر ہے جن کی نسبت لفظ مجرمین آیا۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۶ ص۲۴۸، جون۱۹۰۳ء) اس کو چاہئے کہ حکیم نورالدین سے آیت دوبارہ پڑھ کر معلوم کرلے کہ ''قوم المجرمین'' سے مشرکین عرب مراد ہیں۔ گو آیت میں ذکر تو یہود کا ہے مگر مخاطب مشرکین ہیں اور عین اس کے بعد ہی لکھا ہے: ''سیقول الذین اشرکوا (انعام:۱۴۸)'' اب مشرکین اس کا جواب یہ دیں گے۔

مجرم بمعنی ذنب

۱...... اب اس کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ مذنب ایک اور لفظ ہے کہ وہ بھی کبھی قرآن میں نہیں آیا۔ قرآن نے دراصل مجرم ہی کو مذنب ملتا ہے۔ قرآن میں مجرم کی تعریف ہے۔ یعنی ایسا شخص جس سے ذنب سرزد ہوا اور یوں قرآن ذنب کو مجرم کی ذات سے وابستہ کر کے مستوجب عقاب نار ٹھہراتا ہے۔ ساکنان جہنم چلا رہے ہیں۔ ''**اعترفنا بذنوبنا** (مومن:۱۱)'' ہم اپنے ذنوب (گناہوں) کا اقرار کرتے ہیں اور شاید آپ ہی کو متنبہ کرتے ہیں کہ محض اپنے ذنب کی خاطر وہ دوزخ میں درآئے اور سنئے ''**فیومئذٍ لا یسئل من ذنبه انس ولا جان** (رحمن:۳۹)'' پھر اس دن پوچھ نہیں اس کے گناہ (ذنب) کی کسی آدمی سے نہ جن سے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ذنب کو کوئی خاص تعلق ''انسان کی فطرت'' کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق جیسا انسان کی بدکاری پر ہوتا ہے ویسا ہی جنات کی بدکاری پر بھی۔

''**لا یسئل من ذنوبهم المجرمون** (قصص:۷۸)'' پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ۔ محض ذنوب نے ان لوگوں کو مجرم کر دیا۔ قرآن ان مجرموں کے جرم سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ وہ ان میں صرف ذنب پاتا ہے اور اس وجہ سے بلا جواب لئے ان پر فتویٰ سزا کا صادر ہوتا ہے۔ پس اب ثابت ہو گیا کہ قرآن کا مجرم مذنب ہے اور قرآن کا ذنب جرم۔ گو لفظاً قرآن میں نہ جرم کا لفظ آیا نہ ذنب کا۔

ظلم بمعنی جرم

۲...... اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ظلم ایک اور لفظ ہے جس کا استعمال قرآن میں جرم کے اس مفہوم میں زیادہ تر آیا ہے۔ جس پر مرزا قادیانی اصرار کر رہے ہیں۔

''**ومن یظلم منکم نذقه عذاباً کثیراً** (فرقان:۱۹)'' اور جو کوئی تم میں برا (ظلم) کرے ہم اس کو چکھائیں گے بڑا عذاب۔ ''**اعتدنا للظالمین ناراً** (فرقان:۳۷، کهف:۲۹، شوریٰ:۲۱، دهر:۳۱)'' تیار کی ہے ہم نے برا کرنے والوں (ظالموں) کے واسطے آگ۔

''**ان الذین توفهم الملئکة ظالمی انفسهم قالوا فیما کنتم...... فاولئک ماواهم جهنم** (نساء:۹۷)'' جن لوگوں کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا کر رہے ہیں۔ اپنا کہتے ہیں تم کس بات میں تھے...... سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ۔

ظالم اور مجرم بہمہ وجوہ ایک ہی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک لفظ دوسرے کا بدل ہے۔ ’’فانظر کیف کان عاقبة المجرمین (اعراف:۸۴)‘‘
’’فانظر کیف کان عاقبة الظالمین (قصص:۴۰)‘‘

ظلم انبیاء سے منسوب

تمام قرآن خوانوں کو معلوم ہوگا کہ یہ لفظ ظلم جو جرم کا بدل ہے انبیاء کے حق میں ضرور آتا ہے۔ حضرت آدم فرماتے ہیں: ’’ربنا ظلمنا انفسنا (اعراف:۲۳)‘‘ اے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ حضرت موسیٰ اقرار کرتے ہیں: ’’انی ظلمت نفسی فاغفرلی (قصص:۱۶)‘‘ میں نے ظلم کیا اپنی جان پر۔ سو مجھ کو بخش دے۔ حضرت یونس اقرار کرتے ہیں: ’’انی کنت من الظالمین (انبیاء:۸۷)‘‘ البتہ میں تو برا کرنے والوں (ظالموں) میں سے تھا[1]۔

---

[1] اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ فرمایا ہے: ’’میں تھا گنہگاروں سے۔‘‘
یونس کا ظلم اور مرزا کی اختلاف بیانی: مگر مرزا قادیانی نہایت بے باکی سے اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: ’’میں کمزور اور مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں‘‘...... آپ مانتے ہیں کہ اس دعا میں حضرت یونس کے متعلق جو لفظ ہے وہ ظالم کا لفظ ہے...... مگر فرماتے ہیں کہ ہم فقط ظالم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں۔ یعنی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۷ ص۲۷۱،۲۷۴، جولائی ۱۹۰۳ء) کیا خوب! ظالم کے معنی مظلوم ہوئے اور ظالمین کے معنی وہ تمام لوگ جو مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پھر قوم لوط سے زیادہ اس معنی میں کون ظالم تھا؟ جن کی بستی تہ وبالا کر دی گئی۔ اسی طرف اشارہ ہوگا: ’’ان اھلھا کانوا ظالمین‘‘ اور ان سے زیادہ کون ظالم تھا؟ جو طوفان میں غرق ہو رہے تھے تو اسی معنی میں کہا ہے: ’’فاخذھم الطوفان وھم ظالمون (عنکبوت:۱۴)‘‘ قرآن کریم کے اوپر یہ عنایت مرزا قادیانی کی خاص ہے۔ آج تک یہ نکتہ کسی کو نہیں سوجھا تھا۔ آپ سے زیادہ کون قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہوسکتا؟ سب سے بڑھ کر تو آپ ہی ’’من الظالمین‘‘ ہوئے۔ کیوں صاحب کیا یہی وہ سبق تھا جو آپ نے ہم کو پڑھایا؟ اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کی جائے۔ (ستمبر ۱۹۰۶ء ص۳۵۶) خودرا فضیحت دیگراں را نصیحت!

حضرت یونس کی حمایت میں مرزا قادیانی نے ایسے بہکے کہ خدا کی پناہ۔ یہاں حضرت یونس کی عصمت زیر بحث نہیں۔ اس لئے ہم صرف اشارۃً ذکر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ’’حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق پادری مانرو نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی۔‘‘ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اس کے اس جھوٹ کی تائید نہیں کرتا۔ قرآن شریف میں جو یہ لکھا ہے: ’’اذ ذھب مغاضباً‘‘ یونس جب چلا گیا غصہ سے لڑکر۔ اس پر مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ’’قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ یہ ان کا غصہ کس کے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب ان کا خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں ہوسکتا۔‘‘...... ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب میں تھا۔ اگر بے ایمانی نہیں تو بے وقوفی ضرور ہے۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۷ ص۲۷۰تا۲۷۲، جولائی ۱۹۰۳ء) اس طرح مانر: بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور اسی طرح آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا: ’’ظلمت نفسی واعترفت بذنبی‘‘ میں نے برا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہ کا۔

عصیاں بمعنی جرم انبیاء سے منسوب

۳...... پھر ایک اور لفظ ہے عصیاں یہ بھی مثل جرم کے مستوجب عذاب نار ہے۔ ’’من یعص اللہ ورسولہ انہ لہ نار جھنم (جن:۲۳)‘‘ جس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی سو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے...... پس جب انبیاء کی شان میں ظلم اور عصیاں سے لفظ وارد ہو چکے جو اپنے نتائج میں جرم کے مساوی ہیں تو پھر کیا لچر حجت ہے کہ جرم کا لفظ ان کے لئے نہیں آیا۔ مگر اب تو ہم لفظ ’’اجرمنا‘‘ بھی نبی کو بولتے ہوئے قرآن سے دکھلا چکے اور ہر حیلے کی جڑ کٹ گئی۔

ہفتم...... سزا اور گناہ مرزا قادیانی ہیں: ’’امور تنقیح طلب یہ تھے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی تفریق

وصاحب کو ہمارے مرزا قادیانی نے جھوٹا، بے ایمان اور بے وقوف کہہ دیا۔ اب ناظرین یہ سن کر دانتوں میں انگلی دبائیں گے کہ ہر لفظ جو مانرو صاحب نے محض تحقیق کی بنیاد پر اپنے قلم سے نکالا تھا وہ مرزا قادیانی الہام کے زور میں اپنے منہ سے آپ فرما چکے ہیں اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس قسم کے الہامات اگر بے ایمانی نہیں تو بے وقوفی ضرور ہے۔ بلکہ دونوں ہیں۔ ہم یہاں مرزا قادیانی کے الہامی مکتوب عربی کی نقل معہ اردو ترجمہ کے درج کرتے ہیں۔

’’ذھب یونس مغاضباً من حضرت الکبریاء وتاہ فی فلوات الابتلاء لمافر کالغضبان ولماتاہ کالمبھوتین ولما ترک یونس بسوء فیھمہ الاستقامۃ واستقلال ورئ کل ذلک بما اعلن ضبخر قلبہ بالحرکت من المقام وفارق مقرہ من غیر اذن اللہ العلام وفعل فعل المستعجلین او کذلک سماہ اللہ ذالنون بما ظھر منہ حدۃ ونون بالغضب المکنون ولا یلیق لاحدن یغضب علیٰ رب العالمین ولا جل ذلک ابتلیٰ یونس وصار من الملومین ونزلت علیہ الھموم‘‘ چلا گیا یونس غضبناک ہو کر درگاہ خداوند تعالیٰ سے اور آوارہ ہو گیا بیابانوں میں امتحانوں کے کیوں بھاگا۔ غضبناکوں کی طرح اور کیوں آوارہ ہوا آشفتہ سروں کی طرح اور کیوں ترک کیا یونس نے اپنی بدفہمی سے استقامت واستقلال کو اور دیکھنا پڑا یہ سب یونس کو کیونکہ اس نے ظاہر کر دی اپنی دل تنگی چھوڑنے سے اپنی جگہ اور جدا ہوا یونس اپنے مقام سے بغیر اجازت خدائے علیم کے اور اس نے کی یہ حرکت جلد بازوں کی اور اسی لئے ان کا نام رکھا خدا نے ذالنون۔ کیونکہ ظاہر ہوئی اس سے گرمی اور تیزی دل میں غصے کو پوشیدہ کرنے سے اور زیبا نہیں کسی بشر کو کہ غضبناک ہو جہاں کے رب پر اور اسی وجہ سے مبتلا ہوا یونس امتحان میں اور ہو گیا مورد ملامت اور نازل ہوئیں اس پر مصیبتیں۔ (انجام آتھم ص۲۲۵ تا ۲۲۷، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

مرزا قادیانی نے اپنے مکتوب عربی کا فارسی الہامی ترجمہ بھی کیا ہے۔ اسی کی زبان بندی کے ساتھ ہم نے اردو ترجمہ کیا۔ دروغ گورا حافظہ نہ باشد زبانی دروغ کے متعلق تھا۔ مگر دستاویزی دروغ اور الہامی دروغ یہ مرزا قادیانی کا اعجاز ہے۔

جرم اور ذنب میں کی ہے؟‘‘ ...... کیا قرآن مجید نے مذنب کے لئے وہی سزا مقرر کی ہے جو اس نے مجرم کے لئے مقرر کی ہے؟ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۹ ص۳۸۰، ستمبر۱۹۰۲ء) اس کا جواب آپ نے یہ دیا۔ ’’قرآن کریم نے ہر ایک مذنب کے لئے سزا کا وعدہ نہیں دیا۔‘‘ جرم کے مرتکب کے لئے ضرور سزا ہے۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۱۰ ص۴۱۶، اکتوبر۱۹۰۲ء) اصل بحث تو طے ہو چکی کہ ذنب گناہ ضرور ہے اب یہ بحث کہ ذنب سزا کے حکم میں جرم کے برابر ہے یا نہیں بالکل فضول ہے۔

مگر قرآن سے ثابت ہے کہ ذنب گناہ ہے اور اس پر سزا کا وعید ضرور ہے۔ ورنہ ایمان دار کیوں کہتے: ’’فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار (آل عمران:۱۶)‘‘ اے خدا بخش دے ہم کو ذنوب ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ اسی سے ثابت ہے کہ ذنب کی سزا جہنم ہے اور اس کی معافی جہنم سے رہائی۔

اب مرزا قادیانی کی بحث کے قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس پہلو کو اختیار کر لیا ہے...... گناہ کی سزا سے بچنا دوسری بات ہے اور گناہ سے بچنا دوسری بات۔ اسلام کے خیال کے موافق تمام بدری صحابہؓ کو مغفرت کی بشارت ہو چکی (جیسا ہم اوپر لکھ چکے) اور تم تو یونی درسلسٹ عیسائیوں سے یہ سبق بھی پڑھ چکے کہ دوزخ کا عذاب ابدی نہیں۔ انجام کار سب نیک ہو کر بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ دوزخ بھی خدا کی رحمت کا ظہور ہے جو انسان کو پاک کرتی ہے۔ جیسا آگ سونے کو۔ ’’دوزخ میں ایک مدت گزر جانے کے بعد ہر بدبخت نیک بخت ہو جائے گا۔‘‘ (انجام آتھم ص۱۱۸، خزائن ج۱۱ ص ایضاً) تو پھر اب ذنب میں اور جرم میں کیا فرق رہا؟ نہ سزا میں نہ گناہ ہونے میں اور نہ قابل عفو ہونے میں۔

ہشتم ...... مشکل کشائی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے قرآن کی مشکلات حل کرنے کے مرزا قادیانی نئی نئی مشکلیں پیدا کر رکھتے ہیں اور ایسی ایک مشکل میں آپ پڑے ہوئے ہیں جس سے آپ کو باہر نکالنے کا ثواب ہم کو ملے گا۔ آپ فرماتے ہیں: ’’اگر ہم ذنب کو مترادف گناہ کا مان لیں تو ہم کو ایک اور مشکل کا سامنا پڑتا ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ آیت وارد ہوئی ہے جب اللہ نے نبیوں کے ساتھ عہد باندھا۔‘‘

میثاق النّبیین اور غلط ترجمہ

یہ فرما کر کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس ایک نبی آوے تصدیق کرتا ہوا اس کی جو تمہارے پاس موجود ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور تم ضرور اس کی مدد

کرنا...... اس سے روشن ہے کہ تمام انبیاء کو معہ عیسیٰ مسیح کے حکم ہوا کہ مقدس نبی محمد پر ایمان لائیں...... اور آپ تاکید سے فرماتے ہیں کہ یہ معنی ''اس آیت سے بنص صریح ثابت ہیں۔''

(ریویو(اردو) ج۱نمبر۵ص۱۹۶، مئی ۱۹۰۲ء)

چونکہ اس معنی پر آیت کو آپ نے ''نص صریح'' فرمایا اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ مرزاقادیانی کی یہ دلیل ضرور ان کو الہام ہی سے ملی۔ ایسے وقت میں کہ جب آپ کے معمولی قوائے ذہنی معطل ہو چکے تھے۔ ورنہ یہ اس درجہ لچر نہ ہوتی۔

۱...... اپنی بحث کی خاطر آپ آیت کا ترجمہ غلط کرتے ہیں اور پھر مروڑ مروڑ کے اس سے ایک ایسے معنی نچوڑتے ہیں جو مصنف کے کبھی وہم میں بھی نہیں آئے تھے۔ آیت یہ ہے: ''اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران: ۸۱)''

صحیح ترجمہ

لفظی ترجمہ اس کا یہ ہوگا: ''جب لیا اللہ نے عہد انبیائے سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور حکمت سے بعد ازاں آوے تمہارے پاس کوئی نبی تصدیق کرتا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔''

اس آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے ہم ایک دوسری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے معنی میں کوئی تنازع نہیں۔ ''لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلاً کلما جاء ھم رسول بما لا تھویٰ انفسھم فریقاً کذبوا وفریقاً یقتلون (مائدہ: ۷۱)'' البتہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجا ان کی طرف رسول کو پھر جب آیا ان کے پاس کوئی رسول جو نہ بھایا ان کے جی کو تو کتنوں کو انہوں نے جھٹلایا اور کتنوں کو قتل کر ڈالا۔

اب چونکہ اس امر میں اتفاق ہے کہ اللہ نے اپنے رسول رسولوں کے پاس نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے پاس بھیجے۔ اس لئے خطاب انہیں سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آیت زیر بحث کا ترجمہ یہ ہونا چاہئے۔ ''جب لیا اللہ نے عہد انبیاء (کے باب میں) بنی اسرائیل سے الیٰ آخرہ'' اس ترجمہ کی صحت پر ہمارے پاس دو مسلم الثبوت شاہد ہیں۔ ایک تو حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب سے حفاظ قرآن کی قرأت جس کے موافق متن آیت یہ ہے: ''اذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب'' جب لیا اللہ نے عہد اہل کتاب سے اور مجاہد نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''ھی

خطاء من الکتاب ''یعنی میثاق النّبیین کاتب کی غلطی ہے۔ دیکھو درمنشور، سیوطی۔ دوسرا شاہد شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی ہیں جن سے زیادہ معتبر مسند ہندوستان میں نہیں مل سکتی۔ اس آیت کے فائدہ میں فرما چکے۔ اللہ نے قرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمے میں بنی اسرائیل کا اقرار لیا[۱]۔ پس اگر یہی آیت آپ کی دستاویز ہے تو اس کے بموجب بجائے تمام انبیاء کے بنی اسرائیل کو حکم ہوا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں۔

عقلی قرینہ

۲...... یہ عہد ''نبیوں کے ساتھ'' ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ بلکہ صرف غیر لوگوں کے ساتھ انبیاء کے بارے میں عموماً نہ کہ آنحضرت ﷺ کے خصوصاً۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو صفحہ زمین پر کسی نبی کا وجود بھی نہ تھا۔ آپ پر ایمان لا کر یا آپ کی مدد کر کے ایفاء عہد کے قابل ہو سکتا۔ بنی اسرائیل کی وہ نسل جس میں انبیاء کو آنا تھا اور جس کو انبیاء پر ایمان لانا فرض تھا برابر سلسلہ وار باقی رہی اور انبیاء کی تصدیق یا تکذیب کرتی رہی۔ مگر انبیاء کا سلسلہ تو اس طرح نہیں رہا کہ ہر نبی کے وقت دوسرا نبی بھی موجود رہتا اور نبی کا کوئی غیر نبی قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ پس زمانہ فطرت میں جب کوئی نبی موجود نہ تھا تو بنی اسرائیل کو اپنے انبیاء کا قائم مقام قرار دینا بڑی نادانی ہے جس کا مرتکب مرزا قادیانی کا فدائی ہوا۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۶ ص۲۴۷ ملخص، جون ۱۹۰۳ء)

پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کچھ نرالے نہ تھے۔ جنہوں نے کتب سابقہ کی تصدیق فرمائی حضرت مسیح تو چھ سو برس قبل آپ سے بنی اسرائیل کے روبروان کی تورات کی جو پہلے سے موجود تھی تصدیق فرما چکے تھے۔ ''مصدقاً لما بین یدی من التورات (آل عمران:۵۹) ''اگر مرزا قادیانی اپنے وحی والہام سے قطع نظر کر کے صرف اپنے ہوش سے کام لیتے تو یہ سمجھ جانا کچھ مشکل نہ ہوتا کہ انبیاء کی شان اللہ کے نزدیک اس سے بہت بلند ہے کہ ان سے ایک ضروری فرض کی بابت ایفاء عہد پر قسم لی جائے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں کہ ان میں سے

---

[۱] نابالغ مرزائی: مرزا قادیانی کا کوئی نابالغ چیلہ اپنے پیر کی حمایت میں ہم پر اعتراض کر کے کہتا ہے کہ ہمارا ترجمہ ''عجیب ترجمہ'' بلکہ بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں ہم نے بنی اسرائیل کا لفظ اپنی طرف سے ملا دیا۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۶ ص۲۴۶، ۲۴۷، جون ۱۹۰۳ء) اس کا تعجب ہمارے ترجمہ پر نہیں ہے بلکہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ پر جو اس کے پیر سے زیادہ ''محاورہ'' کے نقاد تھے اور اس کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ''بنی اسرائیل کا لفظ'' ملانے والے ہم نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب ہیں اور ان لوگوں کی شان کیا ہے۔ اس کو مولوی نورالدین سے پوچھ لینا چاہئے۔ مگر اس سے اس کا تعجب اور بڑھ جاوے گا۔ کیا اچھا ہوتا اگر مرزا قادیانی کے مرید اپنے پیر کو ہمارے مقابلہ میں اکیلا چھوڑ دیتے اور خود اس کو اپنی حمایت کرنے دیتے اور ایسے جلد گھبرا نہ جاتے۔

کوئی نبی آنحضرت ﷺ کا ہم عصر ہونے والا نہ تھا۔ بہرحال مسیح محمدی ایمان داروں کے زمرے سے باہر نکل آئے اور بطور لازمی ''گنہگاروں کی فہرست'' سے بھی۔ ورنہ مرزاقادیانی نے تو ایمانکی بڑی شامت کر دی تھی کہ پیغمبر اسلام پر حضرت مسیح کا ذرہ سا مفروضہ ایمان ان کو ایسی منطقی شکل میں ''گنہگار'' بنائے ڈالتا تھا۔ فن تفسیر کے تو آپ امام ہوگئے۔

مسیح اس آیت کے مفہوم سے خارج

۳...... مجھ کو اس امر پر تاکید کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آیت متنازعہ میں ''للمؤمنین والمؤمنات'' میں صرف وہی لوگ داخل ہیں جو دین محمدی کے قائل ہیں۔ خصوصاً حضرت کے اپنے امتی نہ کہ مؤمنین شرائع سابقہ۔

مگر ہم مرزاقادیانی سے ضرور پوچھیں گے کہ بتائیے آپ کی تاویل سے مشکل دفع کیونکر ہوگئی۔ حق تو یوں ہے کہ آپ کی مشکلوں میں ضرب لگ گیا۔ اگر فرض کرلیں کہ مسیح معہ دیگر انبیاء کے حضرت کے مومنین کی فہرست میں ضرور داخل ہیں تو پھر جناب کا یہ الہامی ترجمہ ''خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسے ہی ان مردوں اور عورتوں کے لئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہیں بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ تاکہ جو فطرتی کمزوری سے ان سے خطائیں ہوتی ہیں ان کی سزا سے وہ محفوظ رہیں اور آئندہ زندگی ان کی گناہوں سے بھی محفوظ ہو جائے۔'' (ریویو(اردو) ج۱ نمبر۵ ص۱۹۴، مئی ۱۹۰۲ء)

یہ ترجمہ تو بیڑا ہی غرق کئے ڈالتا ہے۔ ''اور عصمت انبیاء کے لئے امکان ہی باقی نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اس ترجمے کے موافق آنحضرت ﷺ کو اپنے ایمانداروں کے واقعی گناہوں کے لئے استغفار مانگنے کا حکم ہوتا ہے۔''

آپ کے اس الہامی ترجمہ نے ایک اور بڑا خطرہ پیدا کر دیا کہ جب انبیاء آنحضرت ﷺ کے مومنین قرار پائے تو پھر استغفار کا مطلب ان لوگوں کی شان میں کیا ہوگا۔ جن کو من المقربین فرمایا؟ کیا ان کو بھی اللہ پاک کی حضوری میں جسم کی کمزوری اب تک ستارہی ہے اور آزمائشات میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ باقی ہے؟ اور کیا اب بھی ان کو اپنی زندگی کا سلسلہ مابعد گناہ سے پاک کرنا رہ گیا؟ کوئی کلام نہیں کہ اس تازہ الہام نے مرزاقادیانی کی تاویل الاحادیث کی مٹی پلید کر ڈالی۔ آپ کو پھر سے اپنے منطق کی مرمت کرنا پڑی۔ اپنے ترجمہ کی اور نیز اپنے ایمان کی۔

نہم...... مسیح کی خصوصیت۔

مرزا قادیانی نے اس آیت کے معنی بگاڑنے میں جوایسی حیرت افزاء اور بے اندازہ جہالت صرف کی تو اس سے آپ کا مقصود کیا تھا؟

ہمارے سوال

ہم نے یہ سوال کئے تھے کہ کیوں مسیح سے قرآن میں ذنب کا لفظ منسوب نہیں ہوا۔ جس طرح دیگر انبیاء سے منسوب ہوا اور کیوں مسیح نے استغفار نہیں کیا۔ جس طرح اور نبیوں نے کیا؟

ہمارے پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے پیر قادیان نے قرآن کی ورق گردانی کی اور آیت شریفہ کی گت بنائی اور سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ کیا۔

ہمارے دوسرے سوال کا جواب دینے کے لئے اس کے ایک خلیفہ نے سارا قرآن چھانا اور اس امر کے ثبوت میں کہ مسیح نے استغفار کیا دو آیتیں پیش کیں جو ملائکہ کے حق میں آئی ہیں۔

''یستغفرون لمن فی الارض (شوریٰ:۵)'' گناہ بخشواتے ہیں واسطے ان کے جو بیچ زمین کے ہیں۔

''یستغفرون للذین آمنوا (مومن:۷)'' گناہ بخشواتے ہیں واسطے ان کے جو ایمان لائے۔

آپ بڑے فخر سے فرماتے ہیں: ''مسیح بھی اہل زمین میں شامل ہیں۔ مومنوں میں شامل ہیں۔ اس لئے فرشتے ان کے لئے بھی استغفار کرتے ہیں۔''

(ریویو(اردو) ج۲ نمبر۶ ص۲۴۶، جون۱۹۰۳ء)

ہم کہیں گے کہ اگر فرشتے مسیح کے لئے استغفار کرتے ہیں تو یہ فرشتوں کی خطا ہے۔ مسیح اپنے لئے آپ کیوں استغفار نہیں کرتے؟ کیوں اپنے تئیں انہوں نے استغفار سے مستغنی سمجھا؟ اگر تمہارا قول حق ہے تو فرشتے تو سبھی انبیاء کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ پھر کیوں اور انبیاء نے استغفار کرنا ضروری سمجھا اور کیوں مسیح نے فضول سمجھا؟ اس کا جواب تمہارے پاس یا تمہارے پیر کے پاس کیا ہے؟

الٹا منطق

ابھی اپنے منطق کے نتائج دیکھ لو۔ کیا تم فرشتوں کو ''مومنوں میں شامل'' نہیں کرتے اور کیا حضرت جبرائیل دحیہ کلبی کی صورت میں من فی الارض اہل زمین میں شامل نہیں ہو چکے؟ اور

کیا کراماً کاتبین زمین پر اہل زمین کے پاس ’’لدیھم یکتبون (زخرف:۸۰)‘‘ ان کے داہنے اور بائیں بیٹھے ہوئے۔ ’’عن الیمین وعن الشمال قعید (ق:۱۷)‘‘ اعمال نہیں لکھا کرتے تو کیا ان آیتوں کا یہ مطلب ہوا کہ فرشتے فرشتوں کے لئے بھی استغفار طلب کرتے ہیں۔ یعنی ’’جسمانی کمزوریوں کے غلبہ‘‘ سے حفاظت کے خواستگار ہیں تاکہ وہ وحی غلط نہ دے جاویں اور اعمال غلط نہ لکھ لیں اور فرشتوں کو بھی ’’جسمانی کمزوری‘‘ لاحق ہوگئی؟ قادیان والے بھی عجیب وغریب نکتے قرآن شریف کے حل کرتے ہیں۔

اس قسم کے جواب دینے سے تو سکوت بہتر تھا۔ سب قرآن خوان جانتے ہیں کہ ان آیتوں میں مراد صرف وہی ایمان دار گنہگار ہیں جن کی بہتری آسمان کے سب ملائکہ بھی چاہتے ہیں اور ان سے وہ لوگ یقینی مستثنیٰ ہیں جن سے گناہ نہیں سرزد ہوا۔ عمومات اور مستثنیات کا قاعدہ بچوں کو بھی معلوم ہے۔

ہماری حجت

ان عمومات سے بحث کر کے ہمارے مخالفوں کو کچھ نہیں حاصل ہوسکتا۔ اگر کوئی قرآن سے یہ آیت پیش کر کے ’’ان الانسان لکفور (زخرف:۱۵)‘‘ بالتحقیق انسان صریح کفر کرنے والا ہے یا یہ حدیث قدسی پیش کر کے ’’یا عبادی انکم تخطون باللیل والنہار‘‘

(مشارق الانوار نمبر ۲۱۷۸)

اے میرے بندو! تم رات دن خطا کرتے ہو۔ یہ کہنے لگے کہ یہ نص انبیاء کو کافر ثابت کرتی ہے اور حدیث تمام انبیاء اور ملائکہ کو خطا کار ثابت کرتی ہے اور پوچھے کہ کیا انبیاء ’’الانسان‘‘ کے عموم میں داخل نہیں اور کیا ملائکہ خدا کے عباد بندے نہیں تو سارا قادیان امنڈ آئے گا اور کہے گا کہ کہنے والا یا بے ایمان ہے یا بیوقوف یا دونوں۔ مگر اسی قسم کی مہمل تقریر یہ دنیا کے مذاہب پر نظر کرنے والے ہم سے کرتے ہیں۔

امر قابل غور

آخر میں ہم اپنے ناظرین کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ عصمت مسیح جو قران وحدیث کی بنیاد پر قائم کیا گیا۔ لفظ استغفار یا ذنب کی کسی تاویل پر منحصر نہیں۔ اگر ہم بحث کی خاطر وہ سب بھی مان لیں جس پر مرزا قادیانی اڑے ہوئے ہیں۔ تب بھی ایک ذرہ بھر ہمارے دعویٰ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ہم اس وقت اس کو ان الفاظ میں پیش کریں گے کہ بجز ایک مسیح کلمۃ اللہ کے جو انسانی فطرت کی کمزوریوں کے بدنتائج سے کلیتہً بری رہا۔ اسلام کے تمام اولوالعزم پیغمبر بمعہ

آنحضرت ﷺ کے تمام بنی آدم کے ہمزبان ہوکر استغفار کرتے اور اپنے ذنوب کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب مذنب ہیں۔ مسیح اکیلا پیغمبر ہے جو مذنب نہیں اور شافع المذنبین کے لئے یہی فضیلت لازمی ہے۔

دہم...... مرزاقادیانی کو ہماری تحدی۔

ہم افسوس کرتے ہیں کہ ذنب کی بحث نے ہمارا اس قدر وقت ضائع کیا۔ اس سے صرف مرزاقادیانی کی نادانی لوگوں پر روشن ہوگئی۔ اس سے کوئی عام فائدہ نہیں۔ کیونکہ اہل اسلام میں سے کبھی کسی نے ایسی حماقت کی ہی نہیں کہ ذنب کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلائے ہوں۔ مگر یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مرزاقادیانی نے بار بار اپنی کتابوں میں حضرت مسیح کی حقیقی موت کے ثبوت میں قرآن سے لفظ توفی کی سند پکڑی ہے اور کہا کرتے ہیں کہ: ''اس لفظ کو خدائے تعالیٰ نے پچیس مرتبہ کتاب قران کریم میں بیان کر کے صاف طور پر کھول دیا ہے کہ اس کے معنی روح کا قبض کرنا ہے نہ کچھ اور۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص۴۳، خزائن ج۵ ص ایضاً)

اور اس بات پر وہ اڑے ہوئے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کا اطلاق صرف موت ہی پر ہوتا ہے۔ حالانکہ معتبر اہل لغت اس لفظ کے ایک معنی تمام تر گرفتن بھی بیان کرتے آئے ہیں۔ گو قرآن میں ''انی متوفیک'' اور ''فلما توفیتنی'' میں توفی کے معنی موت ہی ہیں۔

ذنب کی بحث کا بجنسہ وہی حال ہے۔ توفی کا لفظ قرآن میں پچیس دفعہ آیا۔ مگر ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا مرزاقادیانی نے ہم کو بتلادیا۔

(ریویو (اردو) ج۱ نمبر۹ ص۳۸۱، ستمبر۱۹۰۲ء)

ہم کہتے ہیں کہ ہر جگہ ذنب کے معنی گناہ ہیں۔ مرزاقادیانی اس کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلاتا ہے۔ ہم اپنے معنی کی تائید میں وہ سب کچھ کہتے ہیں جو مرزاقادیانی توفی کے معنی کی تائید میں کہہ گیا اور مرزاقادیانی نے وہ سخن اختیار کیا ہے جو پرانے مولوی لفظ توفی کی تاویل میں اختیار کرتے ہیں۔ پس ہم مرزاقادیانی سے اسی قسم کے دلائل طلب کرتے ہیں جو خود مرزاقادیانی ہمیشہ اپنے مخالفوں سے طلب کیا کرتا ہے۔ ذیل کی عبارت میں ناظرین توفی اور اس کے معنی مر جانے کی جگہ ذنب اور اس کے معنی گناہ پڑھیں۔

باز در حد امکان کسے نیست کہ چنیں اثرے از صحابہ یا حدیثے از آنحضرت ﷺ پیش کند کہ معنے لفظ توفی بجز میرانیدن چیزے دیگر درآں بیان کردہ باشد ہرگز مخالفان بریں قدرت نخواہند یافت اگرچہ از حسرت بمیرند۔ (انجام آتھم ص۱۳۴، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

وبعض از علماء مے گوئند کہ لفظ توفّی در زبان عرب گاہے بمعنی استیفا مے آید ہمیں معنی در قرآن شریف اینجا مراد است وہرگاہ ازیں علماء مطالبہ سند کردہ شود پس ہیچ سندے از شعراء عرب نمے آرند۔ (انجام آتھم ص۱۵۱،۱۵۲، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

در کتب لغت وادب ہرگز مخالف ایں نخواہید یافت وہر کہ تفتیش لغات عرب کند وشتراں جستجو برائے آں لاغر گرداند ہرگز ایں لفظ اور مثل ایں مقامات بجز معنے میرانیدن نخواہد یافت وایں لفظ بارہا در قرآن شریف ذکر کردہ شدہ است وخدائے تعالیٰ ایں لفظ را در مقام میرانیدن استعمال کردہ است وقائم مقام لفظ اماتت گرانیدہ۔ (انجام آتھم ص۱۵۳، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

پس بذمہ ایں خصومت کنندہ است کہ بتائید دعویٰ خود شعرے از اشعار جاہلیت پیش کند یا کلامے از کلمات فصحائے ایں ملت بنماید (انجام آتھم ص۱۵۵، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

من در دریائے علم عربی وارد شدم تاعمق آں رسیدم وبرکوہ ہائے بلند آں برآمدم وتو غلہا میدارم وثمرہ ہائے آنرا چیدم واز ہر طرف گرد آوردم ودر کلام قوم تفحصہا کردم وصفحہ صفحہ دیدم پس بجز جسم میرانیدن وروح باقی داشتن معنی توفی در کلامے یا شعر شاعرے نیافتم۔

(انجام آتھم ص۱۵۶، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

قصہ مختصر! ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر مرزا قادیانی ساری عمر غوطہ کھائیں اور اس جستجو میں ہندوستان کے تمام گدھوں کی پیٹھیں بھی لگادیں تو بھی قرآن کی ایک آیت اور حدیث کی ایک روایت بھی نہ پائیں گے جہاں ذنب کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور ثابت ہوسکیں اور نہ کسی اہل لغت یا شاعر کی کوئی سند لاسکیں گے۔ اگرچہ از حسرت بمیرند!

۳…… عصمت مسیح از قرآن وحدیث

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

باعتبار عصمت مسیح کی فضیلت

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اہل اسلام مذہباً اس کو اپنا ایمانی عقیدہ سمجھتے ہیں کہ جملہ انبیاء معصوم وبے گناہ ہیں اور وہ یہ ماننے کو بھی تیار ہیں کہ ان تمام انبیاء میں مسیح روح اللہ کو باعتبار عصمت ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو کسی اور بشر کے لئے ممکن نہیں ہوئی اور جہاں تک ہم

نے محض تحقیق سے کام لیا ہم کو روز روشن کی طرح ہویدا ہوگیا کہ کلمۃ اللہ کی بابت ایسی عصمت و بے گناہی کا عقیدہ سراسر قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

اہل کتاب کے جتنے انبیاء ہیں ان کو اہل اسلام برحق تسلیم کرتے اور اپنے عقیدے کے لحاظ سے سب کو معصوم مانتے ہیں اور گو ہم عیسائی لوگ مذہباً اپنے انبیاء کو عموماً معصوم نہیں مانتے تو بھی عصمت مسیح کے باب میں پوری طرح اہل اسلام کے ہمزبان یہی کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن وحدیث ویسی ہی انجیل شریف سے بھی کلمۃ اللہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے لئے تو کوئی روک نہیں کہ وہ موسیٰ یا داؤد یا کسی اور اپنے نبی کی عصمت سے اپنی پاک کتابوں کی بنیاد پر انکار کریں۔ مگر کسی مسلمان کے لئے جو جملہ انبیاء کو معصوم ثابت کر رہا ہو کسی یہودی کے مقابل زچ آکر موسیٰ کو یا عیسائی کے مقابل عیسائی کو برا بھلا کہنا اور ناگفتنی زبان سے نکالنا سخت کور باطنی ہے۔

مرزا نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

ہم آج کل یہی تماشا دیکھ رہے ہیں کہ مرزا قادیانی (خدا ان کو ہدایت بخشے) ایک طرف تو عصمت انبیاء علیہم السلام ثابت کرنے چلے ہیں۔ (ریویو نمبر۵،۱۹۰۲ء)

اور دوسری طرف یسوع کی عصمت پر اعتراض سنا رہے ہیں۔ (ریویو نمبر۴،۱۹۰۲ء)

اور ہمیں نہیں معلوم کہ کون سا الہام یا عرفان ان دونوں عنوانوں کو مطابق کر سکے گا۔ کیا عیسائیوں کی ضد میں عیسیٰ کا نام انبیاء کی فہرست سے کاٹ دیا؟ اہل اسلام کا عقیدہ حضرت مسیح کی عصمت کے باب میں جو کچھ ہے اس کو خود مرزا قادیانی نے بڑے قلق کے ساتھ اپنی کتاب نور الحق میں یوں بیان کیا ہے۔ ''ہمارے مولوی لوگوں نے کہا مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں بے مثل ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اس میں پائی جاتی ہیں اس کے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلیٰ درجہ پر گناہوں سے پاک ہے۔ شیطان نے اس کی پیدائش کے وقت اس کو چھوا نہیں اور بجز اس کے سب نبیوں کو چھوا اور کوئی شیطان کی مس سے بچ نہ سکا۔ مگر ایک مسیح اور اس صفت میں نبیوں میں سے اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔'' (نور الحق حصہ اوّل ص۷،۸، خزائن ج۸ ص۱۰۹،۱۱۰)

اگر حضرت مسیح کی ایسی بے گناہی کا مسئلہ صرف اہل اسلام کی خود اعتقادی سے ہوتا تو ہم کو اس کی چنداں پروانہ ہوتی۔ مگر ہماری تحقیق ہم کو بتلاتی ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کی بڑی مستحکم بنیاد

پر قائم ہے جس کے مقابل مرزا قادیانی کی خلاف بیانی بالکل ہیچ ہے اور اس باب میں ہم وہی کچھ لکھیں گے جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان قرآن کو حق مان کر لکھ سکتا۔

مسیح استغفار ذنب سے بری بروئے قرآن

اوّل...... اگر کوئی سارے قرآن شریف کو پڑھ کر جانچے تو اس پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ اسلام کے جو پانچ اولوالعزم رسول ہیں یعنی آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ ومحمد یہ سب بجز ایک حضرت عیسیٰ کے اپنے اپنے ذنوب یعنی گناہوں کا اقرار کرتے اور اپنے رب سے مغفرت یعنی آمرزش کے طلبگار ہوتے ہیں اور اگر کوئی حضرت مسیح کی استثنائی معصومیت کا قائل نہ ہو تو وہ کچھ جواب نہیں دے سکتا کہ کیوں ان سے اقرار ذنوب یا استغفار منسوب نہیں کیا گیا۔

بروئے حدیث

دوم...... اگر احادیث صحیحہ پر غور کیا[۱] جائے کہ جن پر قرآن شریف کے بعد اسلام کا دارومدار ہے تو وہاں بھی یہی امر پیش آتا ہے۔ مثلاً حدیث شفاعت کو دیکھو جو صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ اس میں ہر نبی ’’ذکر کرتا ہے اپنی خطا کا جو اس سے صادر ہوئی اور شرماتا ہے اپنے رب سے اس کے باعث۔‘‘

’’فیذکر خطیئة التی اصاب فیستحی ربه منها‘‘

اور اسی میں حضرت مسیح فرماتے ہیں: ’’ولکن ائتوا محمداً عبداً قد غفرله ما تقدم من ذنبه وما تاخر‘‘ ’’لیکن تم لوگ محمد کے پاس جاؤ جو ایسا بندہ ہے جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ مگر اس قسم کے کوئی بھی الفاظ حدیث شریف میں مسیح سے منسوب نہیں ہوئے۔ جس سے گمان ہو سکے کہ کبھی کوئی خطا یا ذنب آپ سے بھی سرزد ہوا۔ جس کو آپ خود یا کوئی اور نبی یاد کرتا۔ بلکہ یہی روایت جو مسلم میں وارد ہوئی اس میں اس قدر حضرت مسیح کی شان میں اضافہ ہوا ہے۔ ’’ولم یذکر له ذنباً‘‘ اور ہرگز کوئی ذنب ان کے متعلق مذکور نہ ہوگا۔ خطا اور ذنب کے متعلق مرزا قادیانی کی تمام رکیک تاویلات کا رد ہو چکا ہے۔

۱؎ اس بحث میں میں نے صرف صحیح حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کی صحت میں کبھی شبہ نہیں ہوا اور امید ہے کہ اہل اسلام اس بات کا ہم سے زیادہ لحاظ رکھیں گے۔

مسیح مس شیطان سے پاک بروئے قرآن

سوم...... قرآن شریف میں صاف صاف الفاظ میں وارد ہوا کہ والدہ مریم صدیقہ نے صدیقہ کو اور نیز ان کے فرزند مسیح کو قبل تولد ہی خدا کی پناہ میں سپرد کر دیا تھا اور ان کے حق میں دعا کی تھی:

''انی سمیتها مریم وانی اعیذها بک وذریتها من الشیطان الرجیم (آل عمران)''

میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔ اسلام کی اصطلاح کے موافق قبل تولد ہی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں اس طرح سونپے جانے کے معنی سوائے پوری بے گناہی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے اور یہ مفہوم آیت کا اس درجہ برجستہ اور صاف ہے کہ آج تک کوئی ذی وقار مسلمان مفسر نہیں سنا گیا۔ جس نے اس معنی سے کبھی انکار کیا ہو اور انکار کرتا کیسے جب کہ خود صحابہؓ نے یہ ہی سمجھا کہ جو آنحضرت ﷺ کی احادیث کے خازن اور امین مانے جاتے ہیں۔

چہارم...... گویا اس آیت کی تفسیر وتشریح میں آنحضرت ﷺ کا یہ قول بھی ہے جو صحیحین میں منقول ہے۔

''مامن مولود اولاد الا الشیطان یمسه حین یولد فیسهل صارخاً من مس الشیطان ایاه الا مریم وابنها''(مشارق الانوار نمبر۹۲۹) کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس کو چھولیتا ہے شیطان پیدا ہوتے وقت۔ پس وہ چلّاتا ہے چیخ کر اس کے چھونے سے مگر مریم اور اس کا بیٹا۔ یہ ایسی مشہور حدیث ہے کہ ہر محمدی مفسر نے قرآن کی آیت متذکرہ بالا کی تفسیر میں اس کو بیان کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو کوئی مانے یا نہ مانے مگر آنحضرت ﷺ نے ایسا ضرور بتلایا ہے کہ انسانی پیدائش کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر بچہ بطن مادر سے نکلتے وقت مس شیطان میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کی پہلی چیخ کا باعث مس شیطان ہوتی ہے اور اس مس سے سوائے مریم اور مسیح کے کوئی محفوظ نہیں رہا۔ اس سے مبرّا ہونے کی خصوصیت صرف انہی دو کو حاصل ہے۔ بخلاف جملہ مفسرین اس حدیث کی تفسیر میں مرزا قادیانی یوں رقمطراز ہیں۔ میں یہاں ان کے انگریزی رسالہ نمبر۶ ص ۲۳۹ سے اردو میں ترجمہ کرتا ہوں۔ یہی مضمون اردو رسالہ ص ۲۴۷ میں بھی مختصر طور پر موجود ہے۔

مرزا قادیانی اور مس شیطان

''مسلمانوں کے درمیان ایک یہ حدیث مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان

سے مبرّا تھے۔ لیکن ان الفاظ کی تعبیر میں غلطی کی جاتی ہے اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی استثنائی جلال مریم یا اس کے فرزند کا الہام سے ظاہر ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح اور اس کی ماں پر یہود نے بڑی آزادی کے ساتھ فحش اور نہایت ہی ناپاک قسم کے بہتان لگائے تھے۔ انہوں نے شیطانی افعال ماں اور بیٹے دونوں سے منسوب کئے تھے اور انہیں کمینہ بہتانوں کی جوان کی پاک دامنی پر لگائے جاتے تھے تردید کرنے کو اور ان کو الزام سے پاک کرنے کو یہ الفاظ ابتداً استعمال ہوئے۔ یہی ایک پہلو ہے جس کے لحاظ سے یہ حدیث مریم اور اس کے فرزند کو مس شیطان سے مبرّا بیان کرتی ہے۔ یہ الفاظ دوسرے انبیاء کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور نہ ایسا کوئی گندہ الزام ان میں سے کسی پر لگایا گیا۔''

کیا یہ الجھی ہوئی تقریر ہے اور کس قدر اپنے مدّعا کے خلاف یا شاید اس کو الہام کا نقص عارض ہے اگر مس شیطان سے مبرّا ہونے کے یہی معنی ہیں کہ فحش اور نہایت ناپاک الزاموں کی تردید کی جائے تو مس شیطان میں مبتلا ہونے کے معنی بالکل اس کے برعکس ہوئے۔ کیونکہ یہاں نہ صرف یہی بیان کیا کہ مریم اور مسیح مس شیطان سے بری ہیں۔ بلکہ یہ بھی بیان کر دیا کہ ہر دوسرا بشر وقت تولد اس میں گرفتار ہو چکا ہے۔ پس یہی حدیث جو صدیقہ اور اس کے فرزند کی بریت کا حکم رکھتی ہے کل بنی آدم کے لئے فرد جرم متصور ہوگی۔ اس میں ایک امر واقعہ کا اظہار ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے بلا امتیاز مس شیطان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سوائے مریم اور مسیح کے اس سے کوئی محفوظ نہ رہا۔ پھر کیا ہم آپ کو یاد دلائیں کہ یہ حدیث یہود کی تردید میں بیان نہیں کی گئی جو فحش الزام لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو چھ سو برس قبل ہی موافق شہادت قرآن کے کلمۃ اللہ کی زبان معجز بیان سے صم بکم کر دیئے گئے تھے۔ جب انہوں نے صدیقہ سے آ کر کہا تھا: ''یا مریم لقد جئت شیاً فریا (مریم:۲۷)'' بلکہ حدیث تو ان لوگوں سے بیان ہوئی جو دلی ایمان وایقان سے مان چکے تھے کہ مریم صدیقہ ہے اور اس کا فرزند ''کلمة القها الیٰ مریم وروح منه (نساء:۱۷۱)'' اور اس میں بھی ایک قاعدہ یہ بیان کیا گیا جس کے ضمن میں مستثنیٰ کا ذکر بھی لازم آیا تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو مسیح کی پاک پیدائش قرآن سے کافی طور پر ثابت نہ ہوسکتی؟

معنی حدیث ''مامن مولود''

ہم کو اس حدیث کے معنی بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ وہ تو ظاہر سے زیادہ ظاہر ہیں اور علمائے اسلام کے درمیان اس پر کوئی نزاع نہیں۔ چنانچہ شیخ سلیمان جمل شارح جلالین

فرماتے ہیں: ’’قال علماء نا فی هذا لحدیث ان الله استجاب دعاء ام مریم وان الشیطان یتخس جمیع بنی آدم حتیٰ الانبیاء والاولیاء الا مریم وابنها ‘‘ کہا ہے ہمارے علماء نے اس حدیث کے باب میں کہ تحقیق اللہ نے قبول کی دعا والدہ مریم کی اور تحقیق شیطان مس کرتا ہے تمام بنی آدم کو حتیٰ نبیوں اور ولیوں کو بجز مریم اور اس کے فرزند کے۔

پس مرزا قادیانی صرف یہی نہیں کہ ’’یہ الفاظ دوسرے انبیاء کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ بلکہ بمقتضائے قانون پیدائش انسانی یہ الفاظ کسی کے حق میں وارد ہو ہی نہیں سکتے تھے اور حدیث میں ایک حقیقت کا اظہار ہے نہ کسی مناظرے کا اشتہار۔‘‘

حدیث کی صحت

ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ مرزا قادیانی اس حدیث کی تاویل میں جو اس طرح چوک گئے تو شاید آپ اپنے مریدوں کے روبرو اب اس کی صحت سے انکار کرنا زیادہ مناسب سمجھیں اور اس انکار کی بابت نہ ہم پیر سے مواخذہ کر سکتے ہیں اور نہ مریدان باعقیدت سے۔ کیونکہ یہ لوگ دارالامان قادیان میں رہ کر عقل ونقل کی عملداری سے باہر نکل گئے۔ مگر دوسرے مسلمانوں کی تسکین کے لئے اس قدر کہہ دینا بے موقع نہ ہوگا کہ قسطلانی شارح بخاری نے اس حدیث کی بابت فرمادیا ہے۔’’وکفٰی بصحة هذا الحدیث روایة الثقات وتصحیح الشیخین له من غیر قدح عن غیرهما ‘‘اس حدیث کی صحت کے لئے یہی کفایت کرتا ہے کہ اس کو ثقہ راویوں نے نقل کیا اور اس پر شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے صاد کیا جس کے اوپر کسی دوسرے نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

عصمت صدیقہ مریم

پنجم...... اس حدیث کی رو سے اور آیت مذکورہ بالا سے جس طرح حضرت مسیح کی عصمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح مریم صدیقہ کی بھی اور اگر یہ برحق ہے کہ مریم معصوم تھیں تو عصمت مسیح کے لئے ایک طبعی دلیل بھی ہاتھ لگتی ہے۔ انسان کی وہ فطرتی کمزوری جو اس کو گناہ کی طرف مائل کرتی ہے اس کو وراثتاً اپنے ماں باپ سے حاصل ہوئی۔ اہل کتاب کی اصطلاح میں اس کو پیدائشی گناہ کہتے ہیں اور اسی لئے حدیث میں کہا گیا:’’خطاء آدم فخطات ذریة ‘‘آدم نے خطا کی اور اسی سبب سے اس کی اولاد نے خطا کی۔ کوئی بشر نہیں جس کے دل میں یہ موروثی فسادنہ ہو۔ شق صدر کی مشہور روایت میں اس کو وضاحت سے دکھلایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو پکڑا اور اوپر سے نیچے

تک سارا سینہ چاک کر کے دل کے اندر اندرونی جوف میں سے علقۂ سوداء یعنی ایک کالے منجمد خون کا لوتھڑا نکال ڈالا جو حظ الشیطان یعنی شیطان کا حصہ تھا۔

(دیکھو مشکوٰۃ علامات النبوۃ ابن ہشام ذکر شق صدر تفسیر عزیزی الم نشرح)

اور اس حظ الشیطان کی جڑ ایسی گہری فطرت انسانی میں ہے کہ شق صدر کا عمل بھی مکرر سہ کرنا پڑا تھا۔ پس صرف ایک حضرت مسیح ہیں کہ جو اپنی پیدائش میں باپ کی طرف سے فطرۃً ہر موروثی آلائش سے مبرّا ہے اور ان کے وجود میں وہ فطری کمزوری جو انسان کے روح کو مغلوب کر کے گناہ کا موجب ہو جاتی ہے۔ کلیتہً مفقود ہوگئی اور یہ امتیاز ایسا ہے جو بجز مسیح کے کسی بشر کو نصیب نہیں ہوسکا۔

تولد بے پدری

ششم...... حضرت مسیح کی معجزانہ یعنی بے پدری پیدائش، عیسائی اس کو انجیل کی بناء پر اور مسلمان قرآن کی بناء پر مذہباً مانتے ہیں اور ان کے نزدیک دنیا میں ایسی کوئی عقلی دلیل نہیں جو الہامی دلیل سے زیادہ مضبوط اور قوی ہو۔ سید احمد مرحوم نے اس کا انکار کیا تھا اور اس میں وہ سراسر اس یورپی گروہ کے مقلد ہوگئے تھے جو شہادت کی بناء پر جملہ معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ اگر مقدس کتابوں کے بیان کو الہام کے اعتبار پر قبول نہ کر لیا جائے بلکہ محض مؤرخانہ اصول و روایت سے کام لیا جائے تو کسی نبی کا کوئی معجزہ مثل کسی اور تاریخی واقعی کے ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں۔ سید نے معجزانہ تولد کا انکار کیا اور ان دلائل کو سنا دیا جو آپ نے منکرین معجزہ سے یاد کی تھیں اور ہم کو کوئی تعجب نہیں آیا۔

مرزا قادیانی کا اقرار و انکار

مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک نیا تماشہ کیا۔ ایک طرف تو آپ سرسید کو ڈانٹتے ہیں کہ انہوں نے اس خیال کو ظاہر کیا کہ درحقیقت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے اور ایک طرف یہودیوں کے تمام اعتراض سنا کر اور حمل صدیقہ کی نظیر میں پرانوں کے قصوں اور ہندوؤں اور یونانیوں کے افسانوں کا حوالہ دے کر آپ مخالفین کے ہمزبان سوال کرتے ہیں کہ: ''کیوں جائز نہیں کہ صدیقہ کے حمل کے لئے کوئی مخفی صدیق ہوا۔''

(ریویو (اردو) ج ۲ نمبر ۴ ص ۱۵۴، اپریل ۱۹۰۲ء)

اور پھر آیت: ''لاھب لک غلٰماً ذکیاً'' سے بدظن ہوکر آپ جواباً خود فرماتے

ہیں کہ: ’’لوگوں کو اس جدید منطق کی طرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ حمل عطاء کردیا کرتا ہے۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۲ نمبر۴، اپریل ۱۹۰۲ء)

اور دوسری طرف ایک فرمانبردار طفل مکتب کی طرح گویا مار کے ڈر سے قبول کر لیتے ہیں کہ قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے۔ اسلام نے وحی الٰہی کی اطاعت سے اس قسم کے حمل کو مان لیا ہے۔ اس لئے ایمانی رنگ میں نہ کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا۔ واہ ؎

گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بینم

کس قدر مچل کے مرزا قادیانی نے اس حقیقت کو مانا ہے۔ ہم کو یہود یاد آتے ہیں۔ ’’قذ بحوھا وما کادوا یفعلون‘‘ اور اس پر بھی آپ یہ فرماتے ہیں کہ: ’’قرآن شریف کا مسیح اور اس کی والدہ پر احسان ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بند کر دی اور نہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور ان کی ماں کے چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں نے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کی طرف مائل ہو جاتی۔‘‘

(ریویو(اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۵۹، اپریل ۱۹۰۲ء)

اگر یہ منطق ہے تو کل کو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے خدا پر احسان کیا کہ اس کی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کیا ورنہ کروڑہا انسان بریڈلا کی رائے کی طرف مائل ہو جاتے۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ حق پر گواہی دینا اپنے نفس پر احسان کرنا ہوتا ہے۔ پس اس برحق اور پاک پیدائش کو مان لینا قرآن کا بھی فرض تھا۔ کیا آپ بھول گئے؟ کہ: ’’انہی بہتانوں کی وجہ سے یہود پر پھٹکار پڑی۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۸۷، اپریل ۱۹۰۲ء)

پھر کون اس پھٹکار میں حصہ لینا چاہتا؟ مگر مطلب سعدی دیگر است۔ اس پردے میں دراصل آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مسیح کی بے پدر دلالت کو مان کر خود بدولت نے عیسائیوں اور مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ خیر احسان ہی سہی۔ مگر آپ پھٹکار سے کیوں ڈر گئے۔ آپ کے سر پر تو پھٹکار نے آشیانہ بنالیا ہے۔

تولد بے پدر کا اقرار

اب جب کہ تولد بے پدری کو تمہارے ایمان نے مان لیا تو تمہارا فرض ہے کہ بتاؤ اس

راز کا مقصود اور اس کا سر اور لم کیا ہے؟ کیوں سلسلہ قانون تولد کو مسیح کی پیدائش میں معطل کر دیا؟ کیوں استقراء فطرت کو توڑ دیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ نیچر کا ایک مہمل کھیل تھا؟ اگر یہ معجزہ تھا تو پھر کیونکر ایسا بڑا معجزہ اکارت جاسکتا تھا؟ مرزا قادیانی کے پاس ہمارے ان سوالوں کا صرف یہی جواب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو منظور تھا کہ یہودی اپنی جبلی شرارتوں سے حضرت مسیح اور ان کی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور ان کو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں۔ جس سے مریم اور مسیح کو تو یہ نفع ہوا کہ: ’’حضرت مریم صدیقہ اور ان کے سعید لڑکے کو ایسے بہتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچا ہوگا اس کا اندازہ ایک شریف کرسکتا ہے۔‘‘ اور یہودیوں کو یہ نفع ہوا کہ انہیں بہتانوں کی وجہ سے یہود پر پھٹکار پڑی۔ (ریویو(اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۵۸، اپریل ۱۹۰۲ء)

اور ایسا فعل شان کبریائی کے تو ہرگز شایاں نہیں ہے۔

مرزا کی مشکل

آپ فرماتے ہیں کہ: ’’اس جگہ پادری صاحبان کے لئے بڑی مشکل ہے۔‘‘ کہنا یہ چاہئے تھا کہ اہل اسلام کے لئے بڑی مشکل ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مشکل صرف آپ کو ہے۔ ہماری مشکل تو حل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ولادت نے مولود میں ایک روحانی قوت دے دی۔ اس میں آدم کے خطا کا سلسلہ منقطع کر دیا اور موروثی کمزوریوں سے بالکل آزاد کر کے اس حظ الشیطان کو جو نسلاً بعد نسل باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا چلا آتا تھا، ابن مریم میں معدوم کر دیا۔ جس کا نتیجہ ان کی بے گناہ و بے ذنب زندگی میں بمصداق ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

روشن ہو رہا ہے اور جب یہ پیدائش جس نے قانون فطرت کو توڑ دیا اتنی بڑی ذاتی برکت کا باعث ٹھہری کہ مسیح معصومیت میں فرو ثابت ہوئے تو نفع سراسر مریم اور ابن مریم کے ہاتھ رہا۔ جن میں سے روحانی فیض کے چشمے بنی آدم کی سیرابی کے لئے آج تک جاری ہیں اور آخر تک جاری رہیں گے اور یہودیوں کی ’’شرارت وخباثت‘‘ سے ان کو سر مو گزند نہیں پہنچا۔ مقدسہ مریم فرماتی ہیں۔ ’’اب سے لیکن ہر زمانہ کے لوگ مجھ کو مبارک کہیں گے۔‘‘ (لوقا:۱:۴۸)

چنانچہ آسمان پر تو ملائکہ پکار رہے ہیں۔ ’’ان اللہ اصطفک وطھرک (آل عمران:۴۲)‘‘ اور ایک جہاں جس میں تمام مسلمان اور تمام عیسائی شامل ہیں ان کی پاک دامنی کی قسم کھا رہا ہے۔ پھر یہ مٹھی بھر یہودی جن پر ان کی گستاخی کی وجہ سے اللہ کی مار بھی پڑ چکی کس منہ

سے کسی ایمان دار کے سامنے زبان کھول سکتے ہیں۔ ہاں! قادیان میں ان کا کچھ زور ہو تو ہو جس کا دارومدار یہود کی تعلیم پر ہے۔

تولد بے پدری کی نظیر مفقود

مسیح کے تولد بے پدر کو مان کر مرزا قادیانی نے اپنی مشکلوں کو خوب بڑھا رکھا ہے۔ آپ ہم کو سناتے ہیں کہ پہلے انسان کے باپ وماں دونوں نہ تھے اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ صدہا کیڑے بغیر ذریعہ ماں باپ کے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت مسیح کی ولادت میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یونانی اور ہندی طبیبوں نے اس کی نظیریں دی ہیں کہ کبھی انسان محض ماں کے مادہ سے بغیر باپ کے نطفہ کے پیدا ہوسکتا ہے۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۲ ص۶۷،۶۸، فروری ۱۹۰۲ء)

ہم انکار کرتے ہیں کہ کبھی کوئی انسان بلا ماں باپ کے پیدا ہوا اور خود تم کو بجز اس اقرار کے چارہ نہیں کہ: ''جس بات کی ہم تلاش میں تھے۔ یعنی یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اس کی نظیر یقینی طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہمیں نہیں مل سکی۔'' (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۵۳، اپریل ۱۹۰۲ء)

اب رہے کیڑے جو آپ کو ستا رہے ہیں۔ اگر حق ہے تو قانون فطرت یہ ٹھہرا کہ اس قسم کے کیڑے ہمیشہ بلا ماں باپ پیدا ہوا کریں۔ ان کو انسانی تولد کے قانون سے کیا مناسبت؟ یہ سبق شاید قادیان کے مدرسۃ العلوم میں پڑھایا جاتا ہو کہ چونکہ بعض کیڑوں کی پیدائش کا قانون بلا ماں باپ کے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے بعض انسان بلا باپ صرف ماں سے پیدا ہوئے۔

پیدائش آدم

پہلا انسان جو بے ماں باپ پیدا ہوا وہ مسیح کے تولد کی نظیر نہیں ہوسکتا اور ہم تم کو سمجھا دیں کہ کیوں؟ تکوین جنس کا قانون ایک ہے جس سے کوئی جنس صفحہ ہستی پر موجود ہوتی ہے اور ترقئ جنس کا قانون دوسرا جس سے ایک جنس کے افراد زمین پر بڑھتے ہیں۔ جب پہلا انسان موجود ہوگیا جیسے کسی جنس کا پہلا درخت یا پہلا حیوان تو اب بقائے جنس کا قانون جاری ہوا کہ درخت بیج سے اور حیوان ماں باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا رہے۔ کس صفائی سے قرآن فرماتا ہے: ''**بدأ خلق الانسان من طین** (سجدہ:۷)'' ''شروع انسان کی پیدائش مٹی سے ہے۔'' ''**ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماءٍ مھین** (سجدہ:۸)'' ''پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے پانی بے قدر سے۔ پس اگر بقول تمہارے حضرت مسیح کی ولادت میں کوئی خصوصیت نہیں تو وہ کیوں ترقئ جنس یعنی افزائش نسل آدم کے اٹل قانون کے تابع نہیں رکھے گئے؟ کیوں وہ بھی ماء مہین ذلیل وخوار

پانی سے نہیں پیدا کئے گئے؟ کیوں قانون ولادت ٹوٹا؟ نیچر کی یہ کیا دل لگی تھی؟ ہم کہتے ہیں کہ مسیح آدم ثانی ہے اور ایک نیا مخلوق اور اس کی پیدائش کو آدم کی پیدائش پر بوجوہ فضیلت حاصل ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق آدم کو اللہ نے اس طرح خلق کیا کہ اس کے جسم کو ''من صلصال من حما مسنون (حجر:۲۸)'' خشک کھنکھناتی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے نکالی گئی تھی بنایا۔ (حسینی) اور یہ مشت خاک آدم کے لئے گویا بجائے مادر کے متصور تھی اور بالکل بے حقیقت تھی۔ آخر خاک تھی جس سے کم قدر کوئی شئے عالم سفلی میں نظر نہیں آتی اور اسی کثیف اصل کے عذر پر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس خاک کے پتلے کو جو کچھ شرف حاصل ہوا وہ صرف اس روحانی مناسبت سے کہ اللہ نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ ''ونفخت فیه من روحی (حجر:۲۹)'' اور یہی نفخ روح پیدائش آدم میں باپ کی جگہ متصور ہے۔

مسیح آدم ثانی

مگر اللہ پاک نے پسند نہ کیا کہ آدم ثانی کے کالبد کو اسی حقیر صلصال سے بنائے جس سے آدم پیدا ہوا تھا۔ یا اس ماءٍ مہین سے بنائے جس سے مثل آدم کی پیدائش ہوئی۔ بلکہ اس نے اس کے مادے کو جسم اطہر صدیقہ میں لطیف ونظیف بنایا اور اس میں ایسی برکت رکھی کہ وہ ہر کدورت سے پاک ہوگیا۔ آدم کا جو خاک کا کالبد بنایا تھا وہ شیطان کے تصرف سے نہیں بچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اہل اسلام میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اللہ نے آدم کا پتلا بنا کر چالیس برس تک زمین کعبہ میں ڈال رکھا تھا تو شیطان آیا اور اس کے تمام اعضاء کا امتحان کیا۔ پھر اس نے لات مار کر اس کو ٹھنکایا اور اس کے منہ سے گھسا اور پیٹ وسر میں خوب گشت کرتا ہوا ناک کی راہ نکل آیا۔ دیکھو طبری فارسی اور تفسیر عزیزی۔

بطن اطہر صدیقہ

مسیح کے جسم کو خدا نے ایک برتر طریقہ پر خلق کیا۔ قرآن کہتا ہے کہ اس نے پہلے مریم کو پیدا کیا۔ درآنحالیکہ بطن مادر سے وہ خدا کے سپرد کی گئیں۔ پھر خدا نے ان کی حفاظت کی ایسی کہ شیطان پاس نہ آنے پایا نہ ان کو چھو سکا۔ نشوونما انہوں نے خدا کے گھر یعنی ''مسجد الاقصیٰ الذی برکنا حوله'' میں پائی۔ ان کی تعلیم وتربیت پر صالح نبی زکریا مامور ہوا۔ آسمانی خوراک ''رزقاً من عند الله'' سے ان کی پرورش کی گئی۔ فرشتوں نے ان کی خدمت کی اور ان کو پاک کیا۔ حتیٰ کہ خدا نے ان کو اپنا کرلیا اور تمام نساء العالمین پر سرفراز کیا۔ (کیا تھی قادیان میں کوئی

مردار بڑھیا جو صدیقہ کے مقابلے میں کہہ دے کہ میں نے تجھ سا پوت جایا ہے؟)

اسی کے بطن اطہر سے جو ہر لوث سے منزہ تھا خدا نے کسی نامعلوم روحانی عمل سے اپنے کلمہ کا جسمانی لباس بنایا۔ بھلا اس کو شیطان کیسے چھوتا؟ یہ فضیلت آدم کو کب نصیب ہوئی۔ آدم کے کالبد کو مسیح کے کالبد سے کیا مشابہت؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ دیکھو آدم جنت میں رکھے گئے۔ مگر ان کو وہاں سے اترنا پڑا۔ مسیح زمین پر رکھے گئے اور ان کو رفع سماوی ہوا۔ پھر روحانی مناسبت جو آدم کو حاصل تھی وہ سب مسیح میں بدرجہ اتم موجود ملتی ہے۔ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہے۔ اب چاہے اس کو...... کلمتہ اللہ کہو چاہے روح اللہ۔ اللہ کے ساتھ اس پاک وجود کو جو بے مثل تعلق وواسطہ حاصل ہے اس کے اظہار کے لئے انسان کی زبان تو قاصر ہے اور کچھ ایسے ہی الفاظ بے ساختہ موزوں ہو جاتے ہیں جن کے معنی اس سے بہت زیادہ ہیں جو لوگ آج تک بیان کر سکے۔

مسیح آیت اللہ

مجھ کو یہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ جیسی عجیب وغریب یہ پاک پیدائش تھی اسی کے بالکل مناسب ویسی ہی عجیب وغریب اس مولود کی ساری زندگی بھی ہوئی۔ اس کا ہر دم معجزہ تھا ہر قدم آیت اللہ۔ وہ اب بھی زندہ وقائم ہے اور بڑی تجلیات کے ساتھ آسمان سے نزول فرمائے گا اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ آپ ہی اپنی مثل ہے۔

که عدیم است عدیلش چو خداوند کریم

اور گو آپ خداوند تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اور ہزاروں حلف اٹھا اٹھا کر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کریں اور زندگی بھر جھوٹ بولیں کہ مسیح سے بڑھ کر یہاں معجزات ظاہر ہو رہے ہیں اور ہمیشہ رٹا کریں کہ مثیل عیسیٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسیٰ سے بڑھ کر ہے۔

(ریویو (اردو) ج انمبر ۵ ص ۲۱۹، ۲۲۰، مئی ۱۹۰۲ء)

مگر ہم آپ کی قسموں کے جواب میں یہی کہیں گے: ’’لا تطع کلّ خلاف مهین‘‘

سقیم قادیان

کیونکہ ہم کو اور سارے جہاں کو خوب معلوم ہے کہ آپ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کشمیر کے سری نگر میں محلہ خان یار کی خاک چھانیں اور بالآخر ذیابطس واسہال کی بیماری بدن کے نیچے حصے میں اور دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصے میں۔

(ریویو (اردو) ج انمبر ۹ ص ۳۴۶، ستمبر ۱۹۰۲ء)

لئے ہوئے آپ اسفل اوراعلیٰ کی ہزار مکروہات کے ساتھ جس خاک سے نکلے تھے اسی سے جا ملیں۔اے کاش آپ کا سر اس قدر نہ پھر جاتا اور شاید اسی دن کے لئے کسی نے کہا تھا ؎

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہیں

ہفتم...... لوگوں نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ انسان کیونکر معصوم ہوسکتا ہے؟ ملک ہند کے سب سے بڑے محدث عالم شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اس سوال کو اٹھایا تھا اور اس کا جواب بھی دینا چاہا۔آپ فرماتے ہیں کہ:''**والعصمة لها اسباب ثلثة ان يخلق الانسان نقياً عن الشهوات الرذيلة...... وان يوحى اليه حسن الحسين وقبح القبيح...... وان يحول الله بينه وبينما يريد من الشهوات الرذيلة (حجة الله البالغه)** ''یعنی عصمت کے لئے تین اسباب ہوسکتے ہیں:

۱...... یہ کہ انسان شہوات رذیلہ سے پیدا ہی پاک کیا جائے۔

۲...... یہ کہ وحی سے اس کو نیکی کی خوبی وبدی کی برائی کا علم بخشا جائے۔

۳...... یہ کہ حائل ہوجائے اللہ درمیان اس کے اور اس کے ارادوں کے جو شہوات رذیلہ سے پیدا ہوں۔

اسباب عصمت جو مسیح میں بہم ہوئے

اگر ہم اس کو مان لیں تو اس معیار سے بھی حضرت مسیح عصمت میں منفرد ثابت ہوتے ہیں۔ پہلا سبب سوائے آدم کے کسی کو حاصل نہ تھا...... آدم کے بعد اور جو سب اس کی صلبی اولاد سے ہوئے **خطاء آدم فخطأت ذريته** کے حکم میں داخل ہوکر خاطی ہوتے آئے۔مگر ہم مسیح کی معجزانہ پیدائش کی بحث میں بدلیل دکھلا چکے کہ یہ سبب بدرجہ کمال مسیح کی ذات کو حاصل تھا۔

نبوت مادرزاد

دوسرا سبب وحی پر منحصر ہے اور وحی یوم ولادت سے کسی کو نہیں پہنچی سوائے حضرت مسیح کے۔

۱...... آپ نفخ روح ہوکر بطن مادر میں تشریف لائے۔

۲...... کلمۃ اللہ ہوکر زمین پر ظہور پرنور فرمایا۔

۳...... آغوش مادر میں آتے ہی نبوۃ کا ڈنکا بجادیا۔''**انى عبدالله آتٰنى الكتاب وجعلنى نبياً (مريم:۳۱)** ''میں بندہ ہوں اللہ کا جو مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا۔

۴...... تکلم فی المہد آپ کا معجزہ نبوت تھا۔علاوہ اس کے اور بھی طفلی کے معجزات ہیں۔ان

باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نبی مادرزاد ہیں۔ جیسا کہ کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ پس یہ دوسرا سبب ہمیشہ سے آپ کو حاصل رہا۔

تیسرا سبب ایسا ہے کہ بہت سے خدا کے بندوں میں عام ہوسکتا ہے اور جس کی نسبت جس قدر شہادت بہم پہنچ جائے اس کو اسی حد تک گناہ سے محفوظ مان سکتے ہیں اور یہ ایسا سبب ہے جو اسی شخص کو درکار ہوسکتا ہے جس کو پہلے دو سبب حاصل نہ ہوں۔ اگر کسی درجہ یہ سبب انبیاء کو حاصل تھا تو وہ ان کو حقیقی معنی میں معصوم نہ کرسکا۔ کیونکہ اقرار ذنوب واستغفار اس کے منافی ہیں۔ مگر مسیح کو علاوہ پہلے دو سببوں کے ایک اور برکت بھی حاصل تھی۔ اگر اس کو دوسرے سبب میں شامل نہ کریں وہ تیسرے سبب کی جگہ کسی نہایت اعلیٰ مرتبے پر متصور ہوتی ہے۔ ''ایّدناہ بروح القدس'' مدد دی ہم نے اس کو روح پاک سے۔

اہل اسلام اس آیت کے معنی خوب جانتے ہیں اور مرزا قادیانی کو اس کا بڑا اقلق ہے۔ آپ اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں لکھتے ہیں: ''اس کی تفسیر میں تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ روح القدس ہر وقت قرین اور رفیق حضرت عیسیٰ کا تھا اور ایک دم بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ دیکھو تفسیر حسینی، تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی معالم ابن کثیر وغیرہ اور مولوی صدیق حسن فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں...... لکھتے ہیں۔ ''جبرائیل ہمیشہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتا تھا اور ایک طرفۃ العین بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ ہی آسمان پر گیا۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۰۴،۱۰۵، خزائن ج۵ ص ایضاً)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''بالجملہ تائید بروح القدس بہر معنی کہ باشد از مخصوصیات ایشاں بود۔ یعنی حاصل کلام تائید روح القدس چاہے اس کے کچھ ہی معنی کیوں نہ ہوں حضرت مسیح کی خصوصیات سے ہے۔''

خصوصیات مسیح

اس تمام تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسیح کی عصمت کی خصوصیت میں مرزا قادیانی نے جو کچھ کلام کیا تھا وہ سراسر قرآن وحدیث کی ضد میں تھا اور جو علماء اسلام کہتے تھے بالکل حق نکلا کہ: ''مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں بے مثل ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اس میں پائی جاتی ہیں اس کے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلیٰ درجہ پر گناہوں سے پاک ہے۔ شیطان

نے اس کی پیدائش کے وقت اس کو چھوا نہیں اور کوئی شیطان کی مس سے نہ بچ سکا۔ مگر ایک مسیح...... اور جب حضرت مسیح کی زندگی کے حیرت افزا عظیم الشان واقعات پر ایمان کی نظر سے غور وفکر کیا جاتا ہے۔ درگاہ سرمدی میں اپنی والدہ صدیقہ کی بے نظیر مقبولیت ان کا بے پدر تولد، ان کے معجزات بیّنات، ان کا صعود آسمانی، ان کی حیات، ان کا دوبارہ بڑے جلال ونصرت کے ساتھ نزول، ان کا بطور حاکم عادل کے قیام، تو ہم کو کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ گو مرزا قادیانی ساری عمر اس پر رویا کریں کہ اہل اسلام نے ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ وہ فرشتہ ہے انسان نہیں۔''

عظمت روح اللہ

''اور بعض نے کہا کہ وہ ایک کلمہ اور روح اللہ ہے۔ اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں...... پس وہ ہر ایک فرشتہ اور ہر ایک مخلوقات سے افضل ہے۔ یہ تو بعض علماء کا قول ہے۔ مگر صاحب کتاب ''انسان کامل'' عبدالکریم جو متصوفین میں سے ہے اس بارے میں حد ہی کر دی اور کہا کہ تثلیث ایک معنی کے رو سے حق ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں اور عیسیٰ ایسا ہے اور ایسا ہے۔ بلکہ اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے۔''

(نور الحق ص ۴۹، ۵۰، خزائن ج ۸ ص ۶۷، ۶۸)

کیا حیرت ہے کہ جب انہوں نے دنیا میں ایک ایسے فوق الانسانی وجود کا مشاہدہ کیا جو قدرت الٰہیہ کا ایسا بین مظہر تھا اور اس کو ایسے روحانی اوج اور بلندی پر دیکھا جس تک کوئی مخلوق کبھی پہنچ نہ سکا اور جس کے اوپر سوائے خالق کونین کے کوئی نظر نہیں پڑا تو ان کی نگاہ خیرہ ہوگئی اور بے خودی کے عالم میں جہاں مناظر ومکابر اپنے تئیں گم کر دیتا ہے۔ یہ لوگ وہ کچھ کہہ گئے جو کہے گئے اور کیوں کر نہ کہتے؟ ان کو تو خدا لگتی کہنا تھی۔ عیسائیوں کی ضد میں اپنا ایمان برباد کرنا منظور نہ تھا۔ آپ کو اس کا صدمہ ضرور ہے۔ مسیح کی یہ عظمت وشان دیکھ کر تم کو جو اپنے تئیں مثیل مسیح کہتے ہو اپنی ذلیل وخوار ہستی سے کیسی گھن آتی ہوگی؟ کیا عجب کہ تمہارے سینے میں کینے کی آگ بھڑک اٹھی اور مغز استخواں کو جلائے ڈالتی ہے۔ اس عناد کا علاج تو سعدی نے بتایا ہے۔

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجست
کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

۴...... عصمت مسیح از اناجیل ...... معہ رد شبہات

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اوّل مرزا کا طریق عمل

روح اللہ کی عصمت مطلق پر قرآن وخبر کی ایسی بیّن شہادت موجود ہوتے ہوئے کون مسلمان ہے جس کو اپنے ایمان کا پاس ہو اور پھر بھی وہ آپ کی شان کے خلاف زبان ہلائے یا اپنی بے ادبی کی معذرت کرنے سے شرم نہ کرے۔ مگر مرزا قادیانی کو دیکھو آپ کہتے ہیں: ''کاش پادری صاحبان خدا کے پاک نبیوں کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین وتحقیر اور عیب گیری نبی ﷺ سے مسلمانوں کا دل نہ دکھاتے۔ تا مسلمان بھی یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے اور خود انجیلوں میں سے بھی حضرت مسیح کے عیبوں کی تفتیش نہ کرتے۔ یہ گناہ درحقیقت پادری صاحبان کی گردن پر ہے۔''

(ریویو(اردو) ج۱نمبر۳ص۱۱۷، مارچ ۱۹۰۲ء)

اس منطق کا ماحصل یہ ہے کہ پادریوں نے آنخضرت ﷺ کی توہین اور تحقیر کر کے مسلمانوں کے دل دکھائے۔ اس لئے مسلمانوں کو واجب ہوا کہ یہود کے ساتھ مل کر حضرت مسیح کی توہین اور تحقیر کر کے خود اپنے مسلمان بھائیوں کے دل دکھائیں اور گنہگار ہو جائیں اور چونکہ ''ہزاروں کتابیں پیغمبر اسلام کی توہین میں شائع کی گئیں۔''

(ریویو(اردو) ج۱نمبر۸ص۳۰۷، اگست ۱۹۰۲ء)

پس مسلمانوں نے بھی اسلام کے ایک اولوالعزم نبی کی توہین میں ایک کتاب شائع کر دی۔ کیا خوب آپ نے پادریوں کی اصلاح کی۔ گویا مرزا کہتا ہے۔ اے پادریو! مسلمان ہو کر میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکا۔ پس اب اسلام ترک کر کے یہودی اور زندیق بن کر تمہارے مقابلے کو آتا ہوں۔ یعنی تمہارا شگون بگاڑنے کو اپنی ناک کاٹتا ہوں۔

آفریں بردست وبربازوے تو

گو ہم مسلمانوں کے دل دکھانے والوں کے لئے معذرت نہیں کرتے۔ مگر اس قدر کہہ دینا بے موقع نہیں کہ جن کے دل دکھے ان کو خود معلوم ہو گیا کہ مخالفوں کو اشتعال دینے والا قادیان کا ملّا اور اس کا مکتب تھا اور اس کی گردن پر اس گناہ کی مناسب جگہ ہے۔

مرزا قادیانی کی اس تقریر سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ عیسائی تو عدم عصمت انبیاء

میں بالکل نیک نیتی سے بحث کرتے ہیں اور دلیل میں ان کتابوں کو پیش کرتے ہیں جو اہل اسلام کی مسلمہ ہیں۔ مگر مرزا قادیانی محض ضد پر تلا ہوا ہے اور یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے صرف ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جس کو نہ خود مانتا ہے اور نہ اس کے مخاطب اور یہ ایک ایسا شرمناک مکابرہ ہے جس کو کوئی اہل حق جائز نہیں رکھ سکتا اور شاید اسی لئے مرزا قادیانی نے اختیار کیا ہے۔

ہم نے آج تک نہیں سنا کہ مسیح کے حق میں یہود کی بدزبانی اور بدگمانی کا جواب کسی عیسائی نے حضرت موسیٰ کو برا بھلا کہہ کر دیا ہو یا کسی ایمان دار سنی نے صحابہؓ کی حمایت میں شیعوں کا جواب دینے کے لئے حضرت علیؓ کو گالیاں دی ہوں۔

مولوی سید احمد حسن شوکت اس چال کو تاڑ گئے اور سچی اسلامی غیرت سے لکھتے ہیں:

”وہ لوگ کسی قدر قسی القلب ہیں جو عیسیٰ جیسے اولوالعزم نبی کو برا کہتے ہیں جن کی عظمت ورفعت وقربت اور جن کی والدہ ماجدہ کی عفت وعظمت کی گواہی خود قرآن مجید نے دی...... برخلاف اس کے مردود قادیانی عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں دے کر دوزخ کا کندہ بنتا ہے اور اپنے کو عیسیٰ مسیح سے بہتر بتلا کر دارالبوار کو اپنا مسکن بناتا ہے...... کوئی حکمت عملی کوئی مصلحت ضرور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آنحضرت ﷺ پر کھلم کھلا سب ولعن نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ ضمناً اور معنی کل انبیاء پر سب ولعن ہو چکا ہے۔ کیا معنی کہ جس شخص نے ایک نبی عیسیٰ مسیح کو گالی دی اس نے قرآن کا خلاف کیا اور تمام انبیاء کو گالی دی۔“ (ضمیمہ شحنہ ہند مورخہ ۱۶؍مئی ۱۹۰۳ء)

حضرت خضر پر نکتہ چینی

اور بات بھی ایمان کی یہی ہے کہ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ سوانح مندرجہ اناجیل کی بناء پر حضرت مسیح کی عصمت پر حرف گیری کرے۔ جب قرآن کی شہادت سے وہ ان کو ایسے اعلیٰ درجہ پر معصوم مان چکا تو اس کا فرض ہے کہ اگر کوئی وسوسہ کسی قول سے اس کے دل میں پیدا بھی ہو تو وہ تاویل کر کے اس کو قرآن کے مطابق کرے اور خود معترض کو جواب دے۔ دیکھو حضرت خضر نے ایک بچہ کو مار ڈالا اور گو قتل انسان بلا قصاص ہر حال میں حرام ہے تاہم اس فعل پر حضرت موسیٰ کو بھی اعتراض کرنے کی مجال نہیں تھی اور اس کی ایسی تاویل کی جاتی ہے جو اس فعل میں حضرت خضر کے بے خطا ہونے کی منافی نہ ہو۔ پھر کیونکر کوئی مسلمان حضرت مسیح کے کسی عمل پر اعتراض کر سکتا ہے۔ گو اس کا سر اس پر پوشیدہ بھی ہو۔

مرزا قادیانی کی مفروضہ امامت

حاشا ہم مرزا قادیانی کو اپنا صحیح مخاطب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس کے خیالات مسلمانوں

کے مقبول نہیں۔ وہ ایک گمنام دینی خانہ بدوش گروہ کا پیشوا ہے جس کی مخصوصہ مسلمانی کا لب لباب مسیح کو الیاں دینا، مرزا قادیانی کو مسیح موعود اور مہدی مسعود کہنا اور چاروں طرف ڈینگ مارنا ہے۔ عمر بھر تو آپ نے قرآن پڑھا۔ مگر سمجھے اتنا بھی نہیں جتنا کبیر داس سمجھے تھے۔ پھر انجیل نہ سمجھنے کی اس سے کیا شکایت۔ وہ تو آپ کے تعلیمی نصاب میں بھی داخل نہ تھی۔ آپ کی انجیل دانی سری کیول رام کلنک اوتار کی قرآن دانی سے کچھ زیادہ ہے اور برہمچاری دھرم پال جی بی اے عرف عبدالغور کی قرآن دانی سے کچھ گھٹ کر۔ ایک آریہ دوست نے ان صاحب کا رسالہ ترک اسلام مجھ کو نذر کیا۔ جب حور کی پیدائش پر میں نے ان کے اعتراض سنے تو مجھ کو ہنسی آئی اور یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ اعتراض کرنا مرزا قادیانی نے برہمچاری جی سے سیکھا۔ یا انہوں نے مرزا قادیانی سے۔ ہر کتاب ایک ہی اصول تفسیر کی محکوم ہے جو اصول مرزا نے قرآن کی تفسیر کا بیان کیا بجنسہ وہی اصول انجیل کی تفسیر کا ہے اور ایک حق پسند شخص تھوڑے صبر و دیانت سے صحیح معنی تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس مضمون پر ہم نے یہاں قلم اٹھایا اس سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ جو لوگ شریر دشمنوں کے شبہات کی وجہ سے کسی شبہ میں پڑ گئے ہوں اس سے نکل آئیں۔ ورنہ مرزا قادیانی کے ہر سخن سے روح اللہ کے ساتھ اس کی قلبی عداوت و نفرت ٹپکتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا سارا بیان ہذیان ہے اور جواب کا مستحق نہیں۔

مرزا قادیانی کا مسیح کے حق میں حسن ظن

بعض اقوال آپ کے قابل شنید ہیں۔ ’’ہماری راست پسندی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم گواہی دیں کہ حضرت مسیح کا ایک نیک خلق بھی عقلی طور پر ثابت نہیں ہوسکتا۔‘‘ (ص۷۱)

تاریخی واقعات کے ذریعہ سے ایک ذرہ بھی اخلاقی نیکی ان کی ثابت نہیں ہوسکتی۔

(ص۷۲)

ایک فاضل یہودی نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ انسان درحقیقت ایک دنیا پرست اور مکار تھا جس سے نہ کوئی معجزہ ہوا نہ پیشین گوئی سچی نکلی۔

(ریویو (اردو) ج۱ نمبر۵ ص۲۱۴، مئی ۱۹۰۲ء)

(آپ کی زبان پر یہ نعوذ باللہ بھی کیسا بے محل آیا) پھر آپ حضرت مسیح کی عصمت پر ’’شریر دشمنوں‘‘ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۳ ص۱۲۴، مارچ ۱۹۰۲ء) شریر یہودیوں (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۵۷، اپریل ۱۹۰۲ء) عیسائی قوم کے نکتہ چینیوں (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۶۷، اپریل ۱۹۰۲ء) اور فرقہ فری تھنکر یعنی دہریہ جو لنڈن میں موجود ہے۔ جو خدا کی ذات کا منکر روح کی بقاء کا منکر اور

معاد کا منکر بریڈلا دہریہ کا پیرو ہے۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۶۵، اپریل ۱۹۰۲ء) ان سب لوگوں کے اعتراضات بڑے مزے سے انہیں کی زبان میں بیان کر کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس قدر گستاخی سے حضرت مسیح اور ان کی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شماری کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے وہ باتیں نہیں نکل سکتیں۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۴ ص۱۶۰، اپریل ۱۹۰۲ء)

اور پھر بھی وہ باتیں آپ کے قلم سے بڑی تفصیل کے ساتھ نکلیں اور آپ کو نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کا مہدی ہونے کا دعویٰ ہے۔

سر تسلیم ختم

ادھر تو وہ شوراشوری اور ادھر یہ بے نمکی ملاحظہ فرمائیے۔ اس تمام نقل کفر کے بعد آپ دنیا کو اپنے مریدوں کی طرح بے وقوف سمجھ کر فرماتے ہیں۔ ”ہم نے یہ طویل عبارات اس واسطے نقل کی ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا ان اعتراضات کا حوالہ دینے سے کیا تھا۔“

اور آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم نے یہ طریق اس لئے اختیار نہیں کیا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کو ایک برا آدمی ثابت کیا جائے۔ کیونکہ ہم اس کو خدا کا ایک راست باز رسول سمجھتے ہیں۔ (یہ تو عین بندہ نوازی تھی) ”ہمارا مطلب صرف عیسائی مشنریوں کو شرم دلانا ہے۔“

(ریویو (اردو) ج۱ نمبر۸، ستمبر ۱۹۰۳ء)

اے کاش تھوڑی سی شرم مشنریوں سے آپ بھی مانگ لاتے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب ان اعتراضات کے طوماروں سے خود تمہارے نزدیک حضرت مسیح ایک برے آدمی ثابت نہ ہو سکے اور تم ان کو برابر خدا کا ایک راست باز رسول سمجھتے ہی رہے تو پھر ان کو کسی عیسائی یا مسلمان کی نگاہ میں کیا وزن حاصل ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیوں ان مردود اعتراضوں کی تردید کرنے کی تکلیف گوارا کریں گے؟ آپ نے غلطی کی اگر بجائے ”شریر یہودیوں“ کے اعتراض سنانے کے آپ شریر مسلمانوں کے ایسے اعتراض ایک جگہ جمع کر کے ہم کو سناتے جو آپ کے اور قادیان کے مسلمانوں کے مسلمہ ہوں تو ہم خوشی سے ان کی تردید کرتے۔ پھر کیا دراصل آپ کو یقین ہے کہ لوگ آپ کے اس لغو قول کو باور کر لیں گے کہ میں شریر انسانوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راست باز پر ”بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہوں۔“ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۳ ص۱۲۴، مارچ ۱۹۰۲ء)

بہرحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان بڑے بڑے اعتراضوں کی جن میں مرزا قادیانی

مسیح کے ’’شریر دشمنوں‘‘ کے ساتھ متفق معلوم ہوتے ہیں اس جگہ بطریق ایجاز تردید کریں اور اس کی پروانہ کریں کہ بعد میں وہ کہہ دیں گے کہ یہ اعتراض تو ہمارا نہ تھا۔ ہم مسلمان اس کو کب مانتے تھے وہ تو ایک فاضل یہودی یا فری تھنکر کا تھا۔

دوم...... مسیح کا دعویٰ عصمت:

۱...... جس طرح قرآن وحدیث میں ہم مسیح کو کبھی اقرار ذنوب یا استغفار کرتے ہوئے نہیں پاتے۔ اسی طرح صحف اناجیل بھی اس باب میں بالکل ساکت ہیں۔ مسیح کے تمام مشرح حالات زندگی۔ ان کی دعائیں۔ ان کے وعظ۔ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ ان کے مکالمے سب مندرج ہیں۔ مگر ایک حرف ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلا۔ جس سے گمان بھی ہو سکے کہ اپنی نسبت ان کو کسی خطا یا عدول حکمی کا شبہ بھی رہا۔ وہ ہر ایک ایماندار کا فرض بتلاتے ہیں کہ خدا کے سامنے اقرار کرے کہ جس طرح ہم اپنے قصورواروں کو معاف کرتے ہیں تو ہمارے قصور معاف کر۔ مگر وہ کبھی اپنے کسی قصور کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔ ’’لم یذکر له ذنب‘‘ یہاں بھی ان پر صادق آتا ہے۔

من آنم کہ من دانم

۲...... انسان اپنی نیکی ہو یا بدی کچھ آپ ہی خوب سمجھتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ من آنم کہ من دانم۔ اگر اس معیار سے ہم حضرت مسیح کی زندگی کو جانچیں اور ان کے اپنے ضمیر کے حق میں خود ان کی گواہی سنیں تو یہ مسئلہ بالکل حل ہو جاتا ہے۔ ان کو ’’زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔‘‘ (متی:۹:۶)

مگر اپنی نسبت وہ اپنے دشمنوں کو علانیہ تحدی کرتے ہیں: ’’تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے۔‘‘ (یوحنا:۸:۴۶)

وہ صم وبکم رہ گئے تو خود فرمایا: ’’میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو اسے پسند آتے ہیں۔‘‘ (یوحنا:۸:۲۹)

’’میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں۔‘‘ (یوحنا:۵:۳۰)

’’میں اپنے رفیقوں کو جو شب وروز آپ کے چشم دید گواہ تھے ان کی تسلی کے لئے یاد دلاتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا اور اس کی محبت میں قائم ہوں۔‘‘ (یوحنا:۱۵:۱۰)

’’اور دعا میں اپنے خدا کو مخاطب کر کے جو دلوں کے بھید جانتا ہے نہایت اطمینان قلب

کے ساتھ عرض کرتے ہیں۔ جو کام تو نے مجھے کرنے کو دیا تھا اس کو تمام کر کے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا۔‘‘ (یوحنا:۱۷:۴)

پلاطوس کی شہادت

۲…… ’’پلاطوس ایک ایسا حاکم تھا جس کے سامنے تمام رطب ویابس شہادت جو مسیح کے جانی دشمن اس کے خلاف پیدا کر سکتے تھے بڑے شدومد کے ساتھ لائی گئی تھی اور وہ تاکید سے یہودیوں سے پوچھتا رہا تھا۔ کیوں! اس نے کیا برائی کی ہے؟‘‘ (مرقس:۱۵:۱۴)

’’تو دشمن لاجواب رہے اور جب پلاطوس نے شہادت کو جانچا تو برملا یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ: ’’میں اس کا کچھ جرم نہیں پاتا۔‘‘ (یوحنا:۱۸:۳۸)

دشمن جان کی شہادت

۴…… یہودا اسکریوطی جو اپنے گناہ کے لئے طرح طرح کے عذر وحیلہ ڈھونڈھتا تھا۔ اس کے ضمیر نے بھی اس کو ملزم ٹھہرایا اور زندگی کو ناقابل برداشت بنادیا۔ کیونکہ وہ شب وروز مسیح کے ساتھ رہ چکا تھا اور اپنی آنکھوں سے اس کی آسمانی زندگی دیکھے ہوئے تھا۔ آخر بڑے صدق دل سے دل واپسین کے ساتھ اس نے یہ شہادت ادا کی۔ میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا۔

(متی:۲۷:۴)

اہل عصر کی شہادت

۵…… پھر ان تمام معاصرین کی شہادت جو مسیح پر ایمان لائے تھے وہ تو ہمیشہ جہاں کے سامنے رہی ہے اور ہر زبان کہتی سنی گئی ؎

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

’’جو پاک اور بے ریا اور بے داغ ہو اور گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند کیا گیا ہو۔‘‘ (عبرانی:۷:۲۶)

سوم…… مرزاقادیانی کے اہم اعتراض۔ سالہا سال مرزاقادیانی نے مسیح کی مخالفت میں دہریوں اور ملحدوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے واقعات سوانح مسیح میں اپنے ان استادوں سے یاد کر لائے ہیں کہ جو اسلام کے معیار سے عصمت حقیقی کے منافی ٹھہرا سکتے ہوں۔

مرزا قادیانی کے اعتراضات کا خلاصہ

آپ بہت بڑے دعویٰ کے ساتھ لکھتے ہیں: ’’مسیح کی سرگذشت میں گناہ کا اقرار بھی موجود ہے۔ گنہگاروں کی طرح توبہ بھی موجود ہے اور گنہگاروں والے افعال بھی موجود ہیں۔‘‘

(ریویو(اردو) ج ۱ نمبر ۳ ص ۱۱۷، مارچ ۱۹۰۲ء)

اور اگر ایسا ہے تو پھر مرزا قادیانی کا دعویٰ یقینی ثابت ہو چکا۔ مگر ابھی ہر شخص پر روشن ہو جائے گا کہ یہ بڑا بول اپنے حصے میں ایک دروغ بے فروغ ہے۔

نیک استاد

پہلے ’’گناہ کا اقرار‘‘ اس کے ثبوت میں لکھتے ہیں: ’’اس مقام میں حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے۔ کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک نے آ کے مسیح سے کہا۔ اے نیک استاد! میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔‘‘ (انجیل متی:۱۹:۱۷)

آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مسیح اپنے تئیں گنہگار سمجھتا تھا۔

(ریویو(اردو) ج ۱ نمبر ۳ ص ۱۱۳، ۱۱۴، مارچ ۱۹۰۲ء)

مگر اپنے اس لغو قول کو جو شاید محض عیسائیوں کی ضد میں آپ نے کہا تھا مرزا فوراً فراموش کر کے خود ہی ایک دوسرے معنی مسیح کے ان الفاظ کے ہم کو بتلاتے ہیں۔ ’’آیت کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام میں اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکسار دکھلایا اور اس شخص کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ خدا ہے اور جو کچھ تو مجھ میں نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا جو مسیح نے اس کو دیا۔‘‘ (ریویو(اردو) ج ۱ نمبر ۳ ص ۱۱۵، مارچ ۱۹۰۲ء)

ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے پہلے قول کو تو باطل کر دیا۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ ایک ہی آیت سے دو متضاد معنی کیونکر ’’صاف ظاہر‘‘ ہو گئے تھے۔ آپ کی باطنی آنکھ صاف نہیں۔

ہم اب تم کو سمجھا دیں کہ آیت میں مسیح نے نیک ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ نیک ہونے کے ایک معنی بتائے جو صرف خدا پر صادق آتے ہیں اور اس معنی میں نیک ہونے کا انکار کیا۔

خدا کس[۱] معنی میں نیک ہے؟ اس معنی میں نہیں کہ وہ بے گناہ ہے یا معصوم۔ یعنی گناہوں سے محفوظ کیا گیا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے لئے گناہ کا امکان نہیں۔ خدا نیک بالذاتہ ہے اور تمام نیکی کا سرچشمہ ہے اور اسی معنی میں فرمایا: ''نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔'' پس خدائی نیکی کا انکار نہ تو انسانی نیکی کا انکار ہے یعنی اس نیکی کا جو بندہ کے لئے ممکن ہے اور نہ کسی طرح انسانی گنہگاری کا اقرار۔ کیونکہ نیکی بمعنی عصمت و بے گناہی اس کا تو مسیح کو بڑے زور سے دعویٰ ہے جیسا ابھی ثابت کر آئے۔ آپ نے خاک تحقیق نہیں کی اور آیت کو بالکل نہیں سمجھا اور اس میں انبیاء کے استغفار کی نظیر عبث تلاش کرنا چاہی۔

اور پھر اگر اس قول کو وہ قرأت قبول کی جائے۔ جس کو ٹشنڈارف نے مانا ہے۔ یعنی نیکی کی بابت مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔ جو سائل کے سوال کے ساتھ میں کون سی نیکی کروں۔ مطابق ہے تو ایسے تمام وہموں کا ازالہ ہو جاتا ہے جو بدشعوری یا نافہمی سے پیدا ہوسکیں۔ پس اب مسیح کے اقرار گناہ پر آپ کے ہاتھ میں کون سی دستاویز باقی رہ گئی؟

توبہ کا اصطباغ

دوسری ''گنہگاروں کی طرح توبہ'' مسیح نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطباغ لیا۔ جس میں اعتراف گناہ کا ہے۔ پس اصطباغ کیا لیا۔ گویا گنہگار ہونے پر مہر لگادی...... اگر مسیح معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ میں گنہگار ہوں۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۳ ص۱۱۶، مارچ ۱۹۰۲ء)

انجیلیں کہتی ہیں کہ اسے بپتسمہ ملا اور اس نے تمام رسم کو ادا کیا جس کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا۔ اس کو بے معنی رسم قرار دینا گویا یہ کہنا ہے کہ جب اس نے گناہوں کا اقرار کیا تو وہ کہتا کچھ تھا اور اس کے دل میں کچھ تھا۔ (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۱۲ ص۵۰۲، دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱؎ یہودیوں میں استادوں اور بزرگوں کو عام طور پر نیک کہتے تھے۔ جیسے اس ملک میں لفظ نیک اور بھلا مانس کہتے ہیں۔ خداوند یسوع نے ان کی غلط الہامی کی اصلاح کی کہ بلاسوچے سمجھے کسی کو نیک نہ کہو۔ حقیقی طور پر خدا ہی نیک ہوسکتا ہے۔ اگر تم مجھ کو الٰہی مرتبہ میں سمجھتے ہو تو یہ خطاب درست ہے اور اگر محض انسان سمجھ کر کہتے ہو تو یہ درست نہیں۔ (ایڈیٹر)

لوقا نے صاف طور پر بیان کیا ہے کی یسوع نے بھی دیگر یہودیوں کی طرح بپتسمہ پایا اور دوسرے گنہگاروں کی طرح ضرور اپنے گناہوں کا اقرار بھی کیا۔ اور یسوع پر روح القدس نازل نہ ہوئی۔ جب تک اس نے یوحنا کے سامنے عجز ظاہر نہ کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس کے ہاتھ پر توبہ نہ کی۔ (ریویو(اردو) ج۱ نمبر۱۲، ص۵۰۲، دسمبر۱۹۰۲ء)

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا اور اس کے بندوں سے شرم چھوڑ دے تو یہ سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ مرزا بتلائے کہ کہاں ''لوقا صاف طور پر بیان کرتا ہے'' اور کہاں انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح نے ''توبہ کا اصطباغ لیا۔'' یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور پھر دوسرے گنہگاروں کی طرح اور ضرور۔ کیا اس نے سمجھا تھا کہ انجیلیں صرف قادیان میں مقفل رکھی ہیں؟

مسیح کے اصطباغ کی نوعیت

سچ صرف اسی قدر ہے کہ مسیح نے یوحنا سے اصطباغ لیا۔ مگر نہ توبہ کا اصطباغ اور نہ اس نے ہرگز گناہوں کا اقرار کیا نہ کوئی توبہ کی اور نہ وہ یہ کر سکتا تھا۔ توبہ کے اصطباغ کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا اور ان تمام لوگوں نے جنہوں نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطباغ لیا۔ صاف صاف لکھا ہے کہ فرداً فرداً ان سب نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔

(متی۳:۶)

مگر مسیح کی نسبت اور تو سب کچھ لکھا ہے کہ یوحنا کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں۔ بپتسمہ سے پہلے کیا گزرا اور پیچھے کیا گزرا۔ مگر ایک لفظ بھی چاروں انجیلوں میں کہیں نہیں آیا جو اس پر دال ہو کہ اس نے بھی گناہوں کا اقرار کیا یا توبہ کی۔ بھلا کیونکر ہو سکتا تھا کہ اگر مسیح نے ''توبہ کا اصطباغ کیا ہوتا تو اور سب کچھ بیان ہو جاتا۔ مگر اس کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار'' یہی متروک کیا جاتا؟ بلکہ حق یہ ہے کہ بجائے گناہوں کے اقرار کرنے کے اسی جگہ بڑی صفائی سے مسیح نے اپنی بے گناہی و نیک کرداری کا اقرار کیا۔ ہمیں اسی طرح ساری راست بازی پوری کرنا مناسب ہے۔ (متی۳:۱۵)

یعنی مسیح راست بازی کی میزان کل کو پورا کرنے کا دعویدار ہوا اور اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے؟ پھر اس کے بپتسمہ دینے والے کو بھی اس کی بے گناہی و عصمت بسروچشم تسلیم ہے۔

یحیٰؑ کی گواہی

دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا: ''دیکھو یہ خدا کا برّہ ہے جو دنیا کے گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔'' (یوحنا۱:۲۹)

یعنی مسیح اہل جہاں کے گناہوں کو دور کرنے والا اور مرض عصیاں کا حاذق طبیب ہے۔

اب اس سے زیادہ زوردار اور کون سے الفاظ انسان لا سکتا ہے؟

عیسیٰ کی فضیلت یحییٰ پر

پھر نہ یہی سچ ہے کہ مسیح یوحنا کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ حاضر ہوا اور نہ انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوحنا یسوع کا روحانی باپ بننے کے لائق تھا۔

(ریویو (اردو) ج۱ نمبر۱۲ ص۵۰۷، دسمبر۱۹۰۲ء)

کیا پیر قادیان کے لئے جھوٹ بولنا منصبی فرض ہے؟ کیونکہ انجیل میں تو لکھا ہے کہ جب یوحنا اوروں کو توبہ کا بپتسمہ دیتا تھا تو مسیح کی طرف بڑے ادب سے اشارہ کر کے کہتا تھا۔ میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔ لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔

(متی:۳:۱۱، لوقا:۱:۱۶)

اور جب مسیح اس سے بپتسمہ لینے پر مصر ہوئے تو یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ اب تو ہونے دے کیونکہ ہمیں اس طرح ساری راست بازی پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اس نے ہونے دیا اور جب مسیح بپتسمہ لیکر پانی کے باہر آئے تو روح القدس ان پر نازل ہوئی اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور دیکھو یہ الٰہی شہادت مسیح کی معصومیت پر تھی اور یہی تو مسیح فرماتے تھے میں ہمیشہ وہ کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں۔

مسیح کی کامل راست بازی

''یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم'' مرزا قادیانی یوں فرماتے ہیں:''اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت وہ اپنی راست بازی کو ناقص خیال کرتا تھا۔''

(ریویو (اردو) ج۱ نمبر۱۲ ص۵۰۷، دسمبر۱۹۰۲ء)

اب ان کو کون سمجھائے کہ ناقص راست بازی اسی کو کہہ سکتے ہیں۔ جس میں راست بازی کا کچھ خلاف مل جائے۔ اس میں راست بازی کا خلاف تم نے کس چیز کو قرار دیا؟ جس طرح انسان کی عمر برسوں، مہینوں، دنوں اور لمحوں کا سلسلہ ومجموعہ ہے۔ کوئی شخص اپنی ساری عمر پیش از وقت بسر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح راست بازی ایک میزان کل ہے جو زمان ومکان کی قیود سے آزاد نہیں۔ جس کے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب تک اس کی کسی کڑی میں ناراست بازی نہ

مل جائے۔ اس کو ناقص نہیں کہہ سکتے۔ مسیح فرماتے ہیں میں راست بازی کی زنجیر میں ایک ایک کڑی جوڑتا اس کو پورا کرتا جاتا ہوں اور بپتسمہ بھی اسی میں شمار کرتے ہیں جو صرف اپنے وقت پر پورا ہوسکتا تھا۔ پس کسی نوبت میں ان کی راست بازی ناقص نہیں ہوسکتی۔ وہ ہر لمحہ کے مناسب اپنا کل فرض ادا کرتے ہیں اور ان کی زندگی کی نوبت ایسی نہیں جس سے سوائے راست بازی کے انہوں نے کچھ اور کیا ہو اور راست بازی کا کمال یہی ہے۔ عصمت کے لئے اسی قدر لازم ہے۔ مگر افسوس مرزا قادیانی کچھ نہیں سمجھتے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یحییٰ مسیح کے مرشد نہیں

مرزا قادیانی نہایت ہی بے بصری کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''یوحنا کی روحانی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جونہی یسوع نے اس کے پاس توبہ کی اسی وقت روح القدس کا انعام اس کو بخشا گیا۔'' (ص۵۰۷)

ہر شخص جو ذی العقول میں شمار ہوسکتا ہے سمجھ لے گا کہ یوحنا کی روحانی طاقت جو کچھ تھی وہ تو ہمیشہ بڑھتی رہی اور ایک خلقت نے اس کے پاس توبہ کی۔ پھر کیوں یوحنا کے تصرف سے کسی اور کو روح القدس کا یہ انعام عطاء نہ ہوا؟

مسیح مسجود یحییٰ

انجیل سے تو ثابت ہو چکا کہ یوحنا ہمیشہ حضرت مسیح کی فضیلت تسلیم کرتے رہے اور قرآن وحدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ یحییٰ کی شان میں وارد ہے۔ ''**مصدق بکلمة من الله** (آل عمران:......)'' اور اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے: ''**کلمة الله**'' سے مراد اس جگہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ ربیع بن انس نے کہا سب سے پہلے جس نے عیسیٰ بن مریم کی تصدیق کی یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ قتادہ نے کہا یحییٰ سنت ومنہاج عیسیٰ پر تھے۔ ابن عباسؓ نے کہا یحییٰ برادر خالہ زاد تھے۔ والدہ یحییٰ مریم سے کہتی تھیں جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ سجدہ کرتا ہے۔ اس کو جو تیرے پیٹ میں ہے۔ (ترجمان القرآن، نواب صدیق حسن خان وتفسیر نیشاپوری)

بھلا جو شخص شکم مادر سے مسیح کے سامنے سربسجود رہے اسے مرزا قادیانی ہی سا شخص مسیح کا روحانی باپ ومرشد وغیرہ کہہ سکتا ہے۔

مسیح کو اصطباغ کی ضرورت

مرزا قادیانی کا یہ سوال تھا کہ: ''اگر مسیح معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟'' اس

کا جواب ہم دے چکے کہ نہ اس کو توبہ کی ضرورت تھی اور نہ اس نے توبہ کی۔ پس اب صرف یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مسیح کو یوحنا کے ہاتھ پر بپتسمہ کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کا جواب انجیل یہ دیتی ہے کہ بپتسمہ کی ضرورت مسیح کو اپنی ذات کے لئے لاحق نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ خود یوحنا اور اس کے شاگردوں اور عموماً بنی اسرائیل کے فائدے کے لئے مسیح کو بپتسمہ لینا پڑا۔ یوحنا خود فرماتے ہیں: ''میں تو اسے پہچانتا نہ تھا۔ مگر اس لئے پانی سے بپتسمہ دیتا آیا کہ وہ اسرائیل پر ظاہر ہو جاوے۔'' میں تو اسے پہچانتا نہ تھا۔ مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔ (یوحنا:۱:۳۳)

پس معلوم ہوگیا کہ مسیح پر نزول روح القدس مطلق یوحنا کے تصرف سے نہ تھا اور اس نے صرف اس لئے بپتسمہ لیا کہ وہ یوحنا پر اور اسرائیل پر ظاہر ہو جائے۔ پس اس کو ''بے معنی رسم'' کہنا آپ کی زبردستی ہے۔ ہم نے اس جگہ مسیح کی عصمت پر خود مسیح کا دعویٰ سنادیا۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت سنادی اور آسمانی گواہی بھی سنادی جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔

تیسری: ''گنہگاروں والے افعال۔'' مرزا قادیانی کہتے ہیں: ''(انجیل لوقا:۷:۲۳،۲۴) میں یسوع نے صاف صاف اپنی شراب خوری کا اقرار کیا ہے...... اس موقع پر یہ کہنا کہ ہاں اگرچہ یسوع شراب پیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا پینا اعتدال کی حد تک تھا۔ محض ایک دعویٰ بے دلیل ہے...... یہودیوں نے اس مے خوار یعنی شرابی کہا۔ لیکن اس نے بجائے اپنی بریت ظاہر کرنے کے ملزم ہونا پسند کیا۔'' (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۸ ص۸، اگست ۱۹۰۲ء)

لب لباب اس تقریر کا یہ ہوا کہ انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح کا شراب کا استعمال حد اعتدال سے بڑھا ہوا شراب خواری و بدمستی میں داخل تھا۔ یہ ایک ایسا لغو بلکہ بیہودہ دعویٰ ہے کہ مرزا قادیانی ایک شوشہ انجیل کا ثبوت میں پیش نہیں کرسکتا۔

جوازِ مے

فقہ اسلام کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ شراب صرف اسلام میں اور وہ بھی پیغمبر اسلام کے اواخر عہد میں حرام ہوئی۔ اسلام کے اوائل میں بھی شراب حرام نہ تھی...... پس کسی مسلمان کو حق نہیں کہ مومنین شرائع سابقہ کو محض استعمال شراب کے باعث ملزم ٹھہرائے۔

یہود کا الزام

۲...... مرزا قادیانی نے ''خود اعتدال کی حد تک'' پینے میں اور ''شراب خوری'' میں تمیز کی ہے۔ وہ صرف حضرت مسیح کے حق میں اعتدال کو روا نہ رکھ کر جھوٹ بولتے ہیں کہ: ''یسوع نے

صاف صاف اپنی شراب خواری کا اقرار کیا۔‘‘ اور انجیل لوقا کا حوالہ دیتے ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے: ’’اس زمانہ کے آدمیوں کو میں کس سے تشبیہ دوں اور وہ کس کی مانند ہیں؟ ان لڑکوں کی مانند ہیں جو بازار میں بیٹھے ہوئے...... یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا نہ مے پیتا ہوا اور تم کہتے ہو کہ اس میں بدروح ہے۔ ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور تم کہتے ہو کہ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا۔ لیکن حکمت اپنے سب لڑکوں کی طرف سے راست ثابت ہوئی۔‘‘ (لوقا:۷:۳۱تا۳۵)

حضرت یحییٰ کی روزہ داری

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یوحنا آبادی سے کنارہ کش ہوکر ’’یہودیہ کے بیابان میں‘‘ جارہے تھے۔ ’’اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے۔‘‘ اور آپ کی ’’خوراک ٹڈی و جنگلی شہد تھی۔‘‘ (متی:۳:۱تا۴)

نہ آپ شہر میں آتے نہ معمولی پوشاک پہنتے نہ روٹی وغیرہ عام غذا کھاتے اور اس میں بھی حکمت الٰہی تھی۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح شہروں، دیہاتوں میں جابجا منادی کرتے کھانا پینا جو اور لوگ استعمال کرتے۔ آپ بھی کھاتے پیتے تھے۔ لوگوں کی صحبت سے آپ نفور نہ تھے۔ تمام دنیا کے گنہگاروں کے ماوا وملجا تھے۔ اسے ملتے جلتے اور ان کو راہ خدا کی ہدایت کرتے اور اگر کوئی منکر اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ’’تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو‘‘ یعنی انبیاء کی بعثت کا مقصود گنہگار ہیں نہ کہ راست باز اور اس کل روش میں بھی حکمت الٰہی مخفی تھی۔

منکر جو تھے وہ کسی کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت یوحنا کی تحقیر میں ان کو دیوانہ کہتے تھے کہ اس پر تو بدروح ہے جو بیابانوں میں مارا مارا پھراتی اور خوراک و پوشاک سے محروم کراتی ہے اور وہ حضرت مسیح کی بھی توہین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کھاؤ اور شرابی ہے جس کو گنہگار لوگ گھیرے پھرتے ہیں۔ حضرت مسیح کس صفائی سے ان دونوں الزاموں کی تردید فرماتے ہیں کہ منکروں کے الزام یوحنا پر اور مجھ پر محض طفلانہ ہیں۔ وہ یوحنا کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور میری شان میں بھی۔ اصلی حقیقت صاحبان حکمت پر روشن ہے نہ یوحنا پر بدروح ہے اور نہ میں کھاؤ یا شرابی ہوں۔

مسیح کی غذا

۳...... جس شخص نے انجیل کو پڑھا ہے اسے معلوم ہوگا کہ جسمانی غذا کی مسیح کے پاس کس قدر قلت تھی۔ وہ اکثر بھوکے رہتے تھے۔ گو ہزاروں کو معجزانہ طور سے سیر کیا۔ آپ کا مقولہ تھا۔ ’’آدمی

صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔'' (متی:۴:۴)

میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اس کا کام پورا کروں۔ (یوحنا:۴:۳۴)

پس ایسے شخص کی نسبت یہودیوں کی سند پر آپ کا یہ کہنا کہ وہ تمام عمر شراب کے مرتکب رہے۔ سوائے معصیت کے اور کچھ نہیں ہے۔ جب آپ نے اتنا بڑا دعویٰ کیا تھا تو لوگ یہ سمجھے تھے کہ آپ انجیل سے یہ ثابت کر دیں گے کہ کبھی کسی نے مسیح کو مخمور پایا۔ شراب کے نشے میں متوالا دیکھا۔ پس شراب خوری کا الزام مسیح پر وہی لگا سکے گا جس نے بے شرمی کا آسرا کر لیا ہو اور یہودیوں کے ہاتھ بک چکا ہو۔ سچ صرف اسی قدر ہے کہ آپ کو مے کے استعمال سے قطعی انکار نہ تھا۔ آپ کبھی کبھی اس کا استعمال کرتے تھے اور وہ مے بھی انگور کا رس۔ (متی:۲۶:۲۹)

۴...... قانائے گلیل کا معجزہ: مرزا قادیانی کہتے ہیں: ''یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب میں یہ واقع درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دلہا نے براتیوں کے لئے شراب کافی مہیا کی تھی۔ لیکن جب ذخیرہ ختم ہوگیا تو مخمور جماعت نے شراب کے لئے شور مچایا۔ یسوع نے جو معہ شاگردوں کے اس جماعت میں شامل تھا اس موقعہ کو غنیمت جانکر پانی کے چھ مٹکوں (کل ۱۶۲ گیلن) کی اعلیٰ شراب بنا ڈالی اور اس طریقہ سے تمام براتیوں کو بذات خود شراب بنا کر مخمور کیا...... لوگ پیشتر ہی مخمور تھے۔ جب کہ یسوع نے بڑی فیاضی سے ۱۶۲ گیلن شراب جو اکیلی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے مکتفی تھی اور ان کے لئے مہیا کر دی۔'' (ریویو (اردو) ج۱ نمبر۸ ص۳۰۸، اگست ۱۹۰۲ء)

الف...... یہ جھوٹ ہے کہ ''دلہا بارتیوں کے لئے شراب کافی مہیا کی تھی۔'' اگر کافی شراب موجود تھی تو جلسے کے آغاز ہی میں لوگوں کو احتیاج کیونکر لاحق ہوئی اور کیوں کہا جاتا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شراب مہیا نہ کی گئی تھی یا ضرورت سے بہت ہی کم مقدار میں تھی اور خیر خواہوں کو منظور نہ تھا کہ دلہا والوں کی براتیوں کے آگے سبکی ہو اور جب مے شرعاً حرام نہ تھی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مثل دیگر رزقاً حسناً کے مہمانوں کے لئے اگر ممکن ہو بہم نہ پہنچائی جائے اور اس لئے حضرت مسیح نے اپنے میزبان کی ایک مشکل کے وقت میں اپنی اعجازی قدرت سے دستگیری فرمائی۔

ب...... یہ بھی جھوٹ ہے کہ ان براتیوں میں کوئی مخمور ہو رہا تھا۔ اگر مخمور کے اصطلاحی معنی بیہوش یا بدمست مراد لئے گئے ہوں۔ مرزا پتہ بتا دے ان میں کون لڑتا تھا یا بہکی باتیں کرتا تھا یا لڑکھڑاتا نشے میں چور تھا؟

میر مجلس کا دولہا سے یہ کہنا کہ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر نشے میں آ گئے۔ مگر تو نے اچھی مے ابتک رکھ چھوڑی۔ اوّل تو ایک ظریفانہ فقرہ تھا جس سے منطق اخذ کرنا آپ کی خوش فہمی ہے۔ دوم یہ ایک مثل تھی جس سے حاضرین مجلس کی کیفیت بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ صرف سوال تھا کہ اگر ایسی مئے تمہارے پاس موجود تھی تو خلاف قاعدہ اب تک کیوں براتیوں کو نہ دی؟

ج...... ۱۶۲ گیلن شراب جو اکیلی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے مکتفی تھی مرزا قادیانی کا شراب کا پیمانہ درست ہی سہی تو بھی ۱۶۲ گیلن کو تمام جماعت کے مخمور کرنے کو کافی کہنا غلط ہوتا ہے۔ مخمور کرنے کے لئے مکتفی ہونا دو باتوں پر منحصر ہے۔

اوّل...... جماعت کی تعداد پر اور مرزا قادیانی کو نہیں معلوم کہ اس برأت میں کتنے پینے والے موجود تھے اور فی کس کے پائنٹ پڑی۔ مگر ہم کو خوب معلوم ہے کہ باوجود چھ مٹکوں کے اس برأت میں ایک شخص بھی نشے میں نہ تھا اور ہمارا قیاس کے خلاف مرزا قادیانی ایک لفظ بھی انجیل شریف کا نہیں لاسکتا۔

دوم...... قسم شراب پر۔ انگوری شرابوں میں ایک پورٹ ہے جس کی بہت بڑی مقدار میں بھی بہت کم نشہ ہوتا ہے۔ پس یہ مرزا قادیانی کا فرض ہے کہ وہ ثابت کرے کہ جو شراب ان براتیوں کو پلائی گئی وہ بڑی نشیلی شراب تھی اور جب اس تمام جماعت میں کوئی ایک شخص بھی نشے میں نہیں ملتا تو تمہارا یہ کہنا کہ مسیح نے تمام براتیوں کو مخمور کیا۔ یا جیسا کہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتے ہو۔ غضب کا مخمور کیا۔ (ص۳۰۲)

کیسے بڑے غضب کا جھوٹ ہے۔

شراباً طہوراً

د...... بلکہ جو شراب مسیح نے معجزے سے پیدا کی اس کو اس قسم کی شراب تصور کرنا جو کلوار بھٹیوں میں کشید کرتے ہیں انتہاء درجہ کی گستاخی ہے۔ جس طرح موافق شہادت قرآن کے حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو معجزہ نزول مائدہ میں آسمانی خوراک کھلوائی۔ اسی طرح اس معجزے میں انہوں نے اپنے رفیقوں کو آسمانی شراب پلائی جس کے مسلمان جنت میں امیدوار ہیں۔ ''سقٰھم ربھم شراباً طھوراً'' یعنی بہشت کا کھانا پینا انہوں نے اپنے لوگوں کو اس دنیا میں چکھا دیا اور اسی لئے اس معجزہ کے حال کے بعد لکھا کہ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھلا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اس کے شاگرد اس پر ایمان لائے۔ بہت خوب کہا ''ان فی ذالک

لایۃ لقوم یعقلون ’’مگر ہم ان کو کیسے سمجھائیں جن کی یہ تعریف ہے۔‘‘ **فی قلوبھم مرضاً فزادھم اللہ مرضا**‘‘

ہ...... مرزا قادیانی نے عشائے ربانی پر بھی اعتراض کیا ہے۔ کہتا ہے عشائے ربانی سے مسیح نے شراب خوری کو دین کی جز ٹھہرایا۔ (ص۱۱۴)

شرابی گنہگار

اور منجملہ مرزا قادیانی کی دروغگوئی کے یہ بھی ہے۔ نہ ہر شخص جس نے شراب کا استعمال کیا شرابی یا شراب خود کہلاتا ہے۔ یہ لفظ اصطلاحاً بدمست پر بولے جاتے ہیں۔ عیسائی دین نے شراب کو اس معنی میں تو حرام نہیں کیا کہ اگر ایک قطرہ زبان پر یا ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتر جائے تو آدمی گنہگار ہو جائے۔ مگر انسانی فعل کو ضرور حرام ٹھہرایا۔ یعنی جس طرح ہر چیز کا ناجائز وغیر مناسب استعمال انسان کو گنہگار کرتا ہے۔ اسی طرح شراب کا بھی۔ گو شراب کو حرام نہیں بتلایا۔ مگر شراب خوری و بدمستی کو ضرور حرام بتلایا۔ یہ فتویٰ عیسائی دین کا ہے۔ ’’شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے۔‘‘ (انسی:۵:۸)

مئے خوری اور نشہ بازی کو ’’شہوت پرستیوں اور مکروہ بت پرستیوں‘‘ کی جنس میں شمار کیا۔ (پطرس:۴:۳)

اور حکم دے دیا کہ شرابی بھی کلیسیا سے خارج کر دیا جائے۔ جس کے ساتھ کھانا کھانا بھی روا نہیں۔ (کرنتھی:۵:۱۱)

حتیٰ کہ اس کو بت پرست زناکار عیاش کے ہم پلہ قرار دے کر کہہ دیا تھا کہ وہ بھی خدا کی بادشاہی کا وارث نہ ہوگا۔ (کرنتھی:۶:۱۰)

مگر مرزا قادیانی کی جہالت وجرأت قابل داد ہے کہ وہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتا ہے: ’’عیسائی صحف مقدسہ میں کوئی ایک آیت بھی نہیں۔‘‘ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ شراب خوری سے کوئی گنہگار اللہ کی ناراضگی اور غضب کا مورد ہوتا ہے۔ (ریویو (اردو) نمبر۳ ص۱۱۷،۱۸۱)

عشائے ربانی کی حقیقت

عشائے ربانی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح نے جو اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری کھانا کھایا تھا جس میں ’’روٹی‘‘ اور ’’انگور کا رس‘‘ بھی تھا۔ (لوقا:۲۲:۱۴،۲۳)

اسی کی یادگاری میں عیسائی اپنی عبادت گاہوں میں جا کر ایک ہی طشت سے اور ایک ہی پیالہ سے سب مل کر تبرکاً ایک ایک ٹکڑا روٹی اور اسی کی طرف قرآن میں شاید اشارہ ہے۔

’’تکون لنا عیداً الا وّلنا و آخرنا‘‘ کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو۔ اس رسم میں شریک ہونے والے بھی روزہ دار ہوتے ہیں اور یہ عبادت کا ایک جز ہے۔ جس وقت لوگوں کے دل اپنے شفیع کی موت کی یاد سے بھرے ہوتے ہیں۔

شیرۂ انگور سے یاد آگیا خون شفیع
توڑی جب روٹی مسیحا کا بدن یاد آ گیا

پاس اس کو شراب خوری کہنا سراسر خباثت ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس قسم کی شراب حضرت مسیح نے کبھی استعمال کی وہ انگور کا رس یعنی ایک قسم کا نبیذ تھا جو نشے کے طور پر نہیں بلکہ شربت کے طور پر پیا جاتا تھا۔ کیونکہ انگور کی اس ملک میں افراط تھی۔

چہارم...... مرزا قادیانی کے اعتراضوں کا جواب۔ یہ تو ہم پہلے ہی دکھا چکے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم مسیح کی عصمت پر کیا ہے کہ انجیل شریف اس بارے میں کیا گواہی دیتی ہے اور کہ مرزا قادیانی کا دعویٰ کہ مسیح نے اقرار گناہ کیا۔ گنہگاروں کی طرح توبہ کی اور گنہگاروں والے افعال کئے۔ کیسا شرمناک اور جھوٹا تھا اور ہم کو اب کچھ ضرورت نہیں رہی تھی کہ ہم اس کے اور خرافات اقوال کی تردید کرتے۔ مگر اتمام حجت کے لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ لگے ہاتھوں اس کے دوسرے اعتراضوں کی بھی جانچ کر کے مرزا قادیانی کو اس کے مکان کے دروازے تک پہنچائیں اور ناظرین پر یہ بات روشن کر دیں کہ یہ شخص اپنے اس قول میں بھی کہ میں شریر انسانوں کی طرح خواہمخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راست باز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہوں۔

سچا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے ان اعتراضوں میں لغویت اور بیہودگی کو انتہاء تک پہنچادیا اور اس میدان میں شریر انسانوں سے گوئے سبقت لے گیا۔ اس طوالت کو ہم اس لئے گوارا کرتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں عموماً ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ان اعتراضوں کو جو بظاہر حمایت اسلام کے پردے میں کئے گئے۔ سنا تو مگر ان کی جانچ کرنے کا ان کو کبھی موقع نہیں ملا اور اس سے عیسائیوں کو بھی معلوم ہوجائے گا کہ ان کا یہ مخالف کس مادہ اور طبیعت کا شخص ہے۔ حتیٰ کہ اس سے ہم کلام ہونا بھی ایک عار کی بات ہوگی۔

نقل کفر

مرزا قادیانی لکھتا ہے اور ہم اس نقل کفر کے لئے معافی چاہتے ہیں۔ ’’اناجیل میں مسیح کے کئی ایک دیگر اقوال وافعال دیکھے جاتے ہیں۔ جن سے اس کی معصومیت بالکل ملیامیٹ ہوجاتی ہے...... باوجود جوان اور مجرد ہونے کے اس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی جو ہمیشہ اس کے

پاس رہتی تھیں۔ بلکہ ایک جگہ وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔‘‘ (متی:۲۱:۳۱)

اس نے ایک کنچنی سے تیل ملوایا جو اس کی حرام کاری کی کمائی تھی اور اراوتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی۔ (لوقا:۷:۳۸)

وہ اپنے والدین کی بے ادبی کرتا تھا اور اپنی ماں کی اس نے بے ادبی کی۔ (متی:۱۲:۴۸)

جو شریعت موسوی کے مطابق سخت گناہ ہے اس نے ایک بے گناہ شخص کے جس نے اسے کچھ نقصان نہ پنچایا تھا قریباً دو ہزار سوروں کو تلف کر دیا۔ (مرقس:۵:۱۳)

اس نے اپنی حاضری میں اپنے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی اور جس واقعہ پر تینوں معتبر اناجیل متفق ہیں۔

(متی:۱۲،مرقس:۱۲:۲۳،لوقا:۶:۱)

اس نے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت نامناسب حملے ان کی عزت پر کئے۔ جیسا آگے بیان ہوگا۔ اس نے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے پیشتر گزر چکے تھے چور اور بٹمار کہا۔ (یوحنا:۱۰:۸)

اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اس کی تمام تعلیم انہیں سے چرائی ہوئی ہے۔ اس نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی جب کہ اسے یقین تھا کہ اس کی موت ٹل نہیں سکتی۔ اس نے اس چور سے وعدہ خلافی کی جو اس کے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ (متی:۲۳:۴۳) سے ظاہر ہے کہ یسوع نے چور کو کہا: ’’آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ لیکن یسوع خود تین دن دوزخ میں رہا اور یہ بھی شکیہ امر ہے کہ آیا وہ چور کو کبھی بھی ساتھ دوزخ میں لے گیا یا نہیں۔ بہشت میں جانے سے تو وہ ناکام رہا۔ پس کم سے کم اسے مناسب تھا کہ اس چور کو دوزخ ہی میں لے جاتا۔‘‘

(ریویو(اردو)ص۵۰۸،۵۰۹)

یہ زٹل قافیہ مرزاقادیانی کی (جو بقول خود مسلمانوں کے مہدی مسعود ہیں) معارف شناسی حق پسندی اور راست گوئی کا عمدہ نمونہ ہے اور ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱...... روح اللہ کے ساتھ مرزاقادیانی کی عداوت حد کو پہنچ گئی۔ ’’خدا کی مقدس اور راست باز پر بیہودہ حملہ‘‘ تو درکنار یہاں تو اس نے دل کھو کر گالیاں دی ہیں۔ جس کے لئے کسی سند کے حوالہ کا بھی اس کو بہانہ نہیں رہا۔

مرزاقادیانی گالی دیتا ہے

ناظرین! اس کفر کو دیکھیں۔ اس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی۔ نہ یہ انجیل

مقدس کا کوئی اقتباس ہے نہ اس کے لئے کوئی سند قرآن وحدیث کی ہے۔ یہ گالی ہے جس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ ’’هذا افک مبین‘‘ اور قرآن میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے پاک دامنوں اور پارساؤں پر عیب لگایا۔ ’’لعنوا فی الدنیا والآخرة ولهم عذاب عظیم (النور:۲۳)‘‘ تو ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت پڑ چکی اور ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے۔

اور دنیا کی لعنت تو ڈنکے کی چوٹ پر ہورہی ہے اور آوازۂ خلق نقارۂ خدا ہے۔

ایک اور بہتان

۲...... ’’وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔‘‘ اور ہم کو اس کے لئے (متی:۲۱:۳۱) کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ ’’حضرت مسیح نے یہودیوں کے سرداروں کو جو حضرت یحییٰ کے منکر ہوئے تھے تنبیہاً فرمایا۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ محصول لینے والے اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوتے ہیں۔ کیونکہ یوحنا راست بازی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم اس پر ایمان نہ لائے۔ مگر محصول لینے والے اور کسبیوں کو ایمان ہوا اور تم یہ دیکھ کر پیچھے بھی نہ پچھتائے کہ اس پر ایمان لاتے۔‘‘ اب تم ہی شرم کر کے بتاؤ کہ یہ ’’بدکار عورتوں کی تعریف‘‘ ہے یا ایماندار عورتوں کی تعریف ہے۔ جنہوں نے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے میں رؤسائے یہود پر سبقت کی اور جو اس کے ہاتھ پر اپنی بدکاری سے توبہ کر کے جنت کی وارث ہوگئیں۔

مرزاقادیانی کی خباثت

۳...... ناظرین کو چاہئے کہ اس واقعہ کو انجیل لوقا باب:۷ آیت:۳۶ سے ۵۰ تک پڑھیں اور مرزاقادیانی کی خباثت کو دیکھیں۔ یہودیوں کے کسی سردار نے حضرت مسیح کی دعوت کی تھی۔ ’’ایک گنہگار عورت جو اس شہر کی تھی یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے۔ سنگ مرمر کی ڈبیا میں عطر لائی اور اس کے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہوکر اس کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے پونچھے اور اس کے پاؤں بہت چومے اور ان پر عطر ڈالا۔ حضرت مسیح نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اس عورت کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے اور اس عورت سے کہا۔ تیرے گناہ معاف ہوئے...... تیرے ایمان نے تجھے اچھا کردیا۔ سلامت چلی جا۔‘‘

ایک گنہگار عورت جس کو خشک زاہد ہمیشہ دھتکارتے رہے مگر جو خود اپنے گناہوں سے نادم تھی۔

گنہگار اندیشہ ناک از خدا
بہ از پارسائے عبادت نما

اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اور اپنی پچھلی خراب خستہ حالت پر روتی ہوئی نجات کی تلاش میں خدا کے رسول اور کلمہ کی زیارت کرنے کو شوق اور صدق دل سے حاضر ہوئی اور فرط محبت سے اس کے قدموں پر گری اور عاجزی کے ساتھ اپنے تئیں ذلیل کیا اور جو اپنے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سن کر اور مرض گناہ سے شفائے کلی حاصل کر کے اور بہت بڑے ایمانداروں میں شمار ہو کر اپنے گھر واپس گئی۔ اس کی نسبت ایسی شیطنت کے کلمات زبان سے نکالنا کہ ارادتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی۔ یہ صرف وہی کہہ سکتا ہے جس کے دل سے ایمان وعرفان ملیا میٹ ہو چکا ہو۔

یہ عورت جو کلمتہ اللہ کی خدمت میں کھڑی ہے۔ اس وقت سے مومنہ ہو چکی تھی۔ جب اس نے توبہ کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کیا تھا اور اخلاص اور عقیدت کے افعال جو بے اختیاری اور بے خودی کی حالت میں اس عورت سے (جس کو ابھی نئی نئی دولت ایمان حاصل ہوگئی تھی) ایک مجمع عام میں سرزد ہوئے فی الواقع ایسے نہ تھے کہ خدا کا رسول جو گنہگاروں اور بدکرداروں کو تقرب الٰہی حاصل کرانے اس جہاں میں آیا تھا ان کے لئے اس کو سرزنش کر کے اس کی دل شکنی روا رکھتا۔ پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ عطر حرامکاری کی کمائی تھی؟

اور کب مسیح اس کو اپنے تصرف میں لائے؟ یہ عورت کا اپنا فعل تھا کہ اس نے آپ کے قدموں پر اس عطر کو ڈال دیا۔ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ اس وقت جب یہ عورت خداوند مسیح کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ وہ ایک ایماندار اور تائب عورت ہو چکی تھی۔ ’’**لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم**‘‘ جس نے ایسی توبہ کی تھی کہ اگر ایک امت کے درمیان تقسیم کی جاتی تو وہ توبہ سب کو کفایت کرتی۔ غرضیکہ یہ جو کچھ تھا عورت کا اپنا فعل تھا۔ جس سے اس کی بے ریا محبت وایمان کا اظہار ہوا۔ جب بڑے سے بڑے گنہگار کو بارگاہ الٰہی میں رسائی حاصل ہے تو اگر خدا کے مسیح کی قدم بوسی ایک تائب عورت کو نصیب ہوگئی تو تم کو کیوں برا معلوم ہوا؟ اگر عورت نے مسیح کے قدم چھو لئے تو کیا چھوت کا اندیشہ تھا؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ حضرت مسیح کے جسم مقدس سے اعجازی قوت جاری رہا کرتی تھی۔ (لوقا:۸:۴۶)

جس سے بیمار شفا پاتے تھے؟ چنانچہ ایک لاعلاج مریضہ جو اپنا سارا مال حکیموں پر خرچ کر چکی تھی صرف خداوند مسیح کی پوشاک کا کنارہ چھو کر اسی دم اچھی ہوگئی۔ (لوقا:۸:۴۴)

پس کیا تعجب ہے کہ عورتیں اور مرد جو روحانی اور جسمانی بلاؤں میں گرفتار تھے آپ کے بابرکت اور مقدس جسم کو چھونے کے لئے قدموں پر گرتے اور اپنی مرادیں حاصل کرتے تھے۔ یہ کچھ تو آپ لوگوں نے ہمارے منہ سے سنا۔ اب اس ناپاک اعتراض کی حقیقت ہم خود مرزا قادیانی کی زبان مبارک سے بھی آپ کو سنوائیں۔ آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے یہ لکھا ہے: ''یاد رہے کہ اکثر ایسے اسرار دقیقہ بصورت اقوال یا افعال انبیاء کے ظہور میں آتے رہے ہیں کہ جو نادانوں کی نظر میں سخت بیہودہ اور شرمناک کام ہے...... اگر کوئی تکبر اور خودستائی کی راہ سے اس بناء پر...... حضرت مسیح کی نسبت یہ زبان پر لاوے کہ وہ طوائف کے گندہ مال کو اپنے کام میں لایا...... تو ایسے خبیث کی نسبت اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس کی فطرت ان پاک لوگوں کی فطرت سے مغائر پڑی ہوئی ہے اور شیطان کی فطرت کے موافق اس پلید کا مادہ اور خمیر ہے؟''

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۹۷،۵۹۸، خزائن ج۵ص ایضاً)

آخر کبھی تو سچ بولو۔ بھول کر سہی۔

ماں کی بےادبی

۴...... ''اپنی ماں کی اس نے بےادبی کی۔'' (متی:۱۲:۴۸)

یہاں صرف یہ لکھا ہے کہ وعظ کے سلسلے میں حضرت مسیح نے فرمایا تھا: ''کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا، دیکھو میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے۔'' یعنی سچے ناطہ دار ایمان دار لوگ ہیں۔ بھلا اس کو ماں کی بےادبی سے کیا علاقہ؟

مرزا قادیانی سوروں کے حامی

۵...... ''ایک بےگناہ شخص کے جس نے اسے کچھ نقصان نہ پہنچایا تھا قریباً دوہزار سوروں کے گلہ کو تلف کر دیا۔'' (مرقس:۵:۱۳)

یعنی حضرت مسیح نے دوہزار سوروں کو تلف کر دیا۔ ناظرین! ذرا اس کا بھی لحاظ فرماویں کہ مرزا قادیانی اس سور والے کو بےگناہ کہنے پر تو اس قدر مصر ہے اور روح اللہ کو گنہگار کہنے کے خیال سے نہیں ڈرتا؟

مسیح کا معجزہ

اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک بڑا دیوانہ تھا۔ جس میں ناپاک روح تھی۔ جو قبروں میں

رہا کرتا تھا اور کوئی اسے قابو میں نہ لاسکتا تھا۔ وہ ہمیشہ رات دن قبروں اور پہاڑوں پر چلاتا اور اپنے تئیں پتھروں سے زخمی کرتا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے بڑی مدت سے کپڑے نہ پہنے تھے۔

(لوقا:۸:۲۷)

اور ایسا خطرناک اور تند مزاج تھا کہ کوئی اس راستے سے گزر نہیں سکتا تھا۔ (متی:۸:۲۸)

ایسے خطرناک دیوانہ کو جو ننگا مادرزاد پھرتا تھا جس سے خلق خدا کی عافیت تنگ تھی جس نے راہیں بند کر رکھی تھیں حضرت مسیح نے چنگا کر دیا۔ جب آپ نے اس دیوانہ سے حکماً کہا: ''اے ناپاک روح اس آدمی میں سے نکل جا۔''

اور اس وقت وہاں پہاڑ پر سوروں کا ایک بڑا غول چرتا تھا۔ تو اس ناپاک روح نے اس آدمی میں سے نکلنے کی یہ شرط کی کہ ہم کو ان سوروں میں بھیج تاکہ ہم ان کے اندر جائیں۔ پس اس نے انہیں اجازت دی اور ناپاک روحیں نکل کر سوروں کے اندر گئیں اور وہ غول جو قریب دو ہزار کے تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا۔

مسیح نے صرف بدروحوں کو ایک آدمی میں سے نکالا تھا اور چونکہ یہ بدروحیں بغیر اس کے نہیں نکل سکتی تھیں کہ وہ کسی دوسرے پر قبضہ کریں۔ اس لئے ان کو اجازت دی کہ انسانوں کو چھوڑ کر سوروں میں داخل ہوں۔ اس سے زیادہ کی اجازت مسیح کی طرف سے ان کو نہ تھی۔ اب اگر ان بدروحوں نے اپنی شیطنت سے ان سوروں کو ہلاک کیا یا سور خود بھڑک کر دریا میں جا گرے تو یہ فعل مسیح کا نہیں تھا اور یہ کہنا نرا جھوٹ ہے کہ مسیح نے سؤروں کے گلہ کو تلف کر دیا۔

انسان کا صدقہ حیوان

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک انسان کی جان بچنے کے لئے یہی ضروری تھا کہ دو ہزار سور تلف ہو جائیں (معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر کے سور ایک ہی گلہ میں چر رہے تھے اور متفرق مالکوں کے تھے) تو بھی اس میں کیا قباحت تھی جب کہ ایک ایسا دیوانہ اچھا ہونے والا تھا جو تمام شہر کے لئے عذاب بنا ہوا تھا؟ اے مرزا تم کیسے مسخ ہو گئے کہ سوروں کے ساتھ تمہاری ہمدردی ایسی بڑھی اور انسان کی جان پر تم کو ترس نہیں؟ ضرور تم کو مسیح کے ساتھ عداوت ہونا چاہئے۔ بھلا کچھ تو ہم جنسوں کے ساتھ مروت دکھلاؤ۔

اگر کسی محلّہ میں آگ لگے اور سارا شہر خطرے میں پڑ جائے اور چند آدمی مل کر اہل محلّہ کے پانی کے گھڑے بلا اجازت مالک کے لے کر آگ پر انڈیلنا شروع کریں اور پڑوس کے چند مکانوں کے چھپر وغیرہ بھی گرا دیں اور اس طرح آگ فرو کریں تو شاید کوئی مرزا ہی سے دل

ودماغ کا معترض ان نیک نیت اشخاص کو الزام دے گا کہ انہوں نے پرایا پانی صرف کر ڈالا یا لوگوں کا نقصان کیا۔ پس ثابت ہو گیا کہ نہ مسیح نے کسی کو نقصان پہنچایا اور نہ سوروں کو تلف کیا۔ انہوں نے صرف ایک بے قابو دیوانہ کو چنگا کر کے اہل شہر کے لئے اس کو خدا کی رحمت بنا دیا اور اگر کسی کو مالی نقصان پہنچ گیا یا کوئی حیوان ہلاک ہوا تو اس فعل کے بانی شیاطین تھے۔ مسیح نے صرف اسی قدر کیا کہ خدا کے ایک بندہ پر سے بدروحوں کو ہانک دیا اور ان کی راہ انسانوں پر بند کر دی اور بس۔ اور اس فعل کو یا تو وہی شیاطین برا سمجھیں گے جو نکالے گئے یا وہ لوگ جن کے درمیان انہوں نے بودوباش اختیار کر لی ہو۔

قتل خنزیر

مگر تھم جاؤ ہم نے فرض کر لیا کہ حضرت مسیح نے ان دو ہزار سوروں میں سے ایک ایک کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر ڈالا تو آپ اعتراض کرنے والے کون؟ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح اپنے نزول ثانی میں یقتل الخنزیر تمام جہان کے سوروں کو قتل کر ڈالیں گے تو اس وقت آپ ان سوروں اور ان کے بے گناہ مالکوں کی وکالت کہاں کہاں کرتے پھریں گے؟ پس جو فعل نزول ثانی میں ضرور ہونا ہے۔ اگر اس کا کوئی جزو نزول اوّل میں حضرت مسیح نے پورا کر دیا تو آپ کس منہ سے اعتراض کر سکتے ہیں؟

ہم کو یہاں ایک بات اور یاد آئی۔ اس حدیث کو آپ اپنے اخبار الحکم کی پیشانی پر لکھتے ہیں اور اس کے خود مصداق بنتے ہیں۔ تو چاہئے کہ کم سے کم چند سوروں کو تو آپ نے بھی قتل کیا ہوگا اور چونکہ آپ عیسائیوں کے ساتھ اپنی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لئے سب پرندوں سے زیادہ کبوتر کا کھانا پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ (بزعم جناب) عیسائیوں کا خدا ہے......

مرزا قادیانی اور بلی

اس کی نرم نرم ہڈیاں دانتوں کے نیچے چباتے ہیں[1]۔ (ص ۳۴۷)

---

[1] آپ کی یہ حرکت بھی قابل نفرین ہے۔ کچھ بھی پاس آپ نے اس کبوتر کا نہ کیا۔ جس نے غار ثور میں رسول عربی ﷺ کی حمایت کی جس نے حضرت نوح کو بشارت دی۔ جس نے سقف کعبہ کو اپنا آشیانہ بنایا۔ آپ کو اپنے حمامتہ البشریٰ کا بھی کچھ خیال نہ ہوا۔ ہڈیاں چبانے لگے اور شاید اس کا نتیجہ ہے کہ مرزا قادیانی نے خواب دیکھا جو البدر ۱۱ر ستمبر ۱۹۰۳ء میں چھپا۔ ’’میں نے دیکھا ایک بلی ہے اور گویا ایک کبوتر ہمارے پاس ہے۔ وہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو آخر میں نے اس کا ناک کاٹ ڈالا۔ پھر بھی نہ مانی تو آخر میں نے کہا آؤ۔ اسے پھانسی دے دیں۔‘‘ دیکھو کبوتر کی ہڈیاں چبانے والی نکٹی بلی کو پھانسی دی گئی۔

تو کچھ عجب نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی آپ اپنی نفرت وبیزاری کا ثبوت دیں۔ کیونکہ وہ لوگ باراہ یعنی سور کے اوتار کے قائل ہیں اور یوں آپ کے ایک پنتھ دوکاج ہو جائیں۔

شاگردوں کا بالیں کھانا

۶...... آپ نے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو شرعاً ناجائز تھی؟ لکھا ہے ''یسوع سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر گیا اور اس کے شاگردوں کو بھوک لگی اور بالیں توڑ توڑ کر کھانے لگے؟ انہوں نے کھیت میں اناج کی بالیں کھائیں اور اسی کو مرزا شرعاً ناجائز کہتا ہے۔ ہم کسی جاہل متعصب دشمن راستی کو کیونکر سمجھائیں؟ شاگردوں کا فعل بالکل شرعاً جائز تھا۔ جس کے لئے مالک کی شرعی رضامندی بھی موجود تھی۔ تو ریت کی کتاب استثناء باب ۲۳ آیت ۲۴،۲۵ میں حکم ہے۔ ''جب تو اپنے ہمسایہ کے تاکستان میں جائے تو جتنے انگور چاہے پیٹ بھر کر کھانا، پر کچھ اپنے برتن میں نہ رکھ لینا۔ جب تو اپنے ہمسایہ کے کھڑے کھیت میں جائے تو اپنے ہاتھ سے بالیں توڑ، پر اپنے ہمسایہ کے کھڑے کھیت کو ہنسوا نہ لگانا۔'' ہر راہگیر کو اذن عام تھا کہ چلتا ہوا انگورستان سے انگور کھائے اور کھیت سے بالیں کھائے جمع کر کے نہ لے جائے۔ پس شاگرد اسی شرعی اجازت کے موافق بالیں توڑ توڑ کھانے لگے۔ گو اس قسم کا رواج تو ہر ملک میں ہے۔ مگر یہودیوں میں یہ رواج شرعی تھا۔ یہ اعتراض قادیان کے پیغمبر کے الہام اور عرفان اور معلومات پر شاہد ناطق ہے۔

لعن الذین کفروا

۷...... ''اس نے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت نامناسب حملے ان کی عزت پر کئے۔'' اے یہودیوں کی عزت کے حامی! قرآن بتلاتا ہے کہ ''لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسیٰ (مائدہ:۷۸)'' کہ بنی اسرائیل میں جنہوں نے کفر کیا تھا دراصل وہ لعنت کے مستحق تھے ان پر زیادتی کچھ نہیں کی گئی اور حضرت عیسیٰ نے ان کے کفر کو دریافت کر لیا تھا۔ ''فلما احسّ عیسیٰ منهم الکفر'' اور ان کافروں کو خدائی غضب سے ڈرایا۔ گالیاں نہیں دیں اور خود تم نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ مسیح کے سخت الفاظ بھی بیہودہ نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے محل پر چسپاں ہوں گے اور محض گالیوں کے رنگ میں ہرگز نہیں ہوں گے۔ مگر دشمن جس کی نیت صاف نہیں ہم اس کو کیونکر سمجھا سکتے ہیں کہ وہ محل وموقع کے الفاظ ہیں نہ گالیاں۔ (ج۱ص۳۶)

تم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ حضرت مسیح کے منہ سے الفاظ غصے کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے۔ بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔ (ضرورۃ الامام ص۷، خزائن ج۱۳ ص۴۷۸)

دروغگو را حافظہ نباشد

اس کو کہتے ہیں ایسے شخص کی تردید کرتے ہوئے افسوس آتا ہے۔

مرزا قادیانی کی غلط فہمی

۸...... ’’اس نے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے پیشتر گزر چکے تھے چور اور بٹمار کہا۔‘‘ (یوحنا:۱۰:۸)

مسیح خداوند کا قول ہے ’’جو کوئی دروازہ سے بھیڑ خانہ میں داخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اور کسی طرف سے چڑھ جاتا ہے۔ وہ چور اور ڈاکو ہے۔‘‘ (یوحنا:۱۰:۱)

جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں۔ مگر بھیڑوں نے ان کی نہ سنی۔ جن لوگوں کو مسیح نے چور اور ڈاکو فرمایا ان کے دو نشان بتلائے۔ ایک یہ کہ وہ دروازے سے بھیڑ خانہ میں داخل نہیں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ بھیڑوں نے ان کی نہ سنی۔ پس ایسے لوگوں سے مراد ’’انبیاء اولیاء‘‘ سمجھنا یہ صرف مرزائی خوش فہمی ہے جس کے بطلان کی چنداں ضرورت نہیں۔ مسیح نے جھوٹے نبیوں اور رفارمروں کو جنہوں نے جھوٹ، بنی اسرائیل کا چرواہا ہونے کا دعویٰ کیا۔ چور اور بٹمار کہا وہ اس قسم کے لوگ تھے۔ جن کی نسبت حضرت یرمیاہ نبی نے فرمایا۔ ’’ان چرواہوں پر افسوس جو میری چراگاہ کی بھیڑوں کو ہلاک و پراگندہ کرتے ہیں۔ میرے لوگ بھٹکی ہوئی بھیڑوں کی مانند ہیں ان کے چرواہوں نے ان کو گمراہ کر دیا۔‘‘

نبیوں اور رسولوں کی جو مسیح سے پہلے گذرے ان کی تصدیق تو خود مسیح نے فرمائی۔ آپ نے یہود کو سرزنش کی۔ ’’خدا کی حکمت نے کہا کہ میں نبیوں اور رسولوں کو ان کے پاس بھیجوں گی۔ وہ ان میں سے بعض کو قتل کریں گے اور بعض کو ستاویں گے۔‘‘ (لوقا:۱۱:۴۹)

اور بڑے زور سے فرمایا۔ ’’اے یروشلم! اے یروشلم تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔‘‘ (متی:۲۳:۳۷)

آپ نے موسیٰ کی گدی کو قابل تعظیم ٹھہرایا اور فرمایا۔ ’’فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو۔‘‘ (متی:۲۳:۲،۳)

اور توریت اور نبیوں کی کتابوں کو آپ نے تسلیم کیا۔ (متی:۵:۱۷)

اور اپنے شاگردوں کو موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ ان کو سمجھا دیں۔ (لوقا:۲۴:۲۶)

پس کتنا بڑا جھوٹ ہے یہ کہنا کہ مسیح نے تمام انبیاء اور اولیاء کو جو اس سے پیشتر گذرے۔ چور اور بٹمار کہنا۔ کیا آپ قرآن کا وہ اصول تفسیر بالکل بھول گئے جو ہم کو سکھلایا تھا؟

مسیح کی دعا

۹...... اس نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی۔ مسیح کی دعا یہ ہے: ''اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی۔ اے میرے باپ! اگر یہ میرے پئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو اور وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی۔'' (متی:۲۶:۳۹،۴۵)

اور اسی کو مرزا قادیانی کہتا ہے کہ: ''خدا کی مرضی کے خلاف دعا کی۔'' اس کو نہ دعا کی ماہیت سے خبر ہے نہ یہ جانتا ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔ اس پر ہم آگے چل کر مفصل بحث کریں گے۔

ناجی چور

۱۰...... اس نے چور سے وعدہ خلافی کی۔ (لوقا:۲۳:۴۳) میں لکھا ہے کہ مسیح نے چور سے جو اس پر ایمان لایا۔ فرمایا: ''آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔'' پس جو لوگ مسیح کے قول کو حق سمجھتے ہیں اور جن کی تعریف میں یؤمنون بالغیب آیا ہے۔ ان کو تو پورا یقین ہے کہ بلاشک وہ چور اسی روز بہشت میں داخل ہو گیا۔

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ وہ خود تین دن دوزخ میں رہا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: ''لعنت اللہ علی الکاذبین''

مسیح عالم ارواح میں

خداوند مسیح کے بہشت میں اور عالم ارواح میں جانے کا زمانہ وہ ہے جو مابین مصلوبیت وقیامت کے واقع ہوا اور دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد آپ چالیس دن تک زمین پر اپنے شاگردوں کے ساتھ رہے وہ دوسرا زمانہ ہے اور آپ کا یہ قول میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا۔ (یوحنا:۲۰:۱۷)

آپ کے رفع جسمانی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب آپ اسی جسم کے ساتھ دوبارہ

زندہ ہوکر آسمان پر صعود فرما گئے۔ نہ اس رفع روحانی کی طرف جب محض روح کے ساتھ بلا جسم آپ بہشت بریں پر تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں آپ کا جسد مبارک لحد میں استراحت فرماتا تھا۔ اس اعتراض میں مرزا قادیانی نے اس دوسرے چور کا ساتھ دیا جو آخر دم تک حضرت مسیح سے منکر رہا۔

پنجم...... مرزا قادیانی نے اپنے اوپر صرف یہی ظلم نہیں کیا کہ حضرت مسیح کی مقدس زندگی کے اوپر انجیل کے بیان کی بنیاد پر ایسے لغو اور بیہودہ اعتراض کئے جن کو کوئی صداقت پسند شخص چاہے کسی مذہب وملت کا ہو ایک دم کو جائز نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ اس نے انجیل نویسوں کے سکوت پر بھی بمصداق ''المرء یقیس علیٰ نفسہ'' اپنی بدگمانی کو جولانی دی ہے۔

مسیح کی طفلی کا مبارک عہد

وہ کہتا ہے کہ: ''انجیل نویسوں نے دیدہ دانستہ اپنے پیش کردہ یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارۃً بیان کرنے سے بھی پہلوتہی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کے ایام پر ارادۃً پردہ ڈالا گیا تھا۔ اس پہلی تیس سالہ زندگی کو بیان کرنے سے کنارہ کشی کی ہے۔ اگر اس زمانے کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے۔ دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جائے اور مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی سوانح میں اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی کا نمونہ نہیں ملتا۔ بلکہ مخالفین کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت عیوب سے خالی نہ تھا۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہوگیا۔ اس وجہ سے اس کے استاد نے ناراض ہوکر اسے عاق کر دیا۔'' (ص۵۰۳،۵۰۴)

انجیل نویسوں نے پیشتر وہی حالات قلمبند کر دیئے ہیں جو حواریوں کی آنکھوں کے سامنے اس زمانہ کے بعد وقوع میں آئے۔ جب وہ حضرت مسیح پر ایمان لا چکے تھے۔ یعنی بعد اس کے کہ حضرت مسیح تیس برس کی عمر میں بنی اسرائیل پر ظاہر ہوئے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ ہے کہ انہوں نے یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارتاً بیان کرنے سے بھی پہلوتہی کی ہے۔ گو انہوں نے بچپن کے حالات کی تفصیل تو نہیں بیان کی اور یہ ان کے مقصود کے بھی خلاف تھا۔ مگر انہوں نے ایمان داروں کی تسکین ومعرفت کے لئے کافی ووافی بیان کر دیا ہے۔ آپ کی والدہ صدیقہ آپ کو گود میں لے کر مقدس ہیکل میں لائیں اور وہاں جملہ شرعی رسوم ادا ہوئیں۔ اس کے بعد لکھا ہے: ''جب وہ خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرت کو پھر گئے اور وہ لڑکا

(یسوع) بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔‘‘

(لوقا:۲:۳۹،۴۰)

دیکھئے! یہ لب لباب آپ کی بچپن کی مقدس زندگی کا انجیل نویسوں نے بیان کیا۔ الٰہی حکمت سے معمور ہونا اور خدا کے فضل میں ترقی کرنا۔ حکمت سے معمور ہونے کی طرف قرآن میں بھی اشارہ دیا ہے۔ ’’انا علمنک الکتاب والحکمة (مائدہ:)‘‘ اور فضل خدا پر بھی آیت ’’نعمتی علیک‘‘ شاہد ہے۔ جب حضرت مسیح بارہ برس کے ہوئے تو اس الٰہی حکمت کا فضل وظہور یوں دیکھا کہ لوگوں نے آپ کو ’’ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔‘‘ (لوقا:۲:۴۶،۴۷)

اس عمر کو دیکھئے اور آپ کا خدا کے گھر میں خدا کی شریعت پر شرع کے علماء سے سوال وجواب کرنا دیکھئے اور دیکھنے والوں کی حیرت ملاحظہ فرمایئے۔ اسی کی تائید میں قرآن میں وارد ہوا ہے۔ ’’یعلمه الکتاب والحکمة ولتورة والانجیل (آل عمران:۴۸)‘‘

مسیح کا عہد شباب

اس بارہ برس سے تیس برس تک کی زندگی کا خلاصہ انجیل نویس یوں بیان کرتے ہیں۔ ’’یسوع حکمت اور قد وقامت میں اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔‘‘ (لوقا:۲:۵۲)

پس وہ جو سعید نے سفینہ سے مردانیوں کی دروغگوئی کی بابت کہا تھا: ’’کذبت استاه بنی زرقاً‘‘ یعنی جھوٹ بولتی ہیں وہیں ان کی۔ وہی ہم قادیانی کو اس جھوٹ کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ اس کی جوانی کے ایام پر ارادتاً پردہ ڈالا گیا۔ نہیں بلکہ پردہ اٹھا دیا گیا اور مسیح کی مبارک زندگی کی جھلک اہل ایمان کو دکھلائی گئی کہ کس طرح جوانی کے ایام میں آپ خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کر رہے تھے اور اس سے زیادہ پاک زندگی تصور میں نہیں آسکتی۔

مرزا قادیانی کہتا ہے: ’’اگر اس زمانہ کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے۔ دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جاوے۔‘‘ خاموشی کی نوعیت تو ہم نے دکھلا دی کہ کس طرح وہ آپ کی عصمت پر ناطق ہے۔ رہے دوسرے ذرائع ہم ان کے مخالف نہیں۔ مسلمانوں کے لئے دوسرے ذرائع میں سب سے معتبر ذریعہ قرآن شریف ہے اور اس میں حضرت مسیح کی مبارک زندگی کا خلاصہ یہ بیان ہوا۔ ’’وجیهاً فی الدنیا من الصالحین (آل عمران:۴۵،۴۶)‘‘

جعلنی مبارکاً این ماکنت (مریم: ۳۱) ولنجعله آیة للناس ورحمة منا (مریم: ۲۱) ’’پس جب ہر وقت اور ہر جگہ آپ کا وجود برکت والا قرار دیا گیا اور آپ ہمیشہ صالح رہے تو بچپن اور جوانی کی نسبت بدگمانی کی گنجائش کہاں باقی رہی؟ مگر افسوس مرزا قادیانی کے دوسرے ذرائع تو وہی مردود اور ملعون یہودی ذرائع ہیں جن کے حوالہ دینے سے یہودی بھی شرماتے ہیں اور وہ بہتان عظیم کبھی کسی ہم عصر یہودی کی بھی زبان سے نہیں نکلا، نہ کسی معتبر یہودی تاریخ میں درج ملتا ہے۔ ہاں صدیوں بعد جب یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان عداوت کا بازار گرم ہوا تو عیسائیوں کو رنج دینے کی غرض سے کسی ناپاک طینت یہودی مناظر نے جس سے آپ کو موافقت ہے یہ کہہ کر اپنی عاقبت خراب کی اور اس کا یہ کفر اسی قسم کا ہے جیسا یہود کے اور اشرار نے مقدسہ مریم کی شان میں بکا اور جس کے لئے قرآن نے ان کو ملعون ٹھہرایا اور بڑا تماشا یہ ہے کہ مرزا قادیانی خود بھی ایک جگہ ایسے الزام کو یہودی لوگوں کی شرارت اور خباثت پر مبنی بتلا کر مان چکا ہے کہ وہ لوگ اپنی جبلی شرارتوں سے حضرت مسیح اور ان کی والدہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کیا کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی یہاں اس کو ان یہودیوں کے کفر پر کتنا بڑا وثوق ہے کہ بار بار اس کا حوالہ دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ یہ وہ روایت ہے جو یہودی پیش کرتے ہیں۔ آپ یہودیوں کے اس الش کو نوش جان فرمائیے اور اپنا کہا ہوا بھول جائیے کہ انہی بہتانوں کی وجہ سے یہود پر پھٹکار پڑی۔ مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ اگر مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے ہم کہتے ہیں تو اس وقت قرآن کے بیان کو لغو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کسی یہودی لڑکی پر عاشق ہو جانا اور استاد کا ناراض ہو کر عاق کر دینا ’’ایدناه بروح القدس، مبارکاً این ما کنت ‘‘اور’’ وجیهاً فی الدنیا ‘‘اور ’’رحمة منا ‘‘اور’’ من الصالحین ‘‘ کی تفسیر نہیں ہوسکتا۔ بھلا ہم پیر قادیان کو کیا جواب دیں جو نہ قرآن سے راضی نہ انجیل سے راضی اور نہ حدیث سے راضی اور جو صرف یہودیوں کو اپنا پیرو مرشد بنائے ہوئے ہے۔ جن کی شان میں قرآن نے پکار کر کہہ دیا۔’’بل طبع الله علیها بکفرهم فلا یؤمنون (مائدہ: ۱۵۵) ‘‘مہر لگا دی اللہ نے ان کے دل پر ان کے کفر کے باعث پس وہ ایمان نہیں لاتے۔ اب ہم یہ مضمون عصمت مسیح کا ختم کرتے ہیں۔

۵...... مسیح کی موت و بعثت کا اثبات اور مرزا قادیانی کے اوہام کا ابطال

مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے موا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا۔ (کرنتھی: ۱۵: ۳)

ہمارے خداوند مسیح کی صلیبی موت ایک ایسا مواقعہ ہے کہ اس سے نہ تو کبھی دوستوں نے انکار کیا نہ دشمنوں نے۔ دوست تو انکار کرنہیں سکتے۔

مسیح کی موت پر اہل جہاں کا اتفاق

کیونکر وہ اپنے خداوند کے احسانوں کو فراموش کر دیں؟ جس نے اپنی جان بھی ان کے لئے دریغ نہ کی۔ ہمارے ہی گناہوں کی خاطر وہ گھائل کیا گیا اور ہماری ہی بدکاریوں کے لئے کچلا گیا اور دشمن بھی کیوں انکار کرنے لگے؟ خداوند کی موت تو ان کی عداوت وخباثت کی معراج تھی۔ جس میں جہاں کے نور پر گویا ایک دم کے لئے تاریکی کی قوتوں کو فتح نصیب ہوگئی۔ پس دوست تو شکر کے ساتھ اور دشمن فخر کے ساتھ دنیا کی تاریخ کے اس عظیم ترین سانحہ پر ہمیشہ گواہی دیتے رہے۔

نادان دوستوں کا خیال

ہاں! نادان دوستوں میں بعض گذرے جن کو پطرس کی طرح یہ خیال گوارا نہ ہوسکا کہ کوئی معصوم، مقبول بارگاہ، دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ کر ایسی دردناک موت سے مرے اور اس کو نبی کی عظمت اور خدا کے انصاف اور رحمت کے خلاف سمجھ کر واقعہ صلیب کے حقیقی ماننے میں انہوں نے تأمل کیا۔ مگر وہ بھی کبھی اس امر سے انکار نہ کر سکے کہ جو شخص صلیب دیا گیا اور صلیب پر مرا۔ وہ صورت اور شکل میں بالکل مسیح کا مثنیٰ تھا اور تمام لوگوں نے اس کو مسیح ہی سمجھا۔ ان کی محبت نے اور دل کی آرزو نے صرف یہ وہم پیدا کر لیا۔ جس کا خارجی ثبوت ممکن نہیں کہ کسی نامعلوم اور معجزانہ طریق سے خدا نے اصل مسیح کو ہر ایک جسمانی درد، دکھ اور تکلیف سے بالکل محفوظ رکھا اور دشمنوں کے ہاتھ سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا اور اس کی جگہ ایک نقلی مسیح کو صلیب وموت ہوگئی۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہی خیال ہے آج تک ان کے علماء ''لکن شبہ لھم'' کی تفسیر میں بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر جب یہ بلاعذر تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اکثر انبیاء جھٹلائے گئے اور اذیتیں اٹھا کر خدا کی راہ میں شہید ہوئے اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ''یقتلون النبیین بغیر الحق'' تو پھر جسمانی ابتلاء، درد، تکلیف، موت وشہادت فی سبیل اللہ مسیح کے حق میں کیونکر ذلت کا باعث متصور ہوسکتی ہے؟ بلکہ یہ تو ایک خاص الخاص پہلو آپ کی رفعت وعظمت کا ہے۔

عیسائی جو خداوند کی شہادت وموت کے قائل ہیں وہ آپ کی ظفر مند قیامت کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد موت تیسرے دن خدا نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایک جلالی جسم میں اٹھایا اور گور اور موت پر فتح بخشی اور آسمان پر معہ جسم مرفوع کیا اور یہ سب سے بڑا معجزہ تھا۔

بلکہ قرآن میں جولکھا ہے:''وانہ لعلم للساعۃ (زخرف:۶۱)''یعنی عیسیٰ قیامت کا علم ہے۔ اس کے معنی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی ذات سے علم حاصل ہوتا ہے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ کیونکہ جسم قبر سے دوبارہ زندہ ہوکر ہمیشہ کے لئے غیرفانی اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہوجاتا ہے۔ مگرملحدین منکرین معجزہ جواس کونہیں مانتے وہ ہمیشہ آپ کی موت کے قائل رہے اور قیامت وبعثت کے منکر۔

نادان دشمنوں کا خیال

ان منکرین کے گروہ میں اکاّ دکاّ ایسے خام خیال بھی گزرے ہیں جن کو دقت نظر حاصل نہ تھی اوراسی لئے ان کے خیالات ان کے گروہ میں بھی نامقبول رہے جنہوں نے مسیح کا اپنے شاگردوں کو بعد صلیب ودفن نظر آنا ایک واقعہ مسلمہ مان لیا۔ مگر معجزے کو باطل کرنے کی غرض سے جس کے وہ منکر ہیں یہ وہم ایجاد کیا کہ مسیح صلیب پر مرے ہی نہ تھے۔ صرف غش کھا گئے تھے۔ جس کو لوگ موت سمجھے اور پھر ہوش میں آکر اور کچھ دنوں زیرعلاج رہ کر اچھے ہوگئے اوراسی کو شاگردوں نے دوبارہ زندہ ہوجانا مشہور کردیا۔ یہ خیال ایسا فاسد بلکہ بودا تھا کہ منکرین کی نگاہ میں بھی نہ بچا اوراس کو اسٹراس جیسے سرآمدہ ملاحدہ یوروپ نے روک کے سمجھا دیا کہ مطلق قابل التفات نہیں۔

ماخذ معلومات قادیانی

مگر ہمارے مرزاقادیانی جوملحدوں اور دہریوں کے عیسویت کی مخالفت میں کاسہ لیس ہیں اوران کے رد کئے ہوئے فضلہ کو شیرمادر کی طرح ہضم کرنے میں مشاق ہوگئے۔ اس مردود ولاوارث خیال کو ان کی کتابوں سے سرقہ کر کے بڑے طمطراق کے ساتھ اپنے پٹھوں کے ذہن نشین کر رہے ہیں اوراس کو ایک عظیم الشان مضمون اوراس زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات کا نام دے کر گویا فرماتے ہیں کہ ایں خیال اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ، اورحق یہ ہے کہ بیہودگی اورحماقت میں بھی مرزاقادیانی کو جدت نصیب نہ ہوئی۔ اگر آپ کبھی کسی دہریہ یا ملحد کے یہاں منڈے بھی تو وہ بھی کوئی شامت کا مارا گھٹیا کابل کا گدھا نکلا۔ پس مسیح کی صلیبی موت سے انکار کرنے میں تو آپ نے الحاد کے کٹھ ملانوں کی تقلید کی اور مسیح کے ملک شام سے ہندوستان میں سفر کرنے کے خیال میں آپ نوٹوش روسی سیاح کے مرید ہوئے۔ جس نے تھوڑے دن ہوئے واقعی کچھ جدت اور ہنرمندی کے ساتھ ہم کو مسیح کی نئی سوانح عمری کا دلچسپ ناول صحیح تاریخ کے نام سے سنایا تھا۔ مگراس کا نراافسانہ ہونا ثابت ہوگیا اور یورپ سے جب یہ دونوں خیال مردود ہوچکے تو مرزاقادیانی نے ان

کو اپنی اندھیر نگری میں جہاں کے آپ بوجھ بوجھکڑ ہیں رائج کرنا چاہا۔

یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ نہ تو مرزا کو نادان دوستوں کا یہ خیال جچتا ہے کہ خدا نے مسیح کو ہر طرح کے دکھ، درد و رسوائی سے بچالیا۔ کیونکہ یہ قلبی محبت پر مبنی تھا۔ نہ اس کو فہمیدہ دوستوں کا خیال جچا کہ مسیح خدا کی راہ میں ہر طرح کے مصائب سہہ کر شہید ہوئے اور سب سے اعلیٰ ثواب کو فائز ہوئے کیونکہ یہ واقعات پر مبنی تھا۔ نہ اس کو دانا دشمنوں کا خیال جچا کہ مسیح کی موت تو یقینی تھی مگر ان کا دوبارہ لوٹ کر آنا شاگردوں کا وہم وخواب تھا۔ کیونکہ اس کے لئے بھی فہم وفراست درکار تھی۔ اس کو جچا تو نادان دشمنوں کا خیال جچا۔ کیونکہ اس میں قرآن کا یہ سخن پورا ہوتا ہے۔ ’’**جعلنا لکل نبی عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الیٰ بعض زخرف القول غروراً** (انعام:۱۱۲)‘‘ ہم نے رکھ دیا ہر نبی کے دشمن آدمیوں اور جنوں میں شیطان لوگ جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو جھوٹی باتیں مکاری کی۔ یہ مسیح کے حق میں آپ کی اور آپ کے استادوں کی دشمنی ہے کہ مسیح کے لئے دو موتیں تجویز کرنے کو یہ خیال چلایا گیا ہے کہ ایک دفعہ تو مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ ہر طرح کی رسوائی دود دکھ سے سہے اور صدمات کی شدت میں غش کھا گئے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کو مردہ تصور کرلیا اور یہ ایک موت کے برابر مصیبت اٹھا کر دوبارہ ہوش میں آئے۔ پھر مدت تک بیماری میں مبتلا رہے۔ مرہم پٹی ہوتی رہی اور چنگے ہو کر ایک مرتبہ پھر کبرسنی کو پہنچ کر موت کا مزا چکھا۔

مرزا قادیانی کا یہی ’’**زخرف القول غروراً**‘‘ جو جنوری فروری ومئی وجون کے ۱۹۰۳ء کے چار نمبروں میں کئی صفحے سیاہ کئے ہوئے مجذوبوں کی بڑ کی طرح خبط بے ربط اور شیطان کی آنت کی طرح پیچ در پیچ ہے۔ ہماری دانست میں خود اپنی تردید تھا۔ مگر اس نے شور مچادیا کہ ہمارے مضامین کو شائع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزر چکا۔ لیکن عیسائیوں کی طرف سے ان کی تردید میں ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ عیسائیوں نے ایسی لچر تقریر کی جس کو مسلمان بھی مردود مانتے ہیں اور عیسائی بھی، کچھ پروا نہیں کی تھی مگر وہ تمہارا یہ کفر بھی توڑے دیتے ہیں۔ لو اب اپنی دونوں آنکھیں کھول کر، نہیں اپنی ایک ہی آنکھ کھول کر خوب دیکھ لیجئے کہ آپ کے عظیم الشان محل کو عیسائی کس طرح زمین سے ملائے دیتے ہیں۔

ہم اپنے آرٹیکل کے اس نمبر میں مختلف عنوانوں کے نیچے صرف یہ ثابت کریں گے کہ انجیل شریف کے بیان کے مطابق خداوند مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے انکار ممکن ہی نہیں اور کہ مرزا قادیانی کے تمام اوہام نہ صرف باطل بلکہ دانستہ کذب پر مبنی ہیں۔

مرزائی دلائل کا لب لباب

مرزا قادیانی کہتا ہے اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابل غور ہے ایک آدمی تین گھنٹے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور کوئی تاریخ شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹے میں کوئی آدمی مر گیا ہو۔ صلیب سے اتارے جانے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں۔ جو آدمی اس کے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اتارے گئے وہ زندہ ہی تھے۔ جب اس کی پسلی میں ذرا نیزہ کا سرا چبھویا گیا تو وہاں سے خون نکلا۔ کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مر چکا ہے۔ ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا۔ کیونکہ اس قدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہیں سکتا۔ ہر عقلمند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے۔ بلکہ بھاگ کر کہیں اور پناہ گزیں ہوئے۔

(ص۵۶،۵۵)

اوّل...... کتنی مدت تک مسیح صلیب پر رہے۔ پہلے تو مرزا قادیانی ’’مسیح کا تین گھنٹے صلیب پر رہنا۔‘‘ پھر کہا کہ تین گھنٹے کے اندر صلیب پر سے اتارا گیا۔ پھر اس سخن کی بھی اصلاح کی اور کہا کہ قریباً دو گھنٹے سے بھی کم وقت رہے۔ یعنی مسیح کو دو گھنٹے سے بھی کم وقت صلیب پر گذرا اور بالآخر زیادہ سوچ سمجھ کر آپ نے اصلاح میں ترقی کی اور مسیح کے صلیب پر نہایت تھوڑے عرصے رہنے پر قطعی حکم لگا دیا۔

کسی دیہاتی اہل دل کا قول تھا۔

ماٹی اوڑھنا ماٹی بچھونا ماٹی کا سرہانا ہے

ہم کو یہاں مرزا قادیانی زبان حال سے یہ پڑھتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ جھوٹ اوڑھنا، جھوٹ بچھونا، جھوٹ ہی کا سرہانا ہے۔ تین گھنٹے کہے وہ لغو تھا۔ قریباً دو گھنٹے لغوتر تھا اور پھر یہ نہایت تھوڑا عرصہ لغوترین تھا۔ نہیں ہم بھول گئے۔ آپ کی لغویت مبالغہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے آپ تو یہ لکھ چکے ہیں۔ چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا۔

(ازالۃ الاوہام ص۳۸۱، خزائن ج۳ ص۲۹۶)

مرقس باب ۱۵ آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ پھر دن چڑھا تھا جب انہوں نے اس کو مصلوب کیا۔ لفظی ترجمہ یونانی عبارت کا یہ ہے وہ تیسرا گھنٹہ تھا۔ یہودی حساب سے دن صبح سے شام تک ۱۲ گھنٹوں میں منقسم ہے اور صبح سے تیسرا گھنٹہ ہندوستانی۔ پہلا پھر رومی اور انگریزی

حساب سے ۹ بجے صبح کا وقت تھا۔ یعنی مسیح صبح ۹ بجے صلیب دیئے گئے۔ مگر مرزا قادیانی کی اعجازی جہالت کی شامت دیکھو۔ جہاں چھٹے گھنٹے یعنی ۱۲ بجے دن کا ذکر آیا ہے وہ لکھتے ہیں یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا۔ یعنی وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے۔ کیا خبط ہے۔ نہیں دیکھ سکتے کہ چھٹا گھنٹہ دن کے وسط کا وقت ہے جو صبح وشام سے چھ چھ گھنٹے بعید ہے۔

پھر آیت ۳۴ میں لکھا ہے: ''تیسرے پہر یسوع بڑی آواز سے چلّایا۔'' ایلی ایلی لما سبقتنی'' لفظی ترجمہ ہے۔ نویں گھنٹے پر جو تیسرا پہر یعنی ۳ بجے دن کا وقت ہے۔ پس ۹ بجے صبح سے لے کر ۳ بجے دن تک پورے چھ گھنٹے ہوگئے ہیں اور اس وقت تک مسیح صلیب ہی پر ہیں اور زندہ ہیں۔ پھر اس کے بعد کچھ وقفہ ہوا۔ نہیں معلوم کس قدر اور تب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر دم دے دیا۔''

پس معلوم ہوگیا کہ صلیب دیئے جانے سے جان دینے تک خداوند مسیح کو چھ گھنٹے سے بھی زیادہ مدت گزر چکی تھی اور اس وقت تک آپ صلیب پر سے نہیں اتارے گئے بلکہ قریباً تین گھنٹے موت کے بعد بھی مسیح کا جسم مبارک صلیب ہی پر لٹکتا رہا۔ کیونکہ صاف لکھا ہے: ''جب شام ہوگئی...... امتیہ کا رہنے والا یوسف آیا...... اور پیلاطس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی۔''

اور جب اجازت مل گئی تو وہاں سے لوٹا اور صلیب پر سے اس کو اتار کر مہین چادر میں لپیٹا۔ (لوقا:۲۳:۵۳)

پس روشن ہوگیا کہ شام ہو جانے تک خداوند کا لاشہ صلیب ہی پر لٹک رہا تھا۔ ۹ بجے صبح صلیب دی گئی اور شام کے بعد یعنی ۶ بجے کے بعد لاش صلیب پر سے اتاری گئی۔ اب کسی سے گنوا لو کہ یہ مدت ۹ گھنٹے سے زائد ہوئی کہ نہیں اور اسی کو آپ نے قریباً دو گھنٹے اور نہایت تھوڑا اور چند منٹ بتلایا۔ آپ نے اس پرانے ٹکسالی پیشہ ور جھوٹے کو بھی ہرا دیا جو بچارہ صرف اسی پر اکتفا کرتا تھا۔

دو پیانہ آب ست و یک چمچہ دروغ

دوم...... آیا طبعی طور پر یہ مدت مسیح کے حق میں زندگی فنا کر دینے کو کافی تھی؟

مسیح کی اذیتیں صلیب سے پہلے

خداوند مسیح کو صرف ایک صلیب ہی سے بدنی صدمات نہیں پہنچے تھے بلکہ صلیب سے پہلے خبیث دشمنوں نے آپ کو پوری طرح خستہ اور قیمہ کر ڈالا تھا۔ جمعرات کی شام کو آپ نے

اپنے شاگردوں کے ساتھ فسخ کا کھانا کھایا تھا اور پھر اس کے بعد نہ ایک دانہ اناج کا آپ کے منہ تک پہنچا نہ ایک قطرہ آب زبان تک۔ صبح ہوتے ہی زخم پر زخم پہنچائے گئے اور سارے دن بھوکے پیاسے رہے اور طبیبوں کو معلوم ہے کہ تشنگی کا غلبہ زخمیوں پر کس درجے ہوتا ہے۔ پیاس کی شدت اور اذیت، الامان! تمام شب مصیبت و پریشانی میں کٹی۔ ایک جھپکی آنکھوں کو نصیب نہ ہوئی۔ رات ہی کو ناخداترس دشمنوں نے گرفتار کرلیا۔ ادھر سے ادھر دوڑایا۔ تھکا کر بدن کو چور کر ڈالا۔ روحانی اذیتوں کی کچھ انتہاء نہ تھی۔ ہر طرح کی ذلت وخواری سہی برا چاہنے والوں کی دل آزاری اٹھائی جن کو زندگی کی راہ بتائی۔ وہی جان کے گاہک ہوگئے۔ بلکہ موت کی راہ میں بھی کانٹے بچھائے۔ کانٹوں کے تاج نے آپ کا مبارک سر لہولہان کر دیا اور سرکنڈوں کی مار نے جراحت پر جراحت پہنچائی اور اس سب کے اوپر یہ ستم کہ آپ کا مقدس جسم جو جنت کے پھول سے نازک تر تھا کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ (متی:۲۷:۲۷،۳۱)

درّے کی سزا

ہم مرزا قادیانی کی قسوت قلبی کو دفع نہیں کر سکتے۔ مگر صرف ناظرین کو بتلاتے ہیں کہ رومیوں کے درمیان کوڑے کی سزا نہایت ہی ایذادہ اور سنگین تھی۔ کوڑے کے لڑوں میں لوہے، ہڈی یا سیسے کے ٹکڑے اس ترکیب سے پروئے ہوتے تھے کہ ان کی خوفناک ضربوں سے گوشت پارہ پارہ ہوکر پشت قیمہ ہوجاتی تھی اور اکثر ملزم کوڑے کھاتے ہوئے وہیں مرجاتے تھے۔ جب یہ سزا جس کے تصور سے بدن لرزتا اور روح کانپ اٹھتی ہے مریم کے فرزند بھگت چکے تو بھاری صلیب جو شہتیروں کے دو کندوں سے بنا ہوتا تھا۔ آپ کی مجروح پشت پر لادا گیا اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے۔ (یوحنا:۱۹:۱۷)

اور تب آپ کو صلیب دی گئی۔

مصلوب کرنے کا طریقہ

یہ ایک دردناک عمل تھا۔ پہلے صلیب کو زمین پر دھرتے پھر اس پر ملزم کو لٹا کر موٹی موٹی لمبی لوہے کی سیخوں سے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پیروں کے تلوؤں کو چھید کر لکڑی میں ٹھونک دیتے تھے۔ پھر اس کو زندہ جسم سمیت سیدھا کر کے زور سے گڑھے میں دھر کر گاڑ دیتے تھے اور سارا جسم چار زخموں کے سہارے سے لٹکتا تھا۔ جس سے جسم کا ایک ایک رگ و پٹھا تانت کی طرح کھنچ جاتا تھا۔ اس اذیت میں جس کے بیان سے ہر شخص جس کو ذرہ بھی اخلاص وعقیدت خدا کے نبی کے

ساتھ ہے بے تاب ہو جاتا ہے۔ مسیح نے جن کو قرآن روح اللہ یعنی خدا کی جان کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ پورے چھ گھنٹے رہ کر جان دی۔ مرزا قادیانی کہتا ہے۔ یہ نہایت صاف بات تھی کہ تین گھنٹے صلیب پر لٹکانے سے کبھی کسی کی جان نہ نکل سکتی۔ وہ لوگوں کو دھوکا دے کر یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ گویا مسیح کو دشمنوں نے یکا یک چنگا بھلا پکڑ کر تین گھنٹے تک صرف ایک رسی سے باندھ کر لٹکا رکھا تھا اور اس لئے یہ وقت ایسی حالت میں موت کے لئے کافی نہیں ہوا۔ مگر ہم ثابت کر چکے کہ صلیب تک تو مسیح نیم مردہ پہنچے تھے اور مطلق کوئی حیرت نہ ہوتی اگر آپ کی جان کوڑے کھاتے ہوئے نکل جاتی۔ یا اس وقت جب آپ زخمی پشت پر صلیب لادے لا رہے تھے یا جس وقت آپ کو صلیب پر ٹھونک رہے تھے یا صلیب لادے لا رہے تھے۔ یا جس وقت آپ کو صلیب پر ٹھونک رہے تھے یا صلیب دینے کے عین بعد ہی مگر جب آپ پورے ۹ گھنٹے صلیب پر لٹک چکے تو سخت سے سخت منکر کو بھی موت کا یقین ہو گیا پر مرزا قادیانی کے انکار کا علاج ہم نہیں کر سکتے۔ منکر نکیر کریں تو کریں۔

سوم...... نیزے کی ضرب کا کیا نتیجہ ہوا۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے: ’’اس کی پسلی میں ذرہ نیزہ کا سرا چھبویا گیا تو وہاں سے خون نکلا۔‘‘ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تھا۔ یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ زخم بڑا گہرا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی ہر ہر بن مو سے جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولنے میں گویا بلبل ہزار داستان ہے۔

انجیل کے الفاظ یہ ہیں: ’’ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی۔‘‘

(یوحنا:۱۹:۳۴)

اوّل...... تو لفظ چھیدنا استعمال ہوا۔ جو خود زخم کے گہرے ہونے پر دال ہے۔

دوم...... آلہ ضرب بھالا بتایا نہ کوئی سوئی یا سلائی اور یونانی لفظ کا اطلاق اس لمبے نیزے پر ہوتا ہے جو سواروں کے ہاتھ میں رہتا تھا اور نیزے بھالے کی نسبت چھوٹا بولنا شاید قادیان کے گنواروں کی زبان ہو۔ پس جو زخم ایسے آلہ سے لگایا گیا جس کی زد کے لئے کوئی روک بھی نہ تھی۔ اس کو خراش بلکہ محض کوئی چھوٹا سا خراش بتلانا جھک مارنا ہے۔

سوم...... ضرب پسلی سے نازک مقام پر لگائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی نے اپنے نیزہ کا پورا وار کیا اور ایک گہرا زخم لگایا جو اس کا مقصود تھا۔

چہارم...... انجیل میں لکھا ہے کہ زندہ ہو کر مسیح نے اپنے شاگرد سے کہا: ’’اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی میں ڈال۔‘‘ (یوحنا:۲۰:۲۷)

جو زخم اس طرح کا ہو کہ اس میں ہاتھ ڈالا جاوے اس کی نسبت یہ جھوٹ بولنا کہ کہیں نہیں لکھا کہ زخم بڑا گہرا تھا۔ حق اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ ہم تو ثابت کر چکے کہ زخم نہ صرف بڑا گہرا بلکہ بڑا چوڑا بھی تھا اور ہم آگے چل کر ثابت کردیں گے کہ یہ ایک کاری زخم تھا جو دل تک پہنچا ہوا تھا اور اگر بالفرض محال دوسرے صدمات جو اس سے پہلے مسیح برداشت کر چکے تھے دراصل موت کے لئے کافی نہ بھی ہو چکے ہوتے تو صرف یہی زخم زندگی وفنا کردینے کے لئے کافی سے زیادہ تھا اور کوئی بشر اگر اس میں سات جانیں بھی ہوں ایسے کاری ومہلک زخم سے جانبر نہیں ہوسکتا۔

چہارم…… دونوں چوروں کا جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے کیا حال ہوا۔ مرزا قادیانی کہتا ہے یہ قریب یاس نہیں ہے کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے۔ مگر مسیح صرف دو گھنٹے تک مر گیا۔ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ کوئی شخص وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ چور زندہ ہی اتارے گئے اور مرزا قادیانی تو خود انجیل سے نقل کر چکا کہ یہودیوں نے اس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہ جاویں…… پیلاطس سے درخواست کی ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں۔ (یوحنا:۱۹:۳۱)

جس سے مستنبط ہوتا ہے کہ وہ لوگ مر چکے تھے اور لاش ہو چکے تھے اور ٹانگیں ان کی صرف اس لئے توڑی گئی تھیں کہ شاید ان کی جان ابھی ابھی نکلی تھی اور سپاہیوں نے چاہا کہ اگر کہیں چھپی چھپائی کچھ جان باقی رہ گئی ہو تو پتہ چل جائے اور وہ بھی بالکل فنا کردی جائے اور ہر طرح کا شبہ مٹ جائے۔ کیونکہ اور زیادہ وہ لاشوں کو صلیب پر نہیں رکھ سکتے تھے۔

انسانی جسموں میں فرق

پر اگر یہی فرض کر لیا جائے کہ چور نہ مرے تھے تو بھی ان کی سخت جانی کی مشابہت مسیح میں ڈھونڈھنا پرلے درجہ کی حماقت وکورباطنی ہے۔ کیا قادیان میں سب دھان ۲۲ پنسیری ہیں؟ کیا انسانی جسموں میں سختی اور نزاکت کا فرق نہیں؟ کیا ہم روزمرہ نہیں دیکھتے کہ نفیس ونازک طبیعتوں کو ذراسی کرکری یا ذراسی بدبو یا ذراسی بے سری آواز یا گندگی کی ایک نظر بھی بڑے دکھ کا باعث ہوتی ہے۔ مگر ایسے نانہجار لوگ بھی ہیں جو ایک ٹکے کے لئے اپنے جسم کو چاقوؤں سے کاٹتے ہیں اور آگ سے جلاتے اور ہر طرح کے اگھورپن کرتے ہیں جس کو دوسرے لوگ دیکھنا بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ پس چوروں اور ڈاکوؤں کی سخت جانی سے جو قتل وغارت گری کے عادی تھے

جو شبانہ روز اس قسم کی تکلیفیں خود اٹھاتے اور دوسروں سے اٹھواتے رہے تھے۔ مسیح کا مقابلہ کرنا صرف ایک کافرانہ بے بصری ہے۔ اعلیٰ درجے کی پاک اور مقدس روحوں کے لئے پروردگار عالم نے اعلیٰ درجہ کے لطیف وپاکیزہ جسمانی مسکن بھی بنائے ہیں اور ان کے حواس خمسہ جن کے ذریعہ رنج وخوشی کا احساس ہوتا ہے ایسے اعلیٰ منزل پر ہوتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں۔ اگر ایک بھونڈی طبیعت کا شخص نہ سمجھ سکتا ہو۔ پس جو ایذا ان کو ایک چھڑی کی ضرب سے پہنچ سکتی تھی۔ عوام کو وہ تلوار کے گھاؤ سے نہیں پہنچ سکتی اور یہی تو وجہ ہے کہ نبی کو تھوڑی سی ایذا دینا بھی اللہ کے یہاں قتل انسان سے بڑا سمجھا گیا اور خود قرآن میں لکھا ہے: ’’**والذین یؤذون رسول اللہ لهم عذاب الیم (توبہ:۶۱)**‘‘ اور مسیح کا تو حال ہی بالکل دوسرا تھا۔ آپ نرالی صورت سے پیدا ہوئے ان کے جسم کی نظیر دنیا میں موجود ہی نہیں۔ جس طرح دکھ درد کا احساس ان کو ہوا کسی کو بھی نہیں ہوسکتا۔ مرزا قادیانی کی جہالت عجب شان کی ہے۔ عوج بن عنق سے بھی آپ کئی بانس اونچے ہیں۔

پنجم...... مسیح کی موت پر عینی شہادت۔

مرزا قادیانی کہتا ہے: ’’مسیح صلیب پر نہیں مرا...... بلکہ غش کی حالت ہوگئی تھی جو مرنے سے مشابہ تھی۔‘‘ یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھ کر سمجھ لیا فوت ہوگیا۔ (ص۲۳۳)

سکتہ یا غشی کی حالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل ہے کہ اس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تھا۔ (ص۱۹۴)

پیلاطس نے اپنے زمانہ کے قواعد وضوابط کی پوری پابندی کے ساتھ مسیح کی حقیقی موت کی تصدیق وتحقیق کر لی۔ ایسی کہ اب کسی یاوہ گو کو مجال چون وچرا باقی نہیں رہی۔ چنانچہ جب امرتیہ کا رہنے والا یوسف مسیح کی لاش مانگنے گیا تو پیلاطس نے جواب دیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبہ دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ کیا اس کو مرے ہوئے دیر ہوگئی۔ جب صوبہ دار سے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دلادی۔ (مرقس:۱۵:۴۴،۴۵)

یہ ان سپاہیوں کا افسر تھا جو صلیب پر تعینات کئے گئے تھے۔ جنہوں نے مصلوبوں کی حقیقی موت کا پورا پورا امتحان کر لیا تھا۔ دو کی ٹانگیں توڑ دی تھیں اور ایک کی پسلی چھید کر دل تک چیر دیا تھا اور سکتہ یا غشی اور حقیقی موت میں امتیاز کر لینے کے لئے یہ عمل کیا تھا تا کہ مصلوبوں کی موت میں کچھ دھوکا نہ رہ جائے۔ مگر مرزا قادیانی پوچھتا ہے کہ کیونکر ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے تسلیم کر لیں۔ (ص۱۹۴)

اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ عین صلیب کی گھڑی میں ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہوا اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جس کو اس بات کا تجربہ تھا کہ اس قدر مدت میں صلیب پر جان نکلتی ہے۔

(ص۵۱،۵۲)

یہاں مرزا قادیانی نے بددیانتی بھی کرنا چاہی ہے وہ انجیل کی عبارت کو یوں نقل کرتے ہیں۔ پلاطوس نے متعجب ہوکر شبہ کیا کہ وہ یعنی مسیح ایسا جلد مر گیا۔ (ص۵۱)

شبہ کیا یہ الفاظ اپنی طرف سے ملا دیئے اور ایسا جلد کے لئے بھی کوئی لفظ اصل میں نہیں ہے اور اس پر زور نہیں دیا جاسکتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ شبہ تو کسی شخص کا بھی یہاں مفید نہیں۔ مگر ہاں! تصدیق ضرور مفید ہے۔ سو اگر آپ کے گواہ پلاطوس نے بے سوچ شبہ کیا بھی تھا تو اس نے حقیقت امر دریافت کر کے اپنے شبہ کو بالکل رفع کر لیا اور پلاطوس کا یقین آپ کو جھوٹا بنا رہا ہے۔ یہ یقین ایسے شخص کا ہے جس کو پورے مواقع یقین حاصل کرنے کے بہم پہنچے ہوئے تھے اور جو عین صلیب کی گھڑی میں تحقیق کے ذرائع کو عمل میں لایا تھا۔ پلاطوس کو اپنے ماتحتوں اور کارکنوں کے حالات آپ سے زیادہ معلوم تھے۔ اس نے اپنے معتمد افسر کے قول کو حق مانا اور ماننا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ پلاطوس کا تجربہ صوبہ دار کے تجربے سے افضل نہ تھا۔ پلاطوس اپنے اجلاس اور محل میں حکم شد کا اختیار رکھتا تھا۔ مقتلوں میں جلادی کا کام نہیں کرتا تھا۔ ایسے مواقعوں کا ذاتی اور عینی تجربہ صوبہ دار اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے زیادہ کسی کو بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ تصدیق کر چکا کہ مسیح کو مرے ہوئے دیر ہوگئی اور اس کی تصدیق پر یہودیوں نے بھی صادر کر دیا اور پلاطوس نے بھی اور اس کو جاہل پولیس کا آدمی کہنا خود آپ کو جاہل ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ اپنے خاص فن میں وہ جاہل نہیں تھا۔

مگر ایک طرفہ ماجرا ہے۔ مرزا قادیانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے تاکہ مسیح کی جان بچ جاوے۔ اس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں کر دیا تاکہ ہر ایک کو مردہ معلوم ہو۔ (ص۲۳۲)

یعنی مسیح کو مردہ سا بنا دینا ایک الٰہی معجزہ تھا۔ تاکہ ہر ایک کو مردہ معلوم ہو۔ پس اگر تمام جہان کے ڈاکٹر مسیح کی لاش کا معائنہ کرتے اور ان کے ساتھ آپ اپنے حکیم الامتہ کو بھی ڈیپورٹ کرتے تو حکم خدا یہ تھا کہ وہ سب کے سب یہی کہتے کہ اس لاشے میں جان نہیں یہ مردہ ہے۔ اس سے بڑھ کر عینی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ تو خود آپ نے تسلیم کر لی اور کہہ دیا کہ جہاں میں

کوئی باقی نہ رہا تھا عالم ہو یا جاہل ڈاکٹر ہو یا سرجن جو مسیح کو بجز مردہ کے کچھ اور کہتا اور خدا کو منظور یہی ہوا۔ تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے۔

پس عینی مشاہدہ مسیح کی موت کا تو ہر ایک کو ہو گیا اور غشی کی حالت پر صرف ایک آپ کو اطلاع ہوئی ہے اور اس کا کوئی خارجی ثبوت آپ کے پاس نہیں اور اسی لئے آپ اس غشی کی نظیر ہم کو نہ دے سکے کہ غش کھا جانے کے بعد تین گھنٹے مسیح صلیب پر لٹکتے رہے تو ہوش نہ آیا۔ پہلو میں نیزہ مارا گیا تو ہوش نہ آیا۔ واقعی سچ ہے۔ اگر یہ غشی تھی تو اعجازی غشی تھی۔ یہ غشی موت کی تھی تا اللہ کا کہا پورا ہو۔ ہر ایک کو مردہ معلوم ہو۔

ششم...... خداوند مسیح کی موت پر طبی شہادت۔

دفعہ سوم میں ہر نیزہ کے زخم کا تذکرہ کر چکے۔ اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کاری زخم مسیح کی پسلی کو پھوڑ کر دل تک اتر گیا تھا اور ایسا زخم ہمیشہ مہلک ہوتا ہے۔ مرزا قادیانی کو نہیں ماننا چاہتے۔ کہتے ہیں نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ انسان کے بدن کی تشریح سے پورا واقف ہو۔

(ص ۱۹۵)

معترض کس درجہ بدشعور و بدتمیز ہے اور شاید اوروں کو بھی اپنی ہی مانند سمجھتا ہے۔ انسان کا دل جو شبانہ روز دھڑکتا رہتا ہے۔ بدن کے کس حصہ میں ہے اس کے لئے علم تشریح میں مہارت چاہئے یہ ہم نے آج ہی سنا ہے۔ پھر کتنا تعجب ہوتا۔ اگر کسی رومی نیزہ باز سپاہی کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ انسان کے بدن میں نیزہ سے کون کون مقام کاری زخم پہنچانے کے ہیں اور سپاہی بھی ایسا جو قتل گاہوں میں جلادی کا تجربہ رکھنے والا اور جس کا منصبی فرض یہی ہو کہ تحقیق کر لے کہ ملزم دراصل مر چکا اور تعمیل وارنٹ موت کی باضابطہ رپورٹ کرے۔ اگر سپاہی کو آپ نے اس معنی میں جاہل کہا کہ وہ اپنے فن سے ناواقف تھا تو آپ نے اپنی جہالت کو الم نشرح کر دیا۔ پس بھالے کو پسلی کی طرف چلانے سے یہی مقصود ہو سکتا تھا کہ دل تک پہنچا دے۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ یہ سپاہی نیزہ بازی میں ایسا خام نہ تھا۔ جیسے مرزا قادیانی علم مناظرہ میں۔

پھر انجیل میں اس زخم کی نسبت لکھا ہے کہ: ”فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔“

(یوحنا:۱۹:۳۴)

مرزا قادیانی رقم طراز ہیں اور اپنی اس تحقیق پر نازاں بھی بہت ہوں گے۔ کیونکہ آپ کا

جہل مرکب ہے۔لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تھا۔کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے۔(ص۱۹۴)

حیرت ہے کہ ہزارہا دشمن صلیب کے گرد کھڑے ہوئے ہوں اور ایسی موٹی بات کو مشاہدہ کریں اور ان کو گمان بھی نہ ہو کہ مسیح ابھی مرا نہیں۔ ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مرزا قادیانی سے کہیں زیادہ ہوشیار و سمجھ دار تھے۔وہ اس خون کو مسیح کی یقین موت پر شاہد سمجھے۔

پھر آپ لکھتے ہیں: ''اگر زخم اس قدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تھا سوائے اس کے کہ مرض استسقا ہوتا۔'' آپ کو اور علوم کے ساتھ طب میں یدطولیٰ حاصل ہے۔

یہ خون اور پانی جو کثیر مقدار میں مسیح کی پسلی کے زخم سے یہ نکلا کیا تھا؟ کہاں سے آیا اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کے لئے ہم صرف علم تشریح الاجسام کی سند ڈھونڈیں گے اور مرزا قادیانی کے خرافات کو اہل نظر پر ظاہر کریں گے۔ڈاکٹر ولیم اسٹراوڈ ایم.ڈی نے ایک ضخیم کتاب ''مسیح کی موت کے جسمانی سبب'' پر تصنیف کی جس پر سرگروہ اطبائے انگلستان سر جیمس سمپسن ایم.ڈی نے دیباچہ لکھا ہے۔اس میں انہوں نے علم تشریح کے اصول پر بحث کر کے دکھلایا ہے کہ خداوند مسیح کی موت دل کے پھٹ جانے سے واقع ہوئی تھی اور بہت مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ جب انسان کو لگاتار جسم اور روح کو سخت صدمہ پہنچانے والی ایذائیں برداشت کرنا پڑتی ہیں تو ایک نوبت ایسی آتی ہے کہ دل یکا یک شق ہو جاتا ہے اور ایک چیخ کے ساتھ روح پرواز کر جاتی ہے۔ چنانچہ انجیل نویس کا بیان بھی یہی ہے۔''پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلاّ کر دم دے دیا۔'' (مرقس:۱۵:۳۷)

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ دل کے پھٹنے کے ساتھ ہی خون بکثرت کبھی کبھی ایک کوارٹر یعنی ۱۲چھٹانک کی مقدار سے پیری کارڈیم یعنی اس جھلی میں جو دل کو غلاف کئے ہوتی ہے جمع ہو جاتا ہے اور یہاں خون دو چیزوں پر جو اس کی ترکیب میں داخل ہیں منقسم ہوتا ہے۔ایک جز کا نام کریسامنٹم ہے جو گاڑھا اور سرخ ہوتا ہے اور دوسرے کا نام سیرم جو سیال اور آبی رنگ کا ہوتا ہے اور عوام ان دونوں چیزوں کو خون اور پانی ہی کہتے ہیں۔ سپاہی نے موت کے واقعی ہونے کی تحقیق کی غرض سے یا اگر موت صرف ظاہری ہو تو زندگی فنا کر دینے کی غرض سے پاس آ کر نیزہ سے قلب کے موضع پر وار کیا اور بائیں پسلی کے (کیونکہ داہنے ہاتھ کا وار مقابل کے بائیں طرف لگتا ہے) زیریں حصہ میں ایک ترچھا زخم مارا جس سے پیری کارڈیم جو پسلی کے تلے کریسامنٹم اور سیرم

سے پر ہو چکی تھی نیچے سے کھل گئی اور زخم کے رستے کل مواد پانی کی سی دھار کے ساتھ جس میں پھٹکی دار خون ملا ہوا تھا بہ نکلا اور دیکھنے والے نے عوام کی زبان میں اس کو یوں بیان کر دیا کہ فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔

مگر مرزا قادیانی کا حافظہ درست نہیں۔ اوپر تو وہ مسیح کی پسلی میں زخم کو بھی مان چکے۔ گو اس کو صرف کوئی چھوٹا سا خراش بتایا اور پھر اس زخم سے خون نکلنے کے بھی قائل ہو چکے۔ گو اس کو بھی زندگی اور غشی پر دال کہا۔ مگر اس سب کے بعد آپ نے ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا کہ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جس طرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے۔ اگر ان کو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اس کی بجائے خود وہ ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ ان کو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑ دیں اور اس قانونی حکم کے بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے۔

کیا زبردستی ہے کہ سپاہیوں کے یہ اختیارات تو مانے جاتے ہیں کہ پسلی میں نیزہ چھو کر خون نکال دیں مگر یہ اختیار نہیں مانا جاتا کہ وہ نیزہ کو ذرا اور گہرا کر دیں تو کیا ان کا ہاتھ آپ نے روک لیا تھا یا ان کو قانونی حکم بھی دیا گیا تھا؟ کہ مسیح کی پسلی سے صرف خون نکال کر تمام لوگوں کو دکھلا دو کہ وہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ مگر اس کی نہ کسی حاکم نے باز پرس کی نہ دشمنوں نے شکایت۔ جو مسیح کی موت کا فتویٰ حاصل کر چکے تھے۔ مرزا قادیانی کو چاہئے کہ اب پہلو بدل دیں اس زخم سے بھی منکر ہو جائیں اور چوروں کی ٹانگیں توڑی جانے سے بھی۔ کیونکہ اگر مسیح بھی صلیب پر نہیں مرے تھے جیسا مرزا قادیانی کو اصرار ہے تو لازم آئے گا کہ تینوں مصلوبوں کی ٹانگیں بالضرور توڑی گئیں اور قانونی حکم سے انحراف نہیں ہوا اور مسیح نے بھی یقینی وفات پائی۔ صلیب سے اور پسلی کے زخم سے نہ سہی ٹانگوں کے توڑے جانے سے سہی اور مرزا قادیانی جھوٹے ثابت ہوئے جو کہتے ہیں کہ وہ ملکوں ملکوں سیر سیاحت کرتے ہوئے کشمیر تک پہنچے۔ بات یہ ہے کہ مسیح کی مخالفت میں مرزا قادیانی دیوانہ ہو گئے ہیں ان کو کوئی قرینے کی بات سوجھتی ہی نہیں۔

سپاہیوں کو کوئی حکم ”مصلوبوں کی ٹانگیں توڑنے یا نہ توڑنے کا نہیں ملا تھا۔ یہودیوں نے ایسی درخواست کی تھی۔ ٹانگیں دو مصلوبوں کی صرف اس لئے توڑی گئیں کہ کوئی شبہ اور دھوکا ان کی موت میں نہ رہ جائے۔ چوروں کی موت میں سپاہیوں کو شبہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا (لاش کا خوب معائنہ کیا۔ آیا کئی آثار زندگی کے تو موجود نہیں اور ان کو پورا

یقین ہو گیا کہ دیر ہوئی) کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ (کیونکہ یہ عمل غیر ضروری تھا جس میں صرف سپاہیوں کی تکلیف اور محنت متصور تھی) مگر ان میں سے ایک سپاہی نے (جو شاید مرزا قادیانی کی طرف عداوت میں تلا ہوا تھا۔ جس کو زندہ اور مردہ میں امتیاز نہ تھا اور بڑا فکر مند تھا مبادا کوئی دھوکا رہ جائے) بھالے سے اس کی پسلی چھیدی (اور اپنا اور دنیا میں اپنے تمام ہم خیالوں کا شبہ ابد تک رفع کر دیا)'' (یوحنا:۱۹:۳۳،۳۴)

اس کا یہ فعل منشائے حکیم قانون کے مطابق تھا کہ جس طرح ضروری اور مناسب ہو اس امر کا اطمینان کر لیا جائے کہ ملزم جس کو سزائے موت دی گئی۔ واقعی مر گیا۔

ہفتم...... مرزا قادیانی کی ایک اور غلط بیانی کو بھی ہم فاش کرتے ہیں۔ اس ثبوت میں کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ عرصے صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہو گئے۔ وہ فاضل مورخ جوزیفس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ اس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر (کم از کم ایک دن سے زیادہ عرصے سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کے لئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچ گئی۔

اس میں صرف ایک ہی فقرہ جو خطوط کے اندر ہے مرزا قادیانی کے کچھ مفید ہو سکتا تھا۔ مگر وہی فقرہ جھوٹ ہے پھر جوزیفس کا مصلوب کیونکر مسیح کی نظیر ہو سکتا ہے؟ اس کو کب کوڑے مارے گئے کب اس کی پسلی میں بھالا چھیدا گیا۔ کب وہ ۹ گھنٹے صلیب پر لٹکا اور کب لوگوں نے اسے مردہ سمجھا اور قبر میں رکھا۔

یہاں مرزا قادیانی نے ایک شرمناک جھوٹ بولا ہے۔ اس وقت جوزیفس کی تصنیفات کی پوری جلد مطبوعہ چارلس گریفن ہمارے سامنے رکھی ہے مورخ اپنی سوانح عمری کے آخر میں صرف اسی قدر لکھتا ہے کہ طیطس قیصر نے مجھ کو معہ سیریلیس کے ہزار سواروں کے ہمراہ موضع تھیکوا کو یہ دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا کہ آیا وہ مقام لشکر گاہ کے مناسب ہے اور جب میں لوٹا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب کر دیئے گئے۔ انہیں کے درمیان تین میرے دوست نکلے۔ اب مرزا قادیانی بتائیں ان کو کن واقعات سے شہادت ملتی ہے کہ یہ مصلوب کم از کم ایک دن سے زیادہ صلیب پر لٹک چکے تھے؟ بلکہ یہاں تو برعکس یہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ لشکر کے جوار میں کوئی موضع تھا جس کے دیکھنے کو گھوڑی کی سواری پر جوزیفس گیا اور قیاس چاہتا ہے کہ جیسا

دستور ہے صبح کے وقت ناشتہ وغیرہ کر کے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اس وقت تک کوئی قیدی مصلوب نہیں ہوا تھا۔ مگر جب چند گھنٹوں بعد واپس لشکر کو آئے تو یہ ماجرا دیکھا اور اس نے فوراً اپنے دوستوں کی جان بخشی کرائی۔ مورخ یہ بھی لکھا ہے کہ قیصر نے فوراً حکم دیا کہ وہ لو صلیب سے اتارے جائیں اور ان کے علاج میں انتہاء درجہ کی ہمت صرف کی جائے۔ تاہم ان میں سے دو تو طبیبوں کے ہاتھوں میں فوت ہوگئے اور صرف تیسرا بچ گیا۔ یہ تینوں مصلوب بالکل سادے طور پر صرف چند گھنٹوں کے لئے صلیب دیئے گئے تھے۔ جن کو اور کوئی زخم نہیں لگا تھا اور ان کا علاج بھی علانیہ طور پر شاہی حکم سے بادشاہی طبیبوں نے کیا۔ اس پر بھی دو مرگئے اور بچ نہ سکے۔ یہ ایک لطف کی بات ہے کہ دوست اور دشمن اس واقعہ کو اس امر کے ثبوت میں عموماً پیش کیا کرتے ہیں کہ باوجود اعلیٰ طبی امداد کے صلیب کے مارے کا جانبر ہونا محال ہوتا ہے اور مسیح کے حق میں یہ قیاس بالکل بیہودہ ہے کہ ایسے ایسے زخم کھا کر ۹ گھنٹے صلیب پر لٹک کر اور تمام لوگوں کے دیکھتے مرکر پھر بھی وہ قبر سے زندہ بچ گئے۔ مگر ہمارے مرزا قادیانی تو اوندھی سمجھ کر ہیں۔ آپ نے اسی واقعہ کو مسیح کے نہ مرنے کی دلیل ڈبل جھوٹ بول کر بنالیا۔ ایک جھوٹ جوزیفس کے متعلق کہ اس کے بیان سے مستنبط ہوتا ہے کہ مصلوب کم از کم ایک دن سے زیادہ صلیب پر لٹکے۔ دوسرا جھوٹ مسیح کے متعلق کہ وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا۔ جتنے جھوٹ مرزا قادیانی نے اپنے پیٹ سے نکالے۔ اتنا جالا بھی کسی مکڑی نے نہ تنا ہوگا۔ ہم نے یہاں خداوند مسیح کی موت پر سے مرزا قادیانی کے تمام فاسد اور باطل اوہام کو اس سے زیادہ مضبوط دلائل سے رد کر دیا جن کے وہ مستحق ہو سکتے تھے۔

۶......خداوند مسیح کی بعثت اور مرزا قادیانی کا خبط کشمیر

خداوند مسیح کا زندہ ہو جانا جب یہ ثابت ہوگیا کہ خداوند مسیح کی حقیقی موت صلیب پر واقع ہو چکی تو اب ہم کو مطلق ضرورت نہیں کہ مرزا قادیانی کی ایسی غیر متعلق اور لغو بکواس پر کچھ بھی التفات کریں جس کے ثبوت میں وہ انجیل شریف کی ایک آیت بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں کہ مسیح کی قبر ایک وسیع مکان تھا۔ جس میں ایک ہوادار وسیع کوٹھا تھا جس میں ایک کھڑکی تھی۔ جہاں دوستوں نے اس کی خبر گیری کی اور سب علاج کئے اور جہاں اسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا۔

مرزا قادیانی کا گلدستہ لغویات

مرزا قادیانی کی ایسی فاش غلط بیانیاں ایک دو نہیں بیسیوں ہیں جن سے ہماری بحث کو

کوئی سروکار نہیں۔ مثلاً وہ لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ گویا انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح کے مرنے پر یروشلم کے تمام مردے جو آدم کے وقت سے لے کر مسیح کے وقت تک مرچکے تھے زندہ ہوکر شہر میں گئے اور گلی کوچوں میں وعظ کرتے پھرے۔ (جلد اوّل ص۳۴۲، جلد دوم ص۱۹۹) خدا تعالیٰ کا فرشتہ پلاطوس کی جورو کو نظر آیا۔ مرزاقادیانی مجوسیوں کو جوزردشتیوں کی قوم ہے انہوں نے مسیح کا ستارا پورب میں دیکھا تھا۔ مشرقی اسرائیلی بتاتے ہیں۔ جس سے اس کی مراد کشمیری ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہودیوں نے جس قدر نبیوں کے خون کئے ان کا سلسلہ زکریا نبی تک ختم ہوگیا اور ان کو حضرت مسیح کے ہم عصر نبی یحییٰ کے قتل کا حال بالکل بھول گیا۔ مسیح نے بھیس بدل لیا۔ باغبان کے کپڑے پہن لئے۔ اسی طرح شکل بنالی اور پھر اپنے دوران سر، ذیابیطس اور مراق کی معذرت میں خلاف واقع لکھتے ہیں کہ مسیح پر بیماریاں اور عوارض معمولی لوگوں کی طرح آتے تھے۔ حالانکہ مسیح کا ایک دن کے لئے کبھی سر بھی نہیں دکھا۔ وہ تو سرتاپا شفا اور دوا تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی بڑھ کر بیہودہ باتیں لکھی ہیں۔ کہتے ہیں یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں۔ یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی۔ باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آئی۔ بھلا تم نے انجیل شریف کے کسی باب اور آیت کا تو حوالہ دیا ہوتا۔ جہاں یوسف کی دوسری جورو کا ذکر تھا اور خداوند مسیح کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں کا۔ بظاہر حیرت کی بات ہے کہ جو شخص اپنے منہ میاں مٹھو مسلمانوں کا عظیم الشان امام بنے۔ وہ ایسے لغو اباطیل زبان سے نکالے اور خدا کے بندوں سے نہ شرمائے۔ توریت سے انجیل سے قرآن سے حدیث سے دینی و دنیوی تاریخ سے غلط حوالے دے کر کچھ ہو بیان کچھ کرے۔

مرزاقادیانی کے بھائی کی روح

مگر یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے جب ہم یاد کرتے ہیں کہ مرزاقادیانی کے کوئی مرحوم برادر بجان برابر غلام قادر بھی ہیں جن کی روح خواب میں آپ کو ستایا کرتی ہے اور وہی آپ کی ہر بےتکی بات کے جوابدہ بھی ہیں۔ یہ کوئی پڑھے جن ہیں جنہوں نے کتب آسمانی میں تحریفیں کیں۔ محرف نسخے تیار کئے اور مرزاقادیانی کو دکھلا بھی دیئے۔ مجھ کو ان کا زیادہ حال تو معلوم نہیں ابھی صرف اس قدر پتہ لگا ہے کہ قرآن میں انہوں نے ایک بہت بڑی تحریف کر کے کشف کی حالت میں مرزاقادیانی کو پڑھ کر سنا دیا تھا۔ ’’انا انزلناہ قریباً من القادیان‘‘ اور پھر دائیں صفحہ میں شاید

قریب نصف کے موقعہ پر یہی عبارت لکھی ہوئی اپنے نسخہ قرآن میں جوان کی تلاوت میں رہتا ہے دکھلا بھی دی۔ (ازالہ اوہام ص۷۶، خزائن ج۳ص۱۳۹)

پس کیا عجب کہ یہ تمام جھوٹی باتیں بھی انہیں حضرت کی ساختہ پرداختہ ہوں جس طرح آپ مثیل مسیح ہے اسی طرح تائید روح القدس کی مماثلت میں آپ نے اس قادر کو تلاش کیا اسی سے اشارہ ''قادر مطلق'' کی طرف ڈھونڈھا۔ ہم بھی کہتے ہیں جیسی روح ویسے فرشتے۔ مگر مرزا قادیانی کو جگتے میں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دائیں جانب جگہ جھوٹ اور جھوٹوں کی ہوا کرتی ہے اور عیسائی نہ اس انجیل کے قائل ہیں نہ مسلمان اس قرآن کے جو آپ کے برادر عزیز وافر تمیز کی تلاوت میں رہا کرتے ہیں۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ عقل ونقل سے بحث کرنا کیوں نہ فضول ہو ہم تو اپنی کتابیں دیکھتے ہیں اور اس کے حوالے مرزا غلام قادر کے ایڈیشن پر مبنی ہیں۔

فخر دو رمان

یہاں ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ مرزا قادیانی قبلہ گاہ تو کوئی ایسے شخص گزرے کہ خود فرزندار جمندان کی وفات پر گویا فرماتے ہیں ؎

ایں چنیں بد زندگانی مردہ بہ

پھر کوئی بھائی صاحب تھے جن کی نسبت آپ لکھتے ہیں: ''اور ایسا ہی میرا بھائی مجھے پیش آیا اور وہ ان باتوں میں میرے باپ کے مشابہ تھا۔ پس خدا نے ان دونوں کو وفات دی اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اس نے مجھے کہا ایسا ہی کرنا چاہئے تھا تا تجھ میں خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زندگی میں مرزا قادیانی کی جان کو روتے رہے اور بے ادبی سے سمجھا کئے کہ آپ کام چوروں والا حاضر ہیں جو صرف روٹی کھانے کا شریک ہوتا ہے۔''

(لائف اور مشن، ریویو ج۲ص۵۸)

ان کو کیا خبر تھی کہ یہی فخر دودمان ہیں اور جو عرفی نے کہا تھا آپ ہی پر صادق آتا ہے ؎

جو ہر من کر دردشن گوہر آبائے من

پر ہم کو ضرور کہنا پڑا ہے کہ اگر مرزا غلام قادر مرحوم کتابوں میں تحریک نہ کرتے تو بہت خوب آدمی تھے۔

اچھا صاحب! وہ قبر تاج گنج کا روضہ سہی مگر مردہ تو باغ عدن کی ہوا کھا کر بھی زندہ نہیں ہوتا۔ دھنتر اور جالینوس نے بھی مردہ نہیں جلایا۔ پس اگر جیسا تم بڑی تاکید سے تسلیم کر رہے ہو واقعی

صلیب کے بعد مسیح پھر اپنے دوستوں کو نظر آئے ان کے ساتھ کھایا پیا، رہے سہے تو وہ ضرور زندہ ہو گئے اور مر کر اٹھے اور ہم کو تمہارے مقابلے میں اس کے ثابت کرنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

مگر اس زندہ شدہ جسم کے بارے میں مرزا قادیانی نے چند غیر متعلق شبہات اٹھائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قبر سے نکلنے کے بعد (مسیح کے) جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

مسیح اسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا۔ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیح سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور گلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ۷۰ کوس کے فاصلے پر تھا۔ بالکل غیر ممکن اور نا معقول بات ہے۔ اس پر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد تکلیف ان کے ساتھ تھے۔ جس کے واسطے ایک مرہم بھی تیار کی گئی تھی۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں قریباً ہزار طبی پرانی کتابوں میں ایک مرہم لکھی ہوئی ہے جو مرہم عیسیٰ اور مرہم حوارئین اور مرہم شلیخا کے نام سے مشہور ہے ان کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس قول کی لغویت بلا دلیل عیاں ہے۔ جب کتابوں کا نام صفحہ وسطر بتا کر آپ سینکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں تو بلا نام ونشان کتابوں کے حوالے سے آپ نے کیا کچھ نہ بکا ہوگا۔ آپ کے تمام فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں؟ مسیح کے زخموں کا حال صرف تین ہی فرقوں کو معلوم ہو سکتا تھا یا یہودی یا عیسائی اور یہ دونوں زخموں کے قائل ہیں۔ مگر مرہم کے نہیں۔ یا مسلمان اور یہ دونوں باتوں کے منکر ہیں۔ پس وہ کون لوگ تھے اور کس بنیاد پر لکھ گئے کہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی۔ اب رہی یہ بات کہ کسی مرہم کا نام مرہم عیسیٰ یا مرہم شلیخا رکھا گیا تھا تو دور کیوں جاتے ہو۔ خود پنجاب میں علاوہ آپ کے پیٹنٹ کے ''عرق مسیحا'' اور معجون مسیحائی کے اشتہارات چھپ رہے ہیں۔ ہر حاذق طبیب کے علاج کو مسیحائی کہتے ہیں۔ شعراء نے معشوقوں کو مسیحا دم اور عیسیٰ نفسی باندھا ہے۔ پس اگر زمانہ سلف کے کسی ہالوے مرہم کا نام مریم عیسیٰ رکھا گیا تھا تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ اس کو عیسیٰ نے تجویز کیا اور حواریوں نے مرکب کیا سوائے حماقت اور ابلہی کے کچھ نہیں۔ مگر ہم سمجھ گئے مطلب سعدی دیگر است۔ مثیل مسیح بننے کے لئے گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح اور ان کے

حواریین بھی ہماری طرح ایک پاکٹ کیس ادویات باندھے پھرتے تھے۔خوب ۔

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

فانی اور جلالی جسم

ہمارا دعویٰ صرف یہی تھا کہ مسیح کو صلیب دی گئی۔ وہ مر گئے۔ پھر زندہ ہوئے اور اپنے شاگردوں سے ملے۔ پہلی اور چوتھی بات کو تم خود مانتے ہو۔ دوسری کو ہم نے ثابت کر دیا اور تیسری بات تمہارے اقرار اور ہمارے اثبات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اب فانی اور جلالی جسم یہ بالکل ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کا حل کرنا ہماری بحث کے لئے لازمی نہیں۔ مگر تمہاری خاطر ہم یہ بھی روا رکھتے ہیں۔ جسم سب فانی ہیں بلکہ ایک معنی میں روح بھی فانی ہے۔ خدا نے روح پر سے فنا کا حکم ہٹا دیا اور وہ غیر فانی بن گئی۔ سی طرح بہشتیوں کے جسم پر سے بھی خدا فنا کا حکم ہٹا کر اس کو جلالی جسم کر دے گا۔ مگر ہم کو بالکل نہیں معلوم کہ فانی اور جلالی جسم کے درمیان کون سی عادات مشترک ہیں۔ قرآن میں لکھا ہے: ''ان اللہ یبعث من فی القبور'' بے شک اللہ لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔ ''وانہ یحییٰ الموتیٰ'' اور وہی جلائے گا مردوں کو۔ پس مسیح جو مر چکے تھے ان کو خدا نے جلا دیا جو قبر میں داخل ہو چکے تھے ان کو اٹھا کھڑا کیا اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ بے شک مسیح مردوں میں سے جی اٹھا اور ان میں سے جو (موت کی نیند) سو گئے تھے۔ پہلا پھل ہوا اور اسی وجہ سے قیامت اور حشر کا علم۔ حشر کے بعد ایمانداروں کے جسم جلالی ہو جائیں گے۔ اس میں نہ کسی مسلمان کو شبہ ہے اور نہ کسی عیسائی کو پس مسیح کے زندہ جسم کے جلالی جسم ہونے میں کیوں شبہ کیا گیا؟ اس پر بھی ہم کو تعجب آتا ہے کہ کوئی مسلمان اہل قرآن ''کلوا واشربو ھنیئا'' پر ایمان لا کر کھانے اور پینے کو جلالی جسم کے منافی بلکہ غیر ممکن اور نا معقول بات بتا دے۔ شاید نعمائے جنت سے وہ منکر ہو گیا۔

خداوند مسیح کے زندہ شدہ جسم کے خواص کی بابت مرزا قادیانی نے ایسی غلطیاں کی ہیں جو خود اس کے مقبولہ خیال کی ضد میں ہیں۔ جب جمعہ کی شام کو مسیح قبر میں در آئے اور حالت غشی میں تین رات دن یونس کی طرح بے آب و دانہ قعر زمین میں رہے اور تیسرے دن یعنی اتوار کی صبح کو کیونکہ تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف ان کے ساتھ تھی اور زخم بھی کیسے کہ میخوں کے وار پار۔ پاؤں کے تلوؤں میں تو ایسے زخمی شخص کے لئے جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلیم سے قریباً ستر کوس کے فاصلے پر تھا۔ کسی باہوش شخص کے ذہن میں کیسے آ سکتا ہے؟ زخمی و مجروح پیر اور ستر کوس پا پیادہ مسافت۔ ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' اسی کو کہتے ہیں۔ محض

اس ایک واقعہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اب مسیح کا کوئی فانی اور معمولی جسم نہیں تھا۔ یہ زخم ظاہری تھے بے درد اور بے تکلیف۔ یہ جلالی جسم پر بطور علامات شہادت نمودار تھے اور دکھلا رہے تھے کہ آپ کے مبارک جسم میں کوئی بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔

ہم افسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک ایسا عظیم الشان امام ہوا جو اس درجہ جاہل و ناداں نکلا کہ اس کو نہ عیسویت کی حقیقت سے آگاہی نہ اسلام سے وقوف اور پھر بھی دعویٰ ہمہ دانی ابھی اس نے کھانے پینے کو جلالی جسم کے منافی کہا تھا اور اب مسیح کے زخموں پر اعتراض کرتا ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا۔

مسیح کے زخموں کی حقیقت

بخاری و مسلم میں حضرت سے روایت کی گئی ہے کہ شہداء قیامت کو اپنے زخم جسم پر لئے ہوئے اٹھیں گے۔ ”**مامن مکلوم یکلم فی سبیل اللہ الا جاء یوم القیامۃ و کلمہ یدمی اللون دم والریح مسکٍ**“ (مشارق الانوار نمبر ۹۲۸)

کوئی زخمی ایسا نہیں جو اللہ کی راہ میں گھائل ہوا ہو مگر وہ قیامت کے دن زخم بہتا آئے گا۔ رنگ اس کا رنگ خون کا ہوگا اور بو اس کی مشک کی۔ کس کو زخم مسیح کے زخموں سے زیادہ خدا کی راہ میں لگے؟ پھر کیوں تعجب کیا جاتا ہے کہ اپنی قیامت میں مسیح اپنے زخموں کو جسم پر لئے ہوئے اٹھے۔

انجیل کی شہادت صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کے جسم پر پانچ زخم دو ہاتھوں میں دو پاؤں میں اور ایک پسلی میں موجود تھے۔ جن کو انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھلایا اور جن کی وجہ سے انہوں نے آپ کو پہچانا کہ آپ ہی جسم کے ساتھ جی اٹھے۔ مگر ان زخموں میں نہ کوئی درد تھا نہ تکلیف نہ ان سے خون جاری تھا اور نہ وہ کسی مرہم کے محتاج تھے۔

یہ سچ ہے کہ زندہ ہو جانے کے بعد خداوند مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھایا پیا، مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ آپ کو کبھی بھوک یا پیاس لگی یا بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی۔ جیسا مرزا قادیانی نے لکھا۔ صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حقیقی بعثت کو اپنے شاگردوں پر ثابت کر دینے کی غرض سے تاکہ ان کے تمام شک و شبہ دور ہو جائیں۔ آپ نے ان کی تسکین کی خاطر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ (لوقا:۲۴:۴۴) یہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ دراصل آپ کو جسمانی غذا کی احتیاج تھی۔

مسیح کے زندہ شدہ جسم کی تبدیلی

اب رہا سونا، سوانجیل میں کہیں نہیں لکھا کہ بعد زندہ ہونے کے آپ کبھی سوئے بھی جیسا مرزا قادیانی کو اصرار ہے۔ یہ قول بھی مرزا قادیانی کا بالکل باطل ہے کہ قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کے جسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ایک تبدیلی پر تو وہ خود شاہد ہیں کہ ایسے بڑے زخم پاؤں کے تلوؤں پر لئے ہوئے مسیح یا پیادہ ۷۰ کوس کا سفر کر گئے اور نہ کوئی تکان پیدا ہوا نہ ماندگی۔ کیا یہی فانی اور معمولی جسم کے آثار ہیں؟ پھر لکھا ہے کہ: ''مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ قصبہ عمواس میں ایک مکان کے اندر دسترخوان پر بیٹھے تھے کہ یکا یک وہ ان کی نظر سے غائب ہوگیا۔'' (لوقا:۲۴:۳۱)

کہئے کیا لطافت بھی معمولی جسم کا خاصہ تصور کیا گیا ہے؟

پھر لکھا ہے کہ: ''ایک مکان کے اندر شاگرد جمع تھے۔ جس کے دروازے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے۔ مگر دروازہ بند ہی رہا اور یسوع آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور ایسا ہی ایک اور دفعہ مسیح بند دروازوں میں سے شاگردوں کے درمیان آ گئے۔'' (یوحنا:۲۰:۱۹،۲۶)

تو کیا یہ بھی فانی معمولی جسم کی کوئی خاصیت ہے؟ اب کہئے! آپ کا وہ سخن کیسا لغو تھا کہ مسیح بغیر پتھر کے ہٹائے جانے کے باہر (قبر کے) نہ نکل سکتا تھا۔ پتھر اس لئے ہٹایا گیا کہ مسیح کے دوستوں کی قبر تک رسائی ہو سکے۔ ورنہ اس جلالی جسم کے لئے لکڑی اور پتھر کچھ سد راہ نہ تھا۔ پھر اس کے بعد رفع آسمانی کی بابت لکھا ہے کہ ان کے دیکھتے دیکھتے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپا لیا۔ یہ کس جسم کی تعریف ہوئی؟

پھر کئی برس بعد دن دوپہر بڑی چکا چوند والی تجلی کے ساتھ آپ مقدس پولوس پر ظاہر ہوئے اور ان سے ہم کلام ہوئے۔ کیا تم اب بھی جلالی جسم کے قائل نہ ہو گے؟

او بماندہ دوراز مطلوب خویش
سعی ضائع رنج باطل پائے ریش

مرزا قادیانی کا خبط کشمیر (افشائے راز مزار خان یار) نوٹوش روسی سیاح نے یہ افسانہ گھڑا تھا کہ لداخ میں سفر کرتے ہوئے میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور میں نے ہمس میں لاما لوگوں کی خانقاہ میں پناہ لی۔ وہاں لاموں نے میرا علاج کیا اور میں اچھا ہو گیا۔ وہیں مجھ کو خبر لگی کہ اس خانقاہ کے کتب خانہ میں ایک بہت قدیم قلمی نسخہ ہے۔ جس میں نبی عیسیٰ کی سرگذشت درج ہے کیونکہ بعد

بلوغ وہ ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے۔ کاشی جی کے میں پاس گیا وہاں برہمنوں کے علوم حاصل کئے اور پھر تبت لوٹ آئے۔ جہاں بدھوں نے آپ کو بدھ کا ایک اوتار مان کر قبول کر لیا۔ بعدازاں آپ اپنے ملک یہودیہ کو واپس گئے اور وہاں دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

نوٹوش نے کہا وہ نسخہ میں نے دیکھا۔ اس کا ترجمہ کرایا اور اب یورپ کی زبانوں میں اس کو شائع کرتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ تبت کے لامانبی عیسیٰ کے ہمیشہ سے قائل ہیں اور ان کے نام سے خوب واقف۔ مگر پیش بندی اور چالاکی سے اس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ وہ لوگ کسی اور کو اپنی کتاب نہ دکھائیں گے اور اگر کوئی اس بارہ میں ان سے استفسار کرے گا تو وہ صاف انکار کر جائیں گے۔ کیونکہ وہ کسی یورپین سے بات بھی نہیں کرتے۔ میں نے تو بڑی حکمت عملی سے ان کا یہ دینی راز پایا ہے (اس وقت یہ بیان میں اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔ نوٹوش کی کتاب میرے پاس موجود نہیں) یورپین محققین نے موقع پر جاکر تفتیش کی اور بالکل ثابت ہو گیا کہ نہ نوٹوش لداخ گیا نہ ہمس میں ٹکا نہ لامس خانقاہ میں کوئی اسے جانے۔ نہ وہاں کوئی ایسا کتب خانہ ہے نہ۔ لاما عیسیٰ کے معتقد ہیں نہ ان کے پاس کوئی سوانح عمری مسیح کی موجود ہے۔ نوٹوش نے روپیہ کمانے کو ایک ناول لکھ کر شائع کیا اور جہاندیدہ بسیار گوید دروغ کا نمونہ دکھلایا تھا۔ اب اسی پرانے مضمون میں تصرف کر کے ہمارے[1] مرزا قادیانی نے اپنا قصہ بنایا۔ مگر بہت ہی نکما اور یہ دعویٰ کیا کہ:

مرزا قادیانی کے دعاوی

۱...... نہایت ہی مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا کہ پھر مسیح سیر کرتا ہوا کشمیر میں آیا۔

۲...... باقی حصہ عمر کا کشمیر میں بسر کیا۔

۳...... اپنی ان قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں۔ یعنی:

۴...... بنی اسرائیل جو مسیح سے ۷۲۱ برس پیشتر ہندوستان کی طرف آ کر اس ملک کے متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

---

[1] جب ہمارا یہ مضمون چھپ چکا تو ایک دوست کی عنایت سے مرزا قادیانی کا راز حقیقت ہمارے ہاتھ لگا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں۔ حال میں جو روسی سیاح نے ایک انجیل لکھی ہے جس کو لنڈن سے میں نے منگوایا ہے۔ وہ بھی اس میں ہم سے متفق ہے۔ یہ کہتے شرم آتی ہے کہ وہ ہمارا پیر دستگیر۔ اسی کی کتاب سے آپ یہ لغو قول بھی تحریر فرماتے ہیں۔ یہ بات یقینی اور پختہ ہے کہ بدھ مذہب کی کتابوں میں مسیح کے اس ملک میں آنے کا ذکر ہے۔ تمام جہان کو ان کتابوں اور کتب خانوں کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ وہ عنقا کے ساتھ کوہ قاف میں ہیں۔

۵...... مسیح نے جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اس ملک میں خداتعالیٰ نے ان کو بہت عزت دی۔

۶...... لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔

۷...... چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنے والے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی۔ اس لئے وہ دس فرقے جو اس ملک میں آکر افغان اور کشمیر کہلائے۔ آخر کار سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

یہ سات متفرق دعوے مرزاقادیانی نے کئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دعویٰ کے لئے آپ نے کون کون سے مضبوط دلائل دیئے ہیں۔

دعویٰ نمبر۱،۲،۳،۵ کے لئے آپ مضبوط کیا معنی کوئی کمزور دلیل بھی نہیں لائے۔ حالانکہ نمبر۵ آپ کے بے دلیل دعوؤں کی لغو بنیاد ہے اور صرف اسی حرص میں کیا گیا کہ قادیان بھی کسی طرح اس خطے میں آجائے۔ جس پر مسیح کے مبارک ومقدس قدم پڑے تھے۔ مگر مرزاقادیانی کو کم سے کم مقامی جغرافیہ تو پڑھ لینا چاہئے کہ پنجاب اسم بامسمی ملک صرف وہ حصہ ہندوستان کا ہے جو زیر کوہ پانچ دریاؤں کے بیچ واقع ہے اور کشمیر سے بالکل جدا۔ مگر آخر یہ طوالت وبدتمیزی کیوں؟ مرزاغلام قادر کو چاہئے تھا کہ کشف میں وہ آپ کو نقشہ ہندوستان دکھلا کر انگلی سے بتادیتے کہ آپ کا دولت خانہ عین اس جگہ کے بیچوں بیچ کے درمیان واقع ہے جہاں حضرت مسیح ٹھہرے تھے اور قادیان کا دوسرا نام سری نگر ہے۔

دعویٰ نمبر۷ کا پہلا حصہ تو مسلمانوں کا اعتقاد ہے جس کے لئے ہم کوئی دلیل نہیں طلب کر سکتے۔ مگر اس کو دوسرے حصے کے ساتھ لفظ اس لئے سے ربط دینا دلیل کا ضرور محتاج ہے۔ مرزاقادیانی کو ثابت کرنا چاہئے کہ افغانوں اور کشمیریوں کے اسلام قبول کرنے کا باعث یہی تھا کہ ان کے پاس حضرت مسیح کی وصیت آنے والے نبی کو حق میں موجود تھی۔ کیونکہ بلا ایسی وصیت کے بھی اسلام قبول کیا جاسکتا تھا؟

مرزاقادیانی مشکل میں پھنسے

یہ دعویٰ ثابت تو ہو نہیں سکتا مگر اس سے آپ کی مشکلیں بہت بڑھ گئیں۔ جب کشمیری اور افغان بنی اسرائیل ہوئے اور انہوں نے لبیک کہہ کر اپنے تئیں مسیح کی رسالت پر سو جان سے

قربان کردیا اور اسلام کی آمد تک سچے عیسائی بنے رہے۔ بلکہ نبی موعود کے حق میں مسیح کی وصیت کو بھی رکھا کئے حتیٰ کہ ان کو قبول کر کے مسلمان بھی ہوگئے تو ثابت ہوگیا کہ اسلام اور عیسویت کے درمیان ایک پورا پکا اور لگا تار سلسلہ ان کے ہاتھ میں رہا۔ پس ان کے پاس سے اسلام میں وہ انجیل عیسیٰ بھی آنا چاہئے۔ جس کی تصدیق قرآن شریف نے کی جو دست بدست ایمانداروں سے ایمان داروں کو پہنچی تا آپ کو ان اناجیل کا رونا باقی نہ رہے جو بقول جناب اس قدر پایہ اعتبار سے ساقط ہوگئی ہیں اور آپ کے ہاتھ میں کوئی معتبر انجیل تو آجائے۔ کیونکہ اگر اتنا کام بھی مثیل مسیح نے نہ کیا تو ڈوب مرنے کی بات ہے۔ حیرت ہے کہ مرہم عیسیٰ تو آپ نے ڈھونڈھ نکالا۔ مگر انجیل عیسیٰ کا پتہ نہ لگایا۔ پھر انہیں لوگوں کے ہاتھ سے ہم کو حضرت مسیح کی صحیح احادیث بھی ملنی چاہئے اور قادیانی مدعی کے حق میں مسیح کی بشارات بھی۔ پھر کشمیریوں اور افغانوں نے جس طرح آنے والے نبی کو بلاعذر قبول کرلیا۔ اسی طرح وہ آنے والے مثیل کا خیر مقدم کرنے کے لئے چشم براہ بیٹھے ہوئے ملیں گے تو پھر اے مرزا! تم سچ اسرائیلیوں، سچے عیسائیوں اور سچے مسلمانوں کے دیس یعنی افغانستان سے کیوں دور ہو؟ مسیح تو دور دراز سفر اختیار کر کے ان لوگوں کے پاس آئے اور تم پاس بیٹھے ہوئے ان سے اس قدر کیوں دور ہوتے ہو؟ کیوں تمہاری دعوت کی آواز کابل میں نہیں سنائی دیتی؟ کیوں تم کو ان لوگوں سے گریز ہے۔ کم سے کم اسی بات میں مثیل مسیح ہونا دکھلاؤ کہ جس طرح اصل مسیح کو افغانوں نے قبول کرلیا۔ اسی طرح نقلی کو بھی قبول کرلیں اور تم کو تو اس قوم کی خری وابلہی وجہل سے زیادہ امید رکھنا چاہئے۔ علاوہ بریں اب تو مسلمانوں کی طرف سے تم کو پچاس ہزار کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔ اس شرط پر کہ تم کابل ہو آؤ۔ مگر شاید تم کو خاک پاک پنجاب سے جس کو مسیح نے اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تھا مفارقت گوارا نہیں اور مسیحی سلطنت میں صلیب کے سایہ تلے مرنے کو سعادت دارین سمجھتے ہو۔ اسی وجہ سے تم نے اسلام کا سب سے بڑا فرض ''للہ علی الناس حج البیت'' ترک کیا اور اسی لئے مسیح موعود بن کر اپنے نبی کو جھٹلایا جس نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا ''والذی نفسی بیدہ لیھلن ابن مریم بفج الروحاء حاجاً'' مسیح ضرور حج کریں گے۔ (مسلم کتاب الحج)

افسوس تمہارے دعوؤں پر۔ واویلا ان پر جو اسلام کا دم بھرتے ہوئے ان کو قبول کر لیتے ہیں۔

دعویٰ نمبر۴ کی دلیل صرف یہ ہے کہ برنیر وغیرہ علماء فرنگ کا خیال ہے کہ کشمیری یہودی

ہیں۔ تو پھر اس میں آپ کا کیا احسان اور اس کو آپ کی لغو بکواس سے کیا علاقہ کہ مسیح اور ان کی والدہ کشمیر کو آئے ان کو عیسائی کیا ان کے درمیان رہے اور حضرت مسیح نے ۱۲۵ برس کی عمر پا کر خان یار میں انتقال فرمایا اور دفن ہوئے اور وہاں کا روضہ آپ کی قبر ہے۔ بھلے آدمی، تجھے کچھ آگا پیچھا بھی سوجھتا ہے؟ تجھے آج تک نہ معلوم ہوا کہ میرے مقدمات کیا ہیں اور کیا نتیجہ نکالتا ہوں؟ یہ بڑی دل لگی کی بات ہے کہ تمام دعوؤں کی دلیل کا خانہ تو آپ نے بلینک یعنی خالی رکھا اور اس میں جلی قلم سے لکھ دیا۔ نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا۔ نہ صرف دلیل سے بلکہ دلیل کی جمع دلائل سے اور دلائل کیسے کہ مضبوط اور مضبوط کے لئے بھی ایک صفت لائے۔ نہایت اور پھر ثابت ہو گیا وہ کیسے جیسے گدھے کے سر پر سینگ۔ اب ساری ہمت آپ نے قبر سری نگر کشمیر پر صرف کر دی۔ اس کے دلائل سنئے۔

بوسیدہ کتابیں

پہلی دلیل...... پرانی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جو اس قبر کا حال بیان کرتی ہیں۔

ارے میاں وہ کون کتابیں ہیں اور کب اور کہاں اور کس کو دستیاب ہوئیں؟ ان کا مصنف کون ہے اور پھر وہ کتنی پرانی ہیں؟ وہ اصلی یا جعلی ہیں اور اس کا ثبوت کیا؟ ان باتوں میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دیا جاتا۔ مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ مرزا قادیانی کا کوئی خلیفہ کسی آئندہ نمبر ریویو میں لکھ دے کہ جواب کیوں نہیں۔ ان میں سب سے معتبر اور پرانی کتاب کا نام ''سلٹین بین الدفتین'' ہے۔ جو حضرت ملا دو پیازہ نور اللہ مرقدہ کو اس وقت دستیاب ہوئی تھی جب وہ اکبر بادشاہ کے ساتھ سیر کشمیر کو آئے تھے اور اب وہ شیخ جعفر زٹلی طاب ثراہ کے کتب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ آئے۔ ایک لاکھ سے زیادہ لوگ اس کو پڑھ چکے اور اس کی ایک نقل مطابق اصل غلام قادر کی روح کے پاس بھی ہے جو نہ مانے مباہلہ کر لے۔

مٹے ہوئے کتبے

دوسری دلیل...... پرانے کتبے کے دیکھنے والے بھی شہادت دیتے ہیں کہ یہ یسوع مسیح کی قبر ہے۔ وہ کتبہ کہاں ہے؟ کس زبان میں لکھا ہوا ہے اس کا مضمون کیا ہے اور کس کس نے اس کو پڑھا اور اس کے پرانے ہونے کی کیا دلیل ہے؟

پہلے سوال کا جواب مرزا قادیانی نے یہ دیا تھا کہ وہ خان یار کی قبر کے اوپر ہے[1]۔

جب محققین نے لوگوں کو بتلایا کہ مفروضہ ''قبر کے اوپر'' کوئی بھی کتبہ نہیں تو مرزا قادیانی دم بخود ہوگئے۔ مگر ان کے مرید نے یہ فرمادیا کہ ''یہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلے پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔''

اب سری نگر میں رہنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ وہاں قرب وجوار میں کسی کوہ سلیمان کا وجود بھی نہیں۔ پس وہ قلعہ اور اس کے اندر کا پڑا ہوا کتبہ سب مرزا قادیانی کے دوران سر کے نتائج ٹھہرے۔ ہمارے باقی سوالوں کا جواب مرزا قادیانی نے یہ دے دیا اور ہم ان کے مشکور ہوئے کہ کتبے پر کا ''نوشتہ اب مٹ گیا۔'' اچھے موقع پر حرف غلط کی طرح یہ نوشتہ مٹ گیا کہ یاروں میں بات رہ گئی۔ بھلا ہم کیسے مانیں کہ ایسے عزیز الوجود کتبے کو مرزا قادیانی کے مریدوں نے کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعے کے اندر پڑا۔ رہنے دیا ہوگا۔ اس کو سرآنکھوں پر لاکر دارالامان قادیان جہاں عقل ونقل کے کسی فتنہ کی گذر نہیں مرزا قادیانی کے گھر پہنچا دیا ہوگا۔ تو وہ سل جس پر برسوں مرزا قادیانی کے گھر میں مصالح پسا اور جو بہت کچھ گھس گئی ہے وہ یہی کتبہ ہوگا۔ بھلا پتہ کیسے نہ لگتا[2]۔

کئی لاکھ چشم دید گواہ

تیسری دلیل...... سری نگر اور اس کے نواح کے کئی لاکھ آدمی ہر فرقے کے بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ صاحب قبر عرصہ انیس سو سال کا ہوا ملک شام کی طرف سے اس ملک میں آیا تھا۔

ان گواہوں کو آپ بتلا دیجئے کہ حضرت مسیح کو پیدا ہوئے ۱۹سو برسیں ہوئیں۔ پس کشمیر میں آنے کے لئے کم سے کم ۵۰ برسیں تو ہونا چاہئے۔ کیا گواہ آپ کے یہ سمجھتے کہ مسیح کشمیر میں پیدا ہوئے؟

---

[1] مرزا قادیانی اپنے انگریزی دوورقہ اشتہار (جس میں خود بدولت اور خان یار والی قبر کے فوٹو بھی دیئے ہیں) صفحہ اوّل میں لکھتے ہیں: ''لوگوں نے اپنی ہی آنکھوں سے ایک پرانا لیکن اب مٹا ہوا نوشتہ قبر کے اوپر پڑھا ہے۔'' نوشتہ تو قبر کے اوپر بیان کیا گیا ہے اور اس کے پرانے ہونے کی یہ دلیل بہت معقول ہے کہ وہ مٹا ہوا ہے۔ مگر اس کی کوئی دلیل مرزا قادیانی نے نہ دی کہ جن آنکھوں نے اس کو پڑھا وہ چوپٹ نہیں تھیں۔

[2] ناظرین اب اور کتبوں کے لئے تیار رہیں کیونکہ راز حقیقت میں مرزا قادیانی اعلان دے چکتے کہ غالباً اس مزار کے ساتھ کچھ کتبے ہوں گے جو ابھی مخفی ہیں۔ غالباً دفینے کے طور پر اس قبر میں بعض چیزیں مدفون ہوں گی۔ یہ غالباً فائدہ یقیناً کا دیتے ہیں۔

اب راز حقیقت میں ان گواہوں کی گپ سنئے۔ قریباً ۱۹۰۰ برس سے یہ مزار ہے۔

(راز حقیقت ص۱۵، خزائن ج۱۴ ص۱۶۷)

انیس سو برس تو مسیح کو پیدا ہوئے گزرے۔ ۱۲۵ برس آپ کی عمر ہوئی اور ۱۹۰۰ برس سے مزار موجود ہے تو سوا سو برس قبل مسیح کے مزار بن گیا اور یہی معتبر لوگوں کی شہادت ہے۔ کس مسخرے نے ان بیوقوفوں کو ۱۹۰۰ کا عدد رٹا دیا ہے۔ اگر ہم ان پر جرح کرتے تو یہ بھی کہہ دیتے کہ ۱۹۰۰ برس سے ہم اس کو دیکھتے بھی آئے ہیں۔

گواہوں نے تو آپ کے جھوٹ بولا مگر ہم سچ کہتے ہیں کہ کئی لاکھ آدمی ہر فرقے کے بالاتفاق اور کشمیر کے رہنے والے بالخصوص اس دروغ بے فروغ پر جو کچھ آپ کو کہہ رہے ہیں کسی کان رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں۔ مگر ذرا غور کرو کہ بقول مرزا قادیانی یہ روایت تو ایسی مشہور اور قدیم اور سلسلہ وار اور کشمیر میں زبان زد خاص وعام اور پھر بھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے کہ قادیان کے لوگوں کو اس کی خبر ہوئی اور انہیں کے منہ سے پبلک کے کانوں تک پہنچی۔ ابھی کل تک تو مرزا قادیانی کو بھی اس کی خبر نہ تھی گو آپ ''فی اوفی الارض'' پنجاب میں کشمیر کے زیر سایہ ساری عمر بسر کر چکے۔ وہ آپ ہی تو ہیں جو ازالہ اوہام میں مسیح کی قبر کا پتہ یہودیہ دیس میں بتلاتے رہے اور لکھ چکے۔ ''مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا...... اور حواریوں کو کشفی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جب کہ وہ گلیل میں جاکر کچھ عرصے کے بعد فوت ہوگیا۔ ۴۰ دن برابر نظر آتا رہا۔'' (ازالہ اوہام ص۴۷۳، ۴۷۴، خزائن ج۳ ص۳۵۴)

پس آپ نے ایسی مشہور اور مضبوط روایات سے کیسے انکار کیا تھا؟ قدامت اور شہرت اس کا نام ہے؟

یہودی شاہد

چوتھی دلیل...... ایک یہودی نے بھی اس کی تصدیق کی کہ قبر واقع سری نگر یہودیوں کے انبیاء کی قبروں کی طرح ہے۔

باطل ست آنچہ معنی گوید

جب کبھی آپ کو مسیحیت کے بارے میں کوئی شاہد درکار ہوا کوئی نہ کوئی یہودی فوراً فریاد کو پہنچ گیا۔ آپ نے اس یہودی سے پوچھا ہوتا کہ یہودی کی قبروں میں اور انبیاء کی قبروں میں اور پھر یہودی اور مسلمانوں کی قبروں میں کیا فرق رکھا گیا ہے جس سے ایک قبر کو دوسری سے پہچان

سکتے ہیں۔ آپ بھی بہت سادہ لوح ہیں۔ اس یہودی نے آپ کو بنایا ہے۔ اوّل تو آپ خود مان چکے کہ اس قبر کا طرز دفن مسلمانوں اور اہل کتاب سے خاص ہے۔ پس کیوں جائز نہیں کہ یہ قبر کسی مسلمان کی ہے؟ دوم یہ قبر مسلمانوں کے محلے میں واقع ہے۔ اس سے بھی اس کا مسلمان کی قبر ہونا ثابت ہے۔ ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ تم کہتے ہو کہ قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچی ہوئی اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ قبروں میں اس قسم کا سوراخ رکھنا کسی ملک میں رواج نہیں۔ (راز حقیقت ص ۱۷، ۱۸، خزائن ج ۱۴ ص ۱۶۹)

پس آپ اپنے مسخرے یہودی سے پوچھ لیجئے کہ بچہ تم نے کیسے اس قبر کو یہودیوں کے انبیاء کی قبروں کی طرح کہہ دیا۔ کس نبی کی قبر میں پول نکلا؟

اب یہ بات آپ ہم کو سمجھا دیجئے کہ اس قبر کے پاس قدم رسول کہاں سے آ گئے۔ مجرد یہ لفظ رسول مسلمانوں کی اصطلاح میں صرف آنحضرت ﷺ کے لئے بولا جاتا ہے۔ پس یا تو یہ سب محض لغو باتیں ہیں بے سروپا یا آپ اب یہ تیاری کر رہے ہیں کہ کہہ دیں۔ شب معراج حضرت اس قبر عیسیٰ کی زیارت کو تشریف لائے تھے۔

خان یار کا چبوترہ قبر نہیں

خیر اب ہم آپ کی خاطر مانے لیتے ہیں کہ کسی نامعلوم طریقے سے یہ قبر یہودیہ کے انبیاء کی قبروں کی طرح ضرور ہوگی تو پھر کیا ہر چبوترہ جو نبی کی قبر کے انداز کا بنا ہو نبی کی قبر قرار دیا جائے گا۔ قبر کسی مستطیل یا ماہی پشت چبوترہ کو نہیں کہتے۔ قبر وہ ہے جس کے اندر کوئی مردہ دفن ہو۔ آپ کے دعویٰ میں دو جز ہیں۔ پہلا یہ کہ محلّہ خان یار یا سری نگر میں جو چبوترہ ہے وہ قبر ہے۔ یعنی اس میں کوئی مردہ گڑا ہے دوسرا یہ کہ مردہ مسیح کا لاشہ ہے۔ پس جب آپ یہ کہتے ہیں کہ لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے تو آپ ہذیان بکتے ہیں۔ جو شے جسم کی آنکھ سے لاکھوں انسانوں نے دیکھی وہ صرف ایک تودہ خاک ہے۔ نہ انہوں نے کبھی مسیح کو دیکھا نہ مسیح کے لاشے کو دیکھا۔ بلکہ انہوں نے تو اس لاشہ کو بھی نہیں دیکھا جو اس قبر میں رکھا بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ اس بات کا بھی کوئی جھوٹا یا سچا گواہ نہیں ہوسکتا ہے کہ اس تودہ خاک کے نیچے کوئی لاشہ بھی ہے۔ یعنی ابھی یہ بھی نہیں ثابت ہوا کہ جس کو آپ قبر کہتے ہیں وہ کوئی قبر ہے۔ چہ جائے کہ وہ مسیح کی قبر یا مریم کی قبر ہے۔

صدیقہ کی قبر

ہم چلتے ہوئے یہ سوال بھی کریں گے کہ ایسی مہمان نواز نبی پرور قوم کشمیری نے حضرت

مسیح کی قبر تو محفوظ رکھی۔ مگر حضرت مریم جو بزعم شما حضرت مسیح کے ساتھ کشمیر تشریف لائی تھیں۔ ان کی قبر کہاں گئی؟ ان کی قبر تو ضرور ملنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا انتقال تو حضرت مسیح کی حین حیات ہوا۔ ان کی قبر تو حضرت مسیح کی زیر نگرانی بنی ہوگی۔ آپ تو اس ملک کے شہزادہ نبی تھے۔ سارے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ یہ قبر تو ضرور یہودیوں کی انبیاء کی ماؤں کی قبروں کی طرح ہوگی اور یہ بھی ویسی ہی قدم اور مشہور ہونا چاہئے۔ جیسے مسیح کی قبر۔ پس آپ کا فرض ہے کہ آپ حضرت مریم کی قبر کا پتہ بتادیں۔ چاہئے تو یہ ہے کہ اسی روضہ صاحب میں جو دوسری قبر کسی سید نصیرالدین کے نام سے مشہور ہے اس کو آپ فوراً قبر مریم ثابت کریں۔ ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑتا ہے۔ ذرا اس مٹے ہوئے کتبے کو میگنی فلانگ گلاس سے پھر تو پڑھئے؟

علم اللسان

پانچویں دلیل...... اور یہ مرزا قادیانی کی برہان قاطع ہے اور شاید یہی وہ عظیم الشان علمی تحقیقات ہے جو یورپ اور امریکہ کے محقق لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یہ ضرور علمی دلیل ہے۔ کیونکہ فیلالوجی یعنی علم اللسان کے متعلق ہے۔ ناظرین ذرا ہنسی روک کے سننا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے اور جیسا کہ گلگت یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سری نگر میں ان کی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجب بات ہے کہ دونوں موقعوں پر سری کا لفظ موجود ہے۔ یعنی جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور جہاں انیس صدیوں کے آخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی۔ اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت جو کشمیر کے علاقہ میں ہے وہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے۔

ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو ایک لطیفہ میں کوئی مرزا رطل الیوق بالقابہ کسی مرزا منصور بن موسیٰ کے صاحبزادے گزرے ہیں۔ وہ آپ ہی کے کوئی علاتی بھائی تھے اور ہم نے جو اس دلیل پر غور کیا تو ہم کو روشن ہوگیا کہ مرزا قادیانی سڑی ہوگیا اور اب قادیان کا مناسب نام سڑی نگر ہونا چاہئے۔ یہ عجب بات ہے کہ سری کی خرابی سے سڑی بن جاتا ہے اور مرزا قادیانی کی سری میں فتور ہے۔ ان کو خود بخود اقبال ہے کہ ان کو دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصے میں ہے۔ دوران سر کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ سر پھرنا ہے اور سر پھرنے سے مراد سڑی ہونا ہوتا ہے۔ اس پر سند استاد کے کلام کی لیجئے ۔

فرہاد سے ہمسری کرے کون
سرکس کا پھرا ہے یوں مرے کون

مرزا قادیانی کی دلیل ہم کو نہیں جچتی۔ ہم اس سے بہتر لطیفے سن چکے ہیں۔ ایک پرانے استاد نے عورت کی ہجو میں کہا۔ لفظ زن مصدر زدن سے نکلا ہے۔

اگر نیک بودے سرانجام زن
زناں رامزن نام بودے نہ زن

اگران کو معلوم ہوتا کہ زن کو سنسکرت میں ناری کہتے ہیں تو پھڑک اٹھتے اور سمجھ جاتے کہ بید یا برہمن نے عورت کو جہنمی کہہ دیا۔ ان سے بھی بڑھ کر لوگ گذرے ہیں۔ ایک صاحب نے کانے کی مذمت میں نص قرآن پیش کردی اور نظم میں۔

کانے کی بات کا مت کرو یقین
لکھا ہے قرآن میں کان من الکافرین

اب حقیقت اس سری کی سنو۔ جس مقام پر خداوند مسیح کو صلیب دی گئی۔ اس کا نام نہ سری ہے اور نہ گلگت بلکہ گول گتھا جو معرفہ ہے اور جس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ سے ہوسکتا ہے اور ہماری اردو زبان میں جس کا ترجمہ کھوپڑی کا مقام۔ (مرقس:۱۵:۲۲)

مگر وہ مقام ترجموں کے اعتبار سے جو ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں مشہور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اصلی لفظ کے اعتبار سے جو گول گتھا ہے اور وجہ تسمیہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک ٹیلا تھا۔ بے برگ وگیاہ کاسہ سر یعنی کھوپڑی کے مشابہ اور مقتل ہونے کے باعث وہاں مردوں کی کھوپڑیاں بھی پڑی رہتی تھیں اور یہ ایک وحشت ناک مقام تھا جس کو کوئی صوری یا معنوی مشابہت یا مناسبت کشمیر سے ممکن نہیں۔

مگر مرزا قادیانی کی بدتمیزی کی داد دینا چاہئے۔ سری اردو زبان میں کلہ کو کہتے ہیں یعنی مذبوح جانوروں کے سر کو۔ پس چاہئے تھا کہ وہ سری اور کھوپڑی میں تمیز کرتا۔ پھر گلگت کو بھی گول گتھا سے کچھ مناسبت نہیں، نہ لفظی نہ معنوی مرزا تو یہاں اس کاتب سے بھی بڑھ گئے۔ جس نے قرآن شریف میں ''خر موسیٰ'' کو ''خر عیسیٰ'' پڑھا تھا۔ گلگت ایک شہر کا نام ہے جو اس نام کے دریا پر کوئی ۳۰۰ میل پر کشمیر سے واقع ہے۔ پس اگر ہمارا دیوانہ گول گتھا کو گلگت بھی بنا دیتا تو بھی گلگت سری نگر نہ بن سکتا اور سنئے سری نگر کو مرزا قادیانی سری کا مکان کہتے ہیں اور سری کو بمعنی

کھوپڑی سمجھتے ہیں۔ ان بیچارے کو کیا معلوم کہ سری سنسکرت لفظ ہے اور نام ہے لکشمی دیوی کا اور سری پتی یعنی لکشمی کا شوہر وشنو کو کہتے ہیں اور لکشمی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اس شہر کا نام سری نگر یعنی لکشمی کا شہر رکھا گیا۔ مرزاقادیانی کی یہ دلیل نکمی ہے۔ بلکہ س اور راء سے مرکب ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ میں اس کو بہت برا دیکھتا ہوں۔

اس دلیل میں ایک لطف یہ ضرور ہے کہ مرزاقادیانی نے دعویٰ کسر صلیب کا کیا تھا۔ اس کی پاداش میں اس کو خود اپنے ہاتھ سے سری نگر میں اچھا خاصہ صلیب نصب کرنا پڑا اور سری نگر کو انہوں نے آپ گویا خداوند مسیح کی یادگار قرار دیا۔ خوب کہا ؎

جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے

باب لدولداخ

یہ لکھتے ہوئے ہمارا ذہن ایک اور طرف منتقل ہوگیا اور اب مرزاقادیانی ہماری بات کو عنقریب لے لیں گے۔ سری نگر سے یہ گلگت پہنچے۔ مگر مقصود ان کا لداخ تھا اور یہ کشمیر کا علاقہ ہے۔ حدیث میں لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کریں گے۔ باب لد کے پاس ’’**فیقتله عند باب لد**‘‘ مرزاقادیانی کو ہندوستان سے باہر نکلنا نہیں گو مسیح کے کے معنی ہی آپ نے نبی سیاح بتائے ہیں۔ پس کھونٹے سے بندھنے والا کیونکر مثیل مسیح ہوسکتا ہے؟

حدیثوں میں بیان ہوا کہ مسیح دمشق میں نازل ہوں گے۔ کعبے کو تشریف لائیں گے اور باب لد کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔ پس مرزاقادیانی نے قادیان کو کعبہ قرار دیا۔ وہیں منارۂ دمشق بنایا۔ پنجاب کو بیت المقدس اور کشمیر کو مدفن مسیح بتایا۔ پھر بھی لد کی کسر رہی جاتی تھی۔ لد کے معنی جھگڑالو تو بنالئے تھے۔ مگراب لداخ ہوگا۔ لداخ اور اگر جھگڑالو نہ تو جھگڑالو کا اخ یعنی بھائی مل جائے گا اور یہ لطیف اشارہ عند باب لد کی طرف ہوا۔ اس کو مرزاقادیانی کے مرید سمجھ جائیں گے۔ لداخ میں پادری لوگ بھی ہیں اور پادریوں کو مرزاقادیانی دجال بتاتے ہیں اور چونکہ سرکاری عملداری سے لداخ دور ہے۔ کیا عجب جو قصد ہو کہ وہاں کسی پادری کو اکیلا دکیلا پاکر مارڈالوں اور اپنے چیلوں سے کہوں کہ لداخ سے باب لد کے پاس میں دجال یا اس کے بھائی کو مارآیا۔

غرضیکہ کچھ تو ماحصل مرزاقادیانی کی پرانی کتابوں پرانے کتبے اور لاکھوں انسانوں کی چشم دید شہادت کا تھا۔ اب آپ اپنے خواب پریشان کو ثابت کرنے کے لئے انجیل اور قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کر کے ایک اور ہی نیا تماشا دکھلائیں گے۔ مگر مرزاقادیانی کے راز حقیقت کو

پڑھ کر ہم پر ان کا ایک راز فاش ہوگیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سوراخ سے نہایت عمدہ خوشبو آتی رہی ہے۔ یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچا ہوا ہے۔ عوام کہتے ہیں کہ اس میں کوئی خزانہ ہے۔ مگر یہ خیال قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتا۔

عمدہ خوشبو آنا کیوں بند ہوگئی؟ یا تو یہ نری گپ بھی یا مرزائیوں کے قدم کی برکت۔ بھلا اگر آج کل کثرت سے خوشبو نکلتی تو کوئی بات بھی تھی۔ اس کا قادیانی مدعی کے عہد میں موقوف ہو جانا کسی نحوست کا نشان ہے اور بس اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرزا قادیانی کو عوام کی اس بات کا پورا یقین ہوگیا ہے کہ اس قبر میں خزانہ گڑا ہے۔ اب آپ اور آپ کے چیلے اس قبر کے معتقدین بن کر وہاں کے مجاور بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف سے غافل کر کے کہ خزانہ کا خیال باطل ہے اور یہ کہہ کر کہ کتبے کے طور پر اس میں بعض چیزیں مدفون ہیں۔ اس قبر کو ایسے ایسے حیلوں اور بہانوں سے کھدوا کر دیکھنا چاہتے ہیں تا کسی کو معلوم نہ ہو اور ایک گنج قاروں ہاتھ لگ جائے اور اسی حرص وطمع میں آپ قرآن پر دام تزویر ڈال رہے ہیں۔ یہ ہے راز حقیقت۔

۶......مرزا کا خبط کشمیر اور شہادت انجیل وقرآن وحدیث

اوّل ...... انجیلی دلائل

کاٹھ پر لٹکایا گیا

۱...... مرزا قادیانی فرماتے ہیں مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ: ’’جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے اور لعنت کا ایک مفہوم ہے کہ عیسیٰ مسیح جیسے برگزیدہ پر ایک دم کے لئے بھی تجویز کرنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔ پس بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا۔ یعنی صلیب پر نہیں مرا۔‘‘

(ریویو(اردو) ج۲ نمبر۱ ص۱۰،۱۱، جنوری ۱۹۰۳ء)

’’صلیب خدائے تعالیٰ کی طرف سے جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے۔ پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے۔‘‘

(ریویو(اردو) ج۲ نمبر۵ ص۱۸۰،۱۸۱، مئی ۱۹۰۳ء)

وہ شخص کس درجہ شعور وعلم دین سے بے بہرہ ہوگا جو یہ مان لے کہ محض کاٹھ پر لٹکایا جانا کسی کو لعنتی کر سکتا ہے۔ کیا کوئی بے جرم، برگزیدہ خدا، کافروں اور ظالموں کے ہاتھ سے ملعون

ہوسکتا ہے؟ جس تارک نماز نے ’’لاتقربو الصلوٰۃ ‘‘ سے سند پکڑی تھی وہ فہم وفراست میں قادیان کے امام صاحب سے زیادہ تھا۔

اے ناظرین! سن لو کہ کتاب مقدس میں کیا لکھا ہے۔ ’’اگر کوئی شخص ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو مستوجب سزائے موت ہے اور وہ قتل کیا جائے وہ تو اس کو درخت پر لٹکائے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر نہ لٹکنے پائے۔ بلکہ تو ضرور اس کو اسی دن دفن کر دینا۔ کیونکہ جو لٹکایا گیا وہ خدا کا لعنتی ہے۔‘‘ (توریت کتاب استثناء باب۲۱، آیت ۲۲،۲۳)

اس سے روشن ہے کہ نہ ہر شخص جو قتل کیا گیا بلکہ وہی جو ایسے گناہ کا مرتکب ہو کر قتل کیا گیا۔ جو مستوجب سزائے موت ہے لعنتی ہوا۔ اب بتاؤ کیا تم مانتے ہو یا کبھی کسی عیسائی نے کہا کہ معاذ اللہ حضرت مسیح کسی گناہ کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش موت تھی اور وہ قتل کئے گئے اور پھر صلیب پر لٹکائے گئے؟

صلیب کی شرمندگی

پھر ایسی بیہودہ تقریر کر کے کیوں چاردانگ عالم میں رسوا ہوتے ہو؟ ہاں! اس قدر سچ ہے کہ یہودیوں کے درمیان صلیب کی شرمندگی بہت بڑی تھی۔ کیونکہ یہ سزا قانوناً مجرموں کو دی جاتی تھی اور جو لوگ عدالتوں سے مجرم ٹھہر کر مصلوب ہوتے۔ وہ دراصل بھی لوگوں کی نظروں میں مرتکب جرائم اور ملعون سمجھے جاتے تھے۔ اسی غرض سے انہوں نے روح اللہ کو ذلیل کرنے کی خاطر نہ صرف صلیب کی سزا دلائی بلکہ مشہور چوروں کے ساتھ مصلوب بھی کروایا تاکہ عوام الناس اس سردار دوجہاں سے برگشتہ ہو کر آپ کا نام ہمیشہ رسوائی کے ساتھ یاد کریں۔ دشمنوں نے دراصل آپ کو مصلوب ہونے کی وجہ سے ملعون کہہ کر اپنے لئے ہمیشہ کی لعنت کمائی اور اہل عرفان پر اپنی خباثت اور شیطنت ثابت کر دی اور انہی کی نسبت مقدس پولوس نے فرمایا۔ میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو کوئی خدا کے روح کی ہدایت سے بولتا ہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے۔ (کرنتھی:۱۲:۳)

یہ ناپاک کلام صرف اسی کی زبان سے نکلے گا جو شیطان لعین کا ہمزبان ہو گیا ہو۔

تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ حق اللہ اور حق العباد ادا کرتے ہوئے بھی صلیب کے اوپر حضرت مسیح کا شہید ہو جانا ان لوگوں کے سامنے بدنامی کا باعث ظاہر ہوا جو آپ کی رسالت اور مسیحیت اور آپ کی برگزیدگی اور عصمت کے قائل نہ تھے۔ پس ایک زمانے کی رسوائی اور بدنامی کو خدا کی راہ میں مسیح نے یوں گوارا کر کے صلیبی موت کو اختیار کیا۔ گویا ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ (گلتی:۳:۱۳)

اس نے شرمندگی کی پرواہ نہ کر کے صلیب کا دکھ سہا۔ (عبرانی:۱۲:۲)

اور خدا کے وعدوں کا صبر واستقلال سے انتظار کیا اور پھر وہ وقت دیکھا جب آپ کی بے گناہی اور عصمت کا سارے جہاں نے ایک زبان ہو کر اقرار کر لیا اور صلیب کو خدا کی رحمت کا نشان مان لیا اور بجز ہلاکت کے فرزندوں کے کون ہے جو صلیب کو لعنت کرتا ہے۔

مصلوب ہونا اور مرنا

ہم یہاں مرزا قادیانی سے یہ بھی پوچھیں گے کہ کس سند سے تم نے مصلوب نہیں ہوا کو یعنی صلیب پر نہیں مرا، کہہ دیا۔ کیا مصلوب ہونا اور مر جانا ایک ہی بات ہے؟ کیا تم نے خود نہیں لکھا کہ صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض شخص جانبر ہو گئے۔ (ریویو (اردو) ج۲ نمبر۵ ص۱۹۳، مئی ۱۹۰۳ء)

کیا مصلوب صرف اسی کو نہیں کہتے جو صلیب پر کھینچا جائے خواہ مرے خواہ نہ مرے؟ کیا تم ہم کو نہیں بتا چکے کہ تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اتار لیا اور ہڈیاں توڑنے کے بعد یقین کیا جاتا تھا کہ اب مصلوب ہو گیا۔ (ازالہ اوہام ص۳۸۱، خزائن ج۳ ص۲۹۶)

اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی تو یہی ہے کہ مسیح صلیب پر کھینچا گیا مر گیا۔ پس تم کو اب کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مصلوب ہونا اور مرنا جدا جدا باتیں ہیں۔ ایک بات نہیں ہے۔

پھر قول غت ربود تو آپ نے یہ پیش کیا تھا۔ جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے اور آپ بڑے زور شور سے مان چکے کہ مسیح ضرور صلیب پر لٹکائے گئے تو اب خود دیکھ لو کہ تمہاری تقریر کا نتیجہ لعنت ہوا یا نہیں؟

صلیب کے اوپر شہادت

مرزا قادیانی نے لچر تقریر کو بار بار بہ تکرار اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں بیان کیا ہے۔ ہم ہمیشہ اس کے منہ سے یہی سنتے ہیں۔ ’’جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے۔‘‘ اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے تو مرزا قادیانی کی جہالت ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ لیکن اگر اس کو اپنی دینی کتابوں سے بھی ذرا واقفیت ہوتی تو بھی وہ ایسا مردود سخن زبان سے نہ نکالتے۔ تامل کرتا کہ محض صلیب پر لٹک جانا السان کو لعنتی کر دیتا ہے۔ اس کے ذہن میں آتا ہی نہیں کہ بے گناہ مصلوب ہو جانا خدا کی نظر میں سوائے شہادت کے اوپر کچھ نہیں۔ ہم آج اس کو سمجھائے دیتے ہیں۔ تا پھر یہ کفر آمیز گفتگو اس کے منہ سے نہ سنیں۔ فرعون نے ان جادوگروں کو جو اپنے کفر سے توبہ کر کے موسیٰ پر ایمان لائے اور قوم کے سامنے علانیہ شہادت دی، ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر کھینچ دیا اور صلیب پر قتل کر ڈالا۔ ’’ولا صلبنکم فی جذوع النخل (طٰہٰ)‘‘ اور

مسلم شریف میں آنحضرت ﷺ نے قصہ اصحاب الاخدود میں فرمایا کہ کس طرح ایک کافر بادشاہ نے ایک ولی کامل صاحب کشف وکرامات کو صلیب کے اوپر کھینچ دیا۔ پھر اس کے ایک تیر مارا جو مصلوب کی کن پٹی پر جالگا اور وہ وہیں مر گیا۔ ’’صلبه علی جذع ثم رماه فوضع السهم فی صدغه فمات‘‘ اب مرزا بتلاوے کہ وہ ان مومنین آل فرعون اور اس ولی اللہ پر کیا حکم لگاتا ہے جن کو کافروں نے ایذائیں دے کر صلیب کے اوپر مار ڈالا۔

پھر کیوں تجویز کیا جاتا ہے کہ مسیح کے لئے صلیب پر لٹکنا تو ضروری تھا مگر مرنا ضروری نہ تھا۔ کیا محض اس لئے کہ خان یار کی تکیہ داری آپ کو مل جائے اور آپ سری نگر کے مجاور بن جائیں؟

حضرت مسیح کی دعا اور اس کی قبولیت

مسیح کی دعا۔ ہم کو مرزاقادیانی کے کسی قول وفعل کا اعتبار نہیں۔ ابھی آپ فرما چکے تھے کہ مسیح نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی۔ (ریویو(اردو) ج۱نمبر۱۲ص۵۰۸، دسمبر۱۹۰۲ء)

پھر بھول گئے اور ہم کو تاکید کر کے فرمادیا۔ ’’یقیناً سمجھو کہ وہ دعا جو گتسمنی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور قبول ہوگئی تھی۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۲نمبر۱ص۱۶، جنوری۱۹۰۳ء)

پھر اسی دعا کو آپ نے ’’صلیب سے محفوظ رہنے کے بارے میں‘‘ ایک بہت بڑی انجیلی شہادت قرار دے دیا اور پھر خود ہی یہ مان بیٹھے کہ مسیح مصلوب بھی ضرور ہوا ہے۔ صلیب ہی پر ’’شدت درد سے بیہوش ہوگیا۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۱نمبر۹ص۳۴۲، ستمبر۱۹۰۲ء)

غرضیکہ کل عقوبتیں جھیلیں مگر مرے نہیں۔ پھر جب لوگوں نے سمجھا دیا کہ یہ کیا بک گئے۔ ’’صلیب سے محفوظ رہنے‘‘ کے تو کوئی معنی نہ ہوئے تو آپ نے یہ فرمادیا کہ مسیح نے دعا اس لئے کی تھی کہ خدائے تعالیٰ اسے صلیب کی لعنتی موت سے بچالے۔

(ریویو(اردو) ج۲نمبر۵ص۱۹۲، مئی۱۹۰۳ء)

اور اس قول کے لئے آپ نے استدلال اس کلام سے کیا۔ ’’جو کوئی کاٹھ پر لٹکا سو لعنتی ہے۔‘‘ اب ہم نے اس کا مطلب بھی آپ کو سمجھا دیا۔ ’’فکشفنا عنک غطاء ک‘‘

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ موت ایسی چیز نہیں جس سے کوئی حفاظت مانگے۔ ’’کل نفس ذائقة الموت‘‘ مگر موت کی سختی سے جان کندن سے جسمانی عذاب سے ضرور امان مانگی جاتی ہے اور خدا کی مرضی کی متابعت میں مسیح نے بھی ایسی دعا کی کہ ’’اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاہم میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو۔‘‘ اور اس دعا کا راز بھی شاگردوں کو بتلایا۔ ’’روح

تو مستعد ہے۔مگر جسم کمزور ہے۔'' (متی:۲۶:۴۱)

یعنی مسیح نے عقوبت اور جسمانی عذاب کی تلخی سے مشیت ایزدی پر راضی ہوکر دعا کی تھی۔ ہرگز موت سے امان نہیں مانگی اور وہ دعا ضرور مقبول ہوئی۔

اگر کسی شخص کے اوپر ایک بوجھ آپڑے اور وہ اس سے بچنے کا خواستگار ہو تو دو طریق سے اس کی عرض قبول کی جاسکتی ہے۔یا تو بوجھ ہلکا کر دیا جائے یا اس کے برداشت کرنے کے لئے کافی زور اور صبر اس کو عطاء کیا جائے۔مسیح نے موت کے دردوں سے بچنا چاہا اور خدا کی مرضی کو اپنی سپر ٹھہرایا۔ پس خدا نے روحانی انتظام کر دیا۔ابھی آپ دعا کر ہی رہے تھے کہ آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا۔وہ اسے تقویت دیتا تھا۔ (لوقا:۲۲:۴۳)

اور اس کا نتیجہ انجام کار یہ ہوا کہ آپ نے اس خوشی کے لئے جو اس کی نظروں کے سامنے تھی شرمندگی کی پرواہ نہ کر کے صلیب کا دکھ سہا۔ (عبرانی:۱۲:۲)

اگر آپ پر عقوبتوں کی یورش ہوئی تو خدا کے فضل سے آپ نے صبر وتحمل، تسلیم ورضا سے جواب دیا اور ان صفات کو ابتلاء کی غایت میں اس فراوانی سے ظاہر کیا کہ جلاّد بھی عش عش کرنے لگے۔ دریائے رحمت میں آپ نے اپنے تئیں ایسا فنا کر دیا کہ قاتلوں کو مستحق شفاعت گردانا اور درگاہ کبریائی میں دعا کی۔''اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں۔'' (لوقا:۲۳:۳۴)

مرزا قادیانی اس بات کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے عارفوں کے سمجھنے کی ہے جیسے حضرت شیخ الاکبر گذرے۔اس وقت عرش بریں سے کیا کیا رحمتیں آپ پر نازل ہوئیں۔

صلیب کی شان

وہ کاٹھ جو اوروں کے لئے لعنت کا تمغہ تھا آپ کے وجود باجود سے لگ کر نشان رحمت ہوگیا۔صلیب ہی تو ہے جس کے پرچم تلے آپ کا سردھڑ پر جما ہوا ہے۔ ذرا اس صلیب کے سایہ سے باہر نکل کر آزما تو لو۔صلیب ہی تو ہے جو تاج برطانیہ کو رونق دے رہا ہے۔جس کے آگے تم سر ٹیک رہے ہو اور جس کے اوپر سے صدقہ ہو جانا اپنی سعادت سمجھتے ہو۔تم اور کسر صلیب چھوٹا منہ بڑی بات! یہ نخل عالم کے آب دیدہ کا سینچا ہوا اس کو حضرت مسیح آپ اکھاڑیں تو اکھڑے۔ پس آپ کو جلد معلوم ہو جانا چاہئے کہ مسیح کی دعا استجابت کے لئے موت سے بچ جانا اور دوسری نگر کو آنا مطلق ضروری نہیں۔مسیح کی جو کچھ دعا تھی وہ صلیب ہی کے اوپر منظور ہوئی۔

ایلی ایلی لما سبقتنی

صلیب کی سختیوں میں حضرت مسیح کی زبان سے نکلا تھا۔’’ایلی ایلی لما سبقتنی ‘‘ مرزا قادیانی کی تعجیل کاری نے اس کو رخصت نہ دی کہ ذرا بھی اس کلام کا مفہوم سمجھ سکتا۔ جھٹ بول دیا۔’’مسیح صدق پر قائم نہ رہ سکا۔ ایلی ایلی کر کے چیخیں مارنا شروع کردیں۔‘‘

(ریویو(اردو)ج۱نمبر۱۲ص۵۱۳،دسمبر۱۹۰۲ء)

یہ کہہ کر مرزا قادیانی نے اپنے قلب کی حالت ہم کو دکھلا دی اور ہم کو بہت افسوس آیا۔ کیونکہ مسیح کی زبان سے جو کلام نکلا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ (فلپی:۲:۲)

اگر کوئی کسی دیندار مسلمان کو بستر مرگ پر پڑا ہوا لب ہلاتے دیکھے اور وقتاً فوقتاً اس کے منہ سے دو چار ایسے کلمے سنے۔’’کل شئ احصینا انا تطیرنا بکم ‘‘اور اس کی وفات کے بعد لوگوں سے کہے کہ میں نے تو اس مسلمان کو آخر تک مال اسباب گنتے اور تیمارداروں کو نامبارک کہتے دیکھا تو وہ لوگ جو واقف ہیں کہ وہ مرد مومن سورۂ یاسین پڑھتا ہوا مرا اس شخص کی جہل ونادانی پر کس قدر تاسف کریں گے۔ مسیح کے کلام پر ایسا ہی ناشائستہ اعتراض مرزا قادیانی نے کر کے واقف کاروں کو اپنے اوپر ہنسایا ہے۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ ایلی ایلی لما سبقتنی حضرت داؤد کے بائیسویں زبور کا مطلع ہے۔ اس زبور کو تنگی اور مصیبت کے وقت ایماندار پڑھتے ہیں اور اس میں حضرت مسیح کے دردوں کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ وہ سراسر آپ ہی کے حسب حال تھا اور اس وقت آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا تھا۔

اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں

۳...... تیسری دلیل آپ کی مسیح کے یہ اقوال ہیں۔’’میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔‘‘ (متی:۱۵:۲۴)

ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔ (لوقا:۱۹:۱۰)

آپ لکھتے ہیں:’’حضرت مسیح کے یہ الفاظ کہ میں گم شدوں کی تلاش کرنے آیا۔ گم شدہ فرقوں کے سوائے دوسرے یہودیوں پر کس طرح لگ نہیں سکتے۔‘‘

(ریویو(اردو)ج۲نمبر۱ص۱۲،جنوری۱۹۰۳ء)

اور’’ان گم شدوں‘‘ سے آپ صرف وہ بنی اسرائیل جو دور دراز ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے۔ مراد سمجھتے ہیں اور پھر ایک تیسری زبردستی سے آپ دور دراز ملکوں افغانستان اور خاص

کر کشمیر ہی کو شمار کرتے ہیں۔ لو عقدہ حل ہوگیا۔ مسیح کو ’’رسولاً الیٰ بنی اسرائیل ‘‘ کہا۔ اس سے قرآن کی مراد یہ ہے کہ آپ کشمیریوں کے رسول ہیں اور ’’انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم ‘‘ میں کم اشارہ کشمیریوں کی طرف ہوا۔ کیونکہ آپ سوائے ’’گم شدہ‘‘ یعنی جلاوطن یہودیوں کے کسی کے پاس نہیں بھیجے گئے اور ’’لا جل لکم بعض الذی حرم علیکم ‘‘ سے یہ مراد ہوئی کہ میں کشمیری یہودیوں پر وہ چیزیں حلال کردوں جو حضرت بدھ کی شریعت میں ان پر حرام ہوگئی تھیں۔ قرآن فہمی تو مرزا قادیانی پر ختم ہوگئی۔

ناظرین پر واضح ہو کہ ’’کھوئی ہوئی بھیڑ‘‘ اور ’’کھویا ہوا‘‘ جب انسان پر بولا جاتا ہے تو وہ ایک عام کتابی استعارہ روحانی گمراہی کے لئے ہے اور کھوئے ہوئے کو ڈھونڈھنے سے مراد ہدایت بخشنا ہے۔ زبور میں ہے: ’’میں کھوئی ہوئی بھیڑ کی مانند بھٹک گیا ہوں۔ اپنے بندہ کو تلاش کر۔‘‘ مقدس پطرس عیسائیوں سے فرماتے ہیں۔ پہلے تم بھیڑوں کی طرح بھٹکتے پھرتے تھے۔ مگر اب اپنی روحوں کے گلہ بان اور نگہبان کے پاس پھر آ گئے ہو۔

اور یہی محاورہ قرآن وحدیث میں بھی موجود ہے۔ مثلاً آنحضرتﷺ کا یہ مقولہ ’’الم یجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی ‘‘(مشارق الانوار ۱۰۲۴)

آیا نہیں پایا میں نے تم کو بھٹکتا ہوا۔ پھر راہ پر لگایا تم کو اللہ نے میری طفیل اور تم لوگ تتر بتر تھے پھر خدا نے تم کو بٹور لیا میرے طفیل۔

یہ معنی تو مسیح کے اس قول کے اندر موجود ہیں جس سے مرزا قادیانی نے استدلال کیا۔ مسیح نے فلسطین کے ایک یہودی خراج گیر زکائی کو اپنے دوسرے قول کا مصداق بنایا تھا۔ آپ اس کے لئے کشمیر تک ناحق تکلیف کرتے ہیں۔ فلسطین ہی کے یہودیوں کو فرمایا: ’’وہ ان بھیڑوں کی مانند جن کا چرواہا نہ ہو۔ خستہ حال اور پراگندہ تھے۔‘‘ (متی:۹:۳۶)

فلسطین ہی کے یہودیوں سے مسیح نے پکار کر کہا۔ ’’اچھا چرواہا میں ہوں۔‘‘(یوحنا:۱۰:۱۱)

فلسطین ہی میں آپ نے اپنی بھیڑوں کو ڈھونڈھا اور فرمایا: ’’میری بھیڑیں میری آواز سنتی ہیں اور میں انہیں جانتا ہوں اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔‘‘

پس کس قدر جاہل ہوگا وہ شخص جس نے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں گم شدہ فرقوں کے سوائے دوسرے یہودیوں کو نہ سمجھا۔

عرب کے گم شدہ اسرائیلی

ہم مرزا قادیانی کو ایک نکتہ بھی سمجھائے دیتے ہیں کہ کشمیریوں کا گم شدہ اسرائیلی ہونا تو

صرف برنیر وغیرہ کا ایک گمان اور خیال ہی ہے۔ جس کے لئے کسی یقینی دلیل کے وہ خود بھی قائل نہیں۔ مگر حضرت مسیح کے زمانے میں فلسطین کے قریب بھی دوسرے ملکوں میں جلاوطن یہودیوں کی ایسی قومیں کثرت سے آباد تھیں۔ جن کے یہودی ہونے کا کسی کو بھی کبھی شک نہیں ہوا۔ پس اگر یہ حق ہے کہ مسیح بنی اسرائیل کے ان فرقوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے جو آپ کی آمد کے بہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہو چکے تھے۔

اور اگر آپ کو پردیسی یہودیوں کی تلاشی لازمی تھی تو سب سے پہلے آپ کو عرب میں آنا چاہئے جہاں تم کہتے ہو کہ آنے والا نبی مبعوث ہونے والا تھا اور حضرت مسیح کی دعوت میں اس کے قبول کرنے کی وصیت تھی۔ شاید آپ کو آج تک معلوم نہیں تھا کہ مسیح کے زمانے میں کثرت سے یہودی عرب میں آباد ہو چکے تھے۔ سرسید احمد کے خطبات ہی پڑھ لو۔ یہودی مذہب عرب میں ان یہودیوں کے ساتھ آیا جو پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر آباد ہو گئے تھے۔ (خطبہ ثالث) یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر تمہارا خیال درست ہو تو ان یہودیوں کو چھوڑ کر آپ کشمیر چلے آتے؟

یونس نبی کی تمثیل

۴...... سب سے بڑی نص مرزا قادیانی نے حضرت مسیح کے اس قول کو قرار دیا ہے کہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔

(متی:۱۲:۴۰)

اور اس پر جناب یوں قلم فرسا ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ تھا...... زندہ رہا اور زندہ نکلا اور آخر قوم نے اس کو قبول کیا۔ اس مثال میں جتلا دیا تھا کہ وہ (مسیح) صلیب پر نہ مرے گا...... بلکہ یونس نبی کی طرح صرف غشی کی حالت ہوگی اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر پھر قوم سے ملے گا اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائے گا۔ یہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی کیونکہ مسیح زمین کے پیٹ سے نکل کر اپنی ان قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں۔

اگر مرزا قادیانی کو تشبیہ وتمثیل کے اصول سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو آسانی سے سمجھ لیتے کہ مسیح نے یونس کے ساتھ صرف ایک بات میں اپنی مشابہت دکھلائی۔ ''تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں'' یونس کا رہنا اور تین رات دن زمین کے اندر مسیح کا رہنا مشابہ ہے۔ اس سے زیادہ کسی واقعہ میں مشابہت نہیں۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونس والی تمثیل نہ سمجھنے کے لئے

مرزا قادیانی کے استاد جواب دہ ہیں جنہوں نے گلستان پڑھاتے ہوئے کوئی غلطی کی تھی اور مرزا قادیانی کو اس شعر کا مطلب غلط سمجھا دیا تھا ۔

قرص خورشید در سیاہی شد
یونس اندر دہان ماہی شد

ورنہ ایسی آسان مثال کے سمجھنے میں ۔

صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

کی نوبت نہ آتی۔ مرزا قادیانی نے جو نقشہ یونس اور مسیح کی مشابہت کا کھینچا وہ قابل دید ہے۔ اسی سے آپ کے گمان کا ابطال ہوتا ہے۔

یونس سمندروں کے بیچ ہزاروں کوس کی گردش کرتے رہے۔ مسیح ایک جگہ خشکی میں قرار سے پڑے رہے۔ یونس مچھلی کے تنگ وتاریک جوف میں مقید تھے جہاں نہ روشنی کا گذر نہ ہوا کا۔ مسیح ایک قبر میں جو بزعم مرزا قادیانی کوئی بارہ دری یا بالا خانہ تھا۔ ایک ہوادار وسیع کوٹھا جس میں ایک کھڑکی بھی تھی۔ اس میں ایک شکمی مشابہت بھی قابل غور ہے۔ کوٹھا زمین کے اوپر ہوتا ہے۔ حالانکہ مسیح کا قول ہے کہ میں زمین کے اندر ہوں گا۔

یونس مچھلی کے پیٹ میں رہے جس نے آپ کو سقیم کر دیا تھا۔ مسیح کی قبر طرح طرح کی خوشبوؤں اور مصالحوں سے بسی تھی۔ جس کے باعث بزعم مرزا آپ پھر سے تندرست ہوگئے۔

یونس تن تنہا بے یار ومددگار اس تنگی میں رہے۔ مسیح کے پاس بقول مرزا ''تجربہ کار طبیبوں'' کا جمگھٹا رہا۔

یونس بقول مرزا مچھلی کے پیٹ میں ''بیہوشی اور غشی'' کی حالت میں رہے اور اس حالت کو مسیح کے مفروضہ سکتہ وغشی کے مشابہ بتلایا جاتا ہے۔ افسوس مرزا قادیانی بالکل گڑبڑا گئے۔ کیونکہ قرآن میں لکھا ہے کہ حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں بیہوش نہیں رہے بلکہ سراسر ہوش میں رہے۔ تسبیح اور تہلیل میں برابر مصروف۔

اب لیجئے! جہاں خاص مشابہت مرزا تلاش کرتے تھے وہیں مشابہت بالکل زائل ہوگئی۔ دوسری مشابہت مرزا قادیانی نے یہ دکھلائی کہ مسیح نے یونس کی طرح قوم میں عزت پائی اور یہاں بھی مشابہت بالکل معدوم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عقل سے بولتے نہیں محض الہام کے جوش میں کچھ فرما جاتے ہیں اور وہی کلام لغو ہوتا ہے۔

یونس نے تو اسی قوم کے ہاتھوں عزت پائی جس قوم نے ان کی بے عزتی کی تھی اور منکر

ہوگئی تھی۔ مسیح کو آپ کہتے ہیں کہ جس قوم نے یعنی فلسطین کے یہودیوں نے بے عزت کیا پھر اس نے دوبارہ قبر سے نکلنے کے بعد آپ کو ہرگز ہرگز نہیں قبول کیا اور عزت کی تلاش میں ان کو دور و دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑا اور بالکل دوسری قوم سے عزت پائی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ مشابہت کہاں رہی؟ اور اس مثال سے حضرت مسیح کا سری نگر تشریف لانا کیسے ثابت ہوگیا؟ یہاں انجیلی دلائل کا خاتمہ ہے۔ مگر جب ہم اس قسم کی باتیں ان لوگوں سے سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ ’’ام تامرھم احلامھم بھذا ام ھم قوم طاغون‘‘

دوم ...... قرآن شریف کے دلائل

ہم یہاں مولوی صاحبوں سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنی بحث مکمل کرنے کی غرض سے قرآن وحدیث کے متعلق بھی مرزا قادیانی کی دلائل کو پرکھ لینے دیں۔ گو ہم مانتے ہیں کہ یہ بحث خاص انہیں کا حصہ ہے۔

کشمیر کی طرف صریح اشارہ

مرزا قادیانی فرماتے ہیں۔ قرآن شریف میں ایک آیت میں صریح کشمیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسیح اور اس کی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کشمیر کی طرف چلے گئے۔ جیسا فرمایا ہے: ’’واوینھا الیٰ ربوۃ ذات قرارٍ ومعین (مومنون:۵۰)‘‘ یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی والدہ کو ایک ایسے ٹیلے پر جگہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی وہاں تھا۔ سو اس میں خداتعالیٰ نے کشمیر کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور آویٰ کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کے لئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسیٰ اور اس کی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دی جاتی۔

اور یہ دلیل تاریخ دانی پر زیادہ تر مبنی ہے اور اس کے بعد علم لغت پر۔

کشمیر کی کیسی شامت کی گئی جو ایسے پہاڑوں پر واقع ہے جس کی چوٹیاں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں اور ربوہ کا لفظ لغت عرب میں کسی ایسے ہی پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض بچے پہیلیاں بوجھنے میں بہت ہنساتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے مرزا قادیانی نے ربوہ کا لفظ سنا اور بول اٹھے کشمیر۔ دیوانہ راہوئے بس است اسی کو کہتے ہیں۔ عرفی نے کشمیر کی تعریف میں کہا تھا۔

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید
گر مرغ کباب است کہ بال وپر آید

کشمیر کی مرزائی تعریف

مرزا قادیانی نے کشمیر کی کیا معقول تعریف سنادی۔ ایک ٹیلہ اور صاف پانی اور اس میں بھی یعنی، دنیا میں سوا کشمیر کے ٹیلا کہاں؟ سوائے کشمیر کے آرام کی جگہ کہاں اور سوائے کشمیر کے پانی صاف کہاں؟ اب علم تاریخ سنئے۔ صلیب سے پہلے عیسیٰ اور اس کی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا۔

صلیب کے پہلے مصیبت کا زمانہ

آپ نے اگر اسی آیت سورہ مؤمنون پر شاہ عبدالقادر صاحب کا فائدہ پڑھ لیا ہوتا تو بھی ایک بڑا زمانہ مصیبت کا معلوم ہوگیا ہوتا۔ اگر آپ نے انجیل متی باب دوم پڑھ لیا ہوتا تو بھی آج کو یہ پشیمانی نہ اٹھانا پڑتی۔ وہاں لکھا ہے کہ جب دیار مشرق سے مجوسی حضرت مسیح کی زیارت کو آئے اور بادشاہ ہیرودیس کو خبر لگی کہ مسیح یہودیوں کا بادشاہ میرے ملک میں پیدا ہوا تو اس نے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھا اور بچوں کا قتل عام کر ڈالا۔ مگر بادشاہ ظالم کے منصوبے پر خدا کے فرشتے نے حضرت مسیح کے دلی کو خواب میں اطلاع کر دی اور حکم دیا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو ہلاک کرنے کے لئے ڈھونڈنے کو ہے۔ پس وہ اٹھ کر رات ہی میں بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہوگیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا اور جب ہیرودیس مر گیا تو پھر خواب میں ہدایت پاکر گلیل کے علاقے کو روانہ ہوگیا اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا جا بسا۔

دیکھئے! یہی وہ بڑی مصیبت کا زمانہ ہے جو صلیب سے پہلے عیسیٰ اور اس کی والدہ پر گذرا اور جس کی طرف قرآن کا لفظ آویٰ اشارہ کرتا ہے۔ پس وہ ربوہ یا تو مصر میں کوئی مقام تھا یا خدا نے ناصرت کو ربوہ کہا۔ مصر کا حال ہم کو زیادہ معلوم نہیں۔ مگر ناصرت کا حال کافی معلوم ہے جس سے ہم اس کو ''ربوۃٍ ذات قرار و معین'' قرار دیتے ہیں۔ ذات قرار ہونے میں تو کوئی شکل نہیں۔ یہیں ان دونوں کو ظالم کے ہاتھ سے پناہ اور قرار ملا تھا۔

ربوہ فلسطین میں

تفسیر کشاف میں ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ یہ ربوہ رملہ فلسطین ہے۔ (دیکھو حسینی) قصبہ ناصرت جس کو مسیح و مریم نے اپنا جائے قرار بنالیا تھا۔ دراصل ایک پہاڑی پر بسا تھا۔

(لوقا:۴:۲۹)

اور کسی حقیقی معنے میں ربوہ کہلانے کا مستحق تھا اور اس میں ایک چشمہ آج تک موجود ہے جو چشمہ بتول کے نام سے مشہور ہے اور شاید ''قد جعل ربک تحتک سریا '' سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ بنا دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ لیجئے! یہ معین کی تعریف بھی ہوگئی۔ پس ''ربوۃٍ ذات قرارٍ و معین '' لفظ بہ لفظ قصبہ ناصرت شریف کا نقشہ ہے نہ کہ سری نگر کشمیر کا۔ جب ہم مرزا قادیانی کے منہ سے قرآن شریف کی آیات کی ایسی ایسی تاویلات رکیکہ سنتے ہیں تو ہم کو مرزا قادیانی کا وہ الزام یاد آتا ہے جو وہ سر سید مرحوم کو دیا کرتے تھے۔ ''جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خداتعالیٰ کے علم میں تھیں نہ اس کے رسولوں کے علم میں نہ صحابہ کے علم میں۔ نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں اور نہ ان پر دلالت النص نہ اشارۃ النص وہ سید صاحب کو سوجھیں'' اور اگر قرآن ایک مجسم شخص ہوتا تو بصد زبان ان سے بیزاری ظاہر کرتا۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۲۷، ۲۲۸)

سید مرحوم کی تاویلات کی تعریف یہ ہو یا نہ ہو۔ مگر اس مین ایک ذرہ شک نہیں کہ یہ ایک بہت ہی سچی تعریف مرزا قادیانی کی تاویلات انجیل و قرآن و حدیث کی ہے۔

سوم ...... احادیث کے دلائل

مرزا قادیانی کے دو جھوٹ

۱...... مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ''احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی اور اسی بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں۔''

اس ڈیڑھ سطر میں مرزا قادیانی نے پورے دو جھوٹ بولے۔ اس کو ''احادیث کی معتبر روایتوں میں فرمایا۔ حالانکہ یہ ایک ایسی ضعیف روایت ہے کہ خود مرزا قادیانی کو بھی نقل کرتے یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے شرم آئی۔ پھر آپ نے کہا کہ: ''اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں۔'' حالانکہ کوئی فرقہ بھی اس کو نہیں مانتا اگر آپ کے فرقہ لغویہ کو شمار نہ کریں۔''

حضرت مسیح کی عمر

مفسر ابن کثیر مسیح کی عمر کے باب میں لکھتے ہیں: ''فانہ رفع ولہ ثلث وثلثون سنۃ فی الصحیح '' رفع آسمانی کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ موافق صحیح حدیث کے اور دوسری روایتیں جو اس کے خلاف ہیں ان کو شاذ غریب بعید کہہ دیا۔ یہی ۳۳ سال کی عمر بسند ابن عباس

منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر خازن ودر منثور) غرضیکہ تمام مسلمان اور تمام عیسائی اس بات کے ہمیشہ سے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی عمر زمین پر کل ۳۳ سال ہوئی۔

اب ناظرین یہ تماشا دیکھئے کہ اس وقت ’’احادیث میں معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی۔‘‘

مرزا قادیانی کے لغو اقوال

نبی ﷺ کا یہ قول اور معتبر روایتیں ہمیشہ ہی سے موجود ہوں گی اور قرآن وحدیث میں مرزا قادیانی کے اعجازی معلومات کا بازار بھی آج ۲۲ برس سے گرم ہو رہا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ کیا ازالۃ الاوہام لکھتے وقت جس کی نسبت آپ کا یہ قول ہے: ’’خدائے تعالیٰ نے اس تالیف میں میری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص ۵۶۳، خزائن ج ۳ ص ۴۰۳)

آپ کا علم کہیں چرنے گیا تھا جو جناب اس وقت مسلم اور مشکوٰۃ کی حدیثیں نقل کر کر کے یہ ثابت کر رہے تھے کہ مسیح کی عمر ساٹھ برس سے بھی زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اکثر عمریں میری امت کے ۶۰ سے ۷۰ برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آ گئے۔ پھر اتنا فرق (عمر میں) کیونکر ممکن ہے۔

(ازالہ اوہام ص ۶۲۳، خزائن ج ۳ ص ۴۳۶)

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہو گیا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔ (ازالہ اوہام ص ۶۲۵، خزائن ج ۳ ص ۴۳۷)

اور پھر ابھی کل ہی کا تو ذکر ہے کہ آپ نے اپنے مکتوب عربی میں لکھ دیا تھا کہ بعض اولیائے کرام نے فرمایا ہے کہ: ’’حضرت مسیح کی زندگی آنحضرت ﷺ کی زندگی سے بھی چھوٹی تھی۔‘‘ (انجام آتھم ص ۱۳۲، خزائن ج ۱۱ ص ایضاً)

اب آپ ہی کچھ شرم کیجئے کہ کیونکر نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی اور کیونکر اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے جھوٹوں کا حال سنا مگر ایسا بدحافظہ تو کوئی بھی نہیں گذرا۔

تین حدیثوں میں مرزا قادیانی کی تحریف لفظی اور معنوی

۲...... آپ نے بحوالہ کنز العمال یہ تین حدیثیں نقل کی ہیں۔ ہمیں اصل کتاب سے مقابلہ کر کے جانچ لینے کا موقع نہیں ملا۔

(۱) ’’اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الیٰ مکان

لئلا تعرف فتوذیٰ ’’یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ تو نقل کر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف کہ کوئی پہچان کر دکھ نہ دے۔

(۲)’’کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسیٰ کل بقل الصحراء ویشرب الماء القراح ‘‘یعنی عیسیٰ بن مریم سفر کیا کرتے تھے جہاں شام ہوئی جنگل کی بقولات کھالیتے اور صاف پانی پی لیتے۔

(۳)’’قال احب شی الیٰ اللہ الغرباء قیل ای شئ الغرباء قال الذین یفردن بدینھم ویجتمعون الیٰ عیسیٰ ابن مریم ‘‘یعنی فرمایا سب سے پیارے خدا کی جناب میں غریب لوگ ہیں۔ پوچھا غریب سے کیا مراد۔ فرمایا وہ لوگ جو اپنا دین لے کر بھاگتے ہیں اور عیسیٰ بن مریم کے پاس جمع ہوتے ہیں۔

پہلی حدیث میں مرزا قادیانی نے یہ تصرف فرمایا کہ:’’انتقل من مکان ‘‘ کے معنی بتلائے۔’’ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جا۔‘‘ حالانکہ اسکا ترجمہ صرف یہ ہی ہے۔’’نقل کر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف۔‘‘

دوسری حدیث میں لفظ یسیح کا ترجمہ جو صرف یہ ہے’’سفر کرتے تھے‘‘ آپ نے بلاخوف یہ کہہ دیا کہ’’ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے۔‘‘ اور پھر تیسرے’’یجتمعون الیٰ عیسیٰ بن مریم ‘‘جس کے معنی صرف اسی قدر ہیں جمع ہوتے ہیں۔ عیسیٰ ابن مریم کے پاس۔ آپ نے اس کا ترجمہ یہ فرمایا:’’جو عیسیٰ مسیح کی طرح دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں۔‘‘ اب کہو کہ یہ نری تحریف ہوئی کہ نہیں لفظی بھی اور معنوی بھی؟ اس سے آپ کی جہالت بھی ثابت ہوتی ہے اور بددیانتی بھی بلکہ دونوں اور اس تحریف وتبدیل کے بعد بھی آپ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان حدیثوں نے کچھ بھی تو آپ کی دستگیری نہ کی۔ پہلی اور دوسری حدیث سراسر انجیل شریف کے بیان کے مطابق ہیں۔ جس وقت سے مسیح اپنی قوم کے سامنے ظاہر ہوئے آپ ہمیشہ اپنے ملک میں شہروں شہروں، گاؤں گاؤں دعوت دین کرتے پھرا کئے کسی جگہ مقیم نہیں ہوئے اور مرزا قادیانی کا قول مردود ہوگیا کہ آیت ’’آوینتھما الیٰ ربوۃ ‘‘زمانہ مابعد صلیب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب آپ گویا سری نگر میں آ کر بس گئے تھے۔ انجیل شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے کہا’’جہاں کہیں تو جائے میں تیرے پیچھے چلوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑی کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کو بھی جگہ نہیں۔‘‘ (لوقا:۹:۵۸)

اوران کا عام ارشاد تھا۔ ’’جب تم کو ایک شہر میں ستائیں دوسرے میں بھاگ جا۔‘‘ اور یہ اشارہ ’’اسرائیل کے سب شہروں کی طرف تھا۔‘‘ (متی:۱۰:۲۳)

یہودیہ کو چھوڑ کے کسی دوسرے ملک کو بھاگ جانے کا حکم نہ تھا۔ تیسری حدیث آپ کی تحریف سے پاک ہوکر بحث سے بالکل غیر متعلق ہوگئی ہے یا تو اس میں اشارہ ان غریب لوگوں کی طرف ہے جو جوق در جوق حضرت مسیح کے ساتھ رہا کرتے تھے یا ان کی طرف جو قرب قیامت دجال کے فتنے سے اپنا ایمان سلامت لے کر بھاگیں گے اور حضرت مسیح کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ پس سفر کرنے والے یہ غریب لوگ ٹھہرے نہ کہ مسیح۔

چہارم…… سری نگر کی قبر کے متعلق مرزا قادیانی کی کل بحث بناء فاسد علیٰ فاسد کا ایک عمدہ نمونہ ہے جس میں عقل وشعور کی بوتک نہیں۔ آپ کے دلائل (اگر ایسے لچر بکواس کو یہ نام دیا جاسکے) ماروں گھٹنہ ہلے خیرآباد کی برجستہ نظیر ہیں۔ بالکل اس قسم کی جن سے بعض عیار تکیہ دار جہلاء کے سامنے مشہور کردیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی ولی یا شہید کا مزار ظاہر ہوگیا تاکہ عورتیں منتیں ماننا اور چادریں چڑھانا شروع کردیں۔

مرزاقادیانی کے دعویٰ کے خلاف حدیث

یہ خان یار کا چبوترہ گویا مرزاقادیانی کی امامت اور مہدویت کی اساس ناسپاس ہے اور آپ کے سلسلہ کا نام اگر خان یاری رکھا جائے تو بہت ہی موزوں ہوگا۔ آپ تو انجیل اور قرآن اور حدیث کے معنی بگاڑ کر بہت ذلیل ہوچکے۔ اس لئے ہم آپ کو محض للہ ایک ایسی متعلق اور مضبوط حدیث سناتے ہیں جس سے آپ کی پیچ در پیچ الجھی ہوئی تقریر کا جعل مثل تار عنکبوت کے زائل ہوجائے گا۔

مسلم شریف میں یہ حدیث ہے۔ ’’**عن ابو هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ فقدت اوتيت بنى اسرائيل لا يدرىٰ ما فعلت ولا اراها الا الفار** (احادیث متفرقه)‘‘ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت گم ہوگئی تھی کچھ نہ معلوم ہوا کہ اس کا کیا ہوا۔ میری دانست میں وہ چوہے ہیں (جو مسخ ہوگئے) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کو نہیں معلوم تھا کہ گم شدہ یہودی کشمیر میں آبسے تھے۔

۲…… آپ کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ جامہ انسانیت میں برقرار تھے۔

۳…… آپ کو نہیں معلوم تھا کہ مسیح ان کے پاس گئے تھے۔

۴...... اور آپ کے ذہن میں یہ بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ربوہ کشمیریوں کا دیس تھا۔

۵...... آپ کو یقین تھا کہ جس طرح بعض یہود بندر اور سور بن گئے اسی طرح بنی اسرائیل کی گم شدہ امت چوہے بن گئی تھی۔

۶...... اگر آپ کو اس بات ک وہم بھی ہوتا کہ گم شدہ یہودی کشمیر کو گئے تو اس حدیث میں ضرور فرما دیتے کہ امت گم شدہ کے ایک حصہ نے ابن مریم کو قبول کر لیا اور وہ اب تک ربوہ میں مقیم ہیں۔

اب ایک اور حدیث سن لیجئے اور گریبان میں سر ڈالئے۔ سب لوگ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر انتقال فرمایا۔ زمین پر آپ کی قبر موجود ہے گولا پتہ ہے اور توریت شریف کے آخری باب میں لکھا ہے کہ کسی بشر کو موسیٰ کی قبر کا پتہ نہیں لگا۔ باوجودیکہ اس قبر کا پتہ لگ جانا کوئی بہت بڑی ضروری بات نہ تھی تو بھی آنحضرتﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھ کو اس قبر کا پتہ ہے اور بتلا دیا کہ بیت المقدس سے ایک پتھر کی مار پر راہ کے کنارے سرخ ریتی کے تلے ہے۔ ’’**قبرہ الیٰ جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر** (مسلم فضائل موسیٰ)‘‘ پھر کیوں حضرت مسیح کی قبر کا پتہ آنحضرتﷺ نہ بتلا دیتے۔ جس کا نہ صرف پتہ ہی لوگوں کو نہ معلوم تھا۔ بلکہ جس کے وجود کا کسی کو گمان بھی نہیں ہوا تھا اور جو بقول مرزا قادیانی ایک ایسی ضروری اور اہم حقیقت تھی جس کے فاش ہو جانے سے دین عیسائی مٹ جاتا اور صدیوں کے عیسائی دنوں میں کل کے کل مسلمان ہو جاتے ہیں۔ دیکھتا ہوں کہ آپ کے معلومات اپنے آقا سے بھی بہت بڑھے ہوئے ہیں جن کے غلام ہو جانے کا آپ کو زبانی فخر حاصل ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

خاتمہ...... ناظرین! اب مرزا قادیانی کی جو گویا مزار کا الٹ پھیر بنے ہوئے ہیں مشکلوں پر بھی نظر فرمایئے اور اس گم گشتہ راہ حقیقت کی حالت زار پر ترس کھا کر اس کے حق میں دعا کیجئے۔ آپ مذبذبین بین ذالک کبھی عیسائیوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کی طرف۔ مگر ہر طرف سے دھکیائے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کی تو آپ نے بہت کچھ تصدیق کر دی اور پکار دیا کہ (۱) مسیح ضرور صلیب پر چڑھائے گئے۔ (۲) ضرور بعد صلیب اپنے شاگردوں سے ملے۔ (۳) ضرور قرآن نے مسیح کی جسمانی موت پر گواہی دی۔

مسلمانوں کو آپ نے خوب ہی جھٹلایا اور کہہ دیا کہ (۱) مسیح کا رفع جسمانی نہیں ہوا۔

(۲) قرب قیامت مسیح کو ہرگز وفات نہ ہوگی۔ (۳) اور نہ قبل رفع چند ساعت کے لئے خدا نے مسیح کو وفات دی تھی۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو عیسائیوں کے قول میں ایک معقول ربط موجود ہے کہ خدا کو منظور ہوا کہ مسیح اس کی راہ میں شہید ہوں۔ اس لئے دشمنوں کے ہاتھ سے آپ کو صلیب ہوئی۔ صلیب کے باعث موت ہوئی۔ پھر تین دن بعد موت، خدا نے آپ کو زندہ کر دیا اور مومنین کو ایک بے نظیر نمونہ قدرت دکھلایا اور آپ کو معہ جسم آسمان پر اٹھالیا۔

مسلمانوں کے قول میں بھی ربط موجود ہے کہ خدا کو منظور نہیں ہوا کہ ایسا پاک مقرب نبی اس کا کلمہ اور روح دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ کر ذلیل ہو اس نے آپ کو بالکل صلیب سے محفوظ کر کے...... آسمان پر اٹھالیا۔

عیسائی اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قرب قیامت مسیح بڑے جاہ وجلال کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور ہزار ہا سال کی ابتری کو مٹا کر فرش زمین کو عرش بریں کا نمونہ بنادیں گے۔

مرزا قادیانی اور اس کا دعویٰ

اب مرزا قادیانی کی شامت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ بڑی متانت سے مسلمانوں اور عیسائیوں سے ارشاد فرمارہے ہیں کہ مسیح دوبارہ نازل نہ ہوں گے۔ نازل ہونے والا میں موجود ہوں۔ میں دنیا میں امن چین پھیلا رہا ہوں۔ میں حاکم عادل ہوں۔ میں دلوں سے کینہ بغض اور حسد مٹاتا ہوں۔ مال اس فراوانی سے موجود ہے کہ جو کسی کو دو تو لیتا نہیں۔ اونٹیاں چھوٹی پھرتی ہیں کوئی پکڑتا نہیں۔ مسلمان مجھ کو بلارہے ہیں۔ آیئے نماز میں ہماری امامت کیجئے۔ میں حج کر چکا۔ مدینے میں حضرت کی قبر پر سلام کررہا ہوں اور صلیب تو تمام ٹوٹ گئے۔

اے مسلمانو! کیا میرے مسیح موعود ہونے کی بدیہی علامات نہیں دیکھتے۔ دیکھو تو جنگ وجدل کشت وخون کیسے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہی تو امن چین ہے۔ حکومت اور عدالت کا اسلام سے نام مٹ گیا۔ پھر میں حاکم عادل کیسے نہیں؟ مقدمات عدالتی کی یہ کثرت کہ میں ہر روز گھسیٹا جاتا ہوں۔ پھر بغض وکینہ کیسے نہیں مٹا؟ میں آئے دن چندوں کا تقاضا کرتا ہوں۔ مرید ٹالتے ہیں۔ پھر مال کیونکر نہیں بڑھا۔ سرقہ مویشی کی ہندوستان میں دھوم دھام ہے۔ مسلمانوں نے فتوے دے دیئے کہ کوئی میرے جنازے کی نماز نہ پڑھے۔ حج مجھ کو آج تک نصیب نہیں۔ گرجے تعمیر ہورہے

ہیں صلیب نصب ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے مجھ پر لعنت کی بوچھاڑ ہے۔ واہ رے مہدی مسعود!

آپ مسلمانوں کی تکذیب کر کے فرماتے ہیں کہ مسیح کو تو صلیب ہوگئی اور ضرور ہوئی اور صلبوہ پر یہ تاکید واصرار۔ پھر بھی آپ نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ نہ صرف قرآن ماننے والے بلکہ قرآن جلانے والے ہیں۔

آپ مسیح کے مصلوب ہونے اور وفات پانے میں عیسائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر دونوں واقعوں کو علت اور معلول نہیں مانتے۔ آپ موت کے قائل ہیں۔ مگر موت کے اسباب نہیں بیان فرما سکتے۔ آپ صلیب کے قائل ہیں مگر اس کو باعث موت نہیں مانتے۔ پھر آپ ''رافعک الیّٰ'' کو بھی خوب ہی مانتے ہیں۔ مگر رفع جسمانی نہیں مان سکتے۔ اگر آپ رفع جسمانی مان سکتے تو پھر سری نگر کی قبر کی کیا حاجت تھی؟ خان یار کے مقبرے پر تو اسی عقدہ کو حل کرنے کے لئے سفیدی چڑھائی گئی۔

مسیح کے رفع جسمانی پر مرزا قادیانی کی فیلسوفی

مگر جناب والا فرمایئے تو رفع جسمانی ماننے میں کون سی قباحت لازم آئی کہ آپ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے کم مگر گھسیٹے بہت گئے۔ ناظرین سن لو۔ ''دنیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ جائے[1]۔'' (ازالہ اوہام ص۴۷، خزائن ج۳ ص۱۲۶)

اے روشنئے طبع تو بر من بلاشدی

حیف امامت کا جبہ ودستار آپ نے اتار پھینکا اور فلسفے کے ڈر کے مارے سرسید مرحوم کی آرام کرسی کے تلے جا چھپے اور آپ تو یہ مان رہے ہیں کہ حضرت یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں تسبیح وتہلیل کرتے زندہ رہے اور صحیح وسلامت اس کے پیٹ سے نکل کر قوم سے جاملے۔ پھر نئے اور پرانے فلسفے نے آپ کے وہم کا ازالہ نہ کیا اور آج تک نہ ڈانٹا کہ اے احمق! تو نے کیسے مان لیا کہ ایک خاکی انسان مضغہ گوشت طعمہ نہنگ دریا ہو جاوے اور اس کے معدے کے کرہ نار میں جو استخواں راکھ کر ڈالتا ہے تین دن بسے اور بھسم ہو کر کیلوس اور کیموس نہ ہو جائے تو نے کیسے مان لیا کہ وہ پھر دوبارہ منہ کے راستے برآمد ہو گیا؟ آپ ہی ہیں جو مسیح کے رفع جسمانی کے لئے کرہ زمہریر کو سدراہ سمجھتے ہیں۔

---

[1] یہ بھی یاد رہے کہ مرزا قادیانی باوجود نئے اور پرانے فلسفے کے شاگرد متبع ہونے کے پھر بھی یسوع مسیح کے بغیر وسیلہ باپ کے محض خدا کی قدرت کاملہ کے ذریعے سے پیدا ہونے کے قائل ہیں۔

۷......مرہم رسل

ہر یکے ازما مسیح عالمیست
ہر الم را درکف مامر ہمیست

مرزا قادیانی کا دعویٰ

مرزا قادیانی نے بڑے طمطراق سے لکھ دیا تھا کہ ''قریباً ہزار طبی پرانی کتابوں میں ایک مرہم لکھی ہوئی ہے جو مرہم عیسیٰ اور مرہم حواریین اور مرہم شیلخا کے نام سے مشہور ہے۔ ان کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔'' (ریویو (اردو) ج ۱ نمبر ۱۰ ص ۴۱۹، اکتوبر ۱۹۰۲ء)

آپ کا پہلا قول سن کر ہم کو ایک ذرہ بھی تعجب نہیں ہوا تھا کہ کوئی مرہم ایسے ایسے متبرک ناموں سے عوام اور خواص میں مشہور ہو گیا۔

اعجاز عیسوی

کیونکہ مسیحائی تو آج دو ہزار برس سے ضرب المثل مشہور ہو رہی ہے جس نے کوڑھی کو چنگا کیا۔ اندھے مادرزاد کو بینا کیا۔ ہر قسم کے بیمار کو شفا بخشی۔ جسمانی اور روحانی دردوں کا مداوا کیا۔ حتیٰ کہ مردوں کو زندہ کیا۔ بلکہ خاک کے پتلے کو پھونک مار کر طائر پراں بنا دیا۔ وہ جو سراپا شفا دوا تھا اگر کسی دارو کو اس کے نام سے منسوب نہ کرتے تو کیا کسی گنجے خارشتی اور سقیم کے نام سے کرتے؟ دوائیوں میں معجون مسیحی مشہور ہے اور مفرح مسیح بھی (قرابادین شفائی نولکشوی ص ۱۷۳، ۱۸۳) بلکہ طب کی کتابوں کے نام بھی ایسے ہیں جیسے عجالہ مسیح۔ یہ تو ایک معمولی سی بات تھی۔

مرغ عیسیٰ

اگر کوئی بات تعجب کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جو شخص مرہم عیسیٰ پر ایسا گرویدہ ہو گیا ہو کہ ہر قرابادین کو آیت وحدیث ماننے لگے۔ وہ مرغ عیسیٰ سے سراسر منکر ہو جس کا خود قرآن شریف شاہد ہے۔

اگر مرزا قادیانی اس مرہم کے نام ہی کو اپنی غلط فہمی کی بنیاد بتاتے تو ہم ان سے کچھ بھی باز پرس نہ کرتے اور ان کو اپنا خیالی پلاؤ پکانے دیتے۔ مگر ان کے دوسرے قول نے ہم کو مجبور کر دیا اور ہم کو کہنا پڑا۔ ''ھوا کذب من قرابادین اطباء'' کہ وہ بقول شخصے طبیبوں کے قرابادین سے بھی زیادہ جھوٹا ہے اور اسی لئے ہم نے اس بہتان کا دروازہ بند کرنے کی نیت

سے اپنے آرٹیکل مطبوعہ ترقی ماہ ستمر۱۹۰۳ء میں مرزاقادیانی سے دو باتیں دریافت کی تھیں۔

دوسوال

ایک یہ کہ وہ کون لوگ تھے جو لکھ گئے کہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی؟ دوسری یہ کہ اگر بالفرض انہوں نے ایسا لکھا بھی تو آپ کے ان فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہوسکتے ہیں؟ ہمارے انہیں سوالوں کے ٹالنے کی غرض سے مرزاقادیانی نے اپنے ریویو ماہ اکتوبر میں بعنوان ''طبی شہادت'' کچھ ایسا گول مول لکھ دیا کہ جواب تو ہمارا مطلق نہ ہوا۔ مگر عوام الناس کو دھوکا ضرور پڑ گیا ہوگا۔ اس لئے ہم کو یہ راز محققانہ طور سے فاش کرنا پڑا۔

ناظرین! خوب یاد کرلیں کہ مرزاقادیانی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان (قریباً ہزار پرانی طبی) کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی۔ (ریویو(اردو) ج۱ نمبر۱۰ ص۴۱۹، اکتوبر۱۹۰۲ء)

پس ہمارے پہلے سوال کے جواب میں مرزاقادیانی کو مناسب تھا کہ قریباً ہزار فاضل مؤلفوں میں سے چند سب سے قدیم اور سب سے فاضل مؤلفوں کی شہادت اس بارے میں پیش کردیتے کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ تاکہ ہم اس تحقیق میں مصروف ہوجاتے کہ ان فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہوسکتے ہیں؟

رومی قرابادین

مرزاقادیانی کی غرض چونکہ تحقیق سے نہیں ہے۔ انہوں نے اور طریقہ اختیار کیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قرابادین تالیف ہوئی جس میں یہ نسخہ تھا اور جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔

کیا اچھا ہوتا اگر مرزاقادیانی اس قرابادین سے یہ عبارت نقل کر کے بتلادیتے کہ فلاں کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے اور اس کی عمر کی نسبت بھی کوئی دلیل سناتے۔ ناظرین! سن لو حضرت مسیح کے زمانہ کی کوئی ایسی رومی زبان کی قرابادین نہیں جس میں حضرت مسیح کے کسی مرہم کا یا آپ کے زخموں کا کوئی اشارہ بھی ہو جن کے لئے مرہم تجویز کیا جانا بیان کیا جاتا۔

ترمیم دعویٰ

اب ناظرین ایک لطف ملاحظہ کریں۔ پہلے تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تمام فاضل

مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اب آپ نے اس قول کو ترمیم کر کے یہ فرمایا ہے۔ ”سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کے حواریوں نے تیار کیا اور اس کے معنے ہم یہ سمجھتے کہ جناب والا! نے چوٹوں اور زخموں کی نسبت قریباً ایک ہزار طباء پر بہتان باندھا تھا۔ اب ان الفاظ کو عبارت سے حذف کر کے آئندہ کے لئے اس قول سے توبہ کر لی اور اقبال کر دیا کہ کسی فاضل یا بوالفضول مؤلف نے ہرگز ہرگز یہ نہیں لکھا کہ کوئی مرہم عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔“

فہرست کتب طب

مرزا قادیانی نے طب کی کچھ کتابوں کی ایک فہرست دی ہے جس میں قرابادین رومی کو بھی داخل کیا ہے اور اس پر چوب قلم سے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ فہرست ان کتابوں کی جن میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کے لئے یعنی ان کے بدن کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ ان کتابوں میں سے کوئی نہ کوئی کتاب ہر شہر میں مل سکتی ہے جس کو دیکھ کر ناظرین خود اپنا اطمینان کر لیں کہ ؎

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم تو مرزا قادیانی کے پہلے ہی سے قائل تھے اور لکھ بھی چکے ہیں کہ کتابوں کا نام صفحہ وسطر بتا کر آپ سینکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ مگر یہ تماشا نیا ہے۔

بوعلی سینا

اس فہرست میں نمبر اوّل ”قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا“ ہے۔ میں یہاں اس کی عبارت اردو ترجمہ (نولکشوری ج۵ص۹۳) سے نقل کر کے دکھلاتا ہوں کہ مرزا قادیانی کیسے سچے آدمی ہیں۔ ”مرہم رسل۔ اس مرہم کو مرہم ذلیلیخا بھی کہتے ہیں۔ یعنی مرہم حواریین کا اور مرہم زہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایسا مرہم ہے کہ بہ آسانی نواسیر سخت اور خنازیر سخت کی اصلاح کرتا ہے کوئی دوا مثل اس کے نہیں ہے اور پھوڑوں کے مردار گوشت اور سب کو نکال ڈالتا ہے اور اندمال کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں۔“

مرزا کا بہتان

پس ناظرین دیکھ لو(۱) شیخ نے اس مرہم کو مرہم عیسیٰ بھی نہیں کہا۔ (۲) اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ حواریوں نے بنایا۔ (۳) یا آنکہ عیسیٰ کے لئے بنایا۔ (۴) یا عیسیٰ کے بدن کے زخموں

کے لئے بنایا۔ (۵) اس نے اس میں کوئی اشارہ یا کنایہ حضرت عیسیٰ کے زخموں یا چوٹوں کا نہیں کیا۔ (۶) بلکہ شیخ اس لغو خیال کا بھی قائل نہیں کہ اس مرہم کو کوئی حقیقی نسبت حواریوں سے ہے۔ (۷) اس محقق پرانے طبیب نے آج سے نو سو برس پیشتر عوام کے اس گمان کو اس عبارت میں گویا رد کیا ہے کہ ''لوگ کہتے ہیں کہ یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں۔'' اس کو شیخ کا کلام مان لینا محض سادہ لوحی ہے۔ اب ہم مرزا قادیانی کے اس سخن کو کیا کہیں کہ ''تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔'' اور شیخ سے بڑھ کر ہم کون سا فاضل تلاش کریں۔ جس پر مرزا قادیانی نے اتنا بڑا بہتان باندھا اور وہ بھی ایک بہتان نہیں بلکہ بہتانوں کا سبحہ صد دانہ ہے۔ جس کو مرزا قادیانی نے شیخ کے نام سے پھیر پھیر کر جہلاء کو کتنا بڑا دھوکا دیا۔ افسوس بسم اللہ! ہی غلط کر دی۔ اب ہم کو کیا ضرورت ہے کہ اور کتابوں کی ورق گردانی کریں۔ ہم آپ کے صدق مقال کے قائل ہو چکے۔

عوام کا خیال

سچی بات جو کچھ تھی وہ شیخ الرئیس فرما چکے اور متاخرین میں سے زیادہ سے زیادہ اگر کسی نے کچھ لکھا تو بلا سند و بلا تحقیق وہی غلط العام فصیح فقرہ اجزاء ایں نسخہ دوازدہ عدد است کہ حوارین جہت عیسیٰ علیہ السلام ترکیب کردہ۔ (دیکھو قرابادین فارسی حکیم اکبر ارزانی نولکشوری ص ۵۰۸)

اور علاج الامراض حکیم محمد شریف خان دہلوی و نولکشوری (ص ۶۳۹)

اور بقائی بر حاشیہ میزان الطب اردو (نظامی) (ص ۱۸۰)

غرضیکہ کسی نے حضرت مسیح کے زخموں کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس مرہم کو ان سے منسوب کیا اور مرزا قادیانی کے تمام حوالہ جات محض لغو ہیں۔

علاج ضربہ وسقطہ

مرزا قادیانی نے نہ صرف یہی غلط کہا تھا کہ تمام اطباء ''گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔'' بلکہ یہ قول بھی ان کا لغو ہے کہ یہ نسخہ ان چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں۔ خود شیخ بتلا چکا کہ یہ مرہم نواسیر اور خنازیر اور پھوڑوں کے مردار گوشت کا علاج ہے اور حکیم ناظم جہاں (اکسیر اعظم جلد رابع نظامی ۱۲۸۹ھ ص ۳۰۰) میں لکھتے ہیں: ''مرہم رسل منسوب بحوارین وخنازیر قاوحہ اثر عظیم یافتہ ایم۔'' غرضیکہ اسی طرح اور اطباء نے بھی اس کو سرطانی اور خنازیر اور طاعون وغیرہ گندے پھوڑوں کا علاج کہا ہے اور جیسا کہ خود تمہاری فہرست سے معلوم ہوتا ہے۔ امراض جلد کے باب میں اس کو بیان بھی کیا۔

بھلا اس کو ضربہ وسقطہ سے کیا مناسبت اور یوں آپ کو اختیار ہے چاہے آپ اس کو دوران سر کا علاج سمجھیں یا اسہال کا اور جسم کے جس حصہ میں چاہیں چپڑیں۔

اس مرہم کے مختلف نام

یہاں تو ہم نے صرف مرزا قادیانی کی گفت وشنید سے بحث کی ہے۔اب ہم اس امر کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس مرہم کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔کیا کیا نام اس کو دیئے گئے اور کیوں اس کے ایسے نام پڑے؟ نہ معلوم کیوں مرزا قادیانی قرابادین کبیر کا نام ترک کر گئے۔حالانکہ نسبتاً اس میں مرہم رسل کا زیادہ ذکر آیا ہے۔اس کی عبارت یہ ہے۔’’مرہم حواری۔ایں مرہم را مرہم رسل نیز نامندو ترجمہ کردہ شد در قرابادین رومی بہ مرہم سلیخا ومعروف بہ مرہم زہرہ وگفتہ کہ ایں مرہم دازدہ دواست از دوازدہ حواری حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کہ ہریک یک دوارا اختیار کردہ ترکیب نمودہ اندوایں مرہم بہتریں مرہم ہاست۔‘‘اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے:’’وگفتہ کہ ایں مرہم را مرہم سنجار واثناء عشری نیز نامندؔ‘‘ (مطبوعہ۱۲۴۹ھ ج۲ص۵۰۸،۵۰۹)

پس معلوم ہوا کہ اس مرہم کا کوئی ایک نام نہیں بلکہ متعدد نام ہیں۔سلیخا، رسل، حوارین، اثناء عشری، زہرہ، سنجار، سب سے کم مشہور نام اس کا مرہم عیسیٰ ہے جس کو نہ شیخ نے ذکر کیا نہ رومی نے نہ اسرائیلی نے اور نہ صاحب قرابادین کبیر نے اور سب سے قدیم اور معروف نام سلیخا ورسل ہے اور یہ قول تو نہایت ہی غریب ہے کہ یہ نسخہ حضرت عیسیٰ کے لئے بنایا گیا اور گو اس قول کے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہیں۔مگر وہ مطلب تو ہرگز نہیں چسپاں ہوسکتا جو تم سمجھتے ہو۔

وجہ تسمیہ

اب یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جب اس مرہم کا نام رسل پڑ گیا تو نادانوں نے فوراً اپنے ذہن سے یہ خیال تراش لیا کہ چونکہ اس میں بارہ اجزاء ہیں۔اس لئے اس کو مسیح کے بارہ رسولوں نے بنایا ہوگا اور محققین نے اس خیال کو صرف نقل کردیا اس پر کبھی صاد نہیں کیا۔چنانچہ شیخ نے بھی اتنا ہی لکھا:’’لوگ کہتے ہیں۔‘‘اور صاحب قرابادین کبیر نے بھی یہی لکھا’’گفتہ‘‘ مگر یاد رکھو کہ لوگوں نے جو کبھی کہا تو صرف یہی کہا کہ ان بارہ دوائیوں میں سے ہر ایک مسیح کے ایک ایک رسول یعنی حواری نے بتائی۔کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نسخہ کو مسیح نے بتایا یا یہ کہ مسیح کے زخموں کے لئے تیار کیا گیا۔

مگر کیا کوئی محقق طبیب ہے عیسائی یا مسلمان، یہودی یا مجوسی جو عوام کے اس خیال کا قائل ہوسکے کہ دراصل بھی اس دوا کو بارہ حواریوں نے تیار کیا تھا۔کیا لوگ بھول گئے کہ مرکبات

کے ایسے ایسے متبرک نام اوران کے متعلق عجیب وغریب فسانے ہمیشہ مشہور رہے ہیں؟ کون یونانی طبیب ہے جوقرص کوکب کے نام سے واقف نہیں؟ اسی قرابادین کبیرج ۲ص ۳۴۶ میں لکھا ہے: ’’شیخ رئیس گفتہ کہ مبالغہ کردہ اند قدمائے اطباء در تعظیم ایں قرص۔ شیخ داویدانطا کی گفتہ کہ وجہ تسمیہ ایں بقرص کوکب ایں است کہ صاحب ایں قرص سماحیوس حکیم تسخیر کوکب یعنی زحل کردہ بود وزعمل سلیموس آنست کہ زحل باآں خطاب کردہ بصفت ومنافع ایں قرص۔‘‘ میں نہیں سمجھتا کہ جوشخص مرہم رسل کا معتقد ہوجائے وہ کیوں قرص زحل سے بدگمان رہے۔ جس کی تعظیم میں قدمائے اطباء نے اس قدر مبالغہ صرف کیا تھا۔ پھراورسنو! اسی قرابادین میں ایک دوائے شریف ’’عطیة اللّٰہ‘‘ کا نام موجود ہے جس کے معنے ہیں خدا کی بخشی ہوئی۔ شیخ نے بھی اپنی قرابادین میں اس کا بہت کچھ ذکر کیا اور کیا مرزا قادیانی نے کبھی کسی قرابادین میں کسی دوا کی یہ تعریف نہیں پڑھی؟ دوائے کہ مردم اسناد آں بجبرئیل امین علیہ السلام نسبت کردہ اند جہت آن سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام آوردہ شدہ بطریق تحفہ۔ (قرابادین اکبری)

مرہم کا یونانی نام اوروجہ تسمیہ

جس زمانہ میں فرنگستان میں طب جالینوس رائج تھا۔ صدہا مرکبات کے ایسے ہی شاعرانہ نام وہاں بھی مشہور تھے۔ ایک تریاق تھا جس کا یونانی نام ڈوڈیکا تھیون ہے۔ بمعنی بارہ دیوتا۔ اس میں بھی بارہ اجزاء تھے جو یونان کے ۱۲بڑے دیوتاؤں سے منسوب ہوئے۔ مرہم رسل جس کا یونانی نام ڈوڈیکا فارمیکم یعنی بارہ دوائیں ہے۔ عیسائی اطباء نے یونانیوں کے تریاق بارہ دیوتا کے مدمقابل اس کو بارہ رسول کے نام سے منسوب کر کے ’’انگونٹم ایاسٹولورم‘‘ زبان لاطینی میں کہنا شروع کر دیا۔ (دیکھو ڈاکٹر ہوپر کی میڈیکل ڈکشنری) جس کے معنے ہیں مرہم رسل اوراس نام میں محض ۱۲عدد کی رعایت منظور تھی۔ مسلمان اطباء نے اسی عدد۱۲ کی رعایت سے اس کو اثناعشری کہا اوراب مسلمانوں کو بھی حق ہوگیا کہ وہ اس کو بارہ اماموں سے منسوب کردیں۔ مگر نہ قرص کوکب زحل کا دیا ہوا نسخہ تھا نہ عطیة اللّٰہ خدا کا اور نہ مرہم عیسیٰ اورمرہم رسل اورمرہم اثناء عشری مسیح یا حواریوں یا اماموں کا دیا ہوا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے قدیم نام اس کا اسم بامسمٰے ڈوڈیکا فارمیکم ہی تھا۔ یعنی بارہ دوائیں جس کا ترجمہ اثناعشری ہوا۔ مگر یونانیوں کے تریاق کی ریس میں مجوسیوں نے جو منجم ہوتے تھے اپنے عقیدے کی رعایت میں اس کو مرہم زہرہ کہا۔ یہودیوں نے اپنے عقیدے کے موافق اس کو مرہم شلیخا کہا۔ عیسائیوں نے مرہم رسل اور مسلمانوں نے اثناعشری۔ غرضیکہ جتنے منہ

اتنی باتیں۔ مگر چونکہ آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ یونانی طبابت کا دور دورہ ہی مٹ گیا۔ آگے کو ان ناموں کا سد باب ہوگیا اور اب کتابوں میں نام ہی نام اور شاعرانہ گپیں باقی رہ گئیں جن سے کبھی کبھی بعض عیار جہلاء کو ٹھگ لیتے ہیں۔

لفظ شلیخا کی تحقیق

اب یہ سوال ہے کہ اس مرہم کا نام شلیخا کیوں پڑا۔ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ مرزا قادیانی نے محض غلط لکھا کہ شلیخا کا لفظ یونانی ہے جو باراں کو کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے اس لفظ کو یونانی سے کوئی واسطہ نہیں یہ نرا عبرانی لفظ ہے اور بہت مشہور جس کو شفائے عاجل کے ساتھ عوام کے ذہن میں ایک خاص مناسبت تھی اور ذرہ بھی تعجب نہیں۔ اگر کسی سریع التاثیر مرہم کو اس نام سے نسبت دی گئی۔ جب یہ لفظ عربی کتابوں میں لے لیا گیا تو چونکہ خود شلیخا ایک عربی لفظ بھی ہے۔ بمعنی خوشبو وعطر (دیکھو منتہٰی الارب وقاموس) لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ لفظ عبرانی تھا۔ شاید ان کا خیال صرف اس قدر ہوا کہ چونکہ اس مرہم میں مرہم کی قسم سے خوشبودار چیزیں شامل تھیں۔ اس لئے اس کو مرہم شلیخا کہا۔ یعنی خوشبودار مرہم اور اگر ایسا سمجھا تو غلط سمجھا۔ اس کے متعلق اہل فارس نے ایک اور غلطی کی ہے۔ چنانچہ غیاث اور دیگر کتب لغت میں شلیخا کو لکھا دیا نام مروے کہ از اصحاب عیسیٰ علیہ السلام بود اور یہ سراسر خطا ہے۔ کسی حواری کا نام شلیخا نہیں ہے۔ چونکہ اس مرہم کو شلیخا بھی کہتے ہیں اور حواری بھی۔ لوگ سمجھے کہ دونوں ایک بات ہے اور اس طرح یہ غلطی پیدا ہوگئی۔

طبیب اسرائیلی کا قول

ایسی ہی غلطی میں مرزا قادیانی مبتلا ہیں۔ وہ اس کو یونانی لفظ سمجھتے ہیں اور اس کے معنی ''باراں'' بتلاتے ہیں اور ہم بھی ان کی اس غلطی کو الہامی غلطی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی فہرست کتب طب میں ''**تالیف افلاطون زمانہ ورئیس اور نہ ابی المنی ابن ابی نصر العطار الاسرائیلی الہاروفی**'' کی کتاب منہاج الدکان ودستور الاعیان کو بھی داخل کرا کے اس کی نسبت بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ اس میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کے لئے یعنی ان کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ ہم اس کتاب (مطبوعہ مصر) کے صفحہ ۸۳ سے نقل کر کے دکھلائے دیتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے اس اسرائیلی پر بھی کتنا بڑا بہتان باندھا ہے۔ طبیب موصوف نے صرف یہ لکھا ہے: ''**مرهم الرسل وهو مرهم الحواريين ومرهم الشلاحين ومعنى هذه اللفظة بالعبرانى الرسل**'' یعنی مرہم رسل کو مرہم

حوارین اور مرہم شلاحین بھی کہتے ہیں اور لفظ شلاحین کے معنی زبان عبرانی میں رسل ہیں۔ چونکہ یہ طبیب اسرائیلی تھا زبان عبرانی کا عالم۔ اس نے لفظ کے صحیح معنی بھی بتلادیئے اور سمجھا دیا کہ وہ لفظ عبرانی ہے۔ پس مرزا قادیانی نے کیوں اس کو یونانی کہا؟ کیا یہاں بھی مرزا غلام قادر کے کشف نے دھوکا دیا؟

اسرائیلی پر مرزا قادیانی کا بہتان

اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ نہ اس فاضل اسرائیلی طبیب نے حضرت عیسیٰ کا نام لیا۔ نہ مرہم کو ان سے منسوب کیا۔ نہ حضرت مسیح کے زخموں کی طرف کوئی اشارہ کیا۔ نہ اس نے عوام کے غلط خیال کا تذکرہ کیا۔ پھر اب مرزا قادیانی سے کوئی پوچھے کہ تم نے کیوں اس پر بہتان باندھا اور کیوں رسوا ہوئے؟ سچ ہے اللہ خوار کرتا ہے جسے چاہے جس شخص نے فن طبابت کے ایسے ایسے روشن ستاروں پر جھوٹ باندھا جیسے شیخ الرئیس اور اسرائیلی تو اس کا اعتبار اٹھ گیا اور وہ مسیلمہ کذاب سے گوئے سبقت لے گیا۔

حوض شیلوخ کا تذکرہ

اب ہم بتلاتے ہیں کہ وجہ تسمیہ اس مرہم کی کیا ہے۔ بیت المقدس میں ایک قدیم حوض تھا۔ شیلوخ اور شیلیخ کے نام سے مشہور جس کا تذکرہ بسعیاہ ونحمیاہ میں بھی آیا ہے اور جو آج کل وہاں کے مسلمانوں میں برکۃ سلوان کے نام سے مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک دوسرا حوض تھا اسی جگہ بیت حسدا یعنی رحمت کا گھر جس کی نسبت مشہور تھا کہ کبھی کبھی ایک فرشتہ اس کے اندر اتر کر پانی کو ہلاتا تھا اور اس وقت جو بیمار چاہے کسی مرض میں مبتلا ہو جو سب سے پہلے اس میں اتر جاتا فوراً چنگا ہو جاتا تھا۔ اس کا ذکر انجیل شریف میں آیا ہے۔ اس بیت حسداً میں پانی اسی شیلوخ سے ہوکر آتا تھا۔ دیکھو رابنسن کا سفرنامہ اور تفسیر از مور۔ انجیل یوحنا باب ۹۔ بیت حسدا کی طرح یہ شیلوخ بھی حضرت مسیح کے ایک معجزہ کی یادگار ہے جس کا بیان یوحنا باب ۹ میں ہوا۔ وہاں لکھا ہے کہ آپ کو ایک مادرزاد اندھا ملا اور آپ نے معجزانہ طور سے اس کو بینا کر دیا۔

اصلی مرہم عیسیٰ

زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی سانی اور وہ مٹی اندھے کی آنکھوں پر لگا کر اس سے کہا جا شیلوخ (جس کا ترجمہ بھیجا ہوا) ہے کے حوض میں دھولے۔ پس اس نے جا کر دھویا اور بینا ہو کر واپس آیا۔

اسی طرح ایک اور اندھے کی آنکھوں پر آپ نے اپنا لب مبارک لگا کر بینائی عطاء کی تھی۔ (مرقس:۸)

ہم کہتے ہیں کہ اصلی مرہم عیسیٰ یہی تھا جس کے تین اجزاء بتائے گئے۔ لعاب روح اللہ، کل یروشلیمی، آب شیلوخ اور اسی لفظ شیلوخ اور شیلیخ سے شلیخا بن گیا اور اسی سے نسبت اس مرہم کو دی گئی۔ نہ یہ مرہم عیسیٰ ہے اور نہ مرہم شلیخا۔ بلکہ عیسیٰ اور شلیخا کے نام سے منسوب ہے اور یہی لفظ شلیخا ماخذ ہے۔ لفظ رسول کا۔ کیونکہ اس کے لفظی معنی ہی رسول ہے۔ جیسا اسرائیلی نے بھی بتلادیا۔ اس کو حواری اور رسول سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ محض اس کے معنی سے واسطہ ہے۔ شلیخا اور رسول دو مترادف الفاظ ہیں اور جب اس مرہم کے بارہ اجزاء کا خیال کیا تو لفظ رسول سے بارہ رسولوں کی طرف ذہن منتقل ہوگیا اور آسانی سے اس کو مرہم رسل کہہ دیا۔

حسن اتفاق سے یہاں ایک اور مناسبت بھی پیدا ہوگئی۔ جس کی وجہ سے یہ نام اور بھی زیادہ موزوں ہوگیا۔ مرہم کے لغوی معنے ہر قسم کا لیپ و مالش ہیں جو خود نرم ہو اور نرمی پیدا کرے اور اگر یہ لفظ عربی ہے۔ تو رحمۃ سے مشتق ہوگا۔ جس کے معنے ہیں نرمی (دیکھو منتہی الارب) اس معنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فی الواقع بھی حضرت مسیح کے بارہ حواریوں کے پاس ایک مرہم تھا۔

اصلی مرہم حوارین

اور وہ اصلی مرہم رسل تھا۔ چنانچہ انجیل مرقس باب:۱۶ آیت ۷،۱۲،۱۳ میں لکھا ہے کہ خداوند مسیح نے بارہ کو اپنے پاس بلا کر دو دو کر کے بھیجنا شروع کیا...... اور انہوں نے روانہ ہوکر منادی کی کہ توبہ کرو اور بہت سی بدروحوں کو نکالا اور بہت سے بیماروں کو تیل مل کر اچھا کیا۔ اسی تیل کو ہم مرہم رسل کہتے ہیں اور شاید یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ بیت المقدس میں جو تیل استعمال ہوتا ہے وہ روغن زیت ہے جو اس مرہم زیر بحث کا بھی جزو اعظم قرار دیا گیا اور جو حوارین عیسیٰ کے ہاتھ میں ان کی دعا کی تاثیر سے اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ پس جس مرہم کو قدمائے اطباء نے بہترین مرہم مانا اس کو مرہم رسل سے بہتر اور کون نام وہ دے سکتے تھے۔

آخری مالش

حوارین عیسیٰ کی سنت میں کلیسیا کے درمیان اس وقت تک بیماروں پر تیل ملنے کی رسم جاری ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب حواری نے فرمایا ہے: ’’اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسیا کے بزرگوں کو بلائے اور وہ خداوند کے نام سے اس کو تیل مل کر اس کے لئے دعا کریں۔ جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی اس کے باعث بیمار بچ جائے گا اور خداوند اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔‘‘ (یعقوب:۵:۱۴)

اس رسولی رسم کو جس کا فیض و برکت اس وقت تک جاری ہے۔’’رومن کلیسیا‘‘ میں’’اکسٹریم انکشن‘‘یعنی آخری مالش کہتے ہیں جس کے لئے ہر ایماندار آرزومند ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اب کسی صاحب فہم کو ذرا بھی دقت نہ رہے گی کہ مرہم شلیخا اور مرہم رسل کی حقیقی وجہ تسمیہ بخوبی سمجھ لے اور مرزاقادیانی کے مغالطوں سے باہر نکل آئے۔

عوام کا خیال اور مرزاقادیانی کی تردید

اس مرہم کی نسبت مرزاقادیانی کی غلط بیانیاں شمار میں اس کے اجزاء سے بھی بڑھ گئی ہیں۔ناظرین دیکھ چکے کہ گو اس مرہم کی حواریوں کے ساتھ کسی حقیقی نسبت کا خیال محض لغو اور بے بنیاد ہے۔تاہم جن لوگوں نے ایسی نسبت مانی بھی وہ بھی یہی کہتے رہے کہ مرہم کو بارہ حواریوں نے ترکیب دیا اور ایک ایک نے ایک ایک دوا ایجاد کی۔اس قول میں گویا ان لوگوں نے اس بات کی صراحت اور تاکید کی ہے کہ یہ مرہم واقعہ صلیب کے قبل ایجاد ہوا۔یعنی ایسے وقت میں جب کہ بارہ حواریوں کا شمار برقرار تھا۔مقدس تاریخ کا یہ ایک یقینی واقعہ ہے کہ صلیب سے ایک دن قبل ہی حواریوں کا شمار کم ہو گیا تھا۔کیونکہ یہودا اسکریوتی جو بارہ میں ایک تھا رسالت کے دائرے سے خارج کر دیا گیا اور قبل واقعہ صلیب کے خودکشی کر کے مرگیا۔ (متی:۲۷:۵)

پس جب صلیب کے بعد حواری صرف گیارہ رہ گئے تو وہ مرہم شلیخا کے ۱۲ جز کیسے ترکیب دے سکتے تھے؟

پھر مرزاقادیانی کس طرح فرماتے ہیں کہ:’’یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعے سے تجویز فرمائی تھی۔‘‘ دارومدار تو مرزاقادیانی کا جہلاء کے بے سند خیال پر تھا اور یہ کہہ کر آپ نے خود اس کی تکذیب کر دی۔کیونکہ وہ تو اس دوا کو بارہ حواریوں سے منسوب کرتے تھے اور اس کو واقعہ صلیب کے قبل کا حال بتلاتے تھے نہ کہ صلیب کے زخموں کے بعد کا۔پھر وہ اس کو حواریوں کے الہام سے نسبت دیتے تھے کہ مسیح کے الہام سے۔ بہرکیف اس سے یہ پتہ لگ گیا کہ آپ خود اس بے بنیاد روایت کو دل سے باطل ولغو سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس کے منافی ایسا سخن نہ فرماتے۔گویا آپ یہ فرماتے ہیں کہ قدیم جاہلوں کو یہ کہنا چاہئے تھا جو انہوں نے نہیں کہا کہ مرہم عیسیٰ حواریوں نے صلیب کے بعد تیار کیا۔ہم دو ہزار سال بعد اس روایت کی اصلاح کرتے ہیں اور فرض کئے لیتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے رہے۔خوب! فن روایت اور درایت کا یہ نیا اصول ہے۔ہم مرزاقادیانی کو داد دیتے ہیں۔

مرزا قادیانی کی اختلاف بیانی

مرزا قادیانی کی غلط بیانیاں بے پایاں ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ’’نسخہ ان چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضرب وسقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے اور اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے اور اس قدر طاقت آ گئی کہ آپ تین روز میں یروشلم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پاپیادہ گئے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مرہم کی تعریف میں مبالغہ کیا انہوں نے بھی اس کو ضربہ وسقطہ کا علاج نہیں بتایا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ مرزا قادیانی بھی قائل نہیں کہ ایسے مرہم نے کچھ بھی مفید اثر مسیح کے زخموں پر کیا ہو۔ ورنہ وہ باوجود تسلیم اعجاز مرہم یہ نہ فرماتے کہ واقعہ صلیب کے بعد مسیح کے جسم پر ’’صلیب وکیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد تکلیف ان کے ساتھ تھے۔‘‘ (ریویو(اردو) ج۲ نمبر۲ ص۵۰،۵۱، فروری ۱۹۰۳ء)

ہم کو پھر مرزا قادیانی کے حافظہ کی شکایت ہے۔ ان کو بے طرح نسیان ستاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے تئیں بھی بھول گئے۔

یہ بحث تو طے ہوگئی۔ مگر مرزا قادیانی کے پھڑکتے ہوئے تجارتی اشتہارات دیکھ کر جن میں وہ اس مرہم کو عجیب وغریب دنیا میں سب سے پرتاثیر تیر بہدف بابرکت علاج خاص کرا اپنے مددگار طاعون کو بتلا کر فی ڈبیہ پون اور سوا روپیہ جاہلوں سے وصول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ناظرین کے دل میں بہت اشتیاق پیدا ہوا ہوگا کہ آخر اس نسخہ کے وہ نادر الوجود اجزاء کیا ہیں۔ جس کے دریافت کرنے کے لئے مرزا قادیانی اطباء کے معمولی تجربہ کو کافی نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ ضرورت الہام واعجاز کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ نسخہ موافق قرابادین شیخ الرئیس کے یہ ہے۔ موم سفید، راتینج، زنگار، جادشیر، اشق، زراوند طویل، کندر، مرمکی، بیروزہ، مقل، مرداسنگ، روغن زیت۔

ناظرین! بارہ حواریوں کو دیکھئے اور الہام اور اعجاز مسیحائی کو خیال فرمایئے اور ان بارہ دوائیوں کو دیکھئے اور جہاں تک ہو سکے مرزا قادیانی اور ان کے حواریوں کو شرمایئے اور پوچھئے کہ یہ کیا اندھیر ہو گیا کہ ہندوستان میں طاعون کی یہ شدت کہ الامان۔ اور وہ بھی خاص اسی زمانہ میں جب آپ لوگوں نے اعجاز مسیحائی کا بابرکت علاج نکالا۔ کیا طاعون بھی پیر قادیان کے دعوؤں کی آسمانی تکذیب ہو کر آیا ہے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

معذرت نامہ مرزا

○

جناب ایس. ایم پال صاحب

تفصیلی فہرست

دیباچہ مصنف	۲۲۸
فصل اوّل ...... مرزا قادیانی کی مختصر سوانح عمری	۲۳۱
معجزہ نہ دکھانے میں مرزا قادیانی کی معذرت	۲۳۲
معذرت اوّل درشت کلامی	۲۳۳
معذرت دوم، شریر لوگوں کو معجزہ نہیں دکھایا جائے گا	۲۳۳
مردوں کو زندہ کرنا عمل الترب یعنی مسمریزم ہے	۲۳۴
چونکہ آنحضرت ﷺ نے معجزات نہیں دکھائے میں بھی نہیں دکھاتا	۲۳۵
فصل دوم ...... مرزا قادیانی کی پیشین گوئیوں کے پورے نہ ہونے کی معذرت	۲۳۶
معذرت اوّل......دشنام دہی	۲۳۸
معذرت دوئم......تاویلات	۲۳۸
معذرت سوئم......آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی غلط نکلیں	۲۳۹
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کی غلطیاں، مرزا کے مریدوں کی زبانی	۲۴۰
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا قادیانی کے مریدوں کی زبانی	۲۴۳
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا کے مریدوں کی زبانی	۲۴۴
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا قادیانی کے مریدوں کی زبانی	۲۴۵
نبی سے سہو ونسیان کا امکان	۲۴۵
آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا کے مریدوں کی زبانی	۲۴۷
چوتھی شہادت صادقہ	۲۴۹
فصل سوم ...... مرزا قادیانی کی دشنام دہی کی معذرت	۲۵۰
مرزا قادیانی کی دشنام دہی کی معذرت کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے	۲۵۰
فصل چہارم ...... مرزا قادیانی کے کلام میں تناقص ہونے کی معذرت	۲۵۲
قرآن واحادیث میں بھی تناقص ہیں	۲۵۲
فصل پنجم ...... مرزا قادیانی کے نکاح آسمانی کی معذرت	۲۵۴

مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت	۲۵۷
مرزا قادیانی کے فرزند دلبند یعنی موجودہ قادیانی خلیفہ کی طرف سے معذرت	۲۵۸
فصل ششم ...... مرزا قادیانی کے عربی کلام میں غلطیوں کے ہونے کی معذرت	۲۵۹
معذرت اوّل......اگر میرے کلام میں سرقے ہیں تو قرآن میں بھی ہیں	۲۶۰
معذرت دوئم......قرآن میں بھی غلطیاں ہیں	۲۶۰
مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت اوّل	۲۶۱
غلط فہمی	۲۶۱
مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت دوم	۲۶۲
چوتھا اور آخری جواب	۲۶۲
مرزا قادیانی کے فرزند یعنی قادیانیوں کے موجودہ خلیفہ کی معذرت	۲۶۳
''یا مریم اسکن''	۲۶۳
فصل ہفتم ...... مرزا قادیانی کی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی معذرت	۲۶۴
غلام رسول راجیکی کی معذرت	۲۶۶
فصل ہشتم ...... خدا کا قلم چھڑکنا اور میاں محمود موجودہ خلیفہ قادیانی کی معذرت	۲۶۷
خدا تعالیٰ کا قلم چھڑکنا	۲۶۸
خدا کو بیٹھے ہوئے دیکھنا	۲۶۸
فصل نہم ...... مرزا قادیانی کے جنون کی معذرت	۲۶۹
اگر مرزا قادیانی مجنون تھے تو آنحضرت ﷺ بھی مسحور تھے	۲۶۹
اگر مرزا قادیانی مجنون تھے تو آنحضرت ﷺ بھی مسحور تھے	۲۶۹
فصل دہم ...... اگر مرزا قادیانی نے اپنی کوئی بات چھپائی تو آنحضرتؐ نے بھی چھپائی	۲۷۰
فصل یازدہم ...... اگر مرزا کی مراد پوری نہیں ہوئی تو آنحضرتؐ کی بھی پوری نہیں ہوئی	۲۷۱
فصل دوازدہم ...... اگر مرزا کے الہامات میں غیر زبان کے الفاظ ہیں تو قرآن میں بھی ہیں	۲۷۳
حضرت مسیح موعود کے الہامات مختلف زبانوں میں	۲۷۳
رسول کریم اور دیگر زبانوں میں الہام	۲۷۵
مختلف زبانوں میں الہامات کی ضرورت	۲۷۶

دیباچہ مصنف

''معذرت نامہ مرزا'' کی ابھی چند ہی اقساط نورافشاں میں شائع ہوئی تھیں کہ چاروں طرف سے مرحبا اور جزاک اللہ کے ہمت افزاء خطوط آنے لگے۔ علی الخصوص مسلمان بھائیوں کی طرف سے ہماری اس قدر ہمت افزائی ہوئی کہ ہم اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ ایک مسلمان بھائی گریجویٹ لکھتے ہیں کہ:

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

کرم فرمائے بندہ، ہدیہ سلام قبول ہو۔

کل اخبار یکم/اگست ۱۹۳۰ء ''نورافشاں'' میں ''معذرت نامہ مرزا'' کے متعلق اعلان دیکھ کر اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ کچھ لکھوں اور اب مہر سکوت توڑ دوں۔ مقامی مشن ریڈنگ روم میں اس قابل قدر مضمون کو بغور عرصہ سے دیکھ رہا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ جناب نے وہ کام کیا کہ ؎

ایں کار از تو آید دمرداں چنیں کنند

جو نقصان مذاہب عالم کو اس فتنہ قادیان سے ہوا ہے اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ اللہ شکر ہے کہ خاص کر اہل کتاب نے جلد اس طرف توجہ کی ہے۔ ہماری ہمدردی ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اس چودھویں صدی کے مسیح کی قلعی کھولے اور عوام کو اس فتنہ سے بچائے۔ نیازمند بھی عرصہ سے اسی مشن میں کام کر رہا ہے اور جس طرف سے بھی کوئی آواز میری تائید میں سنائی دے گی۔ لبیک کہوں گا۔ بس اگر جناب اس معذرت نامہ کو کتابی صورت دیں تو نیازمند پانچ روپے یکمشت دینے کو تیار ہے کہ کم ازکم ایک صد رسالے مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھیج دیتے ہوں گے اور ہر شہر و ہر قریہ میں اس کو تقسیم کروں گا۔ خاص کر گاؤں کی زمیندارہ آبادی میں جہاں اس روحانی طاعون نے طوفان مچا رکھا ہے اور اگر اسی طرح کا سلسلہ جاری رہا تو ہر مرزائی تحریک کے متعلق جو بھی رسالہ، کتاب جناب شائع کریں گے جناب کو مستقل امداد دوں گا۔ کیونکہ جناب کو خاص ملکہ اس فن مناظرہ میں ہے۔ انشاء اللہ! اس صاحب ماسر صلیب کی امت کو معلوم ہو جائے گا کہ کہاں تک سودیشی نبی صاحب اپنے دعاوی میں سچے تھے۔ جب کہ مسیح ناصری علیہ السلام کا ایک ادنیٰ غلام، قادیانی مسیح علیہ ماعلیہ کا ناطقہ بند کر سکتا ہے۔ بخدا خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کس دریدہ دہنی سے اس قادیانی مسیح نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

کی ہے اور کوئی نبی یا امام نہیں رہا جس کے حق میں بدکلامی سے کام نہ لیا ہو۔’’نور افشاں‘‘ کی ہر دلعزیزی کا اب یہ عالم ہے کہ ہر مسلمان، ہندو اس کا مطالعہ کرتا ہے۔ کیونکہ خاص دلچسپ علمی مضامین کا اضافہ ہو رہا ہے اور پھر جناب کی قلم سے۔ (نور افشاں مطبوعہ ۱۵؍اگست ۱۹۳۰ء ص۲)

ہمارے دیرینہ عنایت فرما ڈاکٹر صادق علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

مخدوم بندہ جناب پادری پال صاحب

السلام علیکم! آپ کی مساعی جمیلہ کی روشنی ہندوستان کے بہت بڑے حصہ کو منور کر رہی ہے۔ اس میں کلام نہیں۔’’نور افشاں‘‘ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ عنقریب ’’معذرت نامہ مرزا‘‘ شائع کرنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ اس کی ایک کاپی بندہ کو ارسال فرمائیں گے۔ خواہ بصیغہ وی. پی ہو یا معلوم ہونے پر پہلے یا بعد میں قیمت بھیج دی جائے گی۔

اگر جناب کی ساری تحریرات جو زیر عنوان ’’لمعات‘‘ شائع ہوتی رہی ہیں ایک کتاب کی شکل میں شائع ہو جائیں تو امید ہے کہ نہایت مفید ثابت ہوں گے۔ کچھ دنوں سے جناب نے پیغام صلح (لاہوری مرزائیوں کا ہفتگی اخبار) کے بعض مضامین کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کی ہے۔ امید کہ اس سے بہت ناظرین فیضیاب ہوں گے اور عیسائی اور مسلمان دونوں جماعتیں مناظرہ کرنے کا احسن طریق سیکھیں گے۔ آپ کے کام ہر ایک پہلو سے دیکھا جائے تو عام فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ بندہ صادق علی! (نور افشاں مطبوعہ ۵؍ستمبر ۱۹۳۰ء ص۲)

اگر آپ اس کتاب کی اہمیت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ایک مسلمان بھائی کا ذیل کا خط ملاحظہ فرمائیں۔ جو ’’پیغام (جنگ) صلح‘‘ لاہور میں چھپا ہے کہ:

پادری پال اور قادیانی علماء

السلام علیکم! پادری پال صاحب نے جب سے ’’نور افشاں‘‘ کی ادارت کا کام لیا ہے تب سے اپنے مشنری فرائض ادا کرنے میں بے نظیر سرگرمی دکھلائی ہے۔ شروع میں اسلام کے خلاف کچھ مضامین ورسالے لکھتے رہے۔ مگر اس طریق میں کچھ نمایاں کامیابی نظر نہ آئی تو انہوں نے ایک نیا طریق نکالا جو کبھی کسی مشنری پادری کے خیال میں پہلے نہ آیا تھا۔ کہاوت مشہور ہے کہ ’’سانپ دشمن کی چھاتی پر مارنا چاہئے۔‘‘ اگر سانپ مرگیا تو بھی مطلب حاصل ہوگیا اور دشمن مر جائے تو بھی مطلب حاصل ہوگیا۔ پال صاحب نے مرزا قادیانی کے افعال واقوال کی نکتہ چینی کرنی شروع کی اور اپنی طرف سے کبھی ایک اعتراض نہیں کیا۔ صرف مرزا قادیانی کی تحریرات

سے یا ان کے مریدوں کی تائیدات سے کچھ فقرات نقل کر دیا کرتے ہیں۔ اگر کبھی کسی احمدی بزرگ نے اس کے جواب میں کچھ تحریر کیا تو پال صاحب نے دو فقرے کی جگہ دس فقرے انہیں بزرگوں کے کلام سے اور نقل کر کے دکھلا دیئے۔ غرض اسی طرح کا عمل پادری صاحب کا کوئی دو سال سے جاری ہے۔ ''نور افشاں'' کی اس قسم کی تحریرات میں سے سب سے بڑے حملے وہ ہیں جو ''معذرت نامہ مرزا'' کے زیر عنوان چھپتے رہے ہیں۔ جب کسی معترض نے مرزا قادیانی کی خصلت یا قول یا فعل پر اعتراض کیا اور کوئی عیب یا نقص یا بدی ان کی طرف منسوب کی تو (قادیان سے) اس کے جواب میں کبھی مرزا قادیانی کی بریت یا صفائی نہیں بیان کی گئی۔ بلکہ یہ جواب دیا گیا کہ یہ باتیں رسول کریم ﷺ میں اور قرآن میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایسے جوابوں سے کوئی سیدھے سادھے مسلمان جو دین کی حقیقت سے زیادہ واقف نہیں ہیں مطمئن ہو جاتے ہوں گے۔ مگر غیر مسلمین کے لئے تو صرف مرزا قادیانی ہی نہیں بلکہ اسلام بھی سخت اعتراضوں کا نشانہ بن گیا۔ قادیانی تحریرات میں تو ایسی باتیں بہت عرصہ میں شائع ہونے کے سبب ضرر رسانی کا موجب معلوم نہ ہوئی ہوں گی۔ لیکن پال صاحب نے جواب ڈیڑھ سال کے عرصہ میں بتدریج جمع ہونے والے زہر کے فعل کو نمایاں کر دیا اور کسی احمدی بزرگ نے کوئی اطمینان بخش جواب نہ دیا۔ اس سے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی۔ اگر میں ان کے جواب دینے کی کوشش کروں تو سچی بات یہ ہے کہ دو سال میں بھی عہد برا نہیں ہو سکتا اور ایسے اعتراضات کے جوابدہ بھی احمدی بزرگ ہیں۔ دوسروں کو ان سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔'' (نور افشاں مطبوعہ یکم/اگست ۱۹۳۰ء ص۲)

بالآخر اس قدر اور گذارش کی جاتی ہے کہ اس کتاب کی جمع اور تالیف میں ہم نے اپنے آپ کو بالکل غیر جانبدار رکھا ہے اور اپنی طرف سے ایک جملہ بھی نہیں لکھا ہے اور ہر قسم کے تصرف سے بالکل اجتناب کی ہے۔ اس لئے مسیحی مناظرین کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ اگر کبھی ان کو اس کتاب سے کام لینے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس طرح اس کے حوالے پیش کریں کہ مرزا قادیانی یا مرزا قادیانی کا فلاں مرید یہ کہتا ہے۔ از جانب خود ان اعتراضات کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

مسلمان بھائیوں کی خدمت میں بھی یہ گذارش ہے کہ اگر ان کو اس کتاب کے جواب لکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو ہمارا ذکر مطلق درمیان نہ لایا جائے۔ کیونکہ ہم صرف حوالوں کے ذمہ دار ہیں نہ کسی اور امر کے۔ بلکہ براہ راست قادیانیوں کو خطاب کریں۔ والسلام! سلطان

فصل اوّل

مرزا قادیانی کی مختصر سوانح عمری

مرزاغلام احمد قادیانی ابتداء میں سیالکوٹ کی تحصیل میں پندرہ روپے ماہوار پر محرر (کلرک) کے طور پر ملازم تھے۔اسی سلسلہ میں قانونی کتابیں پڑھ کر مختاری کے امتحان میں شریک ہوئے۔لیکن بدقسمتی سے آپ فیل ہوگئے۔چنانچہ ایک مسلمان شاعر کہتا ہے کہ ؎

تحصیل میں جس وقت کہ مرزا تھا محرر — دس بیس لیا کرتا تھا تنخواہ بیچارا
ہر پھر کے ہوا اس طرح مرزا بھی جو مایوس — مختاری نے پھر دل کی امنگوں کو ابھارا
مختاری کے پڑھنے کا شب وروز رہا شغل — اس شوق میں ہر ایک مصیبت تھی گوارا
لیکن وہی بدقسمتی یاں بن گئی ہمدم — نکلا جو نتیجہ تو ہوا فیل بیچارا

(آئینہ مرزائیت ص۱۰)

تب مرزا کی طبیعت نے جو بے حد جدت پسند واقع ہوئی تھی پلٹا کھایا اور آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثانہ ومناظرانہ اشتہار بازی پر اتر آئی۔جب آپ کو کسی قدر شہرت نصیب ہوئی تو ’’براہین احمدیہ‘‘ کی تصنیف کا اشتہاری اعلان شائع کیا اور مسلمانوں سے امداد واعانت کا خواستگار رہا،اوراس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ظاہر کی کہ باعث تصنیف اس کتاب کے پنڈت دیانند صاحب اوران کے اتباع ہیں جواپنی امت کوآریہ سماج کے نام سے مشہور کررہے ہیں اور بجز اپنے وید کے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور حضرت محمد (ﷺ) کی تکذیب کرتے ہیں۔

(تاریخ مرزا ص۸، مصنفہ مولوی ثناءاللہ امرتسری)

غرضیکہ جب تک مرزا قادیانی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے مسلمانوں میں آپ کی خوب آؤ بھگت ہوتی رہی اور کسی نے آپ سے تعرض نہیں کیا۔بلکہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ نے براہین احمدیہ پر ایک ناعاقبت اندیشانہ ریویولکھ کران کی شہرت کواور چار چاند لگادیئے اور مرزا قادیانی پر چاروں طرف سے روپیوں کی بارش ہونے لگی۔لیکن افسوس کہ طمع زر اور جلب منافع اور شہرت طلبی نے مرزا قادیانی کوایک ہی نقطہ پر جمنے نہیں دیا اور منازل ارتقاء کی تمام سیڑھیوں کونہایت سرعت کے سات اور بہ یک جست طے کیا۔چنانچہ اول ’’مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔‘‘ (ازالۃ الاوہام ص۱۵۴، خزائن ج۳ ص۱۷۹)

''پھر محدث ہونے کے مدعی ہوئے۔'' (توضیح المرام ص۱۸، خزائن ج۳ ص۶۰)

پھر امام الزمان بنے۔ (حقیقت الوحی ص۷۹، ضرورۃ الامام ص۲۴، خزائن ج۱۳ ص۴۹۵)

پھر خلیفہ الٰہی اور خدا کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا۔

(براہین احمدیہ ص۴۹۸، خزائن ج۱ ص۵۹۰ تا۵۹۴)

غرضیکہ یہ تدریجی ترقیاں اسی طرح جاری رہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور الوہیت کے درجہ پر جا کر دم لیا۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہو اور ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور جس کے پیروؤں کا یہ عقیدہ ہو کہ مرزا قادیانی کے بغیر نجات نہیں اور مجھ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر ایک شخص کا حق ہے کہ ایسے شخص کے اقوال وافعال کو حرکات اور سکنات کو جانچ کر دیکھے کہ آیا وہ اپنے دعاوی میں صادق ہے یا کاذب۔ چنانچہ مسلمانوں نے بالتخصیص اسی قانون کے ماتحت مرزا قادیانی کے اقوال وافعال پر اعتراضات کئے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج کیا۔ مرزا قادیانی بھی ایسے شخص نہ تھے جو چپ سادھ لیتے۔ آپ نے بھی مسلمان کے ہر ایک اعتراض کا جواب اس طرح پر دیا کہ مسلمانوں کے ہر ایک اعتراض کو قرآن شریف اور آنحضرتﷺ پر چسپاں کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ: ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے مخالف حضرت اقدس مسیح موعود کے خلاف کوئی ایسا اعتراض پیش نہیں کر سکتے جو ان کے مسلمہ راست بازوں پر نہ پڑتا ہو۔'' (ریویو ج۲۸ نمبر۱۲ ص۴۴۱، بابت دسمبر ۱۹۲۹ء)

ہم انہی جوابوں کو خواہ مرزا قادیانی کی طرف سے ہوں یا ان کے کسی مرید کی طرف سے ہوں ''معذرت نامۂ مرزا'' کے نام سے ہدیہ ناظرین کریں گے۔ از بسکہ یہ مبحث نہایت دلچسپ اور بے حد مفید ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ ناظرین اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

معجزہ نہ دکھانے میں مرزا قادیانی کی معذرت

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ شروع میں جب مرزا قادیانی مباحث بنے تو مسلمان ان سے خوش تھے۔ اس کے بعد جب آپ مجدد ومحدث بنے تب بھی مسلمانوں کی کثرت خاموش تھی۔ لیکن جب آپ نے مثیل مسیح اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا تب چاروں طرف سے مسلمانون نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تا کہ سچے اور جھوٹے میں تمیز ہوسکے۔ چنانچہ مسلمانوں نے جن الفاظ میں یہ مطالبہ کیا تھا وہ مرزا قادیانی کی زبانی از قرار ذیل ہے۔

''اس سوال کا جواب کہ حضرت مسیح ابن مریم نے مردوں کو زندہ کیا اور اندھوں کو

آنکھیں بخشیں۔ بہروں کے کان کھولے۔ ان تمام معجزات میں سے مثیل مسیح نے کیا دکھایا۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۱، خزائن ج۳ ص۱۰۳)

معذرت اوّل درشت کلامی

مرزا قادیانی اس اعتراض کے متعلق چار طرح سے یہ معذرت پیش کرتے ہیں۔ اوّل درشت کلامی۔ چنانچہ آپ اسی سوال کے نیچے لکھتے ہیں کہ:

’’اے نفسانی مولویو اور خشک زاہدو تم پر افسوس کہ تم آسمانی دروازوں کا کھلنا چاہتے ہی نہیں، بلکہ چاہتے ہو کہ ہمیشہ بند ہی رہیں اور تم پیر مغاں بنے رہو۔ اپنے دلوں پر نظر ڈالو اور اپنے اندر کو ٹٹولو۔ کیا تمہاری زندگی دنیا پرستی سے منزہ ہے۔ کیا تمہارے دلوں پر وہ زنگار نہیں جس کی وجہ سے تم ایک تاریکی میں پڑے ہو۔ کیا تم ان فقیہوں اور فریسیوں سے کچھ کم ہو جو حضرت مسیح کے وقت میں دن رات نفس پرستی میں لگے ہوئے تھے۔ پھر کیا یہ سچ نہیں کہ مثیل مسیح کے لئے مسیحی مشابہت کا ایک گونہ سامان اپنے ہاتھ سے ہی پیش کر رہے ہو۔ تا خدا تعالیٰ کی حجت ہر یک طور سے تم پر وارد ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک کافر کا مومن ہو جانا تمہارے ایمان لانے سے زیادہ آسان ہے۔ بہت سے لوگ مشرق اور مغرب سے آئیں گے اور اس خوان نعمت سے حصہ لیں گے۔ لیکن تم اسی زنگ کی حالت میں ہی مرو گے۔ کاش تم نے کچھ سوچا ہوتا۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۵،۶، خزائن ج۳ ص۱۰۵)

معذرت دوم، شریر لوگوں کو معجزہ نہیں دکھایا جائے گا

دوئم یہ کہ شریر اور بدباطن لوگوں کو معجزہ نہیں دکھا جائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

’’مگر جس جگہ سائل کے صدق اور نیت میں کچھ فتور ہوتا ہے اور سینہ خلوص سے خالی ہوتا ہے تو پھر ایسے سائل کو کوئی نشان دکھلایا نہیں جاتا۔ یہی عادت خداوند تعالیٰ کی انبیاء کرام سے ہے۔ جیسا کہ یہ بات انجیل کے مطالعہ سے نہایت ظاہر ہے کہ کئی مرتبہ یہودیوں نے مسیح سے کچھ معجزہ دیکھنا چاہا تو اس نے معجزہ دکھانے سے صاف انکار کیا اور کسی گذشتہ معجزہ کا بھی حوالہ نہ دیا۔ چنانچہ مرقس کی انجیل کے آٹھ باب اور باراں آیت میں بھی اسی کی تصریح ہے اور عبارت مذکور یہ ہے تب فریسی نکلے اور اس سے (یعنی مسیح سے) حجت کر کے اس کے امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اس نے اپنے دل میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔ سو اگرچہ بظاہر دلالت عبارت اسی پر ہے کہ مسیح سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا۔ لیکن اصلی معنے اس کے یہی ہیں کہ اس وقت تک مسیح سے کوئی

معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا۔ تب ہی اس نے کسی گذشتہ معجزہ کا حوالہ نہیں دیا۔ کیونکہ یہود میں صاحب صدق اور اخلاص کم تھے تا کسی کے حسن ارادت کے لحاظ سے کوئی معجزہ ظہور میں آتا۔ لیکن اس کے بعد جب لوگ صاحب صدق اور ارادت پیدا ہوگئے اور طالب حق بن کر مسیح کے پاس آئے تو دو معجزات دیکھنے سے محروم نہیں رہے...... غرض معجزات اور خوارق کے ظہور کے لئے طالب کا صدق اور اخلاص شرط ہے اور صدق اور اخلاص کے یہی آثار وعلامات ہیں کہ کینہ اور مکابرہ درمیان نہ ہو اور صبر اور ثبات اور غربت اور تذلل سے بہ نیت ہدایت پانے کے کوئی نشان طلب کیا جائے اور پھر اس نشان کے ظہور تک صبر اور ادب سے انتظار کیا جائے تا خداوند کریم وہ بات ظاہر کرے جس سے طالب صادق یقین کامل کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۶۱،۴۶۲، خزائن ج۱ ص۵۵۲)

مردوں کو زندہ کرنا عمل الترب یعنی مسمریزم ہے

سوئم یہ کہ مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ یہ سب مسمریزم سے ہوتا ہے اور مسمریزم مرزا قادیانی کے نزدیک ایک مکروہ چیز ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ’’اور اب یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن وحکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ گو الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے ہوئے تھے۔ کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی معجزہ دکھلایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مردہ زندہ ہو گیا۔ مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم کے ساتھ لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں۔ یعنی وہ دو چور جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ بہرحال مسیح کی یہ تربی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خداتعالیٰ کے فضل وتوفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا......

حضرت مسیح کے عمل الترب سے وہ مردے جو زندہ ہوتے تھے یعنی وہ قریب الموت جو گویا نئے سرے زندہ ہو جاتے تھے وہ بلاتوقف چند منٹ میں مرجاتے تھے۔ کیونکہ بذریعہ عمل الترب روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر جن کو ہمارے نبی ﷺ نے زندہ کیا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور یہ جو میں نے مسمریزی طریق کا عمل الترب نام رکھا۔ جس میں حضرت مسیح بھی کسی درجہ تک مشق رکھتے تھے۔ یہ الہامی نام ہے اور خداتعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ یہ عمل الترب ہے اور اس عمل کے عجائبات کی نسبت یہ بھی الہام ہوا۔‘‘ ھذا ھو

الترب الذی لا یعلمون ’’یعنی یہ وہ عمل الترب ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۳۰۸ تا ۳۱۳، خزائن ج۳ ص ۲۵۷ تا ۲۵۹)

چونکہ آنحضرت ﷺ نے معجزات نہیں دکھائے میں بھی نہیں دکھاتا

چہارم یہ کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے معجزے نہیں دکھائے اس لئے میں بھی نہیں دکھاتا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ: ’’دوسری قسم کے وہ انسان ہیں جو معجزہ اور کرامت طلب کرتے ہیں۔ ان کے حالات خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں تعریف کے ساتھ بیان نہیں کئے اور اپنا غضب ظاہر کیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے: ’’واقسموا باللہ جهد ایمانهم لئن جآء تهم اٰیة لیؤمنن بها قل انما الاٰیات عند اللہ وما یشعرکم انها اذا جاء ت لا یؤمنون (انعام: ۱۱۰) ‘‘یعنی یہ لوگ سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشان دیکھیں تو ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ان کو کہہ دے کہ نشان تو خداتعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہیں خبر نہیں کہ جب نشان بھی دیکھیں گے تو کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر فرماتا ہے: ’’یوم یاتی بعض اٰیات ربک لا ینفع نفسا ایمانها لم تکن اٰمنت من قبل (انعام: ۱۵۹) ‘‘یعنی جب بعض نشان ظاہر ہوں گے تو اس دن ایمان لانا بے سود ہوگا اور جو شخص صرف نشان کے دیکھنے کے بعد ایمان لاتا ہے۔ اس کو وہ ایمان نفع نہیں دے گا۔ پھر فرماتا ہے: ’’ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صادقین قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ماشاء اللہ لکل امة اجل (یونس: ۴۹،۵۰)‘‘ یعنی کافر کہتے ہیں کہ وہ نشان کب ظاہر ہوں گے اور یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ سو ان کو کہہ دے کہ مجھے ان باتوں میں دخل نہیں۔ نہ میں اپنے نفس کے لئے ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا مگر جو خدا چاہے ہر یک گروہ کے لئے ایک وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا اور پھر اپنے رسول کو فرماتا ہے: ’’وان کان کبر علیک اعراضهم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض اوسلّما فی السمآء فتاتیهم باٰیة ولو شاء اللہ لجمعهم علی الهدیٰ فلا تکونن من الجاهلین (انعام: ۳۶) ‘‘یعنی اگر تیرے پر (اے رسول اللہ ﷺ) ان کافروں کا اعراض بہت بھاری ہے۔ سو اگر تجھے طاقت ہے تو زمین میں سرنگ کھود کر یا آسمان پر زینہ لگا کر چلا جا اور ان کے لئے کوئی نشان لے آ اور اگر خدا چاہتا تو ان سب کو جو نشان مانگتے ہیں ہدایت دے دیتا۔ پس تو جاہلوں سے مت ہو۔ اب ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں کافر نشان مانگا کرتے تھے بلکہ قسمیں بھی کھاتے تھے کہ ہم ایمان لائیں گے۔ مگر اللہ جل شانہ کی نظر میں وہ مورد غضب تھے اور ان کے سوالات بیہودہ تھے۔ بلکہ اللہ جل شانہ صاف فرماتا ہے کہ جو

شخص نشان دیکھنے کے بعد ایمان لاوے اس کا ایمان مقبول نہیں جیسا کہ ابھی آیت ''لا ینفع نفساً ایمانها'' تحریر ہوچکی ہے اور اسی کے قریب قریب ایک دوسری آیت ہے اور وہ یہ ہے۔ ''ولقد جاء تهم رسلهم بالبينات فما كانوا ليؤمنوا بما كذبوا من قبل كذلك يطبع الله علىٰ قلوب الكافرين (اعراف:۱۰۲)''یعنی پہلی امتوں میں جب ان کے نبیوں نے نشان کھلائے تو ان نشانوں کو دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہ لائے۔ کیونکہ وہ نشان دیکھنے سے پہلے تکذیب کر چکے تھے۔ اسی طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے جو اس قسم کے کافر ہیں جو نشان سے پہلے ایمان نہیں لاتے۔

یہ تمام آیتیں اور ایسا ہی اور بہت سی آیتیں قرآن کریم کی جن کا اس وقت لکھنا موجب طوالت ہے۔ بالاتفاق بیان فرما رہی ہیں کہ نشان کو طلب کرنے والے مورد غضب الٰہی ہوتے ہیں اور جو شخص نشان دیکھنے سے ایمان لاوے اس کا ایمان منظور نہیں۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۳۲ تا ۳۳۴، خزائن ج۵ ص۳۳۲ تا ۳۳۴)

فصل دوم

مرزا قادیانی کی پیشین گوئیوں کے پورے نہ ہونے کی معذرت

جب مرزا قادیانی نے معجزہ دکھانے سے مطلق انکار کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت ﷺ نے بھی معجزہ دکھانے سے انکار کیا تو آپ کو یہ دقت محسوس ہوئی کہ آخر نبوت کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل یا معیار تو ہونا چاہئے۔ جس کی بناء پر لوگ مجھے نبی تسلیم کر لیں۔ لہٰذا آپ نے اپنی نبوت منوانے کے لئے اپنی پیش گوئیوں کو معیار کے طور پر پیش کیا اور انہیں پیشین گوئیوں پر اپنی نبوت کا تمام تر انحصار رکھا۔ چنانچہ جن الفاظ میں آپ نے نبی کی تعریف کی ہے وہ از قرار ذیل ہیں۔

۱...... ''نبوت صرف آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی والہام ہو۔''

(چشمہ معرفت ص۱۸۱، خزائن ج۲۳ ص۱۸۹)

۲...... ''نبی ایک لفظ ہے جو عربی و عبرانی میں مشترک ہے یعنی عبرانی میں اسی لفظ کو نابی کہتے ہیں اور یہ لفظ نابا سے مشتق ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں خدا سے خبر پا کر پیشین گوئی کرنا۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص۳، خزائن ج۱۸ ص۲۰۹،۲۱۰)

۳...... ''ہم خدا کے ان کلمات کو جو نبوت یعنی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہوں۔ نبوت کے اسم

سے موسوم کرتے ہیں اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشین گوئیاں بذریعہ وحی دی جائیں۔ اس کا نام ہم نبی رکھتے ہیں۔'' (تشحیذ الاذہان ج۱۰ ص۲، ماہ فروری ۱۹۱۵ء)

۴...... ''اور ہمارے مخالف مسلمان مکالمہ الٰہیہ کے قائل ہیں لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشین گوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ حالانکہ نبوت آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی الہام ہو۔''

(چشمہ معرفت ص۱۸۱، خزائن ج۲۳ ص۱۸۹)

۵...... ''منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں ہیں جن کے رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے تھے۔'' (ایک غلطی کا ازالہ ص۳، خزائن ج۱۸ ص۲۰۹)

۶...... ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ایسا مکالمہ ومخاطبہ کرے جو بلحاظ کمیت وکیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو اور اس میں پیش گوئیاں کثرت سے ہوں۔ اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں۔'' (بدر ۵/مارچ ۱۹۱۲ء، ملفوظات ج۱۰ ص۱۲۷)

مرزا قادیانی نے تو بدانست خود نبوت کو ٹکے سیر بنا ہی لیا تھا۔ لیکن مسلمانوں پر یہ ارزانی بے حد گراں گذری۔ پس کیا تھا مسلمانوں نے ان کی ہر ایک پیشین گوئی کی وہ درگت بنائی کہ خدا کی پناہ۔ مسلمانوں نے خاص کر مرزا قادیانی کی ان ہی پیش گوئیوں کو اپنی پیش نظر رکھا۔ جن کے متعلق مرزا قادیانی نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر یہ پیش گوئیاں پوری ہوئیں تو میں سچا ہوں اور اگر غلط نکلیں تو میں جھوٹا ہوں۔ مرزا قادیانی کی اس قسم کی پیشین گوئیاں ازقرار ذیل ہیں۔

۱...... عبداللہ آتھم صاحب کی موت کی پیشین گوئی۔
۲...... نکاح آسمانی کی پیشین گوئی۔
۳...... لیکھرام کی موت کی پیشین گوئی۔
۴...... طاعون کی پیشین گوئی۔
۵...... مولوی ثناء اللہ صاحب کی موت کی پیشین گوئی۔
۶...... اپنے ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی وغیرہ ذالک!

مرزا قادیانی نے جب دیکھا کہ مولوی صاحبان بری طرح پیچھے پڑ گئے تو آپ نے اپنی پیشین گوئیوں کے پورے نہ ہونے کے متعلق تین طرح کی معذرت پیش کی۔

معذرت اوّل......دشنام دہی

جب عبداللہ آتھم صاحب کی موت کی پیشین گوئی غلط نکلی تو عیسائیوں سے زیادہ مسلمان خوش ہوئے اور مرزا قادیانی کو بے حد تنگ کرنے لگے۔ تب مرزا قادیانی بطور معذرت مولوی صاحبان کو خطاب کرتے ہیں کہ: ”اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا۔“ (انجام آتھم ص۲۱ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۰۵)

”دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہیت کے لائق خنزیر ہے۔ مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے لئے حق اور دیانت کی گواہی کو چھپاتے ہیں۔ اے مردار خوار مولویو اور گندی روحو تم پر افسوس کہ تم نے میری عداوت کے لئے اسلام کی سی گواہی کو چھپایا۔ اے اندھیرے کے کیڑو! تم سچائی کی تیز شعاعوں کو کیونکر چھپا سکتے ہو۔“

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۱ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۰۵)

”مگر کیا یہ لوگ قسم کھائیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۵ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۰۹)

ناظرین! آپ یہ نہ سمجھیں کہ مرزا قادیانی نے صرف مولویوں پر صفراً توڑا ہے۔ نہیں بلکہ مسیحیوں کو ایسی گندی گالیاں دی ہیں کہ یقیناً کوئی بدزبانی سے بدزبان شخص بھی نہیں دے سکتا ہے۔ چونکہ اس معذرت نامہ کو ہم نے صرف مسلمانوں تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس لئے ہم اپنے متعلق کچھ نہیں لکھیں گے۔

معذرت دوئم......تاویلات

جب مرزا قادیانی کی گالیاں بھی ختم ہوئیں اور مسلمان بدستور آپ کی مخالفت پر ڈٹے رہے۔ تب مرزا قادیانی نے اپنی پیشین گوئیوں کے پورے نہ ہونے کی اندر قرار ذیل تاویلات کیں۔

۱...... ”پیشین گوئیوں پر استعارات کا رنگ غالب ہوتا ہے۔“

(نزول المسیح ص۴۰، خزائن ج۱۸ ص۴۱۸)

۲...... ”پیشین گوئیوں کے اوقات معینہ قطعی الدلالت نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ان میں استعارات بھی ہوتے ہیں کہ دن بیان کئے جاتے ہیں اور ان سے برس مراد لئے جاتے ہیں۔“

(ازالہ اوہام ص۴۰۴، خزائن ج۳ ص۳۰۹)

۳...... ’’وعید کی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا بموجب نصوص قرآن وحدیث کے ضروری نہیں۔‘‘
(حقیقت الوحی ص ۳۸۸،۳۸۹، خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۲)

۴...... ’’کبھی خدا وعدہ کر کے پورا نہیں کرتا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص ۱۷۷ حاشیہ، خزائن ج ۲۲ ص ۱۸۳)

مسلمانوں کو ان تاویلات سے کیا تسلی ہوسکتی تھی۔ وہ بدستور مرزا قادیانی کی مخالفت پر جمے رہے اور ان تاویلات کے تاروپود بکھیر کر سامنے رکھ دیئے۔ بالآخر مرزا قادیانی نے وہی کہا جو ان کے دل میں تھا۔ یعنی یہ معذرت کی کہ ان پیشین گوئیوں کے سمجھنے میں مجھ سے ویسا ہی غلطی ہوئی جس طرح پر آنحضرت ﷺ سے ہوئی تھی اور اگر میری پیشین گوئی پوری نہیں ہوئیں تو کون سی بڑی بات ہے جب خود آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی غلط نکلیں۔ (معاذ اللہ! مرتب) چنانچہ آپ کی عبارات حسب ذیل ہیں۔

معذرت سوئم ...... آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی غلط نکلیں

’’کیا وہ اس بات کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ جس قسم کا کوئی اعتراض انہوں نے ان پیشین گوئیوں کی نسبت یا کسی اجتہادی غلطی کی نسبت کیا ہے۔ دوسرے انبیاء کی پیشین گوئیوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ قطع نظر دوسرے انبیاء کے خود ہمارے نبی ﷺ جو سب نبیوں سے افضل اور اعلیٰ اور خاتم الانبیاء تھے اس قسم کی اجتہادی غلطی سے محفوظ نہیں رہے۔ کیا حدیبیہ کا سفر اجتہادی غلطی نہ تھا۔ کیا یمامہ یا ہجر کو اپنی ہجرت کا مقام خیال کرنا اجتہادی غلطی نہ تھی۔ کیا اور بھی اجتہادی غلطیاں نہ تھیں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے۔ پس اس قسم کے کمینے حملے جن کے دائرہ کے اندر آنحضرت ﷺ بھی آجاتے ہیں کسی مسلمان کا کام نہیں بلکہ ان لوگوں کا کام ہے جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص ۳۹۰، خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۵)

پھر مرزا قادیانی آنحضرت ﷺ کی غلطیوں کو تفصیل وار یوں بیان کرتے ہیں کہ: ’’یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسے امور میں جو عملی طور پر سکھائے نہیں جاتے اور نہ ان کی جزئیات خفیہ سمجھائی جاتی ہیں۔ انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو وخطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بناء پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لئے موجب ابتلاء کا ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل در منزل طے کر کے اس بلدہ مبارکہ تک پہنچے۔ مگر کفار نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس رؤیا کی تعبیر ظہور میں نہ آئی۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسی امید پر سفر کیا تھا کہ اب کے سفر میں ہی طواف میسر آجائے گا اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی خواب وحی میں داخل ہے۔ لیکن اسی وحی کے

اصل معنے سمجھنے میں جو غلطی ہوئی۔ اس پر متنبہ نہیں کیا گیا تھا۔ تب ہی تو خدا جانے کئی روز تک مصائب سفر اٹھا کر مکہ معظّمہ میں پہنچے۔ اگر راہ میں متنبہ کیا جاتا تو آنحضرت ﷺ ضرور مدینہ منورہ میں واپس آجاتے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کئے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لمبے ہاتھ ہیں وہی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ اسی وجہ سے باوجودیکہ آپ کے روبرو باہم ہاتھ ناپے گئے۔ مگر آپ نے منع نہ فرمایا کہ یہ حکمت تو خلاف منشا پیش گوئی ہے۔ اسی طرح ابن صیاد کی نسبت صاف طور پر وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت ﷺ کا اوّل اوّل یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ مگر آخر میں یہ رائے بدل گئی تھی۔ ایسا ہی سورۂ روم کی پیشین گوئی کے متعلق جو ابوبکر صدیقؓ نے شرط لگائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے صاف فرمایا کہ بضع کا لفظ لغت عرب میں نو برس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس سال تک یہ پیش گوئی پوری ہوگی۔ ایسا ہی وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں۔ ’’فذهب وهلی الیٰ انه الیمامة او الهجر فاذا هی المدینة یثرب‘‘ صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے پیش گوئی کا محل ومصداق سمجھا تھا۔ وہ غلط نکلا۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۶۸۷ تا ۶۹۰، خزائن ج۳ ص۴۷۱ تا ۴۷۲)

مرزا قادیانی کی معذرت انہی کی زبانی تو آپ نے پڑھ لی۔ اب آپ کے مریدوں کی بھی سن لیں۔

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کی غلطیاں، مرزا کے مریدوں کی زبانی

’’ایضاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے ’’لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء الله اٰمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون نعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذالک فتحاً قریباً‘‘ اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ساتھ اصحاب کے آپ مکہ کو تشریف لے گئے اور وہاں بفراخ خاطر عمرہ کیا۔ یہ خواب آپ نے اصحاب سے بیان کیا۔ چونکہ اشتیاق زیارت کعبہ معظّمہ کا از حد تھا۔ مکہ کے چلنے کی تیاری کردی اور آنحضرت ﷺ بھی ہمراہ ان کے روانہ ہوئے۔ جب قریب مکہ معظّمہ کے پہنچے کفار قریش مانع آئے اور آخر کار وہیں پر آپ کے اور قریش کے مصالحہ ہوا اور یہ قول وقرار ہوا کہ اس سال میں عمرہ نہ کریں۔ سال آئندہ میں آکر کریں۔ صحابہ اس بات سے بہت ملول ہوئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس پیشین گوئی کے تعین وقت میں صحابہ کرام

سے بھی خطا واقع ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی رائے عالی بھی اولاً صحابہ کرام کے ہی موافق رہی۔ لیکن اصل حال یہ تھا کہ خواب بے شک سچا تھا۔لیکن اس میں کچھ اسی سال کی تعین نہ تھی۔‘‘

(آئینہ حقیقت نما ص۶۲،۶۳)

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی مشہور ومعروف کتاب ’’الہامات مرزا‘‘ میں مرزا قادیانی کے ایک مرید کا خط نقل کیا ہے جس میں وہ مرید مرزا قادیانی کو لکھتے ہیں کہ:’’اب کیا یہ پیشین گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری ہوگئی؟ نہیں ہرگز نہیں۔عبداللہ آتھم اب تک صحیح وسالم موجود ہے اوراس کو بہ سزائے موت ہاویہ میں نہیں گرایا گیا۔‘‘ مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب میں مصنف آئینہ حقیقت نما لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی تو اس میں کون سی قباحت ہے جب کہ خود آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی پوری نہیں ہوئیں۔آپ کی عبارت ازقرار ذیل ہے۔

’’واقعہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید میں دیتے ہوئے وعدہ الٰہی کے موافق صحابہؓ کو ساتھ لے کر بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا اوراس خیال سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو۔حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ذوالحلیفہ (مدینے سے ۶میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔چنانچہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے۔جب مکہ معظّمہ دو میل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کرلیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔بالآخر حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ نے مکہ بھیجا۔مکہ والوں نے ان کو روک رکھا اور یہ مشہور ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔اس پر آنحضرت ﷺ نے چودہ سو صحابہ سے جہاد پر بیعت لی۔چونکہ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے تھی۔اس لئے اس واقعہ کو بیعت الشجرہ کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت ’’لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذا یبایعونک تحت الشجرة‘‘ کی مناسبت سے بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔بہرحال جن جنگی تیاریاں ہورہی تھیں۔قریش اس امر پر مصر تھے کہ آنحضرت ﷺ ہرگز مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔‘‘

اب ایک طرف تو قرآن مجید کا تاکیدی وعدہ بشارت ’’لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون (فتح)‘‘

دوسری طرف آنحضرت ﷺ نے ان شرائط پر معاہدہ کیا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آنحضرت ﷺ کے ہاں چلا جاوے تو آنحضرت ﷺ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے پاس واپس آجاوے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں گیا تھا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو تسلی نہ ہوئی۔ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔

یارسول اللہ کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

جناب رسول اللہ ﷺ: بے شک ہوں۔

حضرت عمرؓ: کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

جناب رسول اللہ ﷺ: ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ: پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ: میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ واقعہ اہل حدیث کے ایڈیٹر اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری مولوی فاضل کو معلوم ہونا چاہئے تھا۔ بظاہر الفاظ نبی کریم ﷺ گویا دب کر صلح کرتے ہیں۔ بحالیکہ آپ ایک رؤیا صالحہ اور وعدہ الٰہی کے ماتحت مکہ کو آرہے تھے اور یقین کامل تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوں گے۔ اگر اس رؤیا کی بنا پر آپ یقین نہ رکھتے تھے تو مدینہ سے کوچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

آپ کا کوچ بتاتا ہے کہ آپ کامل یقین کے ساتھ روانہ ہوئے اور یہاں دب کر صلح کرنی پڑی۔ اس پیش گوئی کے موقعہ پر کہاں دوست اور دشمن نے اقرار کیا کہ پوری ہوگئی؟ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل الشان صحابی کو تردد ہوا اور تردد بھی ایسا کہ آداب الرسول کی پروانہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے جاکر استفسار کیا اور متردد رہے۔'' (آئینہ حقیقت نماص۱۰۲،۱۰۴)

نیز یہی مصنف لکھتا ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ کو الہام منامی میں آپ کی ہجرت کی جگہ ایسی دکھائی گئی جس میں درخت خرما تھے۔ اس کی تعبیر آپ کے خیال میں یہ آئی کہ وہ یمامہ ہے یا موضع ہجر۔ مگر یہ خیال واقع کے مخالف نکلا۔ وہ ہجرت گاہ مدینہ طیبہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ

نے خود اس امر کا اظہار فرمایا۔

''جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنے سمجھنے میں سید الملہمین وخاتم المرسلین کو شک واشتباہ واقع ہوا اور الہام دوم کے معنے سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی مخالف نکلا تو پھر مؤلف براہین احمدیہ کا (جو نبی نہیں ہے صرف نبی آخرالزمان کے خادموں اور امتیوں سے ہے) ایک لفظ الہامی غیر زبان کے سمجھنے میں غلطی کرنا (جس سے نہ کوئی گمراہی مخلوق متصور ہے نہ اس سے الہام یا ملہم کی کسی خبر کی نسبت خلاف گوئی ثابت ہوتی ہے) کون سا محل تعجب وانکار ہے۔'' (آئینہ حقیقت نما ص۶۰،۶۱)

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا قادیانی کے مریدوں کی زبانی

ایڈیٹر اخبار الفضل جو ایک مشہور قادیانی اخبار ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خطاب کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

۲...... مولوی ثناء اللہ صاحب ''اہل حدیث'' ۲۸؍فروری ۱۹۳۰ء حضرت مسیح موعود (مرزاقادیانی) کے الہامات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مرزاقادیانی کو جب کوئی الہام ہوتا تھا تو آئندہ چل کر اس کے جو جو معانی تراشے جاتے تھے۔ اس وقت نہ ان کو نہ ان کے الہام کنندہ کو خبر ہوتی تھی۔ بلکہ جیسا موسم ایسا پھل توڑ لیتے تھے۔''

ایک مخالف اور متعصب مخالف سے سوائے اس کے کوئی توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ عامیانہ اور غیرسنجیدہ انداز میں اعتراض کرے اور خدا کا خوف دل سے نکال کر ملہم کے علاوہ الہام کنندہ پر بھی حرف لائے۔ لیکن کسی رؤیا اور الہام کا مفہوم سمجھنے میں کوتاہی ہوجانا کوئی ایسی بات نہیں جو ملہم کی صداقت کے خلاف ہو۔ ایک نبی انسانوں کے مقابلہ میں بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن خدا کے سامنے تو ایک انسان ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ایسے حالات میں سے گذرنا پڑتا ہے جو خدا اور انسان میں امتیاز بتاتے ہیں۔ اسی لحاظ سے اور تو اور خود سرور دو عالم ﷺ کے متعلق بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعض رؤیا کا جو مفہوم انسانی علم اور قیاس سے سمجھا خداتعالیٰ کے نزدیک اس کے بجائے اور تھا اور اس کا پتہ اسی وقت لگا۔ جب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ چنانچہ آیا ہے۔

''عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال رأیت فی المنام انی اھاجر من مکۃ الیٰ ارض بھا نخل فذھب وھلی الیٰ انھا الیمامۃ اوھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب (ابن ماجہ باب تعبیر الرویا ص ۲۸۹)'' کہ ابوموسیٰ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ شہر سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجور کے

درخت ہیں۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی وہ شہر یمامہ یا ہجر ہے۔ لیکن بعد میں وہ شہر مدینہ یثرب نکلا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس رؤیا کا جو مطلب سمجھا وہ درست نہ تھا اور جب مکہ شریف میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی تب اس کے اصل معنی کھلے اور آپ ﷺ نے اس کشف کو مدینہ کی ہجرت پر چسپاں کیا۔

مگر اس حدیث کو پیش کر کے کوئی غیر مسلم رسول کریم ﷺ کے متعلق وہی الفاظ استعمال کرے جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے متعلق لکھے ہیں تو وہ کیا جواب دے سکتے ہیں۔ ''ماھو جوابکم فھو جوابنا'' (الفضل مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۳۰ء)

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا کے مریدوں کی زبانی

۳...... ایڈیٹر تشحیذ الاذہان مرزا قادیانی کے ازالہ اوہام ص۱۸۱ کی عبارت کے متعلق جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ: ''اب ایک تاریخی واقعہ ہے اور تمام مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے کہ چنانچہ مولوی محمد حسن صاحب اپنی تفسیر غایۃ البرہان میں لکھتے ہیں۔ چھٹے سال ہجرت میں حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ مکہ میں ہم عمرہ کے لئے گئے ہیں اور حلق کیا ہے اور صحابہ سے فرمایا کہ تم داخل ہوگے مکہ میں، اگر خدا نے چاہا امن والے ہو کر سر منڈواتے اور ترشوانے والے...... پس خود صحابہ کے ساتھ سوائے شمشیر کے دوسرے ہتھیار کے بغیر مکہ کو روانہ ہوئے...... اور اہل مکہ کے پندرہ سو آدمی یہ سن کر مسلح ہوگئے اور انہوں نے عروہ بن مسعود کو حال کے دریافت کے لئے بھیجا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرہ کے قصد پر آیا ہوں نہ جنگ کے لئے۔ لیکن انہوں نے مکہ میں آنے کی اجازت نہ دی...... اہل مکہ نے سہل بن عمرو کو صلح کے لئے بھیجا اور صلح اس پر ٹھہری کہ اگلے سال عمرہ کی اجازت نبی کو ہوگی جو تعبیر خواب کا منشا تھا...... اور عمر فاروقؓ نے جوش اسلام سے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ نبی ہیں؟ کیا آپ نے نہ فرمایا تھا کہ اس سال مکہ میں ہم داخل ہوں گے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی امید پر سفر کیا تھا نہ صرف خود بلکہ بہت سے صحابہؓ کو ساتھ لیا کہ اب کے سفر میں طواف میسر آجائے گا۔ مگر منشاء الٰہی یہ نہ تھا اور اس وحی کے اصل معنی سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہوگئی۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وحی غلط نکلی۔ خواب جو بمنزلہ وحی تھا وہ تو بالکل سچا نکلا۔ مگر اس کے لئے جو وقت سمجھ لیا گیا وہ صحیح نہ تھا اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ بلکہ جیسا کہ میں نے ثابت کیا۔ خود مفسرین نے اسے بڑے وثوق کے

ساتھ لکھا۔اسی طرح کی تین اور مثالیں حضرت اقدس نے بیان کیں ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے فرمایا وفات کے بعد سب سے پہلے مجھے لمبے ہاتھوں والی بی بی ملے گی۔’’اسرع بی لحوقاً اطولکن یدا ‘‘اس پر سب بیبیوں نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے۔ آپ نے منع نہ فرمایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سخی مراد تھی۔ دوم یہ کہ حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ ابن صیاد دجال ہے۔آپ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔دیکھو مشکوٰۃ باب قصہ ابن صیاد ’’قال انی سمعت عمر یخلف علیٰ ذلک عند النبی ﷺ فلم ینکرہ النبی ﷺ متفق علیہ‘‘

سوم یہ کہ’’فذہب وھلی الیٰ انہ الیمامۃ والھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب ‘‘ ہجرت کا مقام دکھایا گیا تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرماتے ہیں کہ میں سمجھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے۔مگر مدینہ یثرب نکلا۔اس پر حضور مسیح موعود نے لکھا ہے صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنخضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے پیش گوئی کا محل ومصداق سمجھا تھا غلط نکلا۔‘‘

(تشحیذ الاذہان ص۱۰،۱۱، مورخہ جنوری ۱۹۱۸ء)

آنخضرت ﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا قادیانی کے مریدوں کی زبانی

۴...... ایک اور قادیانی اخبار الفضل میں لکھتا ہے کہ:

نبی سے سہو ونسیان کا امکان

’’مخالفین احمدیت کی بھی عجیب حالت ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ ہمارا اعتراض صرف مرزا قادیانی پر نہیں بلکہ آنخضرت ﷺ پر بھی پڑتا ہے۔ گویا مرزا قادیانی کی مخالفت میں وہ آنحضور ﷺ پر اعتراض کرنے سے بھی خوف نہیں کرتے۔ان کا مقصود صرف حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) پر اعتراض کرنا اور لوگوں کو حق کے قبول کرنے سے روکنا ہوتا ہے۔ چونکہ انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں۔اس لئے سہو ونسیان انہیں بھی لاحق ہوتا ہے۔مگر یہ ان کے کذب کی نہیں بلکہ صداقت کی علامت ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا سہو ونسیان لوگوں کے اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ یہ بناوٹ وتصنع سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ:’’ھذا خلیفۃ اللہ المھدی ‘‘ کی حدیث بخاری میں ہے۔ یہ جھوٹ ہے اور یہ ان کے کذب پر دلیل ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں کئی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ خود حضور (مرزا قادیانی) نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ صحیحین میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث نہیں۔ جب حضور (مرزا قادیانی) خود اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بخاری میں مہدی کے متعلق کوئی

حدیث نہیں تو صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ بات کہ حضور (مرزا قادیانی) کو اس امر کا علم نہیں غلط ہے۔ بلکہ علم ہے مگر سہواً ایسا ہوگیا۔ آپ چونکہ دن رات تصنیف میں مشغول رہتے۔ ہر وقت لکھنا آپ کا کام تھا۔ بیسیوں کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ اس لئے اس قسم کا سہو ہو جانا معمولی بات ہے۔ مگر یہ بات ہمارے مخالفین نہیں مانتے۔ بلکہ اس کو کذب ہی قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سہوانبیاء کی شان کے خلاف نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے نسیان ظہور میں آیا بلکہ آپ نے فرمایا: ''انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون'' کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح بھول جاتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ کے متعلق بخاری اور مسلم دونوں میں ایک حدیث آتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ بجائے چار رکعت کے دو پر سلام پھیرا اور مصلے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول آیا نماز چھوٹی ہوگئی ہے یا آپ بھولے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کل ذلک لم یکن'' کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز چھوٹی ہوئی ہے۔ آخر آپ نے دوسروں سے دریافت کیا تو آپ کو اپنے سہو کا علم ہوا اور آپ نے بقیہ رکعات پڑھائیں اور سجدہ سہو کے بعد سلام پھیرا۔

اس حدیث نے بیّن طور پر یہ ظاہر کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کے قول اور فعل دونوں میں سہو ہوا۔ پس اگر آپ سے سہو ونسیان کا ظہور ہو سکتا ہے تو مرزا قادیانی سے صرف ایک حوالہ میں سہو ہو جانے پر اعتراض کئے جانا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر اگر یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب میں بھی نہ پائی جاتی تو یہ اعتراض کچھ حقیقت رکھتا۔ مگر جب کہ یہ اور کتابوں میں موجود ہے تو صرف اتنی ہی بات کہ بخاری کا حوالہ کیوں دیا۔ اعتراض کرنا دوراز انصاف ہے۔ وہ لوگ جو سہو کو کذب کی دلیل گردانتے ہیں کیا وہ آنحضور ﷺ کے اس سہو کو بھی (نعوذ باللہ) آپ کے کذب پر محمول کریں گے۔ ایک اور حدیث ہے جو اس اعتراض کا کافی وشافی جواب ہے۔

''عن ابی ابن کعب ان رسول اللہ ﷺ قال لہ ان اللہ امرنی ان اقراء علیک القراٰن فقراء علیہ لم یکن الذین کفروا وقراء فبھا ان الذین عند اللہ الخیفۃ المسلمۃ لا الیھودیۃ ولا انصرانیۃ ولا المجوسیۃ من یعمل خیراً فلن یکفرہ وقرأ علیہ لو ان لا بن ادم وادیاً من مال لا تبغی الیہ ثانیاً ولو کان لہ ثانیا لا تبغی الیہ ثالثاً ولا یملأ جوف ابن ادم التراب ویتوب اللہ علے من تاب''

ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن کریم پڑھوں۔ پس آپ نے سورۂ ’’لم یکن الذین کفروا‘‘ پڑھی اور اس میں یہ خط کشیدہ آیات پڑھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ آیات قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ اگر یہ آیات قرآن پاک میں موجود نہیں اور واقعی نہیں تو کیا یہ اسی قسم کا سہو نہیں جیسا کہ مرزا قادیانی سے ظہور میں آیا۔ پس جو جواب ہمارے مخالفین کے پاس اس سہو کا ہو وہی جواب ہمارا سمجھنا چاہئے۔ درحقیقت بات وہی ہے جو آنحضورﷺ نے فرمائی۔ ’’انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون‘‘ کہ میں بھی تمہاری طرح بھول جاتا ہوں اور بھولنا شان نبوت کے خلاف نہیں۔ پس ایسے سہو ونسیان پر یہ اعتراض کرنا محض تعصب کی دلیل ہے۔ مخالفین کو چاہئے کہ وہ اعتراض کرتے وقت یہ دیکھ لیا کریں کہ یہ ان کے کسی مسلمہ نبی پر تو نہیں پڑتا۔ خدا تعالیٰ ان کو اس کی توفیق دے۔‘‘ خاکسار: عبدالکریم جالندھری

(الفضل مورخہ ۱۵؍فروری ۱۹۲۷ء)

آنحضرتﷺ کی پیشین گوئی غلطیاں مرزا کے مریدوں کی زبانی

۵…… تیسری شہادت صادقہ: حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا تھا: ’’رسول کریمﷺ کو بھی آسمان سے ہی خبر ملی تھی کہ مسیلمہ کذاب آپ کی زندگی میں فنا ہو جائے گا مگر وہ فنا نہ ہوا۔‘‘

(اہل حدیث ۱۳؍جولائی)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس حوالہ کے مطالبہ میں جس تکبر، غرور اور نخوت کا اظہار کیا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ لکھا ہے: ’’دن کی روشنی میں ڈاکہ مارنا آسان ہے۔ مگر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کہ خدا کے فضل سے احادیث رسول کے جاننے والے بلکہ یاد رکھنے والے بیشمار ہیں۔ کسی جھوٹی حدیث کو پیش کر کے دھوکہ دے جانا ڈاکہ زنی سے زیادہ مشکل ہے۔‘‘

پھر کذب بیانی کے سلسلہ کو لمبا کرنے کے بعد لکھا ہے: ’’بتائیے یہ حدیث کس کتاب میں ہے جس میں حضورﷺ نے ارشاد فرمایا ہو کہ مسیلمہ کذاب میری زندگی میں فنا ہو جائے گا۔‘‘

کتاب اور حدیث کو پیش کرنے سے پیشتر ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کسی مامور کے متعلق کسی پیش گوئی کا اس کے جانشین یا اتباع کے ذریعہ پورا ہونا بھی دراصل اس نبی یا متبوع کے ذریعہ پورا ہونا ہی ہوتا ہے۔ اس سے نبی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ جس طرح آنحضرتﷺ نے اسید بن ابی العیص کو رویا میں مکہ کا مسلمان والی دیکھا۔ مگر اس سے مراد اس کا جسمانی ولد عتاب تھا۔ (تاریخ الخمیس ج۲ ص۱۱۱)

اسی طرح اگر نبی کی پیش گوئی اس کے کسی روحانی فرزند کے ذریعہ پوری ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی الٰہی اصول کے مطابق خلیفۃ المسیح اوّل نے محمدی بیگم کے متعلق معترضین کو ایک جواب دیا تھا کہ آئندہ نسل میں ہو جائے گا۔ مگر نادانوں نے اسے تمسخر میں اڑانا چاہا۔

غرض ہمارے عقیدہ کے مطابق مسیلمہ کے خلاف عمرؓ میں نیست و نابود ہونے سے بھی مندرجہ بالا پیش گوئی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مولوی صاحب دریافت کرتے ہیں کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ جناب یہ بخاری شریف میں ہے۔ جھوٹی حدیث نہیں بلکہ صحیح حدیث ہے۔ ’’اصح الکتاب بعد کتاب اللہ‘‘ میں ہے اور وہ یہ ہے:

’’عن ابن عباسؓ قال قدم مسیلمۃ الکذاب علی عہد رسول اللہ ﷺ فجعل یقول ان جعل لی محمد الامر من بعدہ تبعتہ وقدمہا فی بشر کثیر من قومہ فاقبل الیہ رسول اللہ ﷺ ومعہ ثابت بن قیس بن شماس وفی ید رسول اللہ ﷺ قطعۃ جرید حتی وقف علے مسیلمۃ فی اصحابہ فقال لو سالتنی ہذہ القطعۃ ما اعطیتکہا ولن تعدو امر اللہ فیک ولئن ادبرت لیعقرنک اللہ وانی لارک الذی اریت فیک مارأت فاخبر ابوہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما انا نائم رأت فی یدی سوارین من ذہب فاہمنی شانہما فاوحی الیٰ فی المنام ان انفخہما فنفختہما فطارا فادلتہما کذا بین یخرجان بعدی فکان احدہما العنسی والآخر مسیلمۃ الکذاب صاحب الیمامۃ (بخاری باب علامات النبوت ج۲ ص ۱۸۸) ‘‘ مسیلمہ کذاب ایک گروہ کثیر کو لے کر آیا۔ آنحضرت ﷺ بہمراہی ثابت بن قیس اس کے پاس تشریف لائے اور حضور ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ تھی۔ مسیلمہ نے کہا کہ اگر محمد (ﷺ) اپنے بعد خلافت میرے سپرد کر دیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو امر الٰہی سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر تو پیٹھ پھیرے گا تو خدا تجھے تباہ کرے گا۔ میرے خیال میں تو وہی ہے جس کے متعلق مجھے رؤیا دکھائی گئی ہے۔ پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے رؤیا میں اپنے ہاتھوں سے سونے کے دو کنگن دیکھے جو مجھے بہت بڑے معلوم ہوئے۔ اسی حالت میں مجھے بذریعہ وحی کہا گیا کہ ان پر پھونک مارو۔ میں نے ان دونوں پر پھونکا اور وہ دونوں اڑ گئے۔ پھر میں نے ان دو کڑوں سے دو کذاب مراد لئے جو میرے برخلاف کھڑے ہوں گے۔ ایک ان سے اسود العنسی ہے اور دوسرا مسیلمۃ الکذاب۔

آنحضرت ﷺ نے دو کنگن دیکھے۔ ایک سے مراد مسیلمہ ہے اور دوسرے سے اسود۔

دونوں کنگن آنحضرت ﷺ کے نفخ سے اڑ گئے۔ یعنی دونوں کذاب حضور ﷺ کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوں گے۔

کیا اس صحیح حدیث میں مسیلمہ کے لئے عذاب کی نص کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی وحی سے یہ ظاہر نہیں کہ وہ آپ کی پھونک سے اڑ جائے گا؟ ’’رؤیا الانبیاء وحی (بخاری)‘‘

اب اگر مولوی ثناء اللہ صاحب میں دیانتداری کا ایک ذرہ بھی موجود ہے تو ان کا فرض ہے کہ یا تو اس حدیث کو جھوٹی حدیث ثابت کریں ورنہ ان تمام الفاظ کو جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی شان مبارک میں لکھے ہیں حضور ﷺ کے ایک ادنیٰ ترین خادم کے ذریعہ اپنی طرف منسوب کرلیں اور مقررہ انعام ادا کریں۔‘‘

چوتھی شہادت صادقہ

مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ اس شہادت میں تو جی کھول کر جھوٹ بولا گیا ہے۔ خلیفہ صاحب کہتے ہیں۔ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دیئے جانے کی خبر بھی آسمان ہی سے ملی تھی۔ مگر وہ کنجیاں آپ (آنحضرت ﷺ) کی زندگی میں نہ ملیں۔ (اہل حدیث مورخہ ۱۳؍جولائی)

افسوس مولوی صاحب نادانستہ طور پر دھوکہ دے رہے ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح نے ارشاد فرمایا ہے وہ الفاظ بعینہ حدیث میں درج ہیں۔ آخر انسانیت اور شرافت بھی کوئی چیز ہے۔ مولوی صاحب نے اس حوالہ پر بھی سو روپیہ مقرر کیا ہے۔ لیجئے حوالہ حسب ذیل ہے: ’’**بینا انا نائم اوتیت مفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی**‘‘ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں۔ پس وہ میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ (بخاری کتاب الجہاد ج۲ ص۱۱۱)

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ کنجیاں اصالتاً آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آئیں؟ ہرگز نہیں۔ خود اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کے ساتھ ہی فرماتے ہیں: ’’**وقد ذھب رسول اللہ ﷺ وانتم تنشلونھا**‘‘ یعنی آنحضرت ﷺ تو تشریف لے گئے۔ اب تم ان خزانوں کو جمع کرتے ہو۔

یہ واضح اور بین حوالہ پیش کر کے ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ اب مولوی صاحب کا فرض ہے کہ اپنے عہد کو پورا کریں۔ (الفضل مورخہ ۲؍جولائی ۱۹۲۸ء)

فصل سوم

مرزا قادیانی کی دشنام دہی کی معذرت

مسلمانوں نے مرزا قادیانی کی سبّابی اور فحش گوئی پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جس کو ہم خود مرزا قادیانی کی عبارت ہی میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ: ''پہلی نکتہ چینی اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت[1] الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشتعل ہوکر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم کی بے ادبی کی اور پر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔ قرآن شریف میں صریح حکم وارد ہے کہ مخالفین کے معبودوں کو سب وشتم سے یاد مت کرو تا کہ وہ بھی بے سمجھی اور کینہ سے خدا تعالیٰ کی نسبت سب وشتم کے ساتھ زبان نہ کھولیں۔ لیکن اس جگہ برخلاف طریق ماموریہ کے سب وشتم سے کام لیا گیا۔''

(ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۲، خزائن ج۳ ص۱۰۸)

مرزا قادیانی اس اعتراض کی ازقرار ذیل معذرت پیش کرتے ہیں کہ:

مرزا قادیانی کی دشنام دہی کی معذرت کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے

''اما الجواب...... تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ ہرگز ایسے نہیں جن کے سننے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدائے تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ: ''انتم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم ''معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شرالبریہ قرار دینا اور تمام ردی اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کے رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوا۔ کیا خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں ''واغلظ علیھم ''نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں ''اشداء علی الکفار ''نہیں رکھا گیا۔'' (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۱۳ تا ۱۵، خزائن ج۳ ص۱۰۸، ۱۰۹)

---

[1] اگر آپ مرزا قادیانی کی ان گالیوں کا نقشہ ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے منجی کو دی ہیں تو ہمارا رسالہ ''عیسیٰ اور یسوع'' کو دیکھئے۔ ایڈیٹر!

آگے چل کر پھر آپ لکھتے ہیں کہ: قرآن شریف جس بلند آواز سے سخت زبانی کے طریق استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً زمانہ حال کے مہذبین کے نزدیک کسی پر لعنت بھیجنا ایک سخت گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف کفار کو سنا سنا کران پر لعنت بھیجتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:''**اولئک علیھم لعنت اللہ والملائکۃ والناس اجمعین خالدین فیھا** (سورۃ بقر جز ۲) **اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم الاعنون** (جز ونمبر ۲)'' ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی انسان کو حیوان کہنا بھی ایک قسم کی گالی ہے۔ لیکن قرآن شریف نہ صرف حیوان بلکہ کفار اور منکرین کو دنیا کے تمام حیوانات سے بدتر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:''**ان شرا لدواب عند اللہ الذین کفروا**'' ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی خاص آدمی کا نام لے کر یا اشارہ کے طور پر اس کو نشانہ بنا کر گالی دینا زمانہ حال کی تہذیب کے برخلاف ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن میں بعض کا نام ابولہب اور بعض کا نام کلبہ اور خنزیر رکھا اور ابوجہل تو خود مشہور ہے۔ ایسا ولید مغیرہ کی نسبت نہایت درجہ کے سخت الفاظ جو بصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے:''**فلا تطع المکذبین ودوالوتدھن فیدھنون ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشّاءٍ بینھم مناع الخیر معتد اثیم ثم بعد ذالک زینم سنسمہ علی الخرطوم**'' یعنی تو ان مکذبوں کے کہنے پر مت چل جو بدل اس بات کے آرزومند ہیں کہ ہمارے معبودوں کو برامت کہو اور ہمارے مذہب کی ہجومت کرو۔ تو پھر ہم بھی تمہارے مذہب کی نسبت ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے۔ ان کی چرب زبانی کا خیال مت کرو۔ یہ شخص جو مداہنہ کا خواستگار ہے جھوٹی قسمیں کھانے والا اور ضعیف الرائے اور ذلیل آدمی ہے۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور سخن چینی سے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والا اور نیکی کی راہوں سے روکنے والا زناکار اور نہایت درجہ کا بدخلق اور ان سب باتوں کے بعد والدالزنا بھی ہے۔ عنقریب ہم اس کے ناک پر جو سور کی طرح بہت لمبا ہو گیا ہے داغ لگا دیں گے۔ لمبی ناک سے مراد رسوم اور ننگ وناموس کی پابندی ہے جو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ (اے خدائے قادر مطلق ہماری قوم کے بعض لمبی ناک والون کی ناک پر بھی استرہ رکھ) اب کیوں حضرت مولوی صاحب کیا آپ کے نزدیک ان جامع لفظوں سے گالی باہر رہ گئی ہے اور اس جگہ ایک نہایت عمدہ لطیفہ یہ ہے کہ ولید مغیرہ نے نرمی اختیار کر کے چاہا کہ ہم سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس کے جواب میں اس کے تمام پردے کھولے گئے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین سے مداہنہ کی امید مت رکھو۔'' (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۲۵ تا ۳۱، خزائن ج ۳ ص ۱۱۵ تا ۱۱۷)

فصل چہارم

مرزا قادیانی کے کلام میں تناقص ہونے کی معذرت

مسلمانوں نے مرزا قادیانی کی ہر ایک اسبات پر جس کا تعلق اس کی نبوت کے ساتھ ہے خوب جرح کی ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان صاحب نے مرزا قادیانی کے کلام میں تناقص دکھلا کر اس کو مرزا قادیانی کی مراقیت پر حمل کیا ہے۔ جس کو ہم ریویو آف ریلیجنز سے نقل کرتے ہیں۔

''نادان معترض نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت اقدس کو جنون تھا زیر عنوان ''مرزا قادیانی کو اپنے خیالات پر قابو نہیں تھا'' چار مثالیں پیش کر کے اپنی جہالت و نادانی پر چار شہادتیں قائم کر دی ہیں۔ کیونکہ اس سے یہ اقرار پایا کہ اگر بزعم دشمن کسی کے کلام میں چار اختلاف پائے جائیں تو اس کے مجنوں ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ ہم نے شرعی نصاب کی اعلیٰ حد اختیار کر کے مرزا قادیانی کی مراقیت (جنون) پر چار گواہ پیش کئے ہیں۔ لہٰذا ہمارا دعویٰ ثابت ہونے میں کس (نقل مطابق اصل ورنہ صحیح کسی ہے) کو مجال سخن نہیں۔''

(مراق مرزا ص۱۱، ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء ص۹)

ریویو کے ایڈیٹر اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے کلام میں تناقص اس وجہ سے ہے کہ خود قرآن شریف اور احادیث میں بھی کثرت سے تناقص موجود ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

قرآن واحادیث میں بھی تناقص ہیں

''میرا خیال ہے کہ یہ نادان در پردہ آنحضرت ﷺ کو بھی مجنوں سمجھتے ہیں۔'' نعوذ باللہ من ذالک '' کیونکہ اگر احادیث کے اختلاف کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو خود قرآن مجید میں ہی ان احوال آنکھ والوں کو ان کے شرعی نصاب سے لیکن کہیں زیادہ اختلاف نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل آیات:

۱...... ''ولا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون '' کہ کفار قیامت کے روز ایک دوسرے سے سوال نہ کریں گے۔ لیکن دوسری جگہ فرمایا: ''اقبل بعضھم علیٰ بعض یتساءلون '' کہ وہ آپس میں سوال کریں گے۔

۲...... ''انھم مسئولون '' کہ ان سے قیامت کو پوچھا جائے گا (ان کے گناہ وغیرہ کے

متعلق) مگر دوسری جگہ فرمایا: ''فیومئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان (رحمان)'' کہ اس دن کسی سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا نہ جائے گا۔

۳...... ''فان خفتم الّاتعدلوا فواحدة (نساء)'' کہ اگر تم عورتوں میں انصاف نہ کرسکو تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔ ورنہ چار تک کر سکتے ہو۔ اس سے صاف طور پر عدل کا امکان مفہوم ہورہا ہے۔ لیکن اس سورۃ میں عدل کی قطعی نفی کا ذکر ہے۔ ''ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم'' کہ تم عورتوں میں عدل کر ہی نہیں سکتے اگرچہ خواہش بھی ہو۔

۴...... ''فمن اظلم ممن افترٰی علیٰ الله کذباً'' کہ جو اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا: ''ومن اظلم ممن ذکر بایات الله فاعرض عنها'' کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائی جائیں تو وہ ان سے منہ پھیر لے اس سے بڑا اور ظالم کوئی نہیں پھر فرمایا: ''ومن اظلم ممن منع مساجد الله'' کہ جو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے لوگوں کو روکے۔ اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا: ''من اظلم ممن کتم شهادة عنده من الله'' کہ جو کوئی شہادت چھپائے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ وغیرہ! اب ظاہر ہے کہ ان تمام میں سے ایک ہی سب سے بڑا ظالم ہوسکتا ہے نہ ہر ایک۔ فتدبر!

۵...... ''من کان فی هذه اعمٰی فهو فی الآخرة اعمی'' کہ کافر لوگ قیامت کو اندھے ہوں گے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا۔ ''فبصرک الیوم حدید (سورۂ ق)'' کہ ان کی نظر اس دن خوب تیز ہوگی۔

۶...... ''ان امهاتهم الا الّائی ولدنهم'' کہ لوگوں کی صرف وہی مائیں ہیں جو انہیں جنتی ہیں۔ مگر دوسری جگہ نبی ﷺ کی ازدواج کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ مومنوں کو انہوں نے جنا نہیں ہے۔ ''وازواجه امهاتهم''

۷...... ''ووجدک ضالاً'' کہ اے نبی خدا نے تجھے گم راہ پایا۔ لیکن دوسری جگہ فرمایا۔ ''ماضل صاحبکم'' کہ آپ کبھی گمراہ نہیں ہوئے۔

۸...... ''لاتسبو الذین یدعون من دون الله (انعام)'' کہ معبودان باطلہ کو بھی گالی مت دو۔ مگر دوسری جگہ خود ہی فرمایا: ''حطب جهنم'' کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ بلکہ شرالبریہ، خنزیر، بندر، گدھے وغیرہ کے الفاظ سے بعض کو یاد کیا ہے اور بعض کو ذلیل اور چغل خور اور زنیم تک فرمایا۔ دیکھو سورہ قلم۔

۹...... ’’ادعوا الله علےٰ بصیرة ‘‘ کہ میں اپنے معتقدات کو علیٰ وجہ البصیرت صحیح مانتا بلکہ ان کی طرف لوگوں کو بھی بلاتا ہوں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:’’ان کنت فی شک مما انزلنا الیک ‘‘ کہ جو ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ اگر اس میں تجھے شک ہو تو اہل کتاب سے دریافت کر کہ جس میں بظاہر شک کا امکان نکلتا ہے۔

۱۰...... ’’لم حشرتنی اعمے وقد کنت بصیرا ‘‘ کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ دنیا میں تو ہم دیکھنے والے تھے۔ آج اندھے کیوں ہیں۔ حالانکہ دوسری جگہ خود ہی فرمایا ہے کہ ’’فبصرک الیوم حدید ‘‘ کہ وہ اس دن خوب دیکھنے والے ہوں گے’’تلک عشرہ کاملہ‘‘ (ریویو بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۹،۱۰)

فصل پنجم

مرزا قادیانی کے نکاح آسمانی کی معذرت

ہمارے اس رسالہ کے ناظرین میں سے ایسے حضرات بھی ہوں گے جو نکاح آسمانی کے واقعہ سے کما حقہ واقف نہ ہوں گے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مرزا قادیانی کی زبانی اس واقعہ کا مختصر خاکہ ہدیہ ناظرین کردیں جو ازقرار ذیل ہے۔

مرزا قادیانی ایک پیش گوئی پیش از وقوع کے اشتہار مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء درباره نکاح آسمانی میں لکھتے ہیں کہ:

پیش گوئی کا جب انجام ہویدا ہو گا — قدرت حق کا عجب ایک تماشا ہو گا
جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا — کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہو گا

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۱، خزائن ج ۵ ص ۲۸۱)

آگے چل کر آپ ان اشعار کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ:’’خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا ایک اپنے ضروری کام کے لئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نام کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا ہے اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین ملکیت جس کا ہمیں حق پہنچتا ہے نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار ہزار یا پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور

ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا۔ اس لئے مکتوب الیہ نے بتمام تر عجز وانکسار ہماری طرف رجوع کیا۔ تاہم اس ہبہ پر راضی ہوکر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے۔ لیکن یہ خیال آیا کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے۔ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہئے۔ سو یہی جواب مکتوب الیہ کو دیا گیا۔ پھر مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا۔ جس کو خداتعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔

اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خداتعالیٰ نے یہ مقرر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی۔ ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لاوے گا اور بے دینوں کو مسلمان بناوے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلا دے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارے میں یہ ہے: ’’کذبوا بایتنا وکانوا بھا یستھزؤن فسیکفیکھم اللہ ویردھا الیک لا تبدیل لکلمات اللہ ان ربک فعال لما یرید انت معی وانامعک عسی ان یبعثک ربک مقاماً محمودا‘‘ یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خداتعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں۔ تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو چاہے وہی ہو جاتا ہے تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا جس میں تیری تعریف کی جائے گی۔ یعنی گو اوّل میں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنی

کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں اور نالائق باتیں منہ پر لاتے ہیں۔ لیکن آخر خدا تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۵ تا ۲۸۸، خزائن ج۵ ص۲۸۵ تا ۲۸۷)

مرزا قادیانی کو اپنی اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا اس قدر یقین واثق تھا کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ’’اور یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی تتمہ ص۱۳۲، خزائن ج۲۲ ص۵۷۰)

اسی اثناء میں آپ ایک دفعہ بیمار پڑ گئے۔ تب آپ کو یہ فکر لاحق ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور نکاح آسمانی کی آرزو ساتھ لے جاؤں۔ تب آپ پر پھر الہام ہوا کہ کچھ فکر مت کرو۔ وہ لڑکی ضرور تمہارے نکاح میں آئے گی۔ چنانچہ مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں کہ: ’’جب یہ پیش گوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی (جیسا کہ اب تک بھی جو اپریل ۱۸۹۱ء سے پوری نہیں ہوئی) تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی۔ یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی۔ بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت یہ پیش گوئی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیش گوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنے ہوں گے جو میں سمجھ نہیں سکا۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا: ’’الحق من ربک فلاتکونن من الممترین‘‘ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔ سو اس وقت مجھ پر یہ بھید کھلا کہ کیوں خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو قرآن کریم میں کہا کہ تو شک مت کر سو میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت یہ آیت ایسے ہی نازک وقت سے خاص ہے۔ جیسے یہ وقت تنگی اور ناامیدی کا میرے پر ہے اور میرے دل میں یقین ہوگیا کہ جب نبیوں پر بھی ایسا ہی وقت آجاتا ہے جو میرے پر آیا۔ جو خدا تعالیٰ تازہ یقین دلانے کے لئے ان کو کہتا ہے کہ تو کیوں شک کرتا ہے اور مصیبت نے تجھے کیوں ناامید کر دیا تو ناامید مت ہو۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۳۹۸، ۳۹۹، خزائن ج۳ ص۳۰۵، ۳۰۶)

مسلمانوں نے اس پیش گوئی پر تین طرح سے اعتراض کیا ہے:

اوّل...... نفس پیش گوئی کے متعلق یعنی یہ کہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اس اعتراض کا جو کچھ جواب مرزا قادیانی نے دیا ہے وہ گذشتہ اوراق میں مرزا قادیانی کی پیشین گوئیوں کے پورے نہ ہونے کی معذرت میں ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں۔

دوم...... یہ کہ ایک بڈھے شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش کرے۔اس اعتراض کے متعلق مرزا قادیانی نے یہ معذرت کی کہ خدا قادر ہے کہ وہ ایک بڈھے شخص کو جوانی کی طاقتیں عنایت کرے۔ چنانچہ آپ پر ذیل کا الہام نازل ہوا۔ ’’نزلت الرحمت علیٰ ثلٰث، العین وعلی الآخرین ترد الیک انوار الشباب تریٰ نسلاً بعیداً ‘‘یعنی میری رحمت تیرے تین عضو پر نازل ہے۔ایک آنکھیں اور دواور عضو ہیں اور جوانی کے نور تیری طرف عود کریں گے اور تو دور کی نسل کو دیکھ لے گا۔‘‘

(حقیقت الوحی ص ۹۵،خزائن ج ۲۲ص ۹۸)

سوم...... یہ کہ اس نکاح کی نوعیت پر اعتراض ہے۔یعنی اس قسم کا نکاح معیوب ہے۔اس اعتراض سوم کے متعلق خود مرزا قادیانی کی طرف سے کوئی معذرت ہماری طرف سے نہیں گذری۔ البتہ آپ کے مریدوں کی طرف چند معذرتیں ہماری نظر سے گذری ہیں جو از قرار ذیل ہیں۔

مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت

’’آنحضرت ﷺ جیسے کامل، اکمل اور مطہر مزکی انسان ہاں خاتم الانبیاء والرسل پر اعتراض کرنے والوں نے اسی قسم کی نکتہ چینیاں کی ہیں۔مگر جیسے وہ ان معترضین کی نادانی اور شرارت کا اظہار کرتی ہیں۔اسی طرح پر اسی قسم کے اعتراضات حضرت مسیح موعود (لعین قادیان) پر کرنے والوں کی بیہودگی کے مؤید ہیں۔قرآن مجید کو پڑھو اور غور سے پڑھو۔تمہیں معلوم ہوگا کہ خداتعالیٰ نے کس زور اور تکرار کے ساتھ جنت میں عورتوں کے وعدے دیئے اور پھر ان عورتوں کے حسن کی تعریف کی۔فطرت انسانی کے تقاضاؤں سے ناواقف لوگوں نے جنت کی ان نعمتوں پر جو اعتراض کئے ہیں وہ مخفی نہیں۔مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ سبوح اور قدوس خدا نے عورت اور مرد کا ایک خاص رشتہ اور تعلق رکھنا ہے اور یہ پاک تعلق ہے۔ہمیشہ قدر اور عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔اس لئے اگر ایک نبی، ایک رسول، ایک مجدد، ایک ولی کامل کے ساتھ خداتعالیٰ اسی دنیا میں کسی عورت کے دینے کا وعدہ کرے یا وہ عورت اسے دکھاوے تو یہ کیوں اس پر حرام سمجھا جاوے؟ سوال تو یہ ہے کہ کیا نفس نکاح کوئی حرام چیز ہے (نعوذ باللہ) اور یہ ایسی ناپاک بات ہے کہ اس سے انسان کی معرفت الٰہیہ کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں؟ اگر امرتسری منکر اور اس کے ہم خیالوں کا یہی مذہب ہے تو یقیناً وہ اپنے باپ کی بیہودگی جو اس نے نکاح کر لیا نہایت ہی خفگی کی نظر سے دیکھتے ہوں گے اور پھر تعجب ہے کہ آپ نے بھی اسی حماقت کا ارتکاب کیا۔

جو شخص اس پاک رشتہ اور آسمانی قانون ازدواج کی حرمت اور عزت نہیں کرتا میں اسے نہایت ناپاک اور بدفطرۃ کہوں گا۔ پس نکاح کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت اور قرآن کریم کے نیچے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت کے تقاضے کی تعمیل ہے۔ ''ابو البشر'' کی رفیق فی الجنۃ عورت تھی اور بالآخر جنت کے عظیم الشان وعدوں میں ازدواج مطہرۃ کو رکھا ہے۔ جس سے اس کی عظمت کا پتہ ملتا ہے۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے جو شخص اس امر پر اعتراض کرے کہ کیوں ایک شخص نے خدا کے مکالمہ سے فیضیاب ہو کر کسی عورت کے نکاح میں آنے کی پیشین گوئی کی۔ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا منکر ہے اور نہایت شریر اور ناپاک وجود ہے۔''

(آئینہ حقیقت نما ص۱۰۰)

مرزا قادیانی کے فرزند دلبند یعنی موجودہ قادیانی خلیفہ کی طرف سے معذرت

''پھر اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمدی بیگم جو مرزا قادیانی کی پھوپھی کی بیٹی تھی اس پر آپ عاشق تھے اور اس کے پیچھے پڑے رہے تو بعینہ یہی الزام یہ لوگ محمد ﷺ پر لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی کو ننگا دیکھا اور اس پر عاشق ہوگئے اور اس کے خاوند سے طلاق دلا کر خود نکاح کر لیا۔ یہ باتیں ان کی تفسیروں میں موجود ہیں۔ پس جو قوم ایسی بے حیا ہو کہ جس کی ایک طرف تو خاتم الانبیاء کہتے کہتے زبان نہیں تھکتی اور دوسری طرف وہ کہتی ہو کہ وہ زینب کو ننگا دیکھ کر اس پر عاشق ہوگیا تھا۔ اس سے ہمیں کس سلوک کی امید ہوسکتی ہے۔

پھر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر یہودیوں نے جادو کر دیا تھا۔ جس سے آپ کی ایسی حالت ہوگئی تھی...... اور بھول جاتے تھے۔ کھانا کھاتے تھے مگر پتہ نہ تھا۔ آخر سحر اور ٹونہ نکالا۔ تب آپ کی حالت اچھی ہوئی۔ اگر یہ لوگ محمد ﷺ کے لئے یہ باتیں کہہ سکتے ہیں تو مرزا قادیانی کو گالیاں دیں تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر ایک اور خطرناک بات کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے چھپ کر اور پوشیدہ طور سے...... کی۔ جس کا آپ کی ایک...... کو پتہ لگ گیا۔ آپ نے اس کی منتیں کیں اور کہا کہ کسی کو نہ بتانا۔ جو لوگ رسول کریم ﷺ کے متعلق ایسی باتیں لکھتے ہیں کیا تعجب ہے کہ اگر وہ مرزا قادیانی پر اعتراض کریں...... جب تم کسی نبی کو چور، کسی کو جھوٹا، کسی کو دوسرے کی عورت چھین لینے والا اور رسول کریم ﷺ کو اپنی پھوپھی کی شادی شدہ بیٹی پر عاشق ہو کر اس سے شادی کرنے والا کہتے ہو اور باوجود اس کے ان کو سچے نبی مانتے ہو تو کیوں آج اس نبی کو نہیں مانتے۔ جس پر اسی قسم کے الزام لگاتے ہو۔ تم تو ہمیشہ نبیوں

کے عیب نکالتے چلے آئے ہو۔ جو تمہاری عقل کی کوتاہی ہے۔ پھر آج کیوں انکار کر رہے ہو۔ یہ سوال تم ان لوگوں سے کرسکتے ہو اور یہ جائز سوال ہے۔ کیونکہ ایک بھینگا جس کو تجربہ ہو کہ وہ ایک چیز کو دو ہی دیکھتا ہے۔ وہ اس بات کو سمجھ جاتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے تو کہتا ہے ایک ہی ہے۔''

(الفضل مطبوعہ ۱۲؍مئی ۱۹۲۴ء)

نیز قادیانیوں کے یہی موجودہ خلیفہ نے اسی مضمون بالا میں آنحضرت ﷺ کے متعلق چند ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کو ہم نہ صرف تہذیب کی خاطر بلکہ آنحضرت ﷺ کی شان اور عزت کی نگہداشت کی خاطر نقل نہ کرسکے اور ان احکامات پر نقطے لگا دیئے۔

فصل ششم

مرزا قادیانی کے عربی کلام میں غلطیوں کے ہونے کی معذرت

بہت سے مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں جتنی تحدّی کی آیات ہیں ان کا تعلق قرآن شریف کی فصاحت وبلاغت کے ساتھ ہے۔ یعنی قرآن شریف فصیح اور بلیغ کتاب ہے جس کا مقابلہ کرنا محال ہے اور اس کو وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ثبوت میں بطور معجزہ کے پیش کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں عربیت کا فقدان ہے۔ مولوی صاحبان علم ادب سے مطلق بے بہرہ ہیں تو آپ نے بھی ہندوستان کی اس عربی بے بہرگی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنے ایک عربی رسالوں کی نسبت مولویوں کو للکارا کہ اگر میں خدا کی طرف سے نبی نہیں ہوں تو تم ان رسالوں کے مثل لکھو اور آپ اس مشہور مقولہ کو بھول گئے کہ

ہر بیشہ گماں مبرکہ خالیست
شاید کہ پلنگے خفتہ باشد

چنانچہ مسلمانوں نے اس تحدی کو سنتے ہی آپ کے اعجازی رسالوں کا جواب لکھنا شروع کیا اور حق یہ ہے کہ خوب لکھا۔

پھر مہر علی شاہ گولڑوی نے جو مرزا قادیانی کی دعوت پر مرزا قادیانی کے ساتھ زانو بزانو بیٹھ کر قرآن شریف کی تفسیر عربی میں لکھنے کی غرض سے لاہور تشریف لائے تھے اور جن کے مقابلہ کرنے سے مرزا قادیانی روپوش ہوگئے تھے۔ سیف چشتیائی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کتاب کے ص۷۰ سے ص۸۰ تک میں مرزا قادیانی کی صرفی نحوی وادبی غلطیاں ظاہر کیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے آپ کے قصیدہ اعجازیہ کی خوب پردہ دری کی۔ شیعوں کی طرف سے ایک شخص ممتاز الافاضل نے آپ کا رسالہ اعجاز المسیح کا جواب لکھا اور اس کی غلطیاں نکالیں اور یہ ثابت کیا کہ اعجاز المسیح کے جتنے جملے فصیح ہیں وہ سب کے مقامات حریری سے سرقہ کئے گئے ہیں اور باقی جو مرزا قادیانی کے جملے ہیں وہ سراپا غلط ہیں۔ اس کتاب کو سیدی مہدی حسن صاحب ترمذی نے مرزا قادیانی کی زندگی میں ہی چھپوایا اور ایک نسخہ قادیان میں بھی بھیجا گیا۔

(دلیل العرفان ص۹۴)

آپ کے رسالہ سر الخلافہ کا جواب ایک عالم ابوالحسن میرزا المعروف بہ شیخ الرئیس نے کتاب الابرار کے نام سے لکھا اور حق تو یہ ہے کہ خوب لکھا۔ جب تک مرزا قادیانی زندہ رہے پھر سر الخلافہ کا نام نہیں لیا۔

اگرچہ مرزا قادیانی نے نہایت واضح الفاظ میں الوہیت کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن وہ بالآخر انسان ہی تھے۔ مسلمانوں کے ان اعتراضات کو دیکھ کر ان کی طاقت طاق ہوگئی اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ مسلمانوں کو تحقیقی جواب دینے کی بہ نسبت الزامی جواب دینا بہتر سمجھا اور اپنی ادبی غلطیوں کے متعلق ازقرار ذیل معذرت پیش کی کہ قرآن شریف میں بھی دوسرے لوگوں کے جملے موجود ہیں اور خود قرآن میں ہی غلطیاں موجود ہیں۔ آپ کی عبارت ازقرار ذیل ہے۔

معذرت اوّل......اگر میرے کلام میں سرقے ہیں تو قرآن میں بھی ہیں

’’اگر بعض پر بلاغت فقرے اور مثالیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ شعرائے جاہلیت کے قصائد میں دیکھے جائیں تو ایک لمبی فہرست تیار ہوگی۔‘‘

(نزول المسیح ص۵۶، خزائن ج۱۸ ص۴۳۴)

معذرت دوئم......قرآن میں بھی غلطیاں ہیں

’’چونکہ غیر زبان میں الہام ہیں اور الہام الٰہی میں ایک سرعت ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں کچھ فرق ہوا اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہ خدا تعالیٰ انسانی محاورات کا پابند نہیں ہوتا یا کسی اور زمانہ کے متروکہ محاورہ کو اختیار کرتا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض جگہ انسانی گریمر یعنی صرف ونحو کے ماتحت نہیں چلتا۔ اس کی نظیر قرآن شریف میں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً آیت ’’ان ھذان لساحران ‘‘ انسانی نحو کی رو سے ’’ان ھٰذین ‘‘ چاہئے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۳۰۴ حاشیہ خزائن ج۲۲ ص۳۱۷)

مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت اوّل

مرزا قادیانی نے لیکھرام کی موت کی پیشین گوئی میں ’’ستۃ سنۃ‘‘ (چھ سال) استعمال کیا تھا جونحو کے رو سے سراسر غلط ہے۔ اس پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی کتاب ’’الہامات مرزا‘‘ میں اعتراض کیا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں مصنف آئینہ حقیقت نما لکھتا ہے: ’’ادنا دان ملا۔ تو نے چاہا تھا کہ اس قسم کے پاجیانہ اعتراض سے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی اس خداداد فضیلت پر حملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعجازی رنگ میں عربی نظم ونثر لکھنے کی عطا کی تھی۔ جب حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے علماء سوء کو عربی نویسی کے لئے چیلنج دیا تو کسی ایک کو بھی حوصلہ نہ ہوا کہ میدان میں آتا۔ یہاں تک کہ تیرے لاٹ مولوی اور روحانی باپ کی دوڑ دھوپ بھی محض اغلاط تک ختم ہوگئی۔ مگر تو اور تیرے امثال ہمیشہ یاد رکھیں کہ وہ اس معاملہ میں بھی ہمیشہ خائب وخاسر ہی رہے ہیں۔ تمہارے اس اعتراض سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ قرآن مجید سے محض ناواقف ہو اور یا اس کی شان باوجودیکہ وہ قول فصل ’’وما ھو بالھزل‘‘ ہے۔ معمولی صرف نحو کی کتابوں سے بھی کمتر جانتے ہو اور قرآن مجید پر مایۂ عامل اور نحو میر کو ترجیح دیتے ہو۔ دوسرے الفاظ میں رب جلیل کی تمہارے دل میں کچھ بھی قدر نہیں۔ ورنہ اس قسم کا اعتراض کرنے سے پہلے قران مجید پر نظر غائر کرلی ہوتی......‘‘

سنو اور غور سے سنو! آپ کے اس اعتراض کا اثر قرآن مجید پر پڑتا ہے اور بس قاعدہ کے ماتحت آپ اللہ تعالیٰ کے فصیح وبلیغ کلام کو نہ صرف غیر فصیح قرار دیتے ہو بلکہ:

غلط فہمی

’’ونعوذ باللہ من ذالک الھذیان‘‘

کاش قرآن مجید کی عظمت کا کچھ بھی پاس کیا ہوتا۔ مولوی فاضل صاحب سنئے امام عبدالقادر جرجانی نے کتاب اسرار لبلاغۃ اور اس کے محشی نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بعض نحویوں کے محدود قاعدوں نے قرآن، حدیث اور عربی کی وسعت کو لوگوں سے چھین لیا ہے۔

میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ نحو کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ تین سے دس تک تمیز جمع ہوا کرتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا کلام ان قواعد انسانی کے ماتحت نہیں۔ قرآن مجید کی ایک عجیب مثال آپ کو سناتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو خاص لطف آجائے گا۔

''مثل الذین حملوا لتوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار''

مولوی صاحب! آپ کے قاعدہ کے موافق یہاں الحمر چاہئے تھا۔ حالانکہ حمار واحد ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص خرنا مشخص نہ ہو تو اس کو سمجھ لے گا۔

پھر قرآن مجید میں ثلاث مائۃ آیا ہے اور مایۃ جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ اب کیا تمہارے اصول پر قرآن مجید کو غلط ٹھہرا دیں یا تمہاری نادانی کا اعتراف کرلیں۔

اور سنو! قرآن مجید کی سورۃ حج میں ہے:''ونقر فی الارحام مانشاء الیٰ اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا'' اب یہاں طفلاء واحد استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ امرتسری منکر کی اصلاح کے ماتحت اطفال چاہئے تھا۔ ایسا ہی سورۃ توبہ میں ''خفتم کالذی خاضوا'' میں ''کالذی'' واحد ہی ہے۔ آپ کے اصول پر ''کالذین'' چاہئے تھا۔

(آئینہ حقیقت نما ص۱۲۱ تا ۱۲۳)

مصنف آئینہ حقیقت نما کی معذرت دوم

مولوی ثناء اللہ صاحب نے مرزا قادیانی کے قصیدہ اعجازیہ کے اس شعر پر کہ ؎

وان قضاء اللہ ما یخطئ اتفتیٰ ۔۔۔ لہ خافیات لایراھا مفکر

یہ اعتراض کیا ہے کہ ''لایراھا'' کا فاعل مفکر کو بنایا ہے۔ حالانکہ مفکر کا کام رویت نہیں بلکہ فکر ہے اور اگر افعال قلوب سے کہیں تو دوسرا مفعول ندارد ہے جو ضروری ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں مصنف آئینہ حقیقت نما لکھتا ہے۔

چوتھا اور آخری جواب

''اگر الفاظ کے ساتھ ان کی خارجی اور ظاہری مفہوم علی العموم مراد ہوتے ہیں تو پھر تو ہر ایک زبان کو لٹریری خوبیوں کا ستیاناس ہو جاوے۔ چہ جائیکہ عربی جیسی زبان جو اپنی وسعت کے لحاظ سے ایک سمندر ہے جس میں استعارات اور کنایات کا ایک دریا امڈا چلا آتا ہے۔ سر ہوش اور پائے عقل جب کہا جاوے تو امرتسری منکر اپنے استاد وزیر آبادی کی طرح فوراً کہہ دیں گے کہ ہوش کی کھوپڑی اتنی بڑی ہے اور اس پر البرٹ فیشن کے بال ہیں یا امرتسری تراش کے۔ افسوس کہ اتنا بھی علم نہ رہا۔

قرآن مجید میں اس کی بے انتہاء مثالیں ملیں گی۔ چند میں یہاں بھی دیتا ہوں۔ اگر امرتسری فاضل کا یہ اعتراض اس شعر پر ہوسکتا ہے تو ضرور وہ قرآن مجید کو بھی اپنے مخترعہ اصول کے موافق غیر فصیح کہہ دے گا۔

۱…… قرآن مجید سورۃ کہف میں ہے:’’واذا غربت تقرضھم ذات الشمال ‘‘اب امرتسری اصول فصاحت کی بناء پر چونکہ سورج کا کام قرض نہیں۔ اس لئے یہ آیت غیر فصیح اور معنوی سقم اپنے اندر رکھتی ہے۔’’نعوذ باللہ من ذالک‘‘

۲…… پھر ایک جگہ فرمایا:’’والصبح اذا تنفس ‘‘امرتسری قاعدہ فصاحت سے یہ آیت بھی فصاحت سے گرجائے گی۔(نعوذ باللہ) کیونکہ صبح کا کام تنفس نہیں بلکہ انتشار ہے۔

۳…… عذاب یوم عقیم بھی (نعوذ باللہ) غلط ہوگا۔ کیونکہ امرتسری قاعدہ کے رو سے عقیم یوم کے مناسب نہیں۔

۴…… ’’ولما سکت عن موسیٰ الغضب ‘‘میں تمہارے قاعدہ کے موافق بڑا بھاری معنوی سقم ہوگا۔ کیونکہ غضب کا کام سکوت نہیں۔ اسی طرح پر قرآن مجید میں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ ان آیات کا جو مفہوم لیا جاتا ہے وہ الفاظ سے ظاہری مناسبت نہیں رکھتا۔‘‘ (آئینہ حقیقت نما ص۲۶۴)

مرزا قادیانی کے فرزند یعنی قادیانیوں کے موجودہ خلیفہ کی معذرت

مرزا قادیانی پر ایک الہام ہوا تھا کہ:’’یامریم اسکن انت وزوجک الجنۃ ‘‘ عربی علم ونحو کے رو سے چونکہ مریم مونث ہے۔اس لئے اسکنی ہونا چاہئے۔ مسلمانوں نے اس پر خوب مزے کے اعتراضات کئے۔ مرزا قادیانی کی اس غلطی کی معذرت ان کے فرزند دلبند یوں کرتے ہیں کہ:

’’یا مریم اسکن‘‘

پھر کہا گیا ہے۔ مرزا قادیانی کا الہام ہے’’یا مریم اسکن ‘‘مگر مریم عورت ہے اور اسکن مذکر کا صیغہ ہے۔ سنا ہے کہ مولویوں نے یہ اعتراض بڑے مزے لے لے کر کیا اور بار بار لوگوں کو سنایا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ ان مولوی کہلانے والوں، عربی دانی کا دعویٰ کرنے والوں، صرف ونحو اور بلاغت کے مدعیوں کو کیا ہوگیا۔ ان کے سب علوم مرزا قادیانی کی مخالفت کی وجہ سے سلب ہوگئے اور یہ علم سے بالکل جاہل اور کورے رہ گئے۔ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ عربی کا قاعدہ ہے کہ جب استعارہ کے طور پر مونث کا لفظ مذکر کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے لئے ضمائر مذکر ہی آتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں’’بلدۃ میتاً ‘‘آیا ہے’’میتۃ‘‘نہیں آیا۔ اب کیا یہ مولوی قرآن میں غلطی قرار دیں گے اور اس پٹھان کی مثال کو زندہ کریں گے۔ جس کے متعلق مشہور ہے

کہ اس نے کہیں پڑھا۔ رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھتے ہوئے بچہ اٹھالیا تو کہنے لگا خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ کیونکہ انہوں نے حرکت کبیرہ کیا اور قدوری میں لکھا ہے کہ اس طرح نماز ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح اب یہ مولوی صاحب بھی کہیں کہ قرآن میں ''میتاً'' کی بجائے ''میتة'' آنا چاہئے تھا اور یہ قرآن کریم کی غلطی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے: ''السماء منفطر به'' حالانکہ سماء کا لفظ جب کہ مونث ہے تو کہنا چاہئے تھا ''السماء منفطرة'' لیکن اونچی چیز چونکہ مذکر ہے اس لئے ''منفطر'' مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بھی ان لوگوں کے نزدیک قران کریم کی غلطی ہوگی۔ اس کی بھی اصلاح ہونی چاہئے۔ ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جسے کسی نے کہا تھا قرآن لکھ دو وہ لکھ کر لے آیا۔ لکھانے والے نے پوچھا ٹھیک لکھا ہے کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی۔ کہنے لگا ہے کہ میں نے تو ٹھیک لکھا ہے لیکن پہلے قرآن میں بعض غلطیاں تھیں ان کی اصلاح کر دی ہے۔ چونکہ قرآن کریم کلام اللہ ہے جو پاک ہے اور کوئی برا لفظ اس میں نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے جہاں جہاں شیطان یا فرعون یا ابلیس یا خنزیر وغیرہ الفاظ تھے وہاں کہیں میں نے اپنے باپ کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں تمہارے باپ کا۔ یہی مثال آج کل کے مولویوں کی ہے۔ یہ بھی ان الفاظ کو کاٹ دیں جو ان کے علم اور عقل کے ماتحت غلط ہیں اور ان کی جگہ اور رکھ دیں۔'' (الفضل مورخہ ۱۶؍مئی ۱۹۲۴ء)

فصل ہفتم

مرزا قادیانی کی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی معذرت

مرزا قادیانی نے اپنی تصانیف میں جابجا یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں مستجاب الدعوات ہوں۔ یعنی خدا میری دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ چنانچہ آپ آئینہ کمالات میں فرماتے ہیں کہ: ''از نشانات صدق من است کہ او (تعالیٰ شانہ) دعوات مرا قبول میفر مائد وحاجات مرا متکفل میباشد ودر افعال واقوال من برکت میدہد...... وآنقدر دعاہائے مرا بموقع قبول جاداد کہ نتوانم بشمار آرم۔'' یعنی ''میری سچائی کے نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ خدا میری دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور میری حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور میرے افعال واقوال میں برکت دیتا ہے...... اور میری اس قدر دعاؤں کو قبول کیا ہے۔ جن کو میں گن نہیں سکتا ہوں۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۹۲)

مرزا قادیانی کے اس دعویٰ پر بھی مسلمانوں نے سینکڑوں صفحے لکھ ڈالے اور ان کی ہر

ایک دعا کو بے حقیقت ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان مصنف لکھتا ہے: ’’اب اس کی دعاؤں کا حال سن لیجئے۔ سال ۱۸۹۸ء میں جس کو آج ۲۴ سال ہو گئے۔‘‘

(ایام الصلح ص ۱۰۹، خزائن ج ۱۴ ص ۳۴۶) پر اس نے لکھا ہے کہ میں ہمیشہ پانچوں وقت کی نماز میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس بلا یعنی طاعون کو لوگوں کے سر سے ٹال دے۔ یہ کتاب ۱۸۹۸ء سے پہلے لکھی ہوئی ہے۔ مرزے کی تاریخ وفات ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء ہے۔ اس حساب سے یکم؍اگست ۱۸۹۸ء سے ۲۵؍مئی ۱۹۰۸ء تک مرزے نے معمولی طور نہیں۔ نمازوں میں ۱۷۹۲۰ سترہ ہزار نوسو بیس دفعہ دعا کی اور نتیجہ معلوم۔ بس مرزے کے مستجاب الدعوات ہونے کو نہ ماننا گناہ عظیم ہے۔ کیونکہ یہ اس کا نشان (معجزہ) تھا۔ (مرزائی ناول ص ۱۹۶)

پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ: ’’بابو صاحب آپ شاید یہ کہیں کہ مرزے نے طاعون کے رفع دفع ہونے کے لئے دعا تو بے شک کی۔ مگر خدا نے مرزے کو کچھ جواب تو نہیں دیا تھا۔ اب میں ایک قصہ سناتا ہوں کہ چودھویں صدی کا مسیح آدھا یا پونا حصہ دجال سے عہدہ برانہ ہوکر اپنے خدا کے پاس فریادی گیا اور اس نے تسلی دی کہ میں اس کو آج سے پندرہ ماہ کے اندر ماروں گا۔ بشرطیکہ وہ عیسیٰ کو خدا کہنے یا اس کا بیٹا کہنے سے توبہ نہ کرے۔‘‘

بابو صاحب ہمارے مرزے کا دعویٰ تھا کہ میں مسیح اور مہدی ہوں اور دجال کے قتل کے لئے آیا ہوں۔ دجال پادری ہیں اور کلیں ایجاد کرنے والے اور متمول عیسائی اور قتل سے مراد ہے۔ دلایت مغلوب کرنا۔ پادری آتھم صاحب کے ساتھ مباحثہ میں ہمارے مسیح موعود کو گویا دجال کے پونا حصہ سے مقابلہ کا اتفاق ہوا۔ پندرہ روز تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ جب پونا حصہ دجال نے بھی آپ سے ہار نہ مانی تو آپ یوں گویا ہوئے۔

’’آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر پر فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بتا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے......

پادری آتھم صاحب نے مرزے کے اس الہام کو بالکل جھوٹا اور خود گھڑا ہوا سمجھا۔

ہاں! اس بات کی کہ مرزا ان کو کسی مرید کے ذریعہ اپنا الہام سچا ثابت کرنے کے لئے مروا نہ دے۔ انہوں نے یہ احتیاط کی کہ مرزے اور مرزائیوں سے غائب اور دور فاصلہ پر رہے اور نقل مکان کرتے رہے اور مخلوق خدا نے اس الہام کے نتیجے کا بڑے شوق سے انتظار شروع کیا اور جب ۵/ستمبر ۱۸۹۴ء کی شام کو یہ میعاد پندرہ ماہ خدا نے بخیر وخوبی ختم کردی تو ۶/ستمبر کو پادری عبداللہ آتھم صاحب دجال کی ذلت اور مرزا قادیانی مسیح موعود کی عزت حسب پیشین گوئی ان کے خدا کے، اس طرح ہوئی کہ اس دن عیسائیوں نے پادری صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر ہاتھی پر سوار کر کے ان کا جلوس نکالا اور کل ہندوستان کے عیسائیوں نے مرزے کا ایک بروز (فرضی مرزا) بنا کر اس کا منہ کالا کر کے بندر کی طرح نچایا۔" (مرزائی ناول ص۱۹۶تا۱۹۹)

جب مرزا قادیانی نے دیکھا کہ دعاؤں کا منتر بھی مسلمانوں پر نہ چل سکا۔ تب آپ نے اپنی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی بدیں الفاظ معذرت کی۔ چنانچہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: "یہ خیال کہ کوئی شخص دنیا میں ایسا بھی ہے کہ اس کی ساری کی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں شرک ہے۔ میری تو ہستی ہی کیا ہے میں رسول کریم ﷺ کے متعلق بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور قرآن شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی کئی دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔" (الفضل مورخہ ۴/مارچ ۱۹۲۷ء)

غلام رسول راجیکی کی معذرت

"مخفی شرط: بعض صورتوں میں پیشین گوئی کا ظہور۔ خواہ وہ وعدہ کی پیش گوئی کیوں نہ ہو کسی قانون الٰہی کے تخالف کی وجہ سے ایک مخفی شرط کی صورت اپنے اندر رکھتی ہے جو پیش گوئی کے ظہور اور وقوع کے لئے مانع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہؓ جو جابرؓ کے والد تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے جو مخبر صادق ہیں ان کے متعلق یوں بیان فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان سے بالمشافہ، سوا کسی پردہ کے ہم کلام ہوا اور فرمایا: "تمن علیّ اعطیک" یعنی جو تو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے عطاء کروں گا۔ تب حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں زندہ کر کے بھیجا جائے۔ تا میں پھر اسے خدا تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: "قد سبق القول منی انهم لا یرجعون" کہ یہ تیرا سوال پورا نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ میرے قانون اور میرے عہد کے خلاف ہے۔ کیونکہ میری طرف سے یہ قانون پاس ہو چکا ہے کہ جو لوگ مر کر دنیا سے عالم آخرت میں آجائیں وہ واپس نہیں ہوں گے۔ یعنی دوبارہ دنیوی زندگی انہیں حاصل نہیں ہو سکے گی۔

اب ’’تمن علی اعطک‘‘ کے ارشاد میں بصراحت وعدہ ہے اور بظاہر اس میں کوئی شرط پائی نہیں جاتی۔ لیکن جواب سے معلوم ہوا کہ خداتعالیٰ نے اپنے علم میں تخالف قانون کی وجہ کو شرط کے طور پر اپنے اس ارشاد میں مضمر رکھا ہوا تھا۔ اب غور کیجئے کہ ایک مومن کے نزدیک تو ایسی باتیں بھی قابل اعتراض نہیں۔ لیکن ایک عیسائی اور ہندو آریہ جو معاندان اسلام سے ہیں ان کے نزدیک محکم پیش گوئیاں اور کھلے معجزات اور نشان بھی اپنے اندر کئی کئی معترضانہ صورتیں اور پہلو رکھتے ہیں۔‘‘ (الفضل مورخہ ۱۹؍اپریل ۱۹۲۷ء ص۶)

فصل ہشتم

خدا کا قلم چھڑکنا اور میاں محمود موجودہ خلیفہ قادیانی کی معذرت

مرزاقادیانی نے اپنی کتاب ’’حقیقت الوحی‘‘ میں لکھا ہے کہ: ’’ایک دفعہ تمثیلی طور پر مجھے خداتعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اس نے اپنے ہاتھ سے کئی پیش گوئیاں لکھیں۔ جن کا یہ مطلب تھا کہ ایسے واقعات ہونے چاہئیں۔ تب میں نے وہ کاغذ دستخط کرانے کے لئے خداتعالیٰ کے سامنے پیش کیا اور اﷲتعالیٰ نے بغیر کسی تامل کے سرخی کے قلم سے اس پر دستخط کئے اور دستخط کرنے کے وقت قلم کو چھڑکا۔ جیسا کہ جب قلم پر زیادہ سیاہی آجاتی ہے تو اس طرح پر جھاڑ دیتے ہیں اور پھر دستخط کر دیئے اور میرے پر اس وقت نہایت رقت کا عالم تھا۔ اس خیال سے کہ کس قدر خداتعالیٰ کا میرے پر فضل وکرم ہے کہ جو کچھ میں نے چاہا بلاتوقف اﷲتعالیٰ نے اس پر دستخط کر دیئے اور اسی وقت میری آنکھ کھل گئی اور اس وقت میاں عبداﷲ سنوری مسجد کے حجرے میں میرے پیر دبا رہا تھا کہ اس کے روبرو غیب سے سرخی کے قطرے میرے کرتے اور اس کی ٹوپی پر بھی گرے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سرخی کے قطرہ گرنے اور قلم کے جھاڑنے کا ایک ہی وقت تھا۔ ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہ تھا۔ ایک غیرآدمی اس راز کو نہیں سمجھے گا اور شک کرے گا۔ کیونکہ اس کو صرف ایک خواب کا معاملہ محسوس ہوگا۔ مگر جس کو روحانی امور کا علم ہو وہ اس میں شک نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔ غرض میں نے یہ سارا قصہ میاں عبداﷲ کو سنایا اور اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عبداﷲ جو ایک رویت کا گواہ ہے اس پر بہت اثر ہوا اور اس نے میرا کرتا بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا جو اب تک اس کے پاس موجود ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۲۵۵، خزائن ج۲۲ ص۲۶۷)

مرزا قادیانی کے اس واقعہ پر مسلمانوں نے جس طرح کے اعتراض کئے ہیں ان کی معذرت کے ساتھ از قرار ذیل ہیں۔ میاں محمود موجودہ خلیفہ قادیانی لکھتے ہیں کہ:

خدا تعالیٰ کا قلم چھڑکنا

’’پھر کہا گیا ہے۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں خدا تعالیٰ نے دستخط کرتے وقت قلم چھڑکا اور اس سے سرخی کے نشان کپڑے پر پڑ گئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ نے قلم چھڑکا تھا تو اس سے خدا کا ہاتھ ماننا پڑا اور خدا محدود ہوگیا۔ پھر اس چھینٹے سے سارا قادیان ہی بہ جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ خدا کا ہاتھ انسان کے ہاتھ جتنا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بہت بڑا ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ کیسے نادان ہیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ اور پاؤں حدیثوں میں پڑھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ’’خدا کا ہاتھ ہونے سے وہ محدود ہوگیا۔ دوزخ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ وہ کہے گی کہ میں ابھی نہیں بھری۔ اس وقت خدا اس میں اپنا پاؤں ڈالے گا اور وہ کہے گی اب میں بھر گئی۔ یہ لوگ اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ مگر بخاری اور مسلم بھی نہیں جانتے۔ اگر خدا تعالیٰ کا پاؤں میں دوزخ میں پڑا اور وہ بھر گئی تو خدا کا پاؤں محدود ہوگیا۔ پھر قادیان خدا کے چھینٹے سے نہیں بہ سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے اور چھینٹوں کا بھی ذکر آتا ہے۔ جن پر وہ پڑیں گے وہ بہ نہیں جائیں گے۔ بلکہ زندہ ہوجائیں گے۔ چنانچہ آتا ہے دوزخی جب دوزخ سے نکالے جائیں گے تو جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ اس وقت خدا تعالیٰ ان پر زندگی کے پانی کا چھینٹا دے گا اور وہ زندہ ہوجائیں گے۔ میں کہتا ہوں جس ہاتھ سے اس وقت دے گا اسی نے وہ چھینٹا دیا۔ جس کا ذکر مرزا قادیانی نے کیا ہے۔ کیا کوئلہ جسم انسان زندہ ہوجائیں گے یا بہ جائیں گے۔ اگر وہاں بہہ نہیں جائیں گے بلکہ نتیجہ یہ ہوگا کہ زندہ ہوجائیں گے تو اسی طرح مرزا قادیانی پر جو چھینٹا پڑا۔ اس سے آپ زندہ ہوگئے۔ اگر وہ چھینٹا ساری قادیان پر پڑتا تو قادیان بہ نہ جاتی۔ بلکہ اس میں رہنے والے سارے کے سارے زندہ ہوجاتے اور پھر ہمیں اس جگہ یزیدی صفت لوگ نظر نہ آتے۔ مگر وہ چھینٹا صرف مرزا قادیانی پر پڑا۔ اس لئے آپ ہی زندہ ہوئے۔ یا وہ جو آپ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔‘‘

خدا کو بیٹھے ہوئے دیکھنا

’’پھر اعتراض کیا ہے کہ مرزا قادیانی نے لکھا ہے خدا کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا تھا کیا خدا آدمی تھا۔

یہ اعتراض بھی ان لوگوں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ابی ابن کعب فرماتے ہیں۔ رسول کریم نے فرمایا میں نے خدا کو دیکھا جو ایک خوبصورت نوجوان کی شکل میں تھا۔

سبز لباس تھا اور سونے کی کرسی پر تھا اور سونے کی جوتیاں پہنے تھا۔ اس کشف پر یہ مولوی اعتراض نہیں کرتے۔ مگر مرزا قادیانی کے کشف کے متعلق باتیں بنانے لگتے ہیں۔ خدا سونے کی جوتی بھی استعمال کرتا ہے۔ سونے کی کرسی پر بھی بیٹھتا ہے۔ وہ نوجوان صفت بھی ہے اور تم ان باتوں کو مانتے ہو۔ پھر جب مرزا قادیانی کا کوئی کشف تمہارے سامنے آئے تو اس وقت تمہارا کفر کیوں پھوٹ پڑتا اور تمہارا کوڑھ کیوں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

اسی طرح ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے خدا کو سبز لباس میں دیکھا۔ یہ روایت کتاب الاسماء والصفات میں لکھی ہے۔“ (اخبار الفضل قادیان مورخہ ۱۶؍مئی ۱۹۲۴ء ص ۷،۸)

فصل نہم

مرزا قادیانی کے جنون کی معذرت

مرزا قادیانی کی متضاد باتیں اور متناقض دعاوی کو پڑھ کر مسلمانوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مرزا قادیانی کا دماغ ماؤف تھا۔ کیونکہ کوئی صحیح الدماغ شخص اس قسم کی متضاد باتیں نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی ایسے متضاد اقوال پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک رسالہ بنام ”مراق مرزا“ مطبع اہل حدیث امرتسر سے ایک مسلمان نے شائع کیا ہے۔ چنانچہ ایک قادیانی بنام تاج الدین الفضل میں لکھتا ہے کہ:

اگر مرزا قادیانی مجنون تھے تو آنحضرت ﷺ بھی مسحور تھے

”اپریل ۱۹۲۹ء میں ایک رسالہ ”مراق مرزا“ منیجر اہل حدیث امرتسر نے شائع کیا تھا۔ جس میں سادہ لوح لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کی بے سود کوشش کی گئی کہ گویا حضرت مسیح علیہ السلام کی وحی اور حضور کے الہامات خداتعالیٰ کی طرف سے نہ تھے۔ بلکہ (معاذ اللہ) کسی بیماری کا نتیجہ تھے اور حضرت ﷺ کو خود اقرار ہے کہ آپ مراق (جنون) میں مبتلا تھے۔“

(الفضل مورخہ یکم؍اپریل ۱۹۳۰ء)

اگر مرزا قادیانی مجنون تھے تو آنحضرت ﷺ بھی مسحور تھے

”ہاں مولوی صاحب آپ تو اہل حدیث ہیں۔ بخاری اور مسلم میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ جو یہ حدیث آئی ہے ”سحر رسول اللہ ﷺ حتیٰ انہ لیخیل الیہ انہ فعل الشئ وما فعلہ (بخاری، مسلم)“ مشکوٰۃ ص ۵۳۴ کہ رسول مقبول ﷺ مسحور ہو گئے تھے اور

اس کا آپ پر یہاں تک اثر تھا کہ بسا اوقات آپ ایک ناکردنی فعل تصور کر لیا کرتے تھے۔ یعنی آپ سمجھتے کہ میں نے کوئی فعل کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے وہ فعل کیا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

اور فرماتے کہ حضور ﷺ کو مسحور کہنے اور سمجھنے والے دشمن ہیں یا دوست؟ نیز بتائیں کہ ایک شارع نبی کی جب یہ حالت ہو کہ وہ کردنی وناکردنی فعل میں تمیز نہ کر سکے تو اس کے اقوال وافعال کہاں تک واجب الاقتدار اور قابل اعتماد ہیں؟ ذرا سوچ سمجھ کر جوب دیں؟

پھر کہا گیا ہے کہ خدا کے نبی ورسول کو مرض جنون، مالیخولیا، مرگی، مراق اور ہسٹیریا میں سے کوئی مرض نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کیا ان پانچوں امراض کی تشریح یعنی ان کی تعریف، اسباب، علامات اور عوارضات ونتائج بیان کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے تا آپ کو اس طریق سے شاید حقیقت کا پتہ چل سکے اور معلوم ہو کہ آپ مراق سے کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔'' (الفضل مورخہ یکم/اپریل ۱۹۳۰ء ص۱۱)

فصل دہم

اگر مرزا قادیانی نے اپنی کوئی بات چھپائی تو آنحضرتؐ نے بھی چھپائی

مولوی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی نے مرزا قادیانی پر اعتراض کیا ہے کہ مرزا قادیانی نے جان بوجھ کر اپنی نبوت کو ایک مدت تک لوگوں سے چھپایا اور اس کے معنے کرتے رہے۔ تشحیذ الاذہان اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ:

اقول...... میں اس امر کو پہلے بھی کھول کر بیان کر چکا ہوں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عام مسلمانوں کی طرح پہلے بھی اعتقاد تھا کہ اس امت میں نبی نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے آپ نے تمام ان الہامات کی جن میں آپ کو نبی کے لفظ سے پکارا گیا تھا کچھ نہ کچھ تاویل کر کے اپنے آپ کو نبی کہلانے سے اجتناب کیا اور اس لفظ نبی کی ہمیشہ ایسی ہی تشریح کرتے رہے جس سے لوگوں کو ابتلا نہ آئے۔ اب یہ امر تو بدیہی ہے کہ براہین احمدیہ میں آپ کے لئے لفظ نبی کا موجود ہے۔ جس کا ہمارے مخالف کو بھی انکار نہیں۔ مگر اس کے معنے آپ نے توضیح مرام میں محدث کے کر دیئے۔ تاکہ لوگوں کو ابتلاء نہ آوے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم بھی ہو اور آپ نے دیدہ دانستہ اس کا اظہار کیا تو اس مین بھی کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کو انبیاء مصلحت وقت سے

لوگوں کے ابتلاء سے ڈر کر ان کا اظہار نہیں کرتے۔ چنانچہ دیکھو حضرت نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشہ'' یعنی تو اپنے نفس میں چھپا رہا ہے جس کو اللہ ظاہر کر دے گا اور تو لوگوں کے ابتلاء سے ڈرتا ہے لیکن ڈر صرف خدا کا ہی رکھنا چاہئے۔ بخاری شریف میں صریح یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا:''قال لھا الم تری ان قومک لما بنوا الکعبۃ اقتصروا من قواعد ابراھیم فقلت یا رسول اللہ الا نزدھا علی قواعد ابراھیم قال لولا حدثان قومک بالکفر لضعات''یعنی اے عائشہؓ کیا تو نہیں دیکھتی کہ تیری قوم نے کعبہ کو بناتے وقت حضرت ابراہیم کی قواعد سے کم کر دیا ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ پھر ایسا ہی بناویں گے تو فرمایا۔ اگر تیری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں ایسا ہی کرتا۔ اب دیکھو کہ نبی کریم ﷺ جیسا انسان بھی بعض باتوں کو لوگوں کے ابتلاء کے ڈر سے چھپا لیتا تھا اور بعض امور کو محض لوگوں کے ابتلاء سے ڈر کر چھوڑ دیتا تھا تو اگر مرزا قادیانی نے اس خیال سے کہ کہیں نبی کا لفظ صریح لکھنے سے لوگوں کو جو ابھی ایسے لفظوں کی برداشت نہیں رکھتے ہیں ابتلاء نہ آجائے۔ اس لفظ کو چھوڑ کر اس کی محدث کا لفظ استعمال کر دیا تو کون سا غضب آ گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے جس کی شان مبدیہ ہے اس کا اظہار کروا دیا تو کیوں آپ ان دونوں کو باوجود زمانہ کے اختلاف موجود ہونے کے تناقص سمجھ بیٹھے۔'' (تشحیذ الاذہان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۴ء ص ۳۶،۳۷)

فصل یازدہم

اگر مرزا کی مراد پوری نہیں ہوئی تو آنحضرتؐ کی بھی پوری نہیں ہوئی

اخبار قادیانی الفضل عیسیٰ پرستی کا ستون ٹوٹ چکا کے تحت میں لکھتا ہے:''مولوی ثناء اللہ نے ۶؍ستمبر کے اہل حدیث میں ایک مضمون بعنوان''مرزا قادیانی کی تکذیب واقعات سے'' لکھ کر حسب معمول لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔''

چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی تکذیب ہر قسم کے قدرتی نشان نظر آتے ہیں۔ مثلاً چاروں طرف ایک شور محشر ہے کہ عیسائی مذہب پھیل رہا ہے۔ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ کوئی قوم اتنی اشاعت نہیں کرتی جتنی عیسائی کرتے ہیں۔ حالانکہ مرزا قادیانی کا قول تھا۔''میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوا ہوں۔ یہی ہے کہ عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید پھیلاؤں۔''

اس کے متعلق پہلے الزامی جواب سنئے۔ قرآن شریف میں آتا ہے: ’’یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات‘‘ کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا۔ مگر آج دنیا میں چاروں طرف سود بے حد پھیل رہا ہے۔ ہر جگہ بینک کھلے ہوئے ہیں۔ جہاں کثرت کے ساتھ سود کا لین دین ہوتا ہے اور فی زمانہ کوئی تجارت، کوئی کارخانہ اور کوئی حکومت ایسی نہیں جس میں سود کو دخل نہ ہو۔ امریکہ کے بڑے بڑے کروڑ پتی اس سود کی بدولت آج دنیا کے متمول ترین انسان ہیں۔ اچھی اچھی حکومتیں ان کی مقروض ہیں۔ یہودی قوم سود کی بدولت آج دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند قوم ہے۔ اسی طرح خود مسلمانوں میں دیکھ لو کہ وہ کثرت کے ساتھ سود کا لین دین کر رہے ہیں۔ اب اگر آپ ہی کے الفاظ میں کوئی آپ سے پوچھے کہ آفاق میں اس کا ثبوت کیا ہوا۔ کیا اسی کا نام ہے سود مٹانا اور صدقات کا بڑھانا تو آپ کیا جواب دیں گے؟

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اسی طرح بخاری شریف میں حدیث ہے: ’’امرت انا قاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ‘‘ یعنی میں خدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہوں کہ لوگوں سے مقابلہ کروں۔ یہاں تک کہ وہ گواہی دیں۔ اس بات کی کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ فرمائیے کیا آنحضرت ﷺ کی زندگی میں سارا عرب مسلمان ہوگیا تھا؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو اس کا ثبوت؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر مرزا قادیانی پر اعتراض کس منہ سے۔ جب کہ حدیث کے الفاظ اور مرزا قادیانی کے الفاظ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یعنی مرزا قادیانی فرماتے ہیں۔ میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہی ہے کہ عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید پھیلاؤں اور حدیث میں آتا ہے۔

میں مامور (یعنی کھڑا) کیا گیا ہوں اس کام کے لئے کہ لوگوں سے مقاتلہ کرتا رہوں۔ اس وقت تک کہ وہ شرک سے تائب ہوکر توحید کے قائل ہو جائیں۔

مفہوم کے لحاظ سے دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں۔ فرمائیے کیا ساری دنیا مسلمان ہوگئی۔ کیا کوئی شرک اب باقی نہیں رہا؟ کیا دنیا کے سارے لوگوں نے اس بات کی گواہی دے دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر نہیں تو مرزا قادیانی پر اعتراض کیا معنے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود (کذاب کادیان) نے درحقیقت عیسیٰ پرستی کے

ستون کو توڑ دیا۔ کئی سو سال سے برابر مسلمان اور عیسائی مانتے چلے آ رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ مرزا قادیانی نے اس عیسیٰ پرستی کے ستون کو اپنے تثلیث شکن قلم سے توڑ دیا اور ایسا توڑا کہ اور تو اور خود آپ (مولوی ثناء اللہ) بھی اس مسئلہ پر بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ فرمائیے! مرزا قادیانی نے اس مسئلہ کو عقل سے نقل سے قرآن سے حدیث سے، انجیل سے اور واقعات سے باطل ثابت نہیں کر دیا۔ کیا آپ لوگوں میں یا عیسائیوں میں جرأت ہے کہ احمدیوں سے از روئے قرآن وانجیل حیات مسیح کے مسئلہ پر بحث کر سکیں۔

مولوی صاحب نے اسی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے: ''چین سے ایک دوست نے ہمیں ایک اخبار بھیجا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ۱۸۸۴ء میں پہلے انجیل کا ترجمہ چینی زبان میں تقسیم ہوا۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۴سال کے عرصہ میں ۷ کروڑ ۵۲ لاکھ ۸۴ ہزار ایک سو نو نسخے بائبل کے شائع ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد پوچھتے ہیں کہ کیا اسی کا نام ہے عیسائی مذہب کا مٹنا؟ معلوم نہیں بائبل کی اشاعت سے تثلیث کی ترقی کس طرح ہوئی۔ جب کہ ساری بائبل میں کسی جگہ بھی تثلیث کا نام تک نہیں۔ بلکہ جابجا توحید کی تعلیم ہے۔

عیسائیت کی ترقی کا حال اگر آپ معلوم کرنا چاہیں تو عیسائیوں سے پوچھئے اور پادریوں کے بیانات پڑھئے۔ جو یہ رونا روتے رہتے ہیں کہ کوئی عیسائیت پر عمل کرنے والا نظر نہیں آتا۔'' (الفضل مورخہ ۵/نومبر ۱۹۲۹ء)

فصل دوازدہم

اگر مرزا کے الہامات میں غیر زبان کے الفاظ ہیں تو قرآن میں بھی ہیں

اخبار قادیانی ''حضرت مسیح موعود کے الہامات مختلف زبانوں میں'' کے ذیل میں لکھتا ہے کہ:

حضرت مسیح موعود کے الہامات مختلف زبانوں میں

''حضرت مسیح موعود (کذاب کادیان) کے الہامات پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کو دوسری زبان میں الہام کیوں ہوئے۔ نیز ایسی زبانوں میں کیوں ہوئے جنہیں آپ نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:''وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین

لھم (ابراھیم) ’’ مگراس آیت کا وہ مفہوم بتائیں جو ہمارے مخالف سمجھتے ہیں۔ بلسان قومہ سے مراد الہام نہیں۔ بلکہ صرف یہ ہیں کہ وہ نبی ان لوگوں کی باہمی زبان میں باتیں کرتا ہے۔ اس پر ’’لیبین لھم قرینه ‘‘ بھی ہے۔ مفسرین نے اس کے معنے یہ لکھے ہیں: ’’الا بلسان قومه اے متکلماً بلغته من ارسل الیھم من الاصم‘‘ (روح المعانی ج۴ص ۳۰۹)

مدارک التنزیل میں ہے۔ ’’الا بلسان قومه الا متکلماً بلغتھم‘‘

(برحاشیہ خازن ج۳ص ۸۲)

پس جب آیت قرآنی کا یہ مطلب ہی نہیں تو اعتراض کیسا۔ دوسری اس بات کے متعلق یہ ہے کہ قوم سے مراد چار ہی ہوسکتے ہیں۔ امت دعوت، امت اجابت، خاندان کے لوگ یا ملک کے لوگ۔ اگراس سے امت دعوت مراد لی جائے تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود (کذاب کادیان) تمام دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ اس لئے متعدد زبانوں میں الہام کوئی حرج کی بات نہیں اور اگر قوم سے مراد امت اجابت ہوتو چونکہ اس میں بھی سب طبقوں کے لوگ شامل ہیں۔ اس لئے یہ صورت بھی قابل اعتراض نہیں اور اگر قوم سے مراد خاندان شامل ہیں۔ اس لئے یہ صورت بھی قابل اعتراض نہیں اور اگر قوم سے مراد خاندان کے لوگ لے لئے جائیں تو اس صورت میں قرآن کریم پر بھی اعتراض وارد ہوگا۔ کیونکہ لکھا ہے:

’’والذی یذھب مذھب السجستانی یقول ان فی القرآن ما نزل بلغة حمیر و کنانه وجرھم وازوشنوۃ ومذجج وخثعم وقیس غیلان وسعد العشیرہ کندہ وحذرہ وحضر موت وغسان ونرنیة ولخم وجذام وحنیفة والیمامه وسبا وصلبھم وعمارۃ وصلے وخزاعة وعمان وتمیم وانماء والاشعریین والاوس والخزاج ومدین وقد مثل لکل ذالک ابو القاسم (روح المعانی ج۴ ص ۲۱۰)‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں قریباً تیس مختلف قبائل کی زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ پس اگر بلسان قومہ سے مراد صرف نبی کے خاندان کے لوگ ہی ہوسکتے ہیں تو یہ اعتراض قرآن کریم پر بھی وارد ہوگا۔

پھر اگر قوم سے مراد ملک کے لوگ ہوں تو اوّل تو یہ کسی کی لغت کی رو سے جائز نہیں۔ دوئم جس نبی کے ملک میں مختلف اقوام بستی ہوں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہوں تو اسے سب زبانوں میں ملہم بننے کا حق ضرور ہونا چاہئے۔ پس ہندوستان میں بھی چونکہ مختلف زبانیں بولنے والی مختلف اقوام آباد ہیں۔ اس لئے اس صورت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح

موعود کو جن زبانوں میں الہام ہوا وہ عربی، اردو، انگریزی، فارسی، پنجابی، عبرانی اور ہندی میں۔ عربی آپ کی مذہبی زبان تھی۔ انگریزی حکومت وقت کی زبان تھی۔ فارسی جدی اور خاندانی زبان تھی۔ پنجابی صوبہ کی زبان تھی۔ عبرانی میں آپ کو دعویٰ مسیحیت کی نسبت سے الہام ہوئے اور ہندی میں کرشن ہونے سے۔ غرض ہر زبان آپ سے متعلق تھی۔ کیونکہ آپ موعود کل ادیان تھے اور سب کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

ایک اور بات یاد رکھنی چاہئے کہ بلسان قومہ سے مراد زبان کا دینا یعنی اس زبان میں فصاحت عطاء کرتا ہے۔ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں۔''اوتیت جوامع الکلم'' اس طرح مسیح موعود کو ربی میں اس قدر فصاحت اور قدرت عطاء کی گئی کہ آپ نے تحدی کے ساتھ عربی کتب شائع کیں اور مخالفین کو ان کی نظیر لانے کے لئے چیلنج دیا۔ لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ مقابل میں نکلے۔''

رسول کریم اور دیگر زبانوں میں الہام

''اگر اس جگہ یہ سوال ہو کہ آنحضرتﷺ بھی سب کی طرف مبعوث تھے۔ آپ کو کیوں سب زبانوں میں الہام نہ ہوئے تو اس کے تین جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ ضروری نہیں کہ سب زبانوں میں الہام ہو۔ یہ صرف جائز ہے اور نہ ہونا کسی نقص پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ اس زمانہ میں لوگ ایک دوسرے سے اس طرح مختلط اور ملے جلے نہ تھے۔ اس لئے سب زبانوں کی جگہ سب کی ماں زبان (ام الالسنہ) میں الہام ہوگیا۔ روح المعانی میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے۔ لکھا ہے:''لغتهم (لغت اصل العرب) افضل اللغات نزل الکتاب المبین بلسان عربی مبین (روح المعانی ج۴ ص۲۱)'' اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ مفسرین نے قرآن مجید میں بھی غیر عربی الفاظ تسلیم کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

الف...... ''وذهب جمع الی وقوع غیر العربی فیه (فی القراٰن) واجابوا عن الاٰیة بان الکلمات الیسیرة بغیر العربیة لا تخرجه عن العربیة فالقصیدة الفارسیة لا تخرج عن کونها فارسیة بلفظ عربیة (روح المعانی ج۴)''

ب...... ''واختار الجلال السیوطی القول بالرقوع واستدل علیه بساصح عن ابی سیرة التابعی الجلیل انه قال فی القراٰن من کل لسان دروی مثله عن سعید بن جبیر وذهب بن منبه (روح المعانی ج۴ ص۶)''

ج...... فخر الدین رازی لکھتے ہیں:''ان الله تکلم بالمشکوٰة وهو بلسان الحبشة

والسجیل والاستبرق فارسیان (کبیر ج ۱ ص ۲۳۳)"

د...... "وذکر ابوبکر الوسطی ان فی القرآن من اللغات خمسین لغة ولردھا مثلاً لھا الا انه ذکر ان فیه من غیر العربیة الفرس والنبط والحشیة والبربیه والسریانیة والعبرانیة والقبط (روح المعانی ج ۴ ص ۲۱۰)"

تیسرا جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ آپ کے خدام کو الہام ہوتا بھی آپ کے ہی رتبہ کو بڑھاتا ہے اور مسیح موعود کو جو کچھ ملا وہ آپ ہی کے طفیل ملا ہے۔ جیسے فرمایا ؎

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

اس کے علاوہ عقلاً ہم دیکھتے ہیں کہ غیر زبان میں الہام ہونا کوئی خرابی یا نقص کی بات نہیں۔ بلکہ یہ ایک صداقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی زبان جسے انسان جانتا بھی نہیں اس میں الہام انسان تصنع یا بناوٹ سے نہیں بنا سکتا۔ ایسا الہام یقیناً خداتعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ کسی پیش گوئی پر مشتمل ہو۔

مختلف زبانوں میں الہامات کی ضرورت

اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آج کیا ضرورت پیش آئی کہ مختلف زبانوں میں الہام ہو۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا ایک قوم کی حیثیت رکھتی ہے اور خداتعالیٰ اقوام عالم کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ خدا ان سے ان کی اپنی زبان میں بھی گفتگو کر سکتا ہے۔ مسیح موعود نے اس سوال کا جواب حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں: "ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خداتعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خداتعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں اور چونکہ اس زمانہ میں خداتعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بناوے۔ اس لئے ہم کبھی دوسری زبانوں میں بھی الہام پاتے ہیں۔" (چشمہ معرفت ص ۲۱۰، خزائن ج ۲۳ ص ۲۱۸،۲۱۹)

پس مسیح موعود کے موعود امم ہونے اور اقوام کے اجتماع کا مرکز ہونے کے باعث اور دلیل صداقت ہونے کی وجہ سے ضروری تھا کہ آپ کو سب زبانوں میں الہام ہوں۔"

(الفضل مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۳۰ء)

تمت تمام شد

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حقیقت مرزا

بقلم خود

○

جناب پادری کے. ایل ناصر صاحب

تفصیلی فہرست

پیش لفظ	۲۸۱
باب اوّل ...... مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی	۲۸۱
باب دوم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کی بیماریاں	۲۸۶
اوّل: مراق اور مرزا غلام احمد	۲۸۶
مراق ازروئے طب	۲۸۶
قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اوّل از کتاب ثالث	۲۸۷
۱......مرزا قادیانی کو مراق کی بیماری تھی	۲۸۸
۲......مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوی کو مراق کی بیماری تھی	۲۸۹
۳......مرزا قادیانی کے فرزند ارجمند کو مراق کی بیماری تھی	۲۸۹
مراق کا مریض نا قابل اعتبار (مرزا غلام احمد کا اپنا بیان)	۲۸۹
۱......ہسٹیریا اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۸۹
احمدی فتویٰ	۲۹۰
۳......کثرت بول اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۹۰
۴......اسہال اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۹۱
۵......دوران سر اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۹۱
۶......ذیابیطس اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۹۲
۷......خرابی حافظہ اور مرزا غلام احمد قادیانی	۲۹۲
مرزا غلام احمد قادیانی......مجموعہ امراض	۲۹۲
مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات	۲۹۲
احمدی فتویٰ (ہیضہ سے موت عبرتناک ہے)	۲۹۳
باب سوم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات	۲۹۴
فصل اوّل: مرزا غلام احمد قادیانی کے دلچسپ الہامات	۲۹۴
فصل دوم: مرزا غلام احمد قادیانی کے مہمل الہامات	۲۹۵
فصل سوم: مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات انگریزی زبان میں	۲۹۵
مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام دینے والا فرشتہ ''ٹیچی''	۲۹۶
باب چہارم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کی الوہیت	۲۹۶
فصل اوّل: مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ الوہیت	۲۹۶

فصل دوم: الوہیت مرزا قادیان اور قرآن	۲۹۸
الہامات قادیانی	۲۹۸
آیات قرآنی	۲۹۹
باب پنجم ...... مرزاغلام احمد قادیانی کی تہذیب اور اخلاق	۳۰۰
فصل اوّل: مرزاغلام احمد قادیانی اہل اسلام کے حق میں	۳۰۰
فصل دوم: مرزاغلام احمد قادیانی کے ارشادات اکابرین اسلام کے حق میں	۳۰۲
باب ششم ...... مرزاغلام احمد قادیانی کے متضاد اعتقادات	۳۰۴
مرزاغلام احمد قادیانی کا اپنا فتویٰ	۳۰۴
تناقضات مرزاغلام احمد	۳۰۵
اقرار کہ مسیح دمشق میں نازل ہوگا	۳۱۰
مسیح موعود ہونے سے انکار	۳۱۰
مسیح موعود ہونے سے انکار	۳۱۰
مسیح موعود ہونے سے انکار، مجدد وقت کا دعویٰ	۳۱۰
مسیح کے آنے کا اقرار	۳۱۰
باب ہفتم ...... مرزاغلام احمد قادیانی کی دروغ گوئیاں	۳۱۱
فصل اوّل: جھوٹ اور جھوٹے کی نسبت مرزاغلام احمد کا فتویٰ	۳۱۱
فصل دوم: مرزاغلام احمد قادیانی کی دروغ گوئیاں	۳۱۲
باب ہشتم ...... مرزا قادیانی کی بہتان طرازیاں اور غلط بیانیاں	۳۱۳
باب نہم ...... مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں اور الہامات	۳۱۵
فصل اوّل: مرزاغلام احمد قادیانی کی پیشین گوئی اپنی عمر کے بارے میں	۳۱۶
ایک الجھن	۳۱۷
فصل دوم: مرزا قادیانی کی پیشین گوئی محمدی بیگم سے نکاح کے بارے میں	۳۱۸
۱......اس پیشین گوئی کی تفصیل	۳۱۸
۲......اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے مرزاغلام احمد کی مساعی:	۳۲۰
مرزاغلام احمد کے خطوط بنام متعلقین محمدی بیگم	۳۲۰
خط نمبر:۱	۳۲۰
خط نمبر:۲	۳۲۱
خط نمبر:۳	۳۲۱

خط نمبر:۴	۳۲۱
۳......مرزا غلام احمد قادیانی کی ناکام مساعی	۳۲۲
۴......مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے مریدوں کے عذر	۳۲۲
خط نمبر:۱	۳۲۲
خط نمبر:۲	۳۲۳
فصل سوم: ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بابت مرزا قادیانی کی پیشین گوئی	۳۲۴
مرزا غلام احمد کی پریشانی	۳۲۵
مرزا غلام احمد قادیانی کے عذر	۳۲۶
آخری فیصلہ درباره مولوی ثناء اللہ امرتسری	۳۲۷
فصل پنجم: ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں	۳۳۰
مرزا غلام احمد قادیانی کا توبہ نامہ	۳۳۰
باب دہم ...... مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اور مرزا بشیرالدین محمود خلیفہ ثانی کے عقائد میں اختلاف	۳۳۱
باب یازدہم ...... احمدیوں کے دو گروہوں میں اختلاف عقائد	۳۳۳
۱......مسیح کی پیدائش پر دونوں کے متضاد عقائد	۳۳۳
۲......مسیح کے مہد میں کلام کرنے پر متضاد عقائد	۳۳۴
۳......حضرت ابراہیم کے واقعہ نار کے متعلق متضاد عقائد	۳۳۴
۴......حضرت یونس کے واقعہ کے متعلق متضاد عقائد	۳۳۵
۵......آخری نبی کی نسبت متضاد عقائد	۳۳۵
ضمیمہ اوّل	۳۳۶
۱......مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں	۳۳۶
۲......مرزائیوں کی بعض کتابیں	۳۳۷
۳......احمدی فرقہ کے اخبار اور رسالے	۳۳۷
ضمیمہ دوم	۳۳۸
کتب جو مرزا غلام احمد اور احمدیت کی نسبت لکھی گئیں	۳۳۸
ضمیمہ سوم	۳۴۰
مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کا خاکہ	۳۴۰
حصہ اوّل	۳۴۰
حصہ دوم	۳۴۰

پیش لفظ

بڑی مدت سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ جس میں مرزاغلام احمد قادیانی آنجہانی کے اپنے الفاظ میں ان کی حقیقت کو بے نقاب کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پادری کے.ایل ناصر صاحب پرنسپل تھیولاجیکل سیمزی گوجرانوالہ نے مسیحی جماعت اور بالخصوص پاسبانوں اور مبشروں کے فائدہ کے لئے اس کتاب کو مرتب فرما کر ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی موجودگی میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے لئے اس فرقہ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بہت ہی آسانی ہوجائے گی۔

پادری صاحب موصوف نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور ماسوا چند ایک مقامات کے اپنی تنقید اور رائے زنی سے احتراز کیا ہے۔ تاکہ مرزاغلام احمد قادیانی کو ان کے اپنے ہی بیانات کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے۔ خدا کرے کہ یہ کتاب مسیحیوں اور غیرمسیحیوں دونوں کے لئے مفید ثابت ہو اور عوام ''پنجابی مسیح موعود'' کی حقیقت سے روشناس ہوکر اس کی نسبت صحیح رائے قائم کرسکیں۔ پادری عبدالقیوم (ڈائریکٹر کرسچن سٹڈیز سنٹر گوجرانوالہ)

باب اوّل ...... مرزاغلام احمد قادیانی کے دعاوی

مرزاغلام احمد قادیانی بانی فرقہ احمدیت اپنی نسبت اپنی کتابوں میں یوں رقمطراز ہیں:

۱...... ''میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔''

(کتاب البریہ ص۷۸، خزائن ج۱۳ ص۱۰۳، آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۲...... ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے غلام احمد تیرا نام پورا ہوجائے گا۔ پیشتر اس کے کہ میرا نام پورا ہو۔'' (انجام آتھم ص۵۲، خزائن ج۱۱ ص۵۲)

۳...... ''خدا میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور رحم، تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اس کا ہوگیا۔ اس حالت میں میری زبان پر جاری تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے مطابق ترتیب اور تفریق کی، اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کی خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وغیرہ۔''

(کتاب البریہ ص۱۰۴، خزائن ج۱۳ ص۱۰۴، ۱۰۵)

۴...... ’’خدا نے مجھے کہا کہ تو مجھے میرے فرزند کی طرح ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۸۹)

۵...... ’’خدا نے میرا نام متوکل رکھا، خدا میری حمد کرتا ہے اور مجھ پر رحمت بھیجتا ہے۔‘‘

(ضمیمہ تریاق القلوب ص۶۷، نشان نمبر۴۸، خزائن ج۱۵ ص۲۶۸)

۶...... ’’خدا مجھ سے ہے اور میں خدا سے ہوں۔‘‘ (رسالہ دافع البلاء ص۶، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷)

۷...... ’’خدا نے فرمایا جو کچھ مرزا قادیانی کی زبان سے جاری ہو، وہ میری زبان سے ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۱۶، خزائن ج۲۲ ص۱۸)

۸...... ’’خدا نے فرمایا، اے مرزا: میں نے تجھے اپنے نفس کے لئے پسند کیا۔ زمین اور آسمان تیرے ساتھ ہیں۔ جیسے میرے ساتھ ہیں تو میرے پاس بمنزلہ توحید اور تفرید کے ہے۔‘‘

(رسالہ انجام آتھم ص۵۱،۵۲، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

۹...... ’’خدا نے فرمایا، اے مرزا: خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہوتا ہے۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۷، خزائن ج۱۱ ص۳۰۱)

۱۰...... ’’خداوند عالم عرش پر میری حمد کرتا ہے۔‘‘ (اربعین نمبر۳ ص۲۶، خزائن ج۱۷ ص۴۱۴)

’’تیرا خدا قادر ہے وہ عرش پر تیری تعریف کرتا ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۳ ص۲۶، خزائن ج۱۷ ص۴۱۴)

۱۱...... ’’خدا نے مجھ سے کہا کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان کو پیدا ہی نہ کرتا۔‘‘

(تذکرہ ص۶۱۲، طبع چہارم)

۱۲...... ’’میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا وہی ہوں اور میرا ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا اور میں ایک سوراخ دار برتن کی مانند ہوگیا۔ اس شئے کی طرح ہوں جسے دوسری شئے نے اپنی بغل میں دبا لیا ہے اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا کوئی نام ونشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے دیکھا کہ اس کی قوت اور قدرت مجھ میں زور مارتی اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔‘‘

(کتاب البریہ ص۷۸، خزائن ج۱۳ ص۱۰۳،۱۰۴، آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۱۳...... ’’خدا نے مرزا کو کہا، اے میرے بیٹے سن۔ **اسمع ولدی**‘‘

(کتاب البشریٰ جلد اوّل ص۴۹، خزائن ج۱۳ ص۱۰۴)

۱۴...... ’’خدا نے مجھ کو فرمایا کہ تو ہمارے پانی سے ہے اور لوگ فشل سے ہیں۔‘‘

(انجام آتھم ص ۵۶، اربعین نمبر۳ ص ۴۲، خزائن ج ۱۱ ص ۵۵، ۵۶)

۱۵...... ’’خدا نے فرمایا، اے غلام احمد! تو میرا سب سے بڑا نام ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۲ ص ۳۴، خزائن ج ۱۷ ص ۳۸۲)

۱۶...... ’’مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی ہے اور استعارے کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا ہے اور کئی ماہ بعد جو دس ماہ سے زیادہ نہیں بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔‘‘

(کشتی نوح ص ۴۷، خزائن ج ۱۹ ص ۵۰)

۱۷...... ’’بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپا کی پر اطلاع پائے۔ لیکن خداتعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھائے گا جو متواتر ہوں گے۔ تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۴۳، خزائن ج ۲۲ ص ۵۸۱، اربعین نمبر۴ ص ۱۹، خزائن ج ۱۷ ص ۴۵۲)

۱۸...... ’’یہ زمانہ جو آخرالزمان ہے۔ اس زمانہ میں خداتعالیٰ نے ایک شخص کو حضرت آدم علیہ السلام کے قدم پر پیدا کیا جو یہی راقم ہے...... میں توام پیدا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا...... حضرت آدم کی پیدائش زوج کے طور پر تھی (یعنی ایک مرد اور ایک عورت) اسی طرح میری پیدائش ہوئی...... پہلے لڑکی پیٹ سے نکلی اور پھر میں نکلا۔ میرے بعد میرے والدین کے گھر کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ میں ان کے لئے خاتم الاولاد تھا...... خدا نے آخری آدم مجھ کو پیدا کیا اور پہلے آدمیوں پر ایک وجہ سے اس کو فضیلت دی۔‘‘

(تریاق القلوب ص ۱۵۶، ۱۵۷، خزائن ج ۱۵ ص ۴۷۷ تا ۴۸۰)

۱۹...... ’’خدا نے اس عاجز کا نام نبی بھی رکھا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص ۵۳۳، خزائن ج ۳ ص ۳۸۷)

۲۰...... ’’سچا خدا وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔‘‘

(دافع البلاء ص ۱۱، خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۱)

۲۱...... اور پھر فرمایا: ’’خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے اس رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب واخلاق کے ساتھ بھیجا۔‘‘ (اربعین نمبر۳ ص ۳۶، خزائن ج ۱۷ ص ۴۲۶)

۲۲...... ’’ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم بغیر نئی شریعت کے رسول اور نبی ہیں۔ بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ظاہر ہوئے جن پر کتاب نازل نہ ہوئی تھی۔‘‘ (اخبار بدر مورخہ ۵؍مارچ ۱۹۰۸ء)

۲۳...... ’’چونکہ اس مبارک زمانے میں خدا کا ایک برگزیدہ نبی اور رسول موجود ہے۔ اس لئے

عذاب بھی اس قسم کے نازل ہورہے ہیں۔ جو انبیاء کے وقتوں میں ہوتے ہیں۔‘‘

(اخبار بدر مورخہ ۲۴؍نومبر ۱۹۰۴ء)

۲۴...... ’’جب کہ میں اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشین گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پاکر بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہوگئی ہیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول ہونے کے نام سے کیونکر انکار کروں اور جب کہ خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو کیونکر انکار کروں اور میں جیسا قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ویسا بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی وحی پر ایمان رکھتا ہوں جو مجھے ہوئی۔‘‘ (اشتہار مورخہ ۵؍نومبر ۱۹۰۱ء، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۳۵)

۲۶...... ’’یہ دو نام اور دو خطاب خاص آنحضرتؐ کو قرآن میں دیئے گئے یعنی داعی الی اللہ اور سراج منیر پھر وہ خطاب الہام میں مجھے دیئے گئے ہیں۔‘‘ (اربعین نمبر۲ ص۵، خزائن ج۱۷ ص۳۵۰)

۲۷...... ’’اس امت میں وہ شخص میں ہی ہوں جس کو اپنے نبی کریم کے نمونہ پر وحی اللہ پاتے ہوئے تئیس برس کی مدت ہوگئی اور ۲۳ برس تک سلسلہ وحی جاری رکھا گیا۔‘‘

(اربعین نمبر۳ ص۲۲، خزائن ج۱۷ ص۴۰۹)

۲۸...... ’’ہم نے تجھے دنیا کی رحمت کے لئے بھیجا ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۳ ص۲۳، خزائن ج۱۷ ص۴۱۰)

۲۹...... ’’خدا فرماتا ہے کہ یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سنتے ہو خدا کی وحی ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۳ ص۳۷، خزائن ج۱۷ ص۴۲۷)

۳۰...... ’’کہ وہ پاک ذات وہی ہے جس نے تجھے رات میں سیر کرایا۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۷۸، خزائن ج۲۲ ص۸۱)

۳۱...... ’’اے سردار تو خدا کی طرف سے راہ راست پر خدا کا مرسل ہے جو غالب اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۰۷، خزائن ج۲۲ ص۱۱۰)

۳۲...... ’’میرا نام محمد احمد ہے۔ پس نبوت اور رسالت کبھی کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ ص۶، خزائن ج۱۸ ص۲۱۶)

۳۳...... ’’مرزا تمام انبیاء کا چاند ہے۔‘‘ (انجام آتھم ص۵۸، خزائن ج۱۱ ص۵۸)

۳۴...... ’’خدا نے مجھے آدم صفی اللہ، مثل نوح، مثل یوسف، مثل داؤد اور مثل موسیٰ اور مثل ابراہیم کہا اور احمد کے نام سے بار بار پکارا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۵۳، خزائن ج۳ ص۲۲۷)

۳۵...... ’’آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۶۹۵، خزائن ج۳ ص۴۷۵)

۳۶...... ’’میرے وجود میں سوائے نور محمد کے کچھ نہیں۔‘‘ (الاستفتاء ص۱۷، خزائن ج۲۲ ص۶۳۷)

۳۷...... ’’وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۵۲۲)

۳۸...... ’’میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچے ہیں۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۶۸، خزائن ج۲۲ ص۵۰۳)

۳۹...... ’’اس زمانے میں خدا نے چاہا کہ جس قدر مقدس نبی گزر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے سو وہ میں ہوں۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۰، خزائن ج۲۱ ص۱۱۷،۱۱۸)

۴۰...... منم مسیح زماں منم کلیم خدا
منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب ص۳، خزائن ج۱۵ ص۱۳۴)

۴۱...... ’’اے ابراہیم میں تیرے ساتھ ہوں۔‘‘ (البشریٰ ج دوم ص۱۳۳،۱۳۴،۱۳۷،۱۳۹)

۴۲...... ’’تو مجھ سے مانند موسیٰ کے ہے۔‘‘ (البشریٰ ج دوم ص۱۲۹)

۴۳...... ’’مجھے اپنی وحی پر توریت وانجیل وقرآن کی طرح یقین ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۴ ص۱۹، خزائن ج۱۷ ص۴۵۴)

۴۴...... ’’خدا کی قسم میں اپنے الہامات پر قرآن اور دیگر کتب سماوی کی طرح یقین رکھتا ہوں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۲۱۱، خزائن ج۲۲ ص۲۲۰)

۴۵...... ’’آنحضرت ﷺ کے وقت دین کی پہلی حالت شب کے چاند کی طرح تھی۔ مگر مرزا قادیانی کے وقت چودھویں رات کے بدر کامل جیسی ہوگی۔‘‘

(مفہوم ص۱۷۸،۲۰۱، خطبہ الہامیہ، خزائن ج۱۶ ص۲۶۷،۲۹۸)

۴۶...... ’’جو کوئی میری جماعت میں داخل ہوگیا وہ صحابہ میں داخل ہوگیا۔ جو کوئی میری جماعت میں داخل ہوا۔ درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۱۷۱، خزائن ج۱۶ ص۲۵۸)

۴۷...... ’’صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیش گوئیاں سبقت لے گئی ہیں۔‘‘

(ریویو جلد اوّل ص۳۹۳)

۴۸...... ’’آنحضرت ﷺ کے تین ہزار معجزات مگر مرزا قادیانی کے دس لاکھ نشان۔‘‘

(تحفہ گولڑویہ ص۴۵، خزائن ج۱۷ص۱۵۳، تذکرۃ الشہادتین ص۴۱، خزائن ج۲۰ص۴۳)

۴۹...... ’’وان روح اللہ ینطق فی نفسی اللہ کی روح میرے نفس میں بولتی ہے۔‘‘

(انجام آتھم ص۱۷۶، خزائن ج۱۱ص۱۷۶)

۵۰...... ’’جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ میں تفریق کرتا ہے۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا ہے۔ جو شخص مجھ میں اور نبی ﷺ میں فرق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں جانا اور نہیں پہچانا۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۱۷۱، خزائن ج۱۶ص۲۵۹)

۵۱...... ’’ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے جو انسان کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔‘‘ (نورالقرآن حصہ دوم ص۱۹، خزائن ج۹ص۳۹۴)

باب دوم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کی بیماریاں

اوّل: مراق اور مرزا غلام احمد

مراق از روئے طب

’’مالیخولیا کی ایک قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں۔ یہ مرض تیز سودا سے جو معدہ میں جمع ہوتا ہے پیدا ہوتا ہے اور جس عضو میں یہ مادہ جمع ہوجاتا ہے۔ اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔ اس کی علامات یہ ہیں۔ ترش دخانی ڈکاریں آنا، ضعف معدہ کی وجہ سے کھانے کی لذت کم معلوم ہونا، ہاضمہ خراب ہوجانا، پیٹ پھولنا، پاخانہ پتلا ہونا، دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہونا۔‘‘

(شرح الاسباب والعلامات، امراض راس، مالیخولیا، تصنیف علامہ برہان الدین نفیس)

’’یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرض (مراق) کی علامات کا ظہور فتور قوت حیوانی یا روح یوانی سے ہوتا ہے جو کہ جگر ومعدے میں ہوتی ہے۔ مگر تحقیقات جدیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مرض عصبی ہے اور جیسا کہ عورت میں رحم کی مشارکت سے مرض اختناق الرحم (ہسٹیریا) پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اعضائے اندرونی کے فتور سے ضعف دماغ ہوکر مردوں میں مراق ہوجاتا ہے۔ مریض ہمیشہ سست اور متفکر رہتا ہے۔ اس میں خودی کے خیالات پیدا ہوجاتے ہیں۔

ہر ایک بات میں مبالغہ کرتا ہے...... بھوک نہیں لگتی، کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا۔‘‘

(مخزن حکمت مصنفہ شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب، حصہ دوم)

’’فساد ہضم، کھٹی دخانی ڈکاریں، منہ میں زیادہ رال آئے، پیٹ پھولتا ہے، پیٹ میں قراقر، تناوٹ اور سوزش ہو، جھوٹی بھوک معلوم ہو، تالو کی طرف دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوں، ہاضمہ اچھا ہو تو مرض میں تخفیف ہو، ہاضمے کی خرابی اور تخمے سے مرض میں زیادتی ہو...... گاہے جسم کے اوپر کے حصے میں کپکپی اور لرزہ ہاتھ پاؤں کی ہتھیلیوں یا تمام بدن کا ٹھنڈا ہو جانا یہاں تک کہ کبھی غشی تک نوبت پہنچ جائے...... کبھی ایک چیز کے دو معلوم ہونا، کبھی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندتی معلوم ہونا، آنکھوں کی کرختگی اور پلکوں کا بوجھل ہونا، دماغ اور سر میں سوزش اور گرمی، دردسر اور نسیان، یک بیک اچھولگ جانا، مرض مراق کے لوازم سے ہے۔ لیکن ان سب کا ایک مریض میں پایا جانا ضروری نہیں۔‘‘ (اکسیر اعظم ج۱ص۱۸۹)

’’مالیخولیا اس مرض کو کہتے ہیں جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات وافکار متغیر بخوف وفساد ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب مزاج کا سوداوی ہو جانا ہوتا ہے۔ جس سے روح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہو جاتا ہے۔ یا پھر یہ مرض حرارت جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔ جب اس میں غذا کے فضلات اور آنتوں کے بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے اخلاط جل کر سودا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں تو ان اعضاء سے سیاہ بخارات اٹھ کر سر کی طرف چڑھتے ہیں۔ اسی کو نفخہ مراقیہ، مالیخولیائے نافخ اور مالیخولیائے مراقی کہتے ہیں۔‘‘ (قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اوّل از کتاب ثالث)

’’عمدہ خون پیدا کرنے والی غذائیں استعمال کرائی جائیں۔ مثلاً مچھلی (پرندوں کا زود ہضم گوشت اور کبھی کبھی سفید ہلکی شراب جو تیز اور پرانی نہ ہو...... اور عمدہ خوشبو میں جیسے مشک، عنبر، نافہ اور عود استعمال کرائیں۔ نیز فم معدہ کے لئے مقوی جوارشات کا استعمال کرائیں۔

مریض مالیخولیا کو لازم ہے کہ کسی دل خوش کن کام میں مشغول رہے اور اس کے پاس وہ لوگ رہیں جو اس کی تعظیم وتکریم کرتے رہیں اور اس کو خوش رکھیں اور شراب تھوڑا تھوڑا پانی ملا کر اعتدال کے ساتھ پلائی جائے۔‘‘

قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اوّل از کتاب ثالث

’’مالیخولیا خیالات وافکار کے طریق طبعی سے متغیر بخوف وفساد ہو جانے کو کہتے ہیں...... بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا

ہے اور اکثر ہونے والے امور کی پہلے ہی خبر دے دیتا ہے...... اور بعض میں یہ فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔''

(شرح الاسباب والعلامات امراض رأس مالیخولیا)

''مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانۂ صحت میں مشغول رہا ہو۔ مثلاً...... مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات وکرامات کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔'' (اکسیر اعظم جلد اوّل ص ۱۸۸)

''مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے۔''

(بیاض حکیم نورالدین قادیانی جزو اوّل، دسمبر ۱۹۲۸ء ص ۲۱۱)

''مالیخولیا بحسب محل سبب تین قسم پر ہے۔

اوّل...... دماغی جس کا محل وقوع دماغ ہے۔ اطباء اس کو شرالاصناف کہتے ہیں۔

دوم...... قلب اور دماغ کے سوا جس کا محل تمام بدن ہو بخارات دماغ کی طرف چڑھیں۔

سوم...... امعاء میں رویہ فضلات یا معدہ کے سوداوی ورم یا باب الکبد کے ورم سے یا جگر سدہ سے یا ماریقا کے ورم سے بخارات نکل کر غشا مراق تک پہنچیں اور مراق سے اٹھ کر دماغ کی طرف جائیں اور مالیخولیا پیدا کریں۔ اس کو مالیخولیا مراقی کہتے ہیں۔ چونکہ مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ اور مالیخولیا مراقی میں دماغ کو ایذا پہنچتی ہے۔ اس لئے مراق کو سر کے امراض میں لکھا ہے۔'' (بیاض حکیم نورالدین جزو اوّل ص ۲۱۱)

۱...... مرزا قادیانی کو مراق کی بیماری تھی

۱...... ''دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی کی تھی۔ جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح جب آسمان سے اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور ایک نیچے کے دھڑ کی کثرت بول۔''

(رسالہ تشحیذ الاذہان ج اوّل نمبر ۲ ماہ جون ۱۹۰۶ء، اخبار بدر جلد دوم نمبر ۲۳ مورخہ ۷/جون ۱۹۰۶ء)

۲...... ''میرا یہ حال ہے کہ باوجود دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مبتلا رہا ہوں۔ تاہم مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ بڑی بڑی رات تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ تاہم میں اس بات کی پروا نہیں کرتا اور اس کام کو کئے جاتا ہوں۔'' (ملفوظات ج ۲ ص ۳۷۶)

’’حضرت مسیح موعود نے بے شک مراقی کا لفظ اپنی نسبت بولا ہے۔‘‘

(احمدیہ پاکٹ بک ص۴۹۰)

۳...... ’’مراق کا مرض مرزا کو موروثی نہ تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا اور اس کا باعث سخت محنت دماغی، تفکرات، غم اور سوء ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعے ہوتا تھا۔‘‘

(رسالہ ریویو قادیان ص۱۰، بابت اگست ۱۹۲۶ء)

۴...... ’’مرزا قادیانی نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مجھ کو مراق ہے۔‘‘

(ریویو ج۲۵ ص۶، بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء)

۲...... مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوی کو مراق کی بیماری تھی

’’میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لئے چہل قدمی کرنا مفید ہے۔‘‘

(اخبار الحکم قادیان ج۵ ص۲۹، مورخہ ۱۰/اگست، کتاب منظور الٰہی ص۲۴۴)

۳...... مرزا قادیانی کے فرزند ارجمند کو مراق کی بیماری تھی

’’حضرت خلیفہ المسیح ثانی یعنی مرزا محمود احمد نے فرمایا کہ مجھ کو کبھی کبھی مراق کا دورہ ہو جاتا ہے۔‘‘ (ریویو بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء)

مراق کا مریض ناقابل اعتبار (مرزا غلام احمد کا اپنا بیان)

’’یہ بات تو بالکل جھوٹا منصوبہ ہے اور یا کسی مراقی عورت کا وہم۔‘‘

(کتاب البریہ ص۲۳۹، خزائن ج۱۳ ص۲۷۴ حاشیہ)

گویا مراق کے مریض کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔

۱...... ہسٹیریا اور مرزا غلام احمد قادیانی

۱...... ’’ہسٹیریا کا مرض جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں چونکہ عام طور پر یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو رحم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ورنہ مردوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے۔ جن مردوں کو یہ مرض ہو ان کو مراقی کہتے ہیں۔‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۱۰ ص۸۴، مورخہ ۳۰/اپریل ۱۹۲۳ء، قادیانی مذہب از پروفیسر برنی ص۱۰۷)

۲...... ’’یہ درست ہے کہ مرگی اور ہسٹیریا میں بھی مراق کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ نہیں

کہ ہر مراقی کو مرگی یا ہسیٹریا کا مرض ہوتا ہے۔‘‘

(بیاض نورالدین قادیانی جلد اوّل منقول از اخبار پیغام صلح لاہور ج۳۶ ص۷، مورخہ یکم/دسمبر ۱۹۴۸ء)

احمدی فتویٰ

۳…… ’’ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹریا یا مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لئے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیتی ہے۔‘‘ (ریویو قادیان بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء)

۴…… مرزا قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد ایم۔اے لکھتے ہیں: ’’بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹیریا کا دورہ ’’بشیر اوّل‘‘ (ہمارا ایک بڑا بھائی ہوتا تھا جو ۱۸۸۸ء میں فوت ہوگیا تھا)…… کی وفات کے چند دن بعد پیدا ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اتھو آیا اور اس کے بعد طبیعت خراب ہوگئی۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۶، روایت نمبر۱۹)

۵…… ’’ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض ایسی عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹیریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یک دم ضعف ہو جانا، چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد پڑ جانا، گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا، ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات زیادہ آدمیوں میں گھبرا بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیرہ۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ دوم ص۵۵، روایت نمبر۳۶۹)

۳…… کثرت بول اور مرزا غلام احمد قادیانی

۱…… ’’دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت محمد ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی۔ اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی ایک نیچے کے دھڑ کی۔ یعنی مراق اور کثرت بول۔‘‘ (رسالہ تشحیذ الاذہان ماہ جون ۱۹۰۶ء، اخبار بدر قادیان ج۲ نمبر۲۳ مورخہ ۷/جون ۱۹۰۶ء)

۲…… ’’دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصے میں اور دوسری بدن کے نیچے کے حصے میں۔ اوپر کے حصے میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصے میں کثرت پیشاب ہے اور یہ دونوں مرض اس زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا

ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۳۰۶،۳۰۷، خزائن ج۲۲ص۳۲۰)

۳...... ''مسیح موعود زرد چادروں میں اترے گا۔ ایک چادر بدن کے اوپر والے حصہ میں ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے والے حصہ میں ہوگی۔ سومیں نے کہا اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریوں کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ کیونکہ تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں ہیں۔ یعنی ایک سر کی بیماری، اور دوسری کثرت پیشاب اور دستوں کی بیماری۔'' (تذکرۃ الشہادتین ص۴۴، خزائن ج۲۰ص۴۶)

۴...... ''میں ایک دائم المریض ہوں...... ہمیشہ درد سر اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب ہے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔'' (اربعین نمبر۴، خزائن ج۱۷ص۴۷۱)

۴......اسہال اور مرزا غلام احمد قادیانی

۱...... میاں محمد منظور الٰہی اپنی کتاب (منظور الٰہی ص۳۴۹) میں لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی نے کہا: ''باوجودیکہ مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی دست آتے ہیں اور جس وقت پاخانہ کی حاجت ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی۔''

۲...... رسالہ (ریویو ج۲۵ نمبر۴ص۶) پر ہے: ''یہ تو امر واقع ہے کہ حضرت صاحب کو بدہضمی، اسہال، پیچش اور درد سر کی عموماً شکایت رہتی تھی۔''

۵......دوران سر اور مرزا غلام احمد قادیانی

۱...... ''دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسرا بدن کے نیچے کے حصہ میں۔ اوپر کے حصے میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصے میں کثرت پیشاب۔ یہ دونوں مرضیں اس زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۳۰۷، خزائن ج۲۲ص۳۲۰)

۲...... ''پان عمدہ بیگمی اور ایک انگریزی وضع کا پاخانہ جو ایک چوکی ہوتی ہے اس میں ایک برتن ہوتا ہے۔ اس کی قیمت معلوم نہیں، آپ ساتھ لاویں قیمت یہاں سے دی جاوے گی۔ مجھے دوران سر کی بہت شدت سے مرض ہوگئی ہے۔ پیروں پر بوجھ دے کر پاخانہ پھرنے سے مجھے سر کو چکر آتے ہیں۔'' (خطوط امام بنام غلام نمبر۶)

۶......ذیابیطس اور مرزا غلام احمد قادیانی

(حقیقت الوحی ص۳۶۳، خزائن ج۱۸ ص۳۷۷) صرف دوران سر کبھی کبھی ہوتا ہے تاکہ دو رنگ چاروں کی پیشین گوئی میں خلل نہ آئے۔ دوسری مرض ذیابیطس تخمیناً ۲۰ برس سے ہے جو مجھے لاحق ہے۔ جیسا کہ اس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور ابھی تک ۲۰ دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے اور امتحان سے بول میں شکر پائی گئی۔''

۷......خرابی حافظہ اور مرزا غلام احمد قادیانی

(کتاب نسیم دعوت ص۱۷ حاشیہ، ریویو ج۲ ص۴، بابت ماہ اپریل ۱۹۰۳ء ص۱۵۳) پر ہے: ''اچھا حافظہ نہیں یاد نہیں رہا۔''

(مکتوبات احمدیہ ج۲ ص۴۸۳) میں لکھا ہے کہ: ''میرا حافظہ بہت خراب ہے۔ اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو تب بھی بھول جاتا ہوں۔''

لیکن مرزا قادیانی (ریویو بابت ماہ جنوری ۱۹۰۳ء) پر یوں فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء کا حافظہ بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔''

ملہم کا دماغ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی......مجموعہ امراض

''مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام تکالیف مثلاً دوران سر، دردسر، کمی خواب، تشنج دل، بد ہضمی، اسہال، کثرت پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھی۔'' (رسالہ ریویو قادیان بابت مئی ۱۹۲۷ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات

''برادران! جیسا کہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہے کہ حضرت امامنا و مولانا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود (مرزا قادیانی) کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو بڑھ جاتی تھی۔ حضور کو یہ بیماری بسبب کھانا نہ ہضم ہونے کے تھی، اور چونکہ دل سخت کمزور تھا اور نبض ساقط ہو جایا کرتی تھی۔ اس دفعہ لاہور کے قیام میں بھی حضور کو دو تین دن پہلے یہ ہوئی۔ لیکن ۲۵ رمئی کی شام کو جب کہ آپ سارا دن ''پیغام صلح'' کا مضمون لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے تو واپسی پر پھر اس بیماری کا دورہ شروع ہو گیا اور وہی دوائی جو کہ پہلے مقوی معدہ استعمال فرماتے تھے، مجھے حکم بھیجا تو بنوا کر بھیج دی گئی۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور

قریباً گیارہ بجے اور ایک دست آنے پر طبیعت ازحد خراب ہوگئی اور مجھے اور حضرت خلیفہ نورالدین صاحب کوطلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں اوراس خیال سے کہ دماغی کام کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوئی۔ نیند آنے سے آرام آجائے گا۔ ہم واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔ مگر تقریباً دواور تین بجے کے درمیان ایک اور بڑا دست آگیا جس سے نبض بالکل بند ہوگئی اور مجھے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیح مولوی نوردین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بلوایا اور برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کوبھی گھر سے طلب کیا گیا اور جب وہ تشریف لائے تو مرزا یعقوب بیگ صاحب کواپنے پاس بلاکر کہا کہ مجھے سخت اسہال کا دورہ ہوگیا ہے۔ آپ کوئی دوا تجویز کریں۔ علاج شروع کیا گیا۔ چونکہ حالت نازک ہوگئی تھی۔ اس لئے ہم پاس ٹھہرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مگر پھر نبض واپس نہ آئی۔ یہاں تک کہ سوادس بجے صبح ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس کی روح اپنے محبوب حقیقی سے جاملی۔‘‘ (ضمیمہ اخبار الحکم قادیان غیر معمولی مورخہ ۲۸؍مئی ۱۹۰۸ء)

’’حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے، اس رات میں اپنے مقام پر جاکر سوچکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔‘‘ (خودنوشت حالات مندرجہ حیات ناصر ص۱۴)

احمدی فتویٰ (ہیضہ سے موت عبرتناک ہے)

’’اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کام سے مشرف ہوں۔ حالانکہ وہ نہ خدا کی طرف سے ہے نہ اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہے وہ بہت بری موت سے مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابل عبرت ہوتا ہے۔‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۲۸ ص۵۰، مورخہ ۲؍مارچ ۱۹۴۰ء)

’’محمد عاشق نائب صدر مجلس احرار قصور، جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی شان میں بے حد بدزبانی کیا کرتا تھا وہ ۲۹؍جولائی کو ہیضہ سے نہایت عبرتناک موت مرگیا۔ قصور کے دوسرے احرار کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔‘‘ (اخبار الفضل قادیان ج۲۴ نمبر۳۰، مورخہ ۴؍اگست ۱۹۳۶ء)

مرزا قادیانی کی موت کی تاریخ مندرجہ ذیل دواشعار میں مختلف مضامین میں نظم کی گئی ہے۔

اس کے بیماروں کا ہو گا کیا علاج ‌ ‌ ‌ کالرہ سے خود مسیحا مر گیا
(۱۳۲۶ھ)

یوں کہا کرتا تھا مر جائیں گے اور   اور تو زندہ ہیں خود ہی مر گیا
(۱۳۲۶ھ)

باب سوم ...... مرزاغلام احمد قادیانی کے الہامات

فصل اوّل: مرزاغلام احمد قادیانی کے دلچسپ الہامات

۱...... ’’خاکسار پیپرمنٹ۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۹۴، الحکم ج۹ص۱۲)

۲...... ’’کمترین کا بیڑہ غرق ہوگیا۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۲۱، مورخہ ۱۵؍نومبر ۱۹۰۶ء)

۳...... ’’پیٹ پھٹ گیا۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۱۹، مورخہ ۸؍دسمبر ۱۹۰۶ء)

۴...... ’’غثم، غثم، غثم۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۵۰، مورخہ ۳؍دسمبر ۱۸۹۸ء)

۵...... ’’امین الملک جے سنگھ بہادر۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۱۸، مورخہ ۸؍ستمبر ۱۹۰۶ء)

۶...... ’’ولاولا سدھا ہویا اوّلا۔‘‘(پنجابی الہام) (البشریٰ ج۲ص۱۳۸، مورخہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۰۷ء)

۷...... ’’لائف آف پین Life of Pain‘‘(انگریزی الہام)

(البشریٰ ج۲ص۱۲۸، مورخہ ۴؍اپریل ۱۹۰۷ء)

۸...... ’’Word and Two Girls ایک کلام اور دولڑکیاں۔‘‘

(البشریٰ ج۲ص۱۰۶، مورخہ ۲۷؍جنوری ۱۹۰۶ء)

۹...... ’’دوشہتیر ٹوٹ گئے۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۰۰، مورخہ ۱۲؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

۱۰...... ’’Fair Man‘‘(انگریزی الہام) (البشریٰ ج۲ص۸۴، مورخہ یکم؍ستمبر ۱۹۰۳ء)

۱۱...... ’’اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔‘‘

(البشریٰ ج۲ص۷۹، مورخہ ۱۳؍فروری ۱۹۰۳ء)

۱۲...... ’’روروگوپال میری استت گیتا میں لکھی ہے۔‘‘

(البشریٰ ج۲ص۷۶، ۱۹۰۲ء، کشف ص۸۳)

۱۳...... ’’ایک بار ہم نے کرشن جی کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کے تھے اور پتلی ناک، کشادہ پیشانی والے ہیں۔ کرشن جی نے اٹھ کر اپنی ناک ہماری ناک سے اور اپنی پیشانی ہماری پیشانی سے ملا کر چسپاں کردی۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱)

۱۴...... ’’ایسوسی ایشن۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۳۲، مورخہ ۲۰؍جولائی ۱۹۰۷ء)

۱۵...... ''غلام احمد کی جے۔'' (البشریٰ ج ۲ ص ۱۳۲، مورخہ ۲۰؍ جولائی ۱۹۰۷ء)

۱۶...... ''احمدی غزنوی۔'' (البشریٰ ج ۲ ص ۱۲۹، مورخہ ۱۵؍ اپریل ۱۹۰۷ء)

۱۷...... ''لاہور میں ایک بے شرم ہے۔'' (البشریٰ ج ۲ ص ۱۲۶، مورخہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۰۷ء)

۱۸...... ''عالم کباب۔'' (البشریٰ ج ۲ ص ۱۱۶، مورخہ ۷، ۱۹؍ جون ۱۹۰۶ء)

۱۹...... ''ڈگری ہوگئی ہے مسلمان ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ دوم حاشیہ ص ۵۲۳)

فصل دوم: مرزا غلام احمد قادیانی کے مہمل الہامات

''اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں جس کو وہ سمجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔''

(چشمہ معرفت ص ۲۰۹، خزائن ج ۲۳ ص ۲۱۸)

۱...... ''فی شائل مقیاس۔'' (حقیقت الوحی ص ۲۸۰، خزائن ج ۲۲ ص ۲۹۲)

۲...... ''ایلی ایلی لما سبقتنی۔ ایلی اوس۔'' (البشریٰ جلد اوّل ص ۳۶، تذکرہ ص ۹۱، طبع سوم)

۳...... ''ربنا عاج۔ ہمارا رب عاجی ہے۔''

(براہین احمدیہ باب اوّل حاشیہ درحاشیہ نمبر ۴ ص ۵۵۶، خزائن ج ۱ ص ۶۶۳)

۴...... ''ہوشعنا نعسا۔'' (براہین احمدیہ ص ۵۵۶، خزائن ج ۱ ص ۶۶۴)

۵...... ''پریشن، عمر، پراطوس، یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔''

(مکتوبات احمدیہ جلد اوّل ص ۶۸، البشریٰ ج ۱ ص ۹۱)

مندرجہ بالا الہامات کا مطلب خود مرزا غلام احمد قادیانی کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔

فصل سوم: مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات انگریزی زبان میں

۱...... **We can what will do.** (براہین احمدیہ ص ۴۸، خزائن ج ۲۲ ص ۳۱۶)

۲...... **You have to go Amristar.** (مکتوبات احمدیہ جلد اوّل ص ۶۸)

He Halts in Peshawar. (مکتوبات احمدیہ جلد اوّل ص ۶۸)

۳...... **GOD is coming by his Army.**

(حقیقت الوحی ص ۳۰۳، خزائن ج ۲۲ ص ۳۱۶)

۴...... **I am Querler.**

(براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۴۷۲ حاشیہ درحاشیہ نمبر ۳، خزائن ج ۱ ص ۵۶۳)

۵...... I am by ISA. He is with you to Kill Enemy.

(براہین احمدیہ ص۴۸۴، خزائن جلد اوّل ص۵۷۶ حاشیہ در حاشیہ نمبر۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام دینے والا فرشتہ ’’ٹیچی‘‘

تین مارچ ۱۹۰۵ء کو رؤیا: ’’کوئی شخص ہے اس سے میں کہتا ہوں، تم حساب کر لو مگر وہ نہیں کرتا۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اس نے ایک مٹھی بھر کے مجھے روپے دیئے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو الٰہی بخش کی طرح ہے۔ مگر انسان نہیں۔ بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ روپوں کے بھر کر میری جھولی میں ڈال دیئے تو وہ اس قدر ہو گئے کہ میں ان کو گن نہیں سکتا۔ پھر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا میرا نام نہیں۔ دوبارہ پوچھنے پر کہا کہ میرا نام ہے ’’ٹیچی‘‘ میں نے بہت سا مال دیکھ کر دل میں کہا کہ فلاں حاجت مند کو کچھ دے دوں گا اور ایک حاجت مند دکھایا گیا۔ خستہ قابل رحم۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۳۳۲، خزائن ج۲۲ ص۳۴۶)

گویا غلام احمد قادیانی کو الہام پہنچانے والے فرشتہ کا نام جبرائیل نہیں بلکہ ٹیچی ہے۔

باب چہارم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کی الوہیت

فصل اوّل: مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ الوہیت

۱...... ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو خدا ہوں۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ میں وہی ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۲...... ’’سو میں نے پہلے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے مطابق ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔‘‘

(کتاب البریہ ص۷۹، خزائن ج۱۳ ص۱۰۴، ۱۰۵)

۳...... تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ ’’انت منی وانا منک‘‘

(البشریٰ ج۲ ص۱۲۶، مورخہ ۱۲/ مارچ ۱۹۰۷ء، تذکرہ ص۷۰۰)

۴...... تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔ ’’ظھورک ظھوری‘‘

(البشریٰ ج۲ ص۱۲۶، مورخہ ۱۲/ مارچ ۱۹۰۷ء، تذکرہ ص۷۰۰)

۵...... تو مجھ سے اور میں تجھ سے۔ تو وہ ہے جس کی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ’’انت الذی طار الیّ روحہ‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۱۲۶، مورخہ ۱۲/ مارچ ۱۹۰۷ء، تذکرہ ص۷۰۰)

۶...... ’’تو مجھ سے ایسا ہے کہ میں ہی ظاہر ہوگیا۔ یعنی تیرا ظہور میرا ظہور ہوگیا۔ انت منی بمنزلة بروزی‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۰۹، مورخہ ۱۵/مارچ ۱۹۰۶ء)

۷...... ’’اے چاند اور اے سورج تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔‘‘

(البشریٰ ج۲ص۱۰۴، ۲۶/دسمبر ۱۹۰۵ء)

۸...... ’’تیری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جسے خلقت نہیں جانتی، تو مجھ سے بمنزلہ میرے عرش کے ہے۔ انت منی بمنزلة عرشی‘‘

(البشریٰ ج۲ص۹۰ص۱۳۵، مورخہ ۲۰/اپریل ۱۹۰۴ء)

۹...... ’’تیرا بھید میرا بھید ہے۔ سرک سری‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۲۹، مورخہ ۹/اپریل ۱۹۰۷ء)

۱۰...... ’’تو مجھ سے بمنزلہ اس ستارے کے ہے جو قوت اور روشنی کے ساتھ شیطان پر حملہ کرتا ہے۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۱۳۷، مورخہ ۲/دسمبر ۱۹۰۷ء)

۱۱...... ’’تو مجھ سے بمنزلہ میری روح کے ہے۔ انت منی بمنزلة روحی‘‘

(البشریٰ ج۲ص۱۳۷، مورخہ ۲/دسمبر ۱۹۰۷ء)

۱۲...... ’’اے مرزا تو ہمارے پانی سے ہے اور باقی لوگ فشل سے ہیں۔‘‘

(انجام آتھم ص۵۵، ۵۶، خزائن ج۱۱ص۵۵، توضیح المرام ص۵۸، تذکرة الشہادتین ص۵، خزائن ج۲۰ص۷)

۱۳...... ’’اے مرزا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے کہ میری توحید اور تفرید۔‘‘

(تذکرة الشہادتین ص۵، خزائن ج۲۰ص۷)

۱۴...... ’’اے مرزا خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہوتا ہے۔‘‘

(کتاب ضمیمہ انجام آتھم ص۱۷، خزائن ج۱۱ص۱۰۳)

۱۵...... ’’خدا نے مجھ سے کہا تو مجھے میرے فرزند کی طرح ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ص۸۹)

۱۶...... ’’اے مرزا، تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میرے کان۔‘‘

(اخبار البدر قادیان مورخہ ۲۶/فروری ۱۹۰۷ء)

۱۷...... ’’اے غلام احمد تو میرا سب سے بڑا نام ہے۔‘‘ (اربعین نمبر۲ص۳۴، خزائن ج۱۷ص۳۲۸)

۱۸...... ’’خدا نے مرزا سے کہا، اے میرے بیٹے سن۔‘‘ (البشریٰ جلد اوّل ص۴۹)

۱۹...... ’’آپ کی تو وہ شان ہے کہ جس چیز کے لئے بھی کن کا حکم دیا یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔‘‘ (البشریٰ جلد دوم ص۹۴)

۲۰...... ’’مجھے خدا کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی۔یعنی میں اس بات پر قادر ہوں کہ ماروں اور زندہ رکھوں۔‘‘ (خطبہ الہامیہ ص۲۳،خزائن ج۱۶ص۵۶)

۲۱...... ’’ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے۔جو انسان کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔‘‘ (نورالقرآن حصہ دوم ص۱۹،خزائن ج۹ص۳۹۴)

فصل دوم: الوہیت مرزا قادیان اور قرآن

الہامات قادیانی

۱...... ’’میں نے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا وہی ہوں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴،خزائن ج۵ص۵۶۴)

۲...... ’’خدا تیری حمد کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۲ص۸،البشریٰ جلد اوّل ص۲۸)

۳...... ’’میں نماز پڑھوں گا۔روزہ رکھوں گا،جاگتا ہوں اور سوتا ہوں۔‘‘(البشریٰ ج۲ص۷۹)

۴...... ’’میں خطا کروں گا......میں اپنے رسول کے ساتھ محیط ہوں۔‘‘ (البشریٰ ج۲ص۷۹)

۵...... ’’خدا تیری تعریف عرش پر سے کرتا ہے تو اس سے نکلا ہے۔‘‘

(کتاب البریہ ص۷۵،خزائن ج۱۳ص۱۰۱)

۶...... ’’تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔‘‘ (تذکرہ طبع سوم ص۴۲۲)

۷...... ’’اس مقام اور اس مرتبہ کی محبت میں بطور استعارہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ خداتعالیٰ کی محبت سے بھری ہوئی انسانی روح جو بارادہ الٰہی اب محبت سے بھر گئی ہے۔ایک نیا تولد بخشتی ہے۔اس وجہ سے اس محبت کی بھری ہوئی روح کو خداتعالیٰ کی روح سے جو نافخ المحبت ہے استعارہ کے طور پر ابنیت کا علاقہ ہوجاتا ہے اور چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دونوں کے لئے بطور ابن ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کے لئے ضروری ہے جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ سمجھ لیا ہے۔‘‘

(توضیح المرام ص۲۲،خزائن ج۳ص۶۲)

۸...... ’’تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۶،خزائن ج۲۲ص۸۹)

۹...... ’’تو مجھ سے بمنزلہ اولاد کے ہے۔‘‘ (اخبار الحکم ج۴نمبر۴۴ص۶،تذکرہ طبع سوم ص۳۹۹)

۱۰...... ’’اے میرے بیٹے سن۔‘‘ (البشریٰ جلد اوّل ص۴۹)

۱۱...... ’’ہمارا رب عاجی ہے۔‘‘ (البشریٰ ج اوّل ص۴۳، تذکرہ ص۱۰۲، طبع سوم)

’’میں صاعقہ ہوں۔‘‘ (نوٹ: یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے) (البشریٰ ج۲ ص۷۹)

۱۲...... ’’تو مجھ سے بمنزلہ توحید وتفرید کے ہے۔‘‘ (تذکرۃ الشہادتین ص۵، خزائن ج۲۰ ص۷)

۱۳...... ’’دانیال نبی نے میرا نام اپنی کتاب میں میکائیل رکھا اور عربانی زبان میں میکائیل کے معنے ہیں (خدا کے برابر)، (خدا کی مانند) گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں ہے: انت منی بمنزلة توحیدی‘‘ (اربعین نمبر۳ ص۳۰ حاشیہ)

۱۴...... ’’سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور دنیا کو پیدا کیا اور کہا ’’انا زینا السماء الدنیا بمصابیح‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۵، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۱۵...... ’’بلاشبہ تیرا ہی حکم ہے جب تو کسی شئے کا ارادہ کرے تو اسے کہہ دے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۹۴)

۱۶...... ’’میں ارادہ کرتا ہوں جیسا تم ارادہ کرتے ہو۔‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۹۷)

۱۷...... ’’سب تیرے لئے اور تیرے حکم کے لئے ہے۔‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۱۲۷)

۱۸...... ’’خدا تیری حمد عرش پر سے کرتا ہے۔‘‘ (کتاب البریہ ص۷۶، خزائن ج۱۳ ص۱۰۱)

آیات قرآنی

۱...... کہو اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اکیلا سب پر غالب ہے۔

۲...... تو تم خدا کی حمد وثناء کے ساتھ اس کی تسبیح وتقدیس کرو اور اس کی جناب میں سجدے کرو۔

۳...... اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ خارکانہ عالم کا سنبھالنے والا نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

۴...... میرا پروردگار نہ بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

۵...... لوگوں نے خدا کے بندوں سے اس کی جزو قرار دے رکھا ہے۔ کچھ شک نہیں انسان کھلم کھلا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

۶...... نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

۷...... اور تین خدا نہ کہو۔اس سے باز آ جاؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پس اللہ ہی اکیلا معبود ہے۔ بلاشک کافر ہوئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا ایک تیرا خدا ہے۔

۸...... وہی تو ہے کہ آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور وہ کوئی فرزند بھی نہیں رکھتا۔

۹...... کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ نہ تو ان ہی کو اس بات کی کچھ تحقیق ہے اور نہ ہی ان کے بڑوں ہی کو تھی۔ بڑی ہی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ صاف جھوٹ کہتے ہیں۔

۱۰...... اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن بیٹا رکھتا ہے۔ تم ایسی سخت بات اپنی طرف سے گھڑ کر لائے جس کی وجہ سے عجب نہیں۔ آسمان پھٹ پڑے۔ زمین شک ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کہ لوگوں نے خداوند رحمٰن کے لئے بیٹا قرار دیا۔

۱۱...... اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں تو اس کا نام لے کر پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دو۔ کوئی دن آتا ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے کا بدلہ پائیں گے۔

۱۲...... کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ (سورۂ اخلاص)

۱۳...... کوئی چیز اس جیسی نہیں۔ وہ سب کی سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

۱۴...... اور ہم نے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے سجا رکھا ہے۔ کیا منکرین نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ آسمان وزمین دونوں کا ایک جھنڈا سا تھا تو ہم نے اس کو توڑ کر زمین وآسمان الگ الگ کر دیا۔

۱۵...... اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اسے اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

۱۶...... تحقیق اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

۱۷...... سن رکھو کہ خدا ہی کی مخلوق ہے اور خدا ہی کا حکم۔

۱۸...... جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح وتقدیس کر رہی ہیں۔

باب پنجم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کی تہذیب اور اخلاق

فصل اوّل: مرزا غلام احمد قادیانی اہل اسلام کے حق میں

۱...... ’’اے بدذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم

بیہودہ خصلت چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو تم پر افسوس تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہ عوام کو پلایا۔" (انجام آتھم ص۲۱ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۱)

۲...... "کیونکہ وہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہو۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۵ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۰۹)

۳...... "چاہیئے کہ ہمارے نادان مخالف انجام کے منتظر رہتے اور پہلے ہی سے اپنی بدگوئی ظاہر نہ کرتے۔ بھلا جس وقت یہ سب باتیں، آسمانی زوجہ کی پیشین گوئی پوری ہو جائے گی تو کیا اس وقت یا اس دن یہ مخالف جیتے ہی رہیں گے اور کیا اس دن یہ تمام لڑنے والے سچائی کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائیں گے۔ ان بے وقوفوں کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ رہے گی اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں کی طرح کر دیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳، خزائن ج۱۱ ص۳۳۷)

۴...... "اے احمق دل کے اندھے دجال تو ہی تو ہے...... دجال تیرا نام ثابت ہوا یا کسی اور کا حق سے لڑتا رہ۔ آخر اے مردار دیکھے گا کہ تیرا انجام کیا ہوگا۔ اے عدو اللہ تو مجھ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے لڑتا ہے۔" (اشتہار انعامی ۳۰۰۰ ص۱۲، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۷۸،۷۹)

۵...... "اے بے ایمان نیم عیسائیو! دجال کے ہمراہیو! شیطان کے ساتھیو۔"

(اشتہار انعامی ۳۰۰۰ ص۵، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۶۹ حاشیہ)

۶...... "جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا پر صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں ہے۔ پس حلال زادہ بننے کے لئے واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھتا اور عیسائیوں کو فتح یاب قرار دیتا ہے تو میری اس حجت کو واقعی طور پر رفع کرے جو میں نے پیش کی ہے۔ ورنہ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔"

(انوار الاسلام ص۳۰، خزائن ج۹ ص۳۱)

۷...... "کوئی شخص نہیں جو ان مولویوں کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا کوئی زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔" (اربعین نمبر۳ ص۲۸ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۴۱۷)

۸...... "اے مردار خور مولویو اور گندی روحو! انصاف اور ایمان سے دور بھاگنے والو۔ تم جھوٹ مت بولو اور نجاست مت کھاؤ۔ جو عیسائیوں نے کھائی۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۱، خزائن ج۱۱ ص۳۰۵)

۹...... مرزا قادیانی کے مولوی سعداللہ لدھیانوی کی نسبت اشعار۔

ایک سگ دیوانہ لدھیانہ میں ہے — آج کل وہ خر شتر خانہ میں ہے
بدزبان، بدگو، بدذات ہے — اس کی ہر ایک بات واہیات ہے
حق تعالیٰ کا وہ نافرمان ہے — آدمی کاہے کو ہے شیطان ہے
چیختا ہے بیہودہ وہ مثل حمار — بھونکتا ہے مثل سگ وہ بار بار
سخت دل نمرود یا شداد ہے — جانور ہے یا کہ آدم زاد ہے
ہے صد افسوس اس کے حال پر — لاکھ لعنت اس کے قیل وقال پر

تمام علماء اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہو اگر غیرت تو مر جائیں سب — ورنہ ہو گا لعنتی ان کا لقب
آویں اب سب لدھیانے کے شریر — اور آوے وزیر آباد کا خنزیر
اب مقابل ہووے بھوپالی بشیر — ہو گیا مردود جس کا خاص پیر
جو نہ آئے لعنت اس پر بار بار — جو کہ بھاگے لعنت اس پہ صد ہزار
خوک اور بندر سبھی بن جاؤ گے — اپنی کرتوتوں کا بدلہ پاؤ گے
جس قدر یہ مولوی ہیں نابکار — یا ہدایت دے انہیں یا ان کو مار
ہر عدوئے دیں کا کر خانہ خراب — آسمان ی بھیج تو ان پر عذاب

(آئینہ مرزائیت ص۷۵، مصنفہ مولوی برکت علی شاہ)

۱۰...... ’’تو نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اے زانیہ کے بیٹے! اگر تو ذلت سے نہ مرا تو میں جھوٹا ہوں۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۱۹ حاشیہ، خزائن ج۲۲ص۴۵۰)

۱۱...... ’’اے بدذات فرقہ مولویاں۔‘‘ (انجام آتھم ص۲۱، خزائن ج۱۱ص۲۱)

۱۲...... ’’ہر مسلمان مجھ کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن زناکار عورتوں کی اولاد نہیں مانتی۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷،۵۴۸ حاشیہ، خزائن ج۵ص ایضاً)

۱۳...... ’’میرے مخالف جنگلوں کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔‘‘

(نجم الہدیٰ ص۱۰، خزائن ج۱۴ص۵۳)

فصل دوم: مرزاغلام احمد قادیانی کے ارشادات اکابرین اسلام کے حق میں

۱...... حضرت محمد صاحب (ﷺ) کے حق میں مرزاغلام احمد قادیانی کے ارشادات:

(۱) بقول مرزاغلام احمد قادیانی قرآن شریف میں خدانے حضرت محمد صاحب (ﷺ) کی معرفت گالی دی۔ ’’قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کواستعمال کررہا ہے، ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبرنہیں رہ سکتا۔ مثلاً زمانہ حال کے مہذبین کے نزدیک کسی پرلعنت بھیجنا ایک سخت گالی ہے۔لیکن قرآن شریف کفار کوسنا سنا کران پر لعنت بھیجتا ہے۔جیسا کہ فرماتا ہے:’’اولئک علیھم لعنت اللہ والملائکۃ والناس اجمعین خالدین فیھا (سورۃ البقرہ) اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم الاعنون ‘‘ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی انسان کوحیوان کہنا بھی ایک قسم کی گالی ہے۔لیکن قرآن شریف نہ صرف حیوان بلکہ کفاراور منکرین کودنیا کے تمام حیوانات سے بدتر قرار دیتا ہے۔جیسا کہ فرماتا ہے:’’ان شرّ الدواب عند اللہ الذین کفروا ‘‘ایسا ہی ظاہر ہے کہ کسی خاص آدمی کا نام لے کریااشارہ کے طور پراس کونشانہ بنا کرگالی دینا زمانہ حال کی تہذیب کے برخلاف ہے۔لیکن خداتعالیٰ نے قرآن میں بعض کا نام ابولہب اور بعض کا نام کلب اورخنزیر رکھا،اورابوجہل تو خود مشہور ہے۔ایسا ولید،مغیرہ کی نسبت نہایت درجہ کے سخت الفاظ جوخوبصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۷،۲۸ حاشیہ،خزائن ج۳ص۱۱۵،۱۱۶)

(۲) بقول مرزاغلام احمد قادیانی حضرت محمد صاحب (ﷺ) اجتہادی اغلاط کے مرتکب ہوئے:’’کیا وہ اس بات کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ جس قسم کا کوئی اعتراض انہوں نے ان پیشین گوئیوں کی نسبت یا کسی اجتہادی غلطی کی نسبت کیا ہے دوسرے انبیاء کی پیشین گوئیوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی۔کیا وہ نہیں جانتے کہ قطع نظر دوسرے انبیاء خود ہمارے نبی ﷺ جوسب نبیوں سے افضل اوراعلیٰ اور خاتم الانبیاء تھے اس قسم کی اجتہادی غلطی سے محفوظ نہیں رہے۔کیا حدیبیہ کا سفر اجتہادی غلطی نہ تھی۔کیا یمامہ یا ہجر کواپنی ہجرت کا قیام کرنا اجتہادی غلطی نہ تھی۔کیا اور بھی اجتہادی غلطیاں نہ تھیں جن کا لکھنا طویل ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۳۹۰،خزائن ج۲۲ص۴۰۵)

(۳) ’’اگر ہرایک سخت اورآزاردہ تقریر کومحض بوجہ اس کے کہ حرارت اور تلخی اور ایذارسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کرسکتے ہیں تو پھراقرار کرنا پڑے گا کہ ساراقرآن شریف گالیوں سے پر ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۴،خزائن ج۳ص۱۰۹)

۲...... حضرت حسین صاحب کی نسبت مرزاغلام احمد کا بیان

(۱) ’’اے قوم شیعہ اس پراصرار مت کروکہ حسین تمہارانجات دہندہ ہے۔میں سچ سچ کہتا

ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو تمہارے حسین سے بڑھ کر ہے اور اگر میں اپنی طرف سے کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں۔‘‘ (رسالہ دافع البلاء ص۱۳، خزائن ج۱۸ ص۲۳۳)

(۲) ’’صد حسین است در گریبانم۔‘‘ (اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۶؍جون ۱۹۰۴ء)

(۳) ’’افسوس یہ لوگ شیعہ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو حسین کو ابنیت کا رتبہ بھی نہیں دیا۔ بلکہ نام تک مذکور نہیں حسین سے تو زید ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن میں موجود ہے۔‘‘

(نزول مسیح ص۴۵، خزائن ج۱۸ ص۴۲۳، ۴۲۴)

(۴) ’’مجھ میں اور تمہارے حسین میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ مجھے تو ہر وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۶۹، خزائن ج۱۹ ص۱۸۱)

۳...... حضرت علیؓ کی نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان:

’’پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔‘‘

(اخبار الحکم قادیان، ۱۰؍نومبر ۱۹۰۰ء، ملفوظات ج۲ ص۱۴۲)

باب ششم ...... مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد اعتقادات

مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنا فتویٰ

۱...... مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (ست بچن ص۲۹ حاشیہ، خزائن ج۱۰ ص۱۴۱) پر لکھا ہے: ’’جو پرلے درجے کا جاہل ہو جو اپنے کلام میں تناقض بیانوں کو جمع کرے اور اس پر اطلاع نہ رکھے۔‘‘

پھر (ست بچن ص۳۰، خزائن ج۱۰ ص۱۴۳) پر یوں لکھا ہے: ’’صاف ظاہر ہے کہ کسی سچیار اور عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر کوئی پاگل اور مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو۔ اس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے۔‘‘

۲...... (حقیقت الوحی ص۱۸۴، خزائن ج۲۲ ص۱۹۱) پر لکھا ہوا ہے کہ: ’’اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس شخص کی حالت ہے جو کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۱۱، خزائن ج۲۱ ص۲۷۵) میں مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا کہ: ’’جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہے۔‘‘

تناقضات مرزا غلام احمد

(۱) میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں۔ (اعلان مورخہ ۲/اکتوبر ۱۸۹۱ء)	(۱) ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ (اخبار البدر مورخہ ۵/مارچ ۱۹۰۸ء)
(۲) ''ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مردہ ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں کے دین کو جو ہم مردہ کہتے ہیں تو اسی لئے کہ ان میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی قصہ گو ٹھہرے۔'' (اخبار بدر مورخہ ۵/مارچ ۱۹۰۸ء)	(۲) کیا تو نہیں جانتا کہ پروردگار رحیم اور صاحب فضل نے ہمارے نبی ﷺ کو بغیر کسی استثناء النّبیین کے خاتم النّبیین نام رکھا اور ہمارے نبی نے اہل قلب کے لئے اس کی تفسیر اپنے قول ''لا نبی بعدی'' میں واضح طور پر فرمادی۔ (حمامۃ البشریٰ ص۳۴، خزائن ج۷ ص۲۰۰)
(۳) میرا مذہب یہی ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔ (تریاق القلوب ص۱۳۰، خزائن ج۱۵ ص۴۳۲)	(۳) جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو نہیں مانتا وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۶۳،۱۶۴، خزائن ج۲۲ ص۱۶۸)
(۴) وہ آتھم ہمارے آخری اشتہار سے جو اتمام حجت کی طرح تھا، سات ماہ کے اندر ہی فوت ہوگیا۔ (سراج المنیر ص۶، خزائن ج۱۲ ص۸)	(۴) ''آتھم میرے آخری اشتہار سے پندرہ ماہ کے اندر مر گیا۔'' (حاشیہ حقیقت الوحی ص۲۱۳، خزائن ج۲۲ ص۲۲۲)
(۵) وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور دین حق کے ساتھ۔ (البشریٰ ج۲ ص۱۰)	(۵) قرآن کریم بعد خاتم النّبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ (ازالہ اوہام ص۷۶۱، خزائن ج۳ ص۵۱۱)
(۶) مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کچھ عجوبہ نہیں۔ (جنگ مقدس ص۱۸۰، خزائن ج۶ ص۲۸۰)	(۶) اس میں یعنی مسیح کی ولادت بے پدر میں ایک عجوبہ قدرت ہے۔ (اخبار البدر ص۳، مورخہ ۱۶/مئی ۱۹۰۷ء)
(۷) حضرت یسوع مسیح شریر، مکار، جھوٹا اور چور وغیرہ۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۷)	(۷) یسوع مسیح خدا کا پیارا اور کامل انسان تھا۔ (تحفہ قیصریہ ص۲۲، خزائن ج۱۲ ص۲۷۴)
(۸) ''ایک شریر مکار نے جس میں سراسر یسوع کی روح تھی لوگوں میں مشہور کردیا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۵، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)	(۸) مجھے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا اور طبع کے لحاظ سے یسوع کی روح میرے اندر رکھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ گمشدہ ریاست میں مجھے یسوع مسیح کے ساتھ مشابہت ہو۔ (تحفہ قیصریہ ص۲۰، خزائن ج۱۲ ص۲۷۲)

(۹)یسوع اس لئے اپنے تائیں نیک نہیں کہہ سکتا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور خراب چال چلن نا خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا بدنتیجہ ہے۔ (ست بچن ص۱۷۲ حاشیہ، خزائن ج۱۰ ص۲۹۶)	(۹)(الف) ''جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے اس نے اس کو کہا کہ اے نیک استاد تو اس نے جواب دیا کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک کوئی نہیں سوائے خدا کے یہی تمام اولیاء کا شعار رہا۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار بنایا۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ ج۵ ص۱۰۷، خزائن ج۲۱ ص۲۷۱) (ب) ''حضرت مسیح تو ایسے خدا کے متواضع اور حلیم اور صابر اور بے نفس بندے تھے کہ انہوں نے یہ بھی روا نہ رکھا کہ کوئی ان کو نیک آدمی کہے۔'' (براہین احمدیہ حاشیہ ص۱۰۳، خزائن ج۱ ص۹۴)
(۱۰) ''حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بے پھل دیکھ کر اس پر بددعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا کہ کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو سخت سے سخت باتیں کہیں اور برے برے ان کے نام رکھے۔ اخلاقی معلم کا فرض ہے کہ پہلے آپ اخلاق کریمہ دکھائے۔'' (چشمہ مسیحی ص۱۱، خزائن ج۲۰ ص۳۴۶)	(۱۰) ''کبھی معالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر رہے ہیں۔ مگر اس استعمال کے وقت نہ ان کا دل جلتا ہے نہ طیش کی صورت ہوتی ہے۔ نہ منہ پر جھاگ آتی ہے۔ ہاں! کبھی بناوٹی منہ رعب دکھانے کے لئے ظاہر کر دیتے ہیں اور دل انبساط اور آرام وسرور میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر اوقات سخت الفاظ اپنے مخالفین کے حق میں کہے۔ جیسے سور، کتے، بے ایمان، بدکردار، لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ نعوذ باللہ آپ اخلاق فاضل سے بے بہرہ تھے۔ وہ تو خود اخلاق سکھاتے اور نرمی کی تعلیم دیتے تھے۔ بلکہ اکثر یہ لفظ جو اکثر اپنے منہ پر جاری رہتے تھے یہ غصہ کے طیش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر چسپاں کئے جاتے تھے۔'' (ضرورت الامام ص۷، خزائن ج۱۳ ص۴۷۷، ۴۷۸)
(۱۱) ''وید گمراہی سے بھرا ہوا ہے۔'' (البشریٰ جلد اوّل ص۵۰)	(۱۱) ''ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں۔'' (پیغام صلح ص۲۳، خزائن ج۲۳ ص۴۵۳)

(۱۲)’’حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھی۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۸، خزائن ج ۵ ص ایضاً)	(۱۲)’’اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص ۳۰۷، خزائن ج ۳ ص ۲۵۶ حاشیہ)
(۱۳)’’آپ نے ایک جوان کنجری کو موقع دیا کہ وہ آپ کے سر پر ناپاک ہاتھ لائے اور زناکاری کا پلید عطر اس کے سر پر ملے۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۷، خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۱)	(۱۳)’’اگر کوئی حضرت مسیح کی نسبت یہ زبان پر لائے کہ وہ طوائف کے گندے مال کو کام میں لایا تو ایسے خبیث کی نسبت اور کیا کر سکتے ہیں کہ اس کی فطرت ان ناپاک لوگوں کی فطرت سے مغائر پڑی ہے اور شیطان کی فطرت کے موافق اس پلید کا مادہ اور خمیر ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۹۸، خزائن ج ۵ ص ایضاً)
(۱۴)’’میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔‘‘ (کتاب البریہ ص ۸۷، خزائن ج ۱۳ ص ۱۰۳)	(۱۴)’’آپ نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے جو انسان کے پیٹ میں سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔‘‘ (نور القرآن حصہ دوم ص ۱۲، خزائن ج ۹ ص ۳۹۴)
(۱۵)’’مسیح ایک لڑکی پر عاشق تھا۔ جب استاد کے سامنے اس کے حسن وجمال کا تذکرہ کرنے لگا تو استاد نے اسے عاق کر دیا۔‘‘ (اشتہار الحکم فروری ۱۹۰۲ء، ملفوظات ج ۳ ص ۱۳۷)	(۱۵)’’یہودی کہتے ہیں کہ مسیح ایک لڑکی پر عاشق تھا۔ مگر یہ بات بے اعتبار ہے۔‘‘ (اعجاز احمدی ص ۲۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۳۴)
(۱۶)’’میں حضرت یسوع مسیح کی طرف سے ایک سچے سفیر کی حیثیت میں کھڑا ہوں۔‘‘ (تحفہ قیصریہ ص ۲۲، خزائن ج ۱۲ ص ۲۷۴)	(۱۶)’’عیسیٰ کجا است، عیسیٰ کہاں ہے کہ میرے منبر پر قیام رکھے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص ۱۵۸، خزائن ج ۳ ص ۱۸۰)
(۱۷)’’بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے ہیں جن سے مجھے کچھ واقفیت نہیں۔ جیسے انگریزی، سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔‘‘ (نزول مسیح ص ۵۷، خزائن ج ۱۸ ص ۴۳۵)	(۱۷) یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ (چشمہ معرفت ص ۲۰۹، خزائن ج ۲۳ ص ۲۱۸)

(۱۸) ''بائبل اور ہماری احادیث کی کتابوں کی رو سے جن نبیوں کا اپنے وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا تصور کیا گیا ہے، وہ دو ہی ہیں۔ ایک یوحنا جس کا نام ایلیاہ دوسرے مسیح ابن مریم جن کو عیسیٰ یعنی یسوع بھی کہتے ہیں۔'' (توضیح المرام ص۳، خزائن ج۳ ص۵۲)	(۱۸) ''حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور ان کا زندہ آسمان پر جانا اور اب تک زندہ رہنا اور پھر کسی وقت بمعہ جسم عنصری زمین پر آنا یہ سب ان پر تہمتیں ہیں۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص۲۳۰، خزائن ج۲۱ ص۴۰۶)
(۱۹) ''حضرت مسیح...... قریباً دو گھنٹے تک صلیب پر رہے۔'' (ریویو ج۲ ص۴۹)	(۱۹) ''چند ہی منٹ گزرے تھے کہ مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا۔'' (ازالہ اوہام ص۳۸۰، خزائن ج۳ ص۲۹۶)
(۲۰) ''قادیان طاعون سے اس لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔'' (دافع البلاء ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۲۶)	(۲۰) ''ایک دفعہ کسی قدر شدید طاعون قادیان میں ہوئی۔'' (حقیقت الوحی ص۲۳۲، خزائن ج۲۲ ص۲۴۴)
(۲۱) ''میں تمام گھر والوں کو اس بیماری سے بچاؤں گا۔'' (البشریٰ ج۲ ص۱۴۰)	(۲۱) ''طاعون کے دنوں میں جب طاعون زور پر قادیان میں تھی میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوگیا۔'' (حقیقت الوحی ص۸۴، خزائن ج۲۲ ص۸۷ حاشیہ)
(۲۲) ''قادیان کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون کا زور رہا۔ مگر قادیان طاعون سے پاک ہے۔ بلکہ آج تک جو شخص طاعون زدہ باہر سے قادیان میں آیا وہ بھی اچھا ہوگیا۔'' (دافع البلاء ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۲۶)	(۲۲) ''جب صبح ہوئی تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تپ تیز ہوا، اور سخت گھبراہٹ شروع ہوگئی اور دونوں طرف ران میں گلٹیاں نکل آئیں۔'' (حقیقت الوحی ص۳۲۹، خزائن ج۲۲ ص۳۴۲)
(۲۳) ''سچ تو یہ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا۔'' (ازالہ اوہام ص۴۷۳، خزائن ج۳ ص۳۵۳)	(۲۳) ''حضرت عیسیٰ نے سری نگر کشمیر میں وفات پائی اور آپ کا مزار سری نگر محلّہ خان یار میں موجود ہے۔'' (کشف الغطاء ص۱۳، خزائن ج۱۴ ص۱۹۵)
(۲۴) ''حضرت مریم کی قبر زمین شام میں کسی کو معلوم نہیں۔'' (حقیقت الوحی ص۱۰۱ حاشیہ، خزائن ج۲۲ ص۱۰۴)	(۲۴) ''حضرت مریم صدیقہ کی قبر بیت المقدس کے بڑے گرجے میں ہے۔'' (اتمام حجت ص۲۱ حاشیہ، خزائن ج۸ ص۲۹۹، ۳۰۰)
(۲۵) ''حضرت عیسیٰ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔'' (براہین احمدیہ ص۴۹۸، خزائن ج۱ ص۵۹۳)	(۲۵) ''حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔'' (ازالہ اوہام ص۴۷۳)

(۲۶) ''عیسائیوں نے یسوع کے بہت سے معجزے لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۶ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۲۹۰)	(۲۶) ''اور صرف اس قدر سچ ہے کہ یسوع نے بھی بعض معجزات دکھلائے جیسا کہ اور نبی دکھلاتے تھے۔'' (ریویو بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء)
(۲۷) ''مسیح موعود ہونے کا دعویٰ: خدا نے میرا نام متوکل رکھا۔ میں بعد اس کے بھی سمجھتا رہا کہ مسیح موعود آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں ہی ہوں۔ جہاں تک کہ مخفی بھید مجھ پر کھل گیا۔ جو بہت سے لوگوں پر نہیں کھلا اور میرے پروردگار نے اپنے الہام میں میرا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا اور فرمایا اے عیسیٰ ہم نے تجھے عیسیٰ ابن مریم کہا اور تو مجھ سے ایسے مقام میں ہے کہ مخلوق اس کو نہیں جانتی اور اے مرزا تو میرے نزدیک میری توحید اور وحدت کے رتبے پر ہے اور اے مرزا تو آج ہمارے نزدیک بڑی عزت والا ہے۔ پس یہی دعویٰ ہے جس میں مسلمان تو مجھ سے جھگڑتی ہے اور مجھ کو مرتد جانتی ہے۔'' (حمامۃ البشریٰ ص۸، خزائن ج۷ ص۱۸۳، ۱۸۴)	(۲۷) ''مسیح موعود ہونے سے انکار اور خداوند مسیح کے آنے کا اقرار۔'' (ازالہ اوہام ص۱۹۹، ۲۰۰، خزائن ج۳ ص۱۹۷، ۱۹۸) پر لکھتے ہیں: ''جس قدر حال کے بعد مولوی صاحبوں نے مجھے اپنی دیرینہ رائے کا مخالف ٹھہرایا ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت اتنی بڑی مخالفت نہیں جس پر اتنا شور مچایا گیا۔ میں نے صرف ویسے ہی مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہوگیا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔ ہاں ہاں! اس زمانہ کے لئے میں ہی مثیل مسیح ہوں اور دوسروں کی انتظار فضول ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کچھ میرا ہی خیال نہیں کہ مثیل مسیح اور ہوسکتے ہیں۔ بلکہ احادیث نبوی کا بھی یہی منشاء پایا جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا کے آخر تک تقریباً ۳۰ دجال پیدا ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ ۳۰ کے قریب دجال کا آنا ضروری ہے تو بحکم لکل دجال عیسیٰ ۳۰ مسیح بھی آنے چاہئیں۔ بس اس بیان سے ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آئے گا جس پر احادیثوں کے بعض الفاظ ظاہر صادق آجائیں گے۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا بلکہ درواندیشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جب کہ یہ حال ہے تو پھر علماء کے لئے اشکال حل

	ہی کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی یہ مراد بھی کسی وقت پوری ہو جائے۔''

اقرار کہ مسیح دمشق میں نازل ہوگا

۲...... (ازالہ اوہام ص۲۹۴،۲۹۵، خزائن ج۳ ص۲۵۱) پر ہے کہ: ''اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال اور اقبال کے ساتھ بھی آویں اور ممکن ہے کہ اوّل وہ دمشق میں ہی نازل ہوں۔''

مسیح موعود ہونے سے انکار

۳...... (ازالہ اوہام ص۱۹۰، خزائن ج۳ ص۱۹۲) پر لکھتے ہیں: ''اے برادران دین اور علماء شرح متین آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہو کر سنیں۔ اس عاجز نے جس مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج میرے منہ سے سنا گیا ہے۔ بلکہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو میں نے خداتعالیٰ سے خبر پا کر براہین احمدیہ میں کئی دفعہ کئی مقام پر بتصریح درج کر دیا تھا جس کو شائع کرنے پر سات سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوا۔''

مسیح موعود ہونے سے انکار

۴...... (توضیح المرام ص۱۷، خزائن ج۳ ص۵۹) پر لکھا ہے: ''اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہئے۔ کیونکہ مسیح نبی تھا۔ اس کا اوّل تو جواب یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سید اور مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی۔ بلکہ صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کی طرح شریعت فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔''

مسیح موعود ہونے سے انکار، مجدد وقت کا دعویٰ

۵...... (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص۱۵) مجموعہ اشتہارات ''اور مصنف کو بھی اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔''

مسیح کے آنے کا اقرار

۶...... (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص۱۵۹، مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۰۸) پر ہے کہ: ''میں اس سے ہرگز

انکارنہیں کرسکتا اور نہ کروں گا کہ شاید مسیح موعود کوئی اور بھی ہوں اور شاید یہ پیشین گوئیاں جو میرے حق میں روحانی طور پر ہیں۔ ظاہر طور پر اس پر جمتی ہوں اور شاید سچ مچ دمشق میں کوئی مثیل مسیح نازل ہو۔‘‘ (نوبت مرزا ص۱۹۸تا۲۰۱، مؤلف خالد صاحب)

ایک دفعہ پھر مرزاغلام احمد کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

۱…… مرزاغلام احمد قادیانی اپنی کتاب (ست بچن ص۳۱، خزائن ج۱۰ ص۱۴۳) پر لکھتے ہیں: ’’ایک دل سے دو متناقض باتیں نہیں نکل سکتیں۔ کیونکہ ایسے طریق پر انسان پاگل کہلواتا ہے یا منافق۔‘‘

۲…… کہ ’’کوئی دانشمند اور قائم الحواس ایسے دو متضاد اعتقاد ہرگز نہیں رکھ سکتا۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۲۳۹، خزائن ج۳ ص۲۲۰)

۳…… (حقیقت الوحی ص۱۸۴، خزائن ج۲۲ ص۱۹۱) پر لکھا ہے کہ: ’’اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس شخص کی حالت ہے جو کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص۱۱۱، خزائن ج۲۱ ص۲۷۵) میں مرزا قادیانی یوں فرماتے ہیں کہ: ’’جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔‘‘

باب ہفتم …… مرزاغلام احمد قادیانی کی دروغ گوئیاں

فصل اوّل: جھوٹ اور جھوٹے کی نسبت مرزاغلام احمد کا فتویٰ

۱…… ’’جھوٹ ام الخبائث ہے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۷ ص۲۸، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۳۱)

۲…… ’’دروغ گوئی کی زندگی جیسی کوئی لعنتی زندگی نہیں۔‘‘

(نزول مسیح ص۲، خزائن ج۱۸ ص۳۸۰)

۳…… ’’جھوٹ بولنا مرتد کے برابر ہے۔‘‘

(کشتی نوح ص۱۹ حاشیہ، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۹، خزائن ج۱۷ ص۵۶، اربعین نمبر۳ ص۲۴ حاشیہ)

۴…… ’’خدا کی لعنت ان پر جو جھوٹ بولتے ہیں۔‘‘ (اعجاز احمدیہ ص۳، خزائن ج۱۹ ص۱۰۹)

۵…… ’’جھوٹ بولنا اور گوہ کھانا برابر ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۲۰۶، خزائن ج۲۲ ص۲۱۵)

۶…… ’’جھوٹ بولنے سے بدتر دنیا میں کوئی گناہ نہیں۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۲۶، خزائن ج۲۲ ص۴۵۹)

۷…… ’’ظاہر ہے کہ جب انسان ایک بات میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں

اس پر یقین نہیں کیا جاتا۔‘‘ (چشمہ معرفت ص۲۲۲، خزائن ج۲۳ ص۲۳۱)

۸...... ’’خدا کا نام لے کر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے۔‘‘

(تریاق القلوب ص۶، ۱۱، خزائن ج۱۵ ص۱۴۰)

۹...... ’’جھوٹ بولنے سے مرنا بہتر ہے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ص۳۳، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۳۴)

۱۰...... ’’نبی کے کلام میں جھوٹ جائز نہیں۔‘‘ (مسیح ہندوستان میں ص۱۹، خزائن ج۱۵ ص۲۱)

فصل دوم: مرزاغلام احمد قادیانی کی دروغ گوئیاں

۱...... ’’اگر قرآن نے میرا نام ابن مریم نہیں رکھا تو میں جھوٹا ہوں۔‘‘

(تحفہ ندوہ ص۵، خزائن ج۱۹ ص۹۸)

(نوٹ: مرزاغلام احمد قادیانی کی والدہ کا نام چراغ بی بی تھا)

۲...... ’’احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا۔‘‘ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۸، خزائن ج۲۱ ص۳۵۹)

(نوٹ: حدیث کا حوالہ بتاؤ)

۳...... ’’اور ایک حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آئے گی۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۵۲، خزائن ج۳ ص۲۲۷)

(نوٹ: حدیث کا حوالہ بتاؤ)

۴...... ’’یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحائف میں بھی یہ موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقتوں میں طاعون پڑے گی۔‘‘ (کشتی نوح ص۵، خزائن ج۱۹ ص۵)

(نوٹ: قرآن شریف اور توریت کے حوالے بتاؤ)

۵...... ’’قادیان طاعون سے اس واسطے محفوظ رہے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کی تخت گاہ ہے اور تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔‘‘ (دافع البلاء ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۲۵)

’’قادیان طاعون سے اس لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔‘‘ (دافع البلاء ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۲۶)

’’میں تمام گھر والوں کو اس بیماری (طاعون) سے بچاؤں گا۔‘‘ (البشریٰ ج۲ ص۱۴۰)

نوٹ...... یہ سب غلط ہے اس لئے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا اپنا بیان ہے: ’’ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں ہوئی۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۲۳۲، خزائن ج۲۲ ص۸۷)

’’طاعون کے دنوں میں جب قادیان میں طاعون زوروں پر تھی، میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۴ حاشیہ)

’’اللہ تعالیٰ کے امر و منشاء کے ماتحت قادیان میں طاعون مارچ کے آخیر تاریخوں میں پھوٹ پڑی۔‘‘ (اخبار الحکم مورخہ ۱۰/ اپریل ۱۹۰۴ء)

۶...... ’’عیسیٰ علیہ السلام نے ایک کنجری کو بغل میں لیا۔‘‘

(نور القرآن ص۴۶ تا ۴۹، خزائن ج۹ ص۴۴۸)

(نوٹ: انجیل میں سے حوالہ بتاؤ)

۷...... ’’اور میں کہتا ہوں کہ تین شہروں کا نام قرآن مجید میں درج ہے۔ مکہ، مدینہ اور قادیان۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۷۷ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۱۴۰)

(نوٹ: اس کی نسبت قرآن مجید کی آیت بتاؤ)

باب ہشتم ...... مرزا قادیانی کی بہتان طرازیاں اور غلط بیانیاں

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (آریہ دھرم ص۱۱، خزائن ج۱۰ ص۱۳) پر یوں لکھا ہے: ’’بہتان طرازی اور غلط بیانی نہایت شریر اور بدذات آدمی کا کام ہے۔‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی نے خداوند مسیح کے حق میں اپنی کتاب (ضمیمہ انجام آتھم ص۷، خزائن ج۱۱ ص۲۹۱ حاشیہ) پر لکھا ہے: ’’آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے۔‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ بہتان کہاں تک درست ہے۔ اس کی اپنی قلم سے اس کی کیفیت پڑھیں۔

’’یاد رہے کہ اکثر اوقات اسرار دقیقہ بصورت اقوال وافعال انبیاء میں سے ظہور میں آتے رہے جو کہ نادانوں کی نظر میں سخت بیہودہ اور شرمناک کام ہیں۔ جیسا کہ مسیح کا کسی فاحشہ کے گھر جانا اور اس کا عطر جو حلال کی وجہ سے نہ تھا...... استعمال کرنا۔‘‘

’’اگر کوئی خودستائی کی راہ سے اس بناء پر حضرت مسیح کی نسبت زبان پر لائے کہ وہ طوائف کے گندے مال کو کام میں لایا تو ایسے خبیث کو اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس کی فطرت ان

پاک لوگوں کی فطرت سے مغائر پڑی ہے اور شیطان کی فطرت کی طرح یہ پلید کا مادہ اور خمیر ہے۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۹۷،۵۹۸، خزائن ج۵ ص۵۹۸)

گویا مرزا غلام احمد قادیانی نے خود آئینہ کمالات میں انجام آتھم کے بیان کو بہتان طرازی اور غلط بیانی تسلیم کر لیا۔

۲...... ’’مسیح نے قمار بازی کو جائز رکھا۔‘‘ (انجام آتھم ص۳۸، خزائن ج۱۱ ص۳۸)

(نوٹ: یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے۔ انجیل مقدس میں سے حوالہ بتاؤ)

۳...... ’’مسیح نے دوسروں کی عورتوں کو دیکھنا جائز رکھا۔‘‘ (انجام آتھم ص۳۸، خزائن ج۱۱ ص۳۸)

(نوٹ: یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے)

۴...... ’’اپنی امت کو اجازت دے دی کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔‘‘

(انجام آتھم ص۳۸، خزائن ج۱۱ ص۳۸)

(نوٹ: یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے)

۵...... ’’آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ مگر یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔‘‘

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵،۸، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)

(نوٹ: یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے)

۶...... ’’عیسیٰ نے ایک کنجری کو اپنی بغل میں لیا۔‘‘ (نور القرآن ص۴۶، خزائن ج۹ ص۴۴۸)

(نوٹ: یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے)

۷...... ’’مسیح ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا۔‘‘ (اخبار الحکم مورخہ ۲۱؍فروری ۱۹۰۲ء)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (اعجاز احمدی ص۲۵، خزائن ج۱۹ ص۱۳۴) پر خود لکھا ہے کہ: ’’بات بے اعتبار ہے۔‘‘

(نوٹ: گویا یہ بھی بہتان طرازی اور غلط بیانی ہے)

۸...... مرزا غلام احمد قادیانی کا دوسرا بیان یہ ہے کہ ’’سچی بات یہ ہے درحقیقت یسوع مسیح خدا کے نہایت پیارے اور نیک بندوں میں سے ہیں جو کہ خدا کے برگزیدہ لوگ ہیں۔‘‘

(تحفہ قیصریہ ص۲۰، خزائن ج۱۲ ص۲۷۲)

مرزا قادیانی نے یسوع کو جو خدا کا نہایت پیارا اور نیک بندہ اور برگزیدہ ہے ’’شریر اور مکار‘‘ کہا ہے۔ غرضیکہ جھوٹا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵،۸، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک وہ بڑا ہی خبیث، ملعون اور بدذات ہے جو خدا کے برگزیدہ اور مقدس لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔ (البلاغ المبین ص۱۹، ملفوظات ج۱۰ ص۴۱۹)

(نور اسلام ص۳۴، خزائن ج۹ ص۳۵) پر مرزا قادیانی نے لکھا ہے: ''توہین انبیاء کفر ہے۔''

مسیح کے بارے میں مرزا قادیانی نے یہ کہا ہے کہ: ''حضرت مسیح خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور آپ کے برگزیدہ اور پیارے تھے...... مرزا قادیانی نے اس سچے نبی کی اس طور پر توہین کی ہے۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۵، ۸، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹)

(انجام آتھم ص۳۸، اخبار الحکم مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۲ء، مکتوبات احمدیہ جلد سوم ص۲۳، ۲۴) ان سب حوالہ جات میں مرزا قادیانی نے اس سچے نبی کے بارے میں نہایت ناقابل برداشت اور توہین آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں۔ لیکن مرزا قادیانی کا یہ قول بھی سچا ہے کہ توہین انبیاء کفر ہے۔

(تحفہ قیصریہ ص۷، خزائن ج۱۲ ص۲۵۹) پر لکھا ہے کہ: ''قوموں کے بزرگوں کو گالیاں نکالنا اس سے بڑھ کر فتنہ انگیز اور کوئی بات ہے نہیں۔ یعنی کسی قوم کے بزرگ کو گالیاں دینے والا سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہے۔'' لیکن مرزا قادیانی نے خود اپنی ہی قلم سے مسیح کو جو مسیحیوں کا بزرگ ہے گالیاں دی ہیں۔

''بعض جاہل مسلمان کسی عیسائی کی بدزبانی کے مقابل پر جو وہ آنحضرت ﷺ کی شان میں کرتا ہے، حضرت عیسیٰ کی نسبت کچھ سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں۔''

(مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۴۴)

گویا بقول مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ کی نسبت سخت الفاظ کہنے والا جاہل مسلمان ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تحریرات میں حضرت عیسیٰ کی نسبت ''سخت الفاظ'' استعمال کئے ہیں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب ص ج، خزائن ج۱۵ ص۴۹۱) پر مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ محسن گورنمنٹ خوب سمجھتی ہے کہ: ''مسلمان سے ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضرت عیسیٰ کو گالی دے۔'' گویا کہ حضرت عیسیٰ کو گالیاں دینے والا شخص مسلمان نہیں ہے۔ لیکن مرزا قادیانی نے خود اپنی کتابوں میں مسیح کو بے شمار گالیاں دی ہیں۔

باب نہم ...... مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں اور الہامات

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۸، خزائن ج۵ ص۲۸۸) پر

یوں لکھا ہے: ’’ہمارے صدق اور کذب کو جانچنے کے لئے ہماری پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہے۔‘‘

فصل اوّل: مرزاغلام احمد قادیانی کی پیشین گوئی اپنی عمر کے بارے میں

پیشین گوئی الفاظ یہ ہیں: ’’خداتعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ میری پیشین گوئی سے صرف اس زمانہ کے لوگ ہی فائدہ نہ اٹھائیں۔ بلکہ بعض پیشین گوئیاں ایسی ہوں کہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک عظیم الشان نشان ہوں۔ جیسا کہ یہ پیشین گوئیاں کہ میں تجھے اسی برس یا چندسال زیادہ اس سے کم عمر دوں گا۔‘‘ (تریاق القلوب ص۱۳ حاشیہ، خزائن ج۱۵ ص۱۵۲)

تریاق القلوب کے حوالہ صدر کی تشریح میں مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (کتاب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷، خزائن ج۲۱ ص۲۵۹) پر یوں لکھا: ’’اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدے کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر (۷۴) اور چھیاسی (۸۶) کے اندر اندر عمر کی تعین کرتے ہیں۔‘‘

الغرض ان دونوں حوالوں کی بناء پر مرزاغلام احمد قادیانی کی عمر ۷۴ برس سے کم اور ۸۶ برس سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے تھی۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی عمر کا اندازہ حسب ذیل ہے۔

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی کا اپنا بیان یہ ہے: ’’کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے۔‘‘ (کتاب البریہ ص۱۴۶، خزائن ج۱۳ ص۱۷۷)

مرزاغلام احمد قادیانی کی وفات ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اس حساب سے اس کی عمر ۶۵ برس ہوئی نہ کہ ۷۴ برس۔ قمری سالوں کے حساب سے بھی عمر ۶۷ برس بنتی ہے نہ کہ ۷۴ برس۔

۲...... ’’میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا۔‘‘

(کتاب البریہ ص۱۴۶، خزائن ج۱۳ ص۱۷۷)

اس اندازہ سے بھی عمر ۶۹ برس ہوئی نہ کہ ۷۴ برس۔

۳...... مرزاغلام احمد قادیانی کے مریدوں کی تصدیق کہ اس کی پیدائش ۱۸۳۹ء میں ہوئی تھی۔

الف...... حکیم نورالدین خلیفہ اوّل کا بیان: ’’سن پیدائش حضرت صاحب مسیح موعود مہدی مسعود ۱۸۳۹ء۔‘‘

ب...... ’’آپ ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔‘‘ (اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۱؍جولائی ۱۹۲۳ء)

لیکن تاریخ وفات مورخہ ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء ہے اور اس طرح عمر ۶۹ برس ہوئی نہ کہ ۷۴ برس۔

۴...... عدالتی بیان سے عمر کی تصدیق یوں ہے:

الف...... ’’اس وقت ۱۹۰۴ء میں میری عمر ۶۵ سال کی ہے۔‘‘ بعدالت لالہ موتی رام مہتہ بی.اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اوّل گورداسپور ۶/جولائی ۱۹۰۴ء۔

ب...... ۱۶/مئی ۱۹۰۱ء حضرت مسیح موعود کا بیان جو آپ نے عدالت گورداسپور میں بطور گواہ مدعا علیہ مرزا نظام الدین کے مقدمہ بند کرنے راستہ شارع عام جو مسجد کو جاتا تھا۔ حسب ذیل دیا: ’’اللہ تعالیٰ حاضر ہے۔ میں سچ کہوں گا۔ میری عمر ساٹھ سال کے قریب ہے۔‘‘ (منظور الٰہی ص ۲۴۱)

تاریخ وفات ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء ہے اور اس اندازہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی عمر ۶۸ یا ۶۹ برس سے زیادہ نہیں بنتی۔ پیشین گوئی کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کی عمر ۷۴ برس سے کم اور ۸۶ برس سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔

ایک الجھن

اپنی عمر کی بابت مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف بیان ملاحظہ ہوں:

۱...... ’’اس وقت ۱۸۹۶ء میں میری عمر ۶۴ برس کی ہے۔‘‘

(اعجاز احمدی ص ۳، خزائن ج ۱۹ ص ۱۰۹)

۲...... ’’اس وقت میری عمر ۱۹۰۳ء میں ۷۰ برس کی ہے۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۲۹، خزائن ج ۲۲ ص ۴۶۱)

۳...... ’’اس وقت ۱۹۰۴ء میں میری عمر ۶۵ برس کی ہے۔‘‘ (عدالتی بیان حوالہ صدر)

۴...... ’’اب میری عمر ۱۹۰۵ء میں ۷۰ برس کے قریب ہے۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۷، خزائن ج ۲۱ ص ۲۵۸)

۵...... ’’اس وقت میری عمر ۱۹۰۷ء میں ۶۸ برس کی ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص ۲۰۱ حاشیہ، خزائن ج ۲۲ ص ۲۰۹)

ترتیب پر غور کریں:

۱...... ۱۸۹۶ء میں عمر ۶۴ برس

۲...... ۱۹۰۳ء میں عمر ۷۰ برس

۳...... ۱۹۰۴ء میں عمر ۶۵ برس

۴...... ۱۹۰۵ء میں عمر ۷۰ برس

۵...... ۱۹۰۷ء میں عمر ۶۸ برس

۶...... ۱۹۰۸ء میں وفات

مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام اپنی عمر کی نسبت ایک بار پھر ملاحظہ ہوں۔

’’تیری عمر اسی برس کی ہوگی یا اس کے قریب یا اس سے چند سال زائد۔‘‘

(البشریٰ ج۲ حصہ اوّل ص۲)

’’اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیری عمر اسی برس یا کچھ زیادہ ہوگی۔‘‘

(مواہب الرحمٰن ص۲۱، خزائن ج۱۹ ص۲۳۹)

اس کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ بیان بھی غور طلب ہے۔ ’’پھر اگر ثابت ہو کہ میری سو پیشین گوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔‘‘

(حاشیہ اربعین نمبر۴ ص۲۵، خزائن ج۱۷ ص۴۶۱)

فصل دوم: مرزا قادیانی کی پیشین گوئی محمدی بیگم سے نکاح کے بارے میں

۱......اس پیشین گوئی کی تفصیل

۱...... محمدی بیگم سے نکاح کی بابت مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار:

اس نکاح کی بات کیسے چلی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ’’نامبردہ (احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین کو بیاہی گئی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے...... مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کر دی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں...... نامبردہ...... نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین...... اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں...... چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا۔ اس لئے مکتوب الیہ (احمد بیگ) نے بہ تمام عجز وانکساری ہماری طرف رجوع کیا۔ تاہم اس ہبہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے۔ لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے...... ہماری عادت ہے۔ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہئے...... پھر استخارہ کیا...... اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ...... یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک

رحمت کا نشان ہوگا...... لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

پھر ان دونوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خداتعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔'' (اشتہار از طرف خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۱۰؍جولائی ۱۸۸۸ء منقول از آئینہ کمالات ص۲۸۱ تا ۲۸۸، خزائن ج۵ ص۲۸۹)

۲...... اس نکاح کی بابت مرزاغلام احمد قادیانی کا دوسرا بیان:

''بعض عظیم الشان نشان اس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیشین گوئی اور پنڈت لیکھ رام کی پیشین گوئی پھر مرزااحمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی نسبت پیشین گوئی جس کی میعاد آج کی تاریخ سے جو ۲۱؍ستمبر ۱۸۹۳ء ہے۔ قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں، ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں۔

پیشین گوئیاں کوئی معمولی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہوں۔ بلکہ محض اللہ جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق ہے تو ان پیشین گوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشین گوئیاں پنجاب کی تین بڑی قوموں پر حاوی ہیں اور ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں:

۱...... مرزااحمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

۲...... داماد اس کا اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔

۳...... احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔

۴...... وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔

۵...... یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورا ہونے تک فوت نہ ہو۔

۶...... پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔''

(رسالہ شہادت القرآن ص۸۱، خزائن ج۶ ص۳۷۶)

۳...... اس نکاح کی نسبت مرزاغلام احمد کے مزید بیانات:

۱...... ''اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آ جانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ کلمہ موجود ہے۔''لاتبدیل لکلمات اللہ ''(اللہ کی بات بدل نہیں سکتی) یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔''
(اعلان ۶ر ستمبر ۱۸۹۶ء، مندرجہ تبلیغ رسالت ج۳ص ۱۱۵، مجموعہ اشتہارات ج۲ص ۴۳)

۲...... ''یادرکھو کہ اس (محمدی بیگم) کی دوسری جز پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔اے احمقو! یہ (پیشین گوئی) انسان کا افتراء نہیں۔یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔''
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۴، خزائن ج۱۱ص ۳۳۸)

۳...... ''خدا نے مجھے وحی کی ہے کہ احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی کا رشتہ اپنے لئے طلب کر...... مجھے خدا نے یہ فرمایا کہ احمد بیگ سے یہ بھی کہہ دے کہ اگر تو نے میرے اس سوال رشتہ کو قبول نہ کیا تو جان لے کہ مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ اس لڑکی سے دوسرے شخص کا نکاح کرنا اس لڑکی کے لئے بھی اور تیرے لئے بھی موجب برکت نہ ہوگا۔پس اگر تو اس ڈانٹ سے نہ ڈرا تو تجھ پر کئی ایک مصیبتیں برسیں گی اور سب سے آخری مصیبت تیری موت ہوگی۔''
(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۳، خزائن ج۵ص ۵۷۳)

۴...... ''یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا درست ہے۔''
(حقیقت الوحی ص ۱۳۲ تتمہ، خزائن ج۲۲ص ۵۷۹)

۲......اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے مرزاغلام احمد کی مساعی:

مرزاغلام احمد کے خطوط بنام متعلقین محمدی بیگم

خط نمبر:۱

ازطرف خاکسار غلام احمد، ازلدھیانہ اقبال گنج ۲رمئی ۱۸۹۱ء
بنام مشفقی علی شیر بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا۔ میں آپ کو غریب الطبع اور نیک خیال اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں۔ سنا ہے کہ عید کی دوسری کو محمدی بیگم کا نکاح سلطان محمد سے ہونے والا

ہے۔اس نکاح کے شریک مجھ پر لوگوں کو ہنسانا اور مجھے خوار اور ذلیل اور روسیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے گھر کے لوگ مرزا احمد بیگ کو سمجھاتے تو وہ کیوں نہ سمجھتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار تھی۔ میری خواہش تھی کہ محمدی بیگم کی اولاد میری وارث ہو۔ اگر آپ نے میرا کام نہ کرایا تو میرا بیٹا فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا اور اگر فضل احمد نے میرے حکم پر طلاق نہ دی تو اس کو اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔ اگر آپ نے احمد بیگ کو راضی کر لیا تو بدل وجان حاضر ہوں اور فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو طلاق نہیں دے گا اور میرا مال ان دونوں کا مال ہوگا۔

خط نمبر:۲

ازطرف مرزاغلام احمد، ازلدھیانہ اقبال گنج مورخہ ۴؍مئی ۱۸۹۱ء

بنام زوجہ مرزا علی شیر بیگ

عزت بی بی کی والدہ کو واضح ہو کہ وہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھائے کہ محمدی بیگم کا نکاح سلطان محمد سے نہ کرے۔ ورنہ میرا بیٹا فضل احمد تمہاری لڑکی عزت بی بی کو طلاق دے دے گا اور بصورت عدول حکمی میری جائیداد سے عاق کیا جائے گا۔

خط نمبر:۳

ازطرف عزت بی بی بنام والدہ عزت بی بی

اس وقت میری بربادی اور تباہی کا خیال کرو۔ مرزا قادیانی کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے۔ اپنے بھائی احمد بیگ کو سمجھاؤ۔ ورنہ مجھے طلاق دے دی جائے گی۔ اگر تم نے یہ نہ کیا تو جلد مجھے یہاں سے لے جاؤ۔ میرا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔

خط نمبر:۴

ازطرف خاکسار احقر عباداللہ غلام احمد عفی عنہ

۱۷؍جولائی ۱۸۹۱ء، بروز جمعہ ازکلمہ فضل رحمانی

مشفقی مکرمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں، تاکہ میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو مجھ کو آپ کی نسبت ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزع کا آخری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ سو میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ مجھے

خدا کی طرف سے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا۔ اگر دوسری جگہ ہوا تو سزا کا باعث ہوگا اور آخر کار وہ نکاح مجھ سے ہوگا۔ میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ یہ رشتہ مجھ سے کر دیں۔ جس میں بہت برکات شامل ہیں۔ میرے خیال میں شاید ۶۰ لاکھ سے زیادہ آدمی ہوں گے جس کی نظر اس پیشین گوئی پر لگی ہوئی ہے۔ یہ عاجز جس طرح ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ایمان لاتا ہے۔ اس طرح خدا کے الہامات پر جو متواتر اس عاجز پر ہوئے ایمان رکھتا ہے۔ آپ سے التماس ہے اب اس پیشین گوئی کو پورا کرنے میں میرے معاون بنیں۔ کوئی بندہ خدا سے لڑائی نہیں کر سکتا۔ جو امر آسمان پر مقدر ہو چکا ہے وہ زمین پر ہرگز نہیں بدل سکتا۔ خدا آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطاء کرے اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ آپ کے سارے غم دور ہوں۔ خدا آپ کو دین اور دنیا عطاء فرماوے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی نا ملائم لفظ ہو تو معاف فرما دیں۔ والسلام!

۳......مرزا غلام احمد قادیانی کی ناکام مساعی

ان تمام اشتہاروں، اعلانوں، خطوں اور دھمکیوں کے باوجود مرزا احمد بیگ نے ۷/اپریل ۱۸۹۲ء کو محمدی بیگم کا نکاح سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور سے کر دیا۔

۴......مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے مریدوں کے عذر

عذر اوّل: سلطان محمد ڈر گیا۔ اس لئے نہ مرا۔

سلطان محمد تمام عمر اس پیشین گوئی سے نہ ڈرا۔ اس کے ثبوت میں دو خط پیش کئے۔

خط نمبر:۱

''جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے جو میری موت کی پیشین گوئی فرمائی تھی، میں نے اس میں ان کی تصدیق کبھی نہیں کی۔ نہ میں اس پیشین گوئی سے کبھی ڈرا۔ میں ہمیشہ سے اور اب بھی اپنے بزرگان اسلام کا پیرو رہا ہوں۔'' مورخہ ۳/مارچ ۱۹۲۴ء، دستخط مرزا سلطان احمد

اس خط کی مندرجہ ذیل اصحاب نے تصدیق کی:

مولوی عبداللہ (امام مسجد مبارک)، مولوی مولا بخش (خطیب جامع مسجد پٹی بقلم خود)، مولوی عبدالمجید (ساکن پٹی بقلم خود)، مستری محمد حسین (نقشہ نویس پٹی بقلم خود)، مولوی احمد اللہ صاحب (امرتسر)۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۱۴/مارچ ۱۹۲۴ء)

خط نمبر:۲

یہ خط سید محمد شریف صاحب گھڑیالہ ضلع لاہور کو لکھا گیا۔

مکرم جناب شاہ صاحب السلام علیکم!

میں تادم تحریر تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ میں خدا کے فضل سے ملازمت کے وقت بھی تندرست رہا ہوں۔ اس وقت بعہدہ رسالداری پنشن پر ہوں۔ گورنمنٹ کی طرف سے مجھے پانچ مربعہ اراضی عطاء ہوئی ہے۔ میری جدی زمین بھی قصبہ پٹی میں میرے حصہ میں قریباً ۱۰۰ بیگھہ آئی ہے اور ضلع شیخوپورہ میں بھی میری اراضی قریباً تین مربعہ اراضی کے ہے۔ میری پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ۱۳۵ روپے ماہواری ہے۔ میرے چھ لڑکے ہیں جن میں سے ایک لاہور میں پڑھتا ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس کو ۲۵ روپے ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ دوسرا لڑکا خاص پٹی میں انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے۔ میں خدا کے فضل سے اہل سنت والجماعت کا ہوں۔ میں احمدی مذہب کو برا سمجھتا ہوں۔ میں اس کا پیرو نہیں ہوں۔ اس کا دین جھوٹا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

تابعدار سلطان محمد بیگ پنشنر، از پٹی ضلع لاہور

(اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۳۰ء)

عذر دوم: ’’سلطان محمد بیگ نے توبہ کر لی اس لئے نہ مرا۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے خود لکھا ہے کہ اس نے توبہ نہ کی۔ احمد بیگ کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پروانہ کی۔ پیشین گوئی کو سن کر پھر نکاح کرنے پر راضی ہوا۔‘‘

(اشتہار انعامی چار ہزار حاشیہ ص۴، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۹۵ حاشیہ)

مرزاغلام احمد قادیانی کے نزدیک توبہ کی تعریف یہ ہے: ’’مثلاً اگر کافر ہے تو سچا مسلمان ہو جائے اور اگر ایک جرم کا مرتکب ہے تو سچ مچ اس جرم سے دستبردار ہو جائے۔‘‘

(اشتہار مرزا مورخہ ۶ر ستمبر ۱۸۹۴ء، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۷)

اگر سلطان محمد نے توبہ کر لی تھی تو توبہ کے اس تعریف کے پیش نظر سلطان محمد کو محمدی بیگم سے دستبردار ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد نے کبھی توبہ نہیں کی اور نہ محمدی بیگم سے دستبردار ہوا۔

عذر سوم: یہ پیشین گوئی مشروط تھی۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی تحریروں اور اشتہاروں میں اس کو تقدیر مبرم کا نام دیا ہے اور ذیل کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ تقدیر مبرم بلاشرط ہوتی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنا بیان پڑھئے: ’’گو بظاہر کوئی وعید کی پیشین گوئی شرط سے خالی ہو۔ مگر اس کے ساتھ پوشیدہ طور پر شرط ہوتی ہے۔ بجز ایسے الہام کے جس میں یہ ظاہر کیا جائے کہ اس کے ساتھ کوئی مشروط نہیں۔ پس ایسی صورت میں وہ قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے اور تقدیر مبرم قرار پاجاتا ہے۔ یہ نکتہ سورۃ فاتحہ میں مخفی رکھا گیا۔‘‘ (انجام آتھم ص۱۰ احاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۱۰)

’’نفس پیش گوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے۔ ’’**لا تبدیل لکلمات اللہ**‘‘ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔‘‘

(اشتہار مرزا مورخہ ۶؍ستمبر ۱۸۹۴ء، مندرجہ تبلیغ رسالت ج۳ ص۱۱۵، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۳)

الغرض اس پیش گوئی کے مطابق نہ سلطان محمد اڑھائی سال کے اندر فوت ہوا اور نہ محمدی بیگم مرزا غلام احمد کے نکاح میں آئی۔ ایک بار پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان سنیں: ’’ہمارے صدق وکذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہوسکتا۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۸، خزائن ج۵ ص۲۸۸)

’’کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔‘‘ (سراج منیر ص۱۳، خزائن ج۱۲ ص۱۵)

فصل سوم: ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بابت مرزا قادیانی کی پیشین گوئی

ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بابت مرزا غلام احمد نے ۵؍جون ۱۸۹۳ء کو مندرجہ ذیل پیشین گوئی کی: ’’آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی۔ بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔‘‘

(جنگ مقدس ص۱۸۸، ۱۸۹، خزائن ج۶ ص۲۹۱، ۲۹۲)

’’میں حیران ہوں کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دی جائے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔‘‘

(جنگ مقدس ص۱۸۹، خزائن ج۶ ص۲۹۲،۲۹۳)

مرزا غلام احمد کی پریشانی

۲۲/اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط لکھا جس کی عبارت یوں ہے:

’’مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

عنایت نامہ مع کارڈ پہنچا۔ اب تو صرف چند روز پیشین گوئی میں رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان سے بچاوے۔ شخص معلوم (آتھم) فیروز پور میں ہے اور تندرست وفربہ ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے ضعیف بندوں کو ابتلاء سے بچاوے۔ آمین! ثم آمین! مولوی صاحب کو بھی لکھیں کہ اس دعا میں شریک رہیں۔ والسلام!

خاکسار غلام احمد قادیانی از قادیان

(۲۲/اگست ۱۸۹۴ء، مکتوبات ج۲ ص۶۰۵)

مرزا غلام احمد قادیانی کی مزید پریشانی ملاحظہ ہو: ’’بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے مجھ سے اور میاں حمد علی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (تعداد یاد نہیں رہی) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (وظیفے کی تعداد بھی یاد نہیں) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ بھی یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورۃ تھی...... ہم نے یہ وظیفہ ساری رات صرف کر کے ختم کیا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے...... اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان کے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں

میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہئے اور مڑ کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہ دیکھا۔''

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۷۸، روایت نمبر۱۶۰)

لیکن ڈپٹی عبداللہ آتھم مورخہ ۶؍ستمبر کو فوت نہ ہوئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے عذر

عذر اوّل: عبداللہ آتھم نے حق کی طرف رجوع کر لیا تھا اس لئے فوت نہ ہوا۔ پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''جو فریق جھوٹ کو عمداً اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔''

ڈپٹی آتھم نے کبھی الوہیت مسیح کا انکار نہیں کیا اور اسلام میں داخل نہ ہوا۔ اس لئے یہ عذر نامعقول ہے۔

عذر دوم: ''میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے روبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچی گواہی دے گیا۔'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۰، خزائن ج۱۷ ص۵۲،۵۳)

یہ بھی عذر معقول نہیں ہے۔ کیونکہ پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں: ''پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔'' ڈپٹی آتھم کو پندرہ ماہ کے اندر اندر فوت ہو جانا چاہئے تھا۔ دیکھئے

(شہادت القرآن کا بیان ص۸۰، خزائن ج۶ ص۳۷۵)

''ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کے معرض امتحان میں ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیشین گوئی جس کی میعاد ۵؍جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینے ہے۔''

عذر سوم: ''اصل ہاویہ موت نہ تھی۔ بلکہ عبداللہ آتھم کا مصائب، گھبراہٹ، ہول اور خوف کا شکار ہونا تھا۔'' (انوار الاسلام ص۵، خزائن ج۹ ص۵ ملخص)

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کی دیگر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ: ''ہاویہ سے مراد موت تھی کہ وہ ۱۵ مہینے کے اندر اندر مر جائے گا۔'' (تریاق القلوب ص۱۱، خزائن ج۱۵ ص۱۴۸ ملخص)

''آتھم کی موت کی جو پیش گوئی کی گئی تھی جس میں یہ شرط تھی کہ اگر آتھم پندرہ مہینے کی میعاد میں حق کی طرف رجوع کرلیں گے تو موت سے بچ جائیں گے۔''

(کشتی نوح ص ۶، خزائن ج ۱۹ ص ۶)

''پیشین گوئی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا تو پندرہ مہینے میں نہیں مرے گا۔''

عذر چہارم: اگر آتھم دل سے ڈرا نہیں تو قسم کھائے۔ اس کے جواب میں مسٹر آتھم نے کہا کہ انجیل کی رو سے میں قسم کھانے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اگر عدالت میں طلب کیا جاؤں تو قسم کھالوں گا۔

(نور افشاں مورخہ ۱۰/ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

عذر پنجم: مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ آتھم نے رجوع بحق کرلیا تھا۔ اس لئے نہ موا۔ ''جب سے اس نے پیشین گوئی سنی تھی عیسائیت کی حمایت پر ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ پس یہ اس کے رجوع کی علامت ہے۔'' (تریاق القلوب ص ۹۷، خزائن ج ۱۵ ص ۳۵۷، ۳۵۸ ملخص)

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ اس مباحثہ کے بعد ڈپٹی آتھم نے خلاصہ مباحثہ کے نام ایک تصنیف کی اور اس کے ص ۴ پر تثلیث کی حمایت میں بیان دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''ہمارے صدق وکذب جانچنے کے لئے ہماری پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہوسکتا۔''

(آئینہ کمالات اسلام، دافع الوساوس ص ۲۸۸، خزائن ج ۵ ص ایضاً)

''کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔'' (سراج منیر ص ۱۳، خزائن ج ۱۲ ص ۱۵)

آخری فیصلہ دربارہ مولوی ثناء اللہ امرتسری

بخدمت مولوی صاحب ثناء اللہ

''مدت سے آپ کے پرچہ ''اہل حدیث'' میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اس پرچہ میں مردود وکذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہو اور مجھ کو ان گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی مفتری اور کذاب ہوں

جیسا کہ آپ اکثر اوقات اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی زیادہ عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی ہی میں ناکام اور ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خداتعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشین گوئی نہیں بلکہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے۔ تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیرے دربار میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور اس کی جماعت کو خوش کر۔ آمین!

اگر اے میرے مالک کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو وہ مجھ پر لگاتا ہے، حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی ہی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ امراض مہلک سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور سے توبہ کرے۔ میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے جن کو فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا رہا۔ آمین!

یارب العالمین! میں ان کے ہاتھوں سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا اور اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی ہے اور مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں ''**لا تقف ما لیس لک بہ علم**'' پر عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دراز ملکوں میں میری نسبت پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر برا اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے

بنائی ہے۔اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناءاللہ میں سچا فیصلہ سنا اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھالے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہے مبتلا کر۔اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔آمین!

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچے میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

الراقم: عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود

(مرقومہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۷۹)

مرزا غلام احمد قادیانی مئی ۱۹۰۸ء میں فوت ہوگئے اور مولوی ثناءاللہ صاحب تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لائے اور اپنے پوتوں کے پاس سرگودھا میں فوت ہوئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے الفاظ غور سے پڑھئے:

''اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے۔جو میرے دل کے حال سے واقف ہے۔اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔''

اب عذر یہ ہے کہ یہ اشتہار الہامی نہیں۔ بلکہ محض دعا ہے اور دعا کی بابت ہم نہیں کہہ سکتے کہ ضرور قبول ہوئی ہوگی۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذر خود مرزا غلام احمد کی منشاء کے خلاف ہے۔اس کی اپنی تشریح پڑھئے:''زمانے کے عجائبات میں کہ رات کو ہم سوئے نہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے۔پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔کوئی ہفتہ، عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ثناءاللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ایک دفعہ ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی۔رات کو الہام ہوا:''اجیب دعوۃ الداع'' خدا دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے۔باقی سب اس کی شاخیں۔''

(اخبار بدر مورخہ ۲۵/اپریل ۱۹۰۷ء ج۶ ص۱۷)

مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد ملاحظہ فرمائے:''ہمارے صدق وکذب جانچنے کے لئے ہماری پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہوسکتا۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۸، خزائن ج۵ ص ایضاً)

’’کسی انسان کا اپنی پیشین گوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔‘‘

(سراج منیر ص ۱۳، خزائن ج ۱۲ ص ۱۵)

فصل پنجم: ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں مرزاغلام احمد قادیانی کا توبہ نامہ

’’میں مرزاغلام احمد قادیانی بحضور خداوند تعالیٰ باقرار صالح بیان کرتا ہوں کہ آئندہ:

۱...... میں ایسی پیشین گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی خیال کئے جاسکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ مورد عتاب الٰہی ہوگا۔

۲...... میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد یا درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو خواہ عیسائی) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ مورد عتاب الٰہی ہے۔ یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

۳...... میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا۔ جس کا یہ منشاء ہو یا جو ایسا منشاء رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی) ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہوگا۔

۴...... میں اس امر سے بھی باز رہوں گا کہ مولوی ابوسعید میں محمد حسین یا اس کے کسی دوست یا پیرو کے ساتھ مباحثہ کرنے میں کوئی دشنام آمیز فقرہ یا دل آزار لفظ استعمال کروں یا کوئی ایسی تحریر یا تصویر شائع کروں۔ جس سے ان کو درد پہنچے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان کی ذات کی نسبت یا ان کے کسی دوست اور پیرو کی نسبت کوئی لفظ مثل دجال، کافر، کاذب، بطالوی نہیں لکھوں گا۔ میں ان کی پرائیویٹ زندگی یا ان کے خاندانی تعلقات کی نسبت کچھ شائع نہیں کروں گا۔ جس سے ان کو تکلیف پہنچنے کا عقلاً احتمال ہو۔

۵...... میں اس بات سے بھی پرہیز کروں گا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو اس امر کے مقابلہ کے لئے بلاؤں کہ وہ خدا کے پاس مباہلہ کی درخواست کریں تا کہ وہ ظاہر کرے کہ فلاں مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ نہ میں ان کو یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو کسی شخص کی نسبت کوئی پیشین گوئی کرنے کے لئے بلاؤں گا۔

۶...... جہاں تک میرے احاطہ طاقت میں ہے۔ میں تمام اشخاص کو جن پر میرا کچھ اثر یا اختیار ہے، ترغیب دوں گا کہ وہ بجائے خود اسی طریق پر عمل کریں۔ جس طریق پر کاربند ہونے کا میں

نے دفعہ نمبر ۱،۲،۳،۴،۵،۶ میں اقرار کیا ہے۔

دستخط	گواہ شد	العبد
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ	خواجہ کمال الدین	مرزا غلام احمد
ضلع گورداسپور	بی.اے،ایل.ایل.بی	بقلم خود

جے.ایم ڈونی،۲۴/فروری ۱۸۹۹ء

باب دہم ...... مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اور مرزا بشیرالدین محمود خلیفہ ثانی کے عقائد میں اختلاف

دونوں کے عقائد میں اختلاف کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱...... مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں......اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لائیں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۳۹، خزائن ج۵ص ایضاً)

خلیفہ بشیرالدین محمود فرزند مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’نادان مسلمانوں کا خیال تھا کہ نبی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کوئی نئی شریعت لائے یا پہلے احکام میں سے کچھ منسوخ کرے۔‘‘ (حقیقت النبوۃ مصنفہ خلیفہ بشیرالدین محمود ص۳۴)

۲...... مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہئے۔ کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اوّل جواب تو یہ ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت کی شرط نہیں ٹھہرائی تھی۔ بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا۔‘‘

خلیفہ بشیرالدین محمود کا عقیدہ:

’’دوسری دلیل حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے پر یہ ہے کہ آپ کو آنحضرت ﷺ نے نبی کے نام سے یاد فرمایا ہے اور نواس بن سمعان کی حدیث میں نبی اللہ کے لئے آپ کو پکارا گیا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ شاہد ہیں اس امر کے کہ حضرت مسیح موعود نبی ہیں۔‘‘

(حقیقت النبوۃ ص۱۸۹، حصہ اوّل)

۳...... مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’اور پھر قرآن کہتا ہے کہ مسیح کو جو کچھ بزرگی ملی وہ بوجہ تابعداری آنحضرت ﷺ کے ملی۔ کیونکہ مسیح آنجناب پر ایمان لایا اور بوجہ اس ایمان کے مسیح نے نجات پائی۔ پس قرآن کی رو سے مسیح کے منجی پاک نبی آنحضرت ﷺ ہیں۔‘‘ (مکتوبات احمدیہ ج۳ ص۱۲)

خلیفہ بشیر الدین محمود کا عقیدہ:

’’اسی طرح نبوت کے لحاظ سے حضرت مسیح ناصری اور حضرت مسیح موعود دونوں نبی ہیں۔ فیضان پانے کے لحاظ سے حضرت مسیح ناصری نے براہ راست فیضان پایا ہے اور حضرت مسیح محمدی نے آنحضرت ﷺ کے اتباع سے سب کچھ حاصل کیا ہے۔‘‘

(حقیقت النبوۃ ص۱۳۷، حصہ اوّل)

۴...... مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’بات یہ ہے کہ ہمارے نبی آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۳، خزائن ج۵ ص ایضاً)

خلیفہ بشیر الدین محمود کا عقیدہ:

’’آنحضرت ﷺ کو گزشتہ انبیاء کے نام نہیں دیئے گئے تھے۔‘‘

(اخبار الفضل مورخہ ۱۶؍جون ۱۹۱۷ء ص۵)

۵...... مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ:

’’خدا جاگتا اور سوتا ہے۔‘‘ (ملخص الہام عربی، کتاب البشریٰ حصہ دوم ص۷۹، اخبار بدر قادیان مورخہ ۶؍فروری ۱۹۰۳ء ص۲۳، اخبار الحکم ج۷ نمبر۵ ص۱۶)

خلیفہ بشیر الدین محمود کا عقیدہ:

’’وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔‘‘

(اخبار الفضل مورخہ ۱۸؍مارچ ۱۹۱۴ء ص۱۵)

۶...... مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ:

’’اور انہیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف لائے گا۔ یعنی آخر وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں درمیان سے اٹھاوے گا۔ خدا کی باتیں کسی سے نہیں ٹلتیں۔‘‘

(تبلیغ رسالت ج۳ ص۱۱۳، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۱)

’’خدا نے فرمایا کہ میں اس عورت کو اس کے نکاح کے بعد واپس لاؤں گا اور تجھے دوں گا اور میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی اور میرے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور میں سب روکوں کو اٹھادوں گا جو اس کے نفاذ سے مانع ہوں۔‘‘ (تبلیغ رسالت ص۱۱۵، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۳)

خلیفہ بشیر الدین محمود کا عقیدہ:

’’اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں تھا کہ وہ لڑکی (یعنی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم) آپ کے نکاح میں آئے گی۔ پھر یہ نہیں بتایا گیا کہ کوئی روک ڈالے گا تو وہ دور کیا جائے گا۔ بلکہ یہ پیشین گوئی ایک وعید کے طور پر تھی۔‘‘ (الفضل مورخہ ۱۲؍اگست ۱۹۲۴ء ص۵)

باب یازدہم ...... احمدیوں کے دو گروہوں میں اختلاف عقائد

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات کے بعد مئی ۱۹۰۸ء میں حکیم نورالدین کو احمدیہ جماعت کا خلیفہ اوّل مقرر کیا گیا۔ حکیم نورالدین کی وفات مارچ ۱۹۱۴ء میں ہوئی اور مرزا قادیانی کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود احمد کو اس فرقہ کی خلافت سونپی گئی۔ اس واقعہ سے احمدی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک قادیانی اور دوسرا لاہوری۔ قادیانی گروہ کی زمام خلافت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ہاتھ میں آئی اور لاہوری گروہ کی قیادت کا بیڑا مولوی محمد علی ایم۔اے نے اٹھایا۔

قادیانی گروہ مرزا غلام احمد کو ’’بشارت اسمہ احمد‘‘ کا اصلی اور حقیقی مصداق مانتا ہے۔ اللہ کا نبی اور رسول قرار دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد امت محمدیہ میں قیامت تک نبیوں اور رسولوں کا آنا مانتا ہے۔ باوجود ان اساسی اختلافات کے دونوں گروہ متفق ہیں کہ مرزا قادیانی مسیح موعود حکم، عدل اور مذہبی امور میں فیصلہ کن ہے۔ ذیل میں ان دونوں گروہوں کے اختلاف عقائد کا مختصر احوال درج کیا جاتا ہے۔ (مرقع قادیانی بابت ماہ جن ۱۹۳۲ء، النجات لاہور ۱۶؍ستمبر ۱۹۳۴ء)

مولوی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن اور اردو تفسیر بیان القرآن میں جمہور اہل اسلام کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ مولوی صاحب مرزا غلام احمد کے خلاف لکھنے سے بھی نہیں رکے۔ حالانکہ مرزا نے یوں لکھا ہے کہ: ’’ممکن نہیں کہ سچا پیرو اپنے امام کی مخالفت کرے۔‘‘ (اتمام الحجت ص۱۷، خزائن ج۸ ص۲۹۴)

۱...... مسیح کی پیدائش پر دونوں کے متضاد عقائد

۱...... مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ:

مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ (مواہب الرحمٰن ص۷۲،۷۷، خزائن ج۱۹ ص۲۹۵) پر اپنے

عقیدہ کا یوں اظہار کیا کہ: ’’عیسیٰ بے پدر تھے۔‘‘
’’مریم والدہ مسیح قبل از نکاح حکم خدا سے حاملہ ہوگئی تھی۔‘‘
(اخبار الحکم ۲۴؍جون ۱۹۰۱ء ص۱۱) پر یوں لکھا: ’’ہمارا ایمان اور عقیدہ یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں اور نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں۔‘‘

۲…… مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’اگر معجزانہ پیدائش سے یہ مراد ہے کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے تو قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں لکھا اور اگر کہا جائے کہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے…… مگر نہ صرف قرآن کریم میں ہی یہ ذکر نہیں آیا کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے بلکہ کوئی حدیث آنحضرت ﷺ کی بھی ایسی نہیں ملتی۔‘‘ (حقیقت المسیح ص ۸،۹)

۲…… مسیح کے مہد میں کلام کرنے پر متضاد عقائد

۱…… مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ:

’’اور عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد ہی میں باتیں کیں۔ مگر اس میرے لڑکے نے پیٹ ہی میں دو دفعہ باتیں کیں۔‘‘ (تریاق القلوب ص۴۱، خزائن ج۱۵ ص۲۱۷)

۲…… مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’فاتت به قومها تحمله حضرت مسیح کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت مسیح اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہ تھے بلکہ سوار ہوکر یروشلم میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تیس برس کے جواب تھے۔ پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے۔ ہم سے کیا خطاب کرے۔ اس کے سوا ’’من کان فی المهد صبیًا‘‘ کے کچھ معنی نہیں بنتے۔‘‘ (بیان القرآن ص۱۲۱۱ تا ۱۲۱۳)

۳…… حضرت ابراہیم کے واقعہ نار کے متعلق متضاد عقائد

۱…… مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’ابراہیم علیہ السلام چونکہ صادق اور خدا تعالیٰ کا بندہ تھا۔ اس لئے ہر ایک ابتلاء کے وقت خدا نے اس کی مدد کی۔ جب کہ وہ ظلم سے آگ میں ڈالا گیا۔ خدا نے آگ کو اس کے لئے سرد کردیا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۵۰، خزائن ج۲۲ ص۵۲)

۲…… مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’کسی طرح ثابت نہیں کہ ابراہیم درحقیقت آگ میں ڈالا گیا تھا...... آگ سے نجات کا مفہوم ابراہیم کی نجات ہے۔‘‘ (ترجمہ قرآن بزبان انگریزی ص۶۷۹، نوٹ نمبر۱۹۱۰)

۴...... حضرت یونس کے واقعہ کے متعلق متضاد عقائد

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی کا عقیدہ:

’’اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ تھا اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہوا تھا تو صرف بے ہوشی اور غشی تھی اور خدا کی پاک کتابیں یہ گواہی دیتی ہیں کہ یونس خدا کے فضل وکرم سے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا اور زندہ نکلا۔ آخر قوم نے اسے قبول کیا۔‘‘

(مسیح ہندوستان میں ص۱۴، خزائن ج۱۵ ص۱۶)

۲...... مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’قرآن میں کسی جگہ بھی مذکور نہیں کہ یونس کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ کیونکہ لفظ ’’التقم‘‘ جو یہاں مذکور ہے بالضرور لقمہ کے نگل جانے کا مفہوم نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف منہ میں اخذ کرنے کا۔ لینن صاحب اپنی لغات میں ’’التقم ذاھاً فی التقبیل‘‘ کی نظیر لکھ کر اس کے معنی کرتا ہے کہ اس کا بوسہ لینے کے وقت اس نے اس کا منہ اپنے ہونٹوں میں لیا۔ اس بارے میں ایک حدیث نبوی بھی موجود ہے کہ مچھلی نے حضرت یونس کی صرف ایڑی کو منہ میں لیا۔ اس میں بھی قرآن بائبل کی تردید کرتا ہے۔ یعنی بائبل یونس کا مچھلی سے نگلا جانا اور اس کے پیٹ میں داخل ہونا بیان کرتی ہے جو قرآن کے برخلاف ہے۔‘‘ (ترجمہ قرآن بزبان انگریزی ص۸۷۶ نوٹ نمبر۲۱۲۲)

۵...... آخری نبی کی نسبت متضاد عقائد

۱...... مرزاغلام احمد کا عقیدہ:

’’آنحضرت ﷺ کی جسمانی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اور آپ نبیوں کے لئے مہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی مہر کے کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔‘‘ (چشمہ مسیحی ص۷۳،۷۴، خزائن ج۲۰ ص۳۸۸)

یعنی اتباع آنحضرت ﷺ سے نبوت مل سکتی ہے۔

۲...... مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’خاتم النّبیین کے معنی ہیں۔ آخری نبی اور آپ کو خاتم النّبیین کہا۔ اس لئے کہ نبوت کو آپ کے ساتھ ختم کردیا۔ نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی۔‘‘

(بیان القرآن ج۳ ص۱۵۱۵)

۱...... مرزا غلام احمد کا عقیدہ:

’’ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔‘‘

(اخبار بدر مورخہ ۵/مارچ ۱۹۰۸ء، ملفوظات ج۱۰ ص۱۲۷)

۲...... مولوی محمد علی کا عقیدہ:

’’حضرت مرزا کا دعویٰ مجدد ہونے کا تھا۔ آپ نبی ہونے کا دعویٰ کیونکر کر سکتے تھے۔ جب کہ آپ تمام عمر یہ لکھتے رہے ہیں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ ختم نبوت کا منکر اور کافر ودجال ہے۔ وہ لوگ بھی یقیناً غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا قادیانی نے ۱۹۰۱ء میں اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی۔ آپ کا دعویٰ شروع سے لے کر آخر دم تک یہی رہا کہ آپ نبی نہیں بلکہ محدث ہیں۔‘‘ (پیغام صلح ج۱۴ ص۲۵ کالم ۶ ص۶)

نوٹ...... ان متضاد عقائد کی فہرست تو بہت لمبی ہے۔ لیکن نمونہ کے طور پر چند متضاد عقائد اوپر درج کئے گئے ہیں۔

ضمیمہ اوّل

۱......مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں

۱...... اربعین۔
۲...... ازالہ اوہام۔
۳...... آسمانی فیصلہ۔
۴...... اعجاز المسیح۔
۵...... الوصیت۔
۶...... انجام آتھم۔
۷...... آئینہ کمالات اسلام۔
۸...... ایک غلطی کا ازالہ۔
۹...... آریہ دھرم۔
۱۰...... استفتاء۔
۱۱...... اعجاز احمدی۔
۱۲...... البلاغ مسمّٰی بہ فریاد۔
۱۳...... انوار الاسلام۔
۱۴...... ایام الصلح۔
۱۵...... الہدیٰ والتّبصرۃ لمن یریٰ
۱۶...... براہین احمدیہ۔
۱۷...... پیغام صلح۔
۱۸...... تجلیات الٰہیہ۔
۱۹...... تحفۃ الندوہ۔
۲۰...... تحفہ قیصریہ۔
۲۱...... تحفہ گولڑویہ۔
۲۲...... تذکرۃ الشہادتین۔
۲۳...... تریاق القلوب۔
۲۴...... توضیح المرام۔

۲۵...... جنگ مقدس۔ ۲۶...... چشمہ مسیحی۔
۲۷...... چشمہ معرفت۔ ۲۸...... حجۃ اللہ۔
۲۹...... حقیقت المہدی۔ ۳۰...... حقیقت الوحی۔
۳۱...... حمامتہ البشریٰ۔ ۳۲...... دافع البلاء۔
۳۳...... خطبہ الہامیہ۔ ۳۴...... درثمین۔
۳۵...... رسالہ جہاد۔ ۳۶...... ستارہ قیصریہ۔
۳۷...... ست بچن۔ ۳۸...... سراج منیر۔
۳۹...... سیرۃ الابدال۔ ۴۰...... شہادت القرآن۔
۴۱...... ضرورت الامام۔ ۴۲...... کتاب البریہ۔
۴۳...... کشتی نوح۔ ۴۴...... کشف الغطاء۔
۴۵...... گورنمنٹ کی توجہ کے لائق رسالہ۔ ۴۶...... لجۃ النور۔
۴۷...... لیکچر اسلام۔ ۴۸...... نور الہدیٰ۔
۴۹...... نجم الہدیٰ۔ ۵۰...... نزول المسیح۔
۵۱...... نسیم دعوت۔ ۵۲...... نشان آسمانی۔
۵۳...... نور الحق۔ ۵۴...... نور القرآن۔
۵۵...... مواہب الرحمٰن۔

۲......مرزائیوں کی بعض کتابیں

۱...... البشریٰ: مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات کی تالیف، از محمد منظور الٰہی۔
۲...... تبلیغ رسالت: تالیف از میر قاسم علی۔
۳...... کتاب منظور الٰہی: مؤلفہ محمد منظور الٰہی۔
۴...... مکاشفات: مؤلفہ محمد منظور الٰہی۔
۵...... تذکرہ یعنی وحی مقدس: مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات ومکاشفات کا مجموعہ۔

۳......احمدی فرقہ کے اخبار اور رسالے

۱...... الفضل، قادیان وربوہ۔ ۲...... فاروق، قادیان۔
۳...... الحکم، قادیان۔ ۴...... بدر، قادیان۔
۵...... پیغام صلح، لاہور۔ ۶...... ریویو آف ریلیجنز، قادیان، ربوہ۔

۷...... الفرقان، ربوہ۔ ۸...... رسالہ تشحیذ الاذہان، قادیان، ربوہ۔

ضمیمہ دوم

کتب جو مرزا غلام احمد اور احمدیت کی نسبت لکھی گئیں

مسیحی مبشرین اور خادمان دین کے فائدہ کے لئے ان کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو مرزائیت کی حقیقت کو جاننے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ ہر ایک مسیحی کارندے کے پاس اور ہر ایک مسیحی ادارہ میں ان کتابوں کا ہونا نہایت لازمی ہے۔ مندرجہ ذیل کتب میں سے کئی ایک سے ہم نے ''حقیقت مرزا بقلم خود'' کی ترتیب وتدوین میں امداد لی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور احمدی مذہب کو بے نقاب کرنے والی کتب:

۱...... جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کی کتابیں:

۱...... الہامات مرزا۔ ۲...... تاریخ مرزا۔

۳...... نکاح مرزا۔ ۴...... عقائد مرزا۔

۵...... شہادت مرزا۔ ۶...... نکات مرزا۔

۷...... چیستان مرزا۔ ۸...... تعلیمات مرزا۔

۹...... مرقع قادیانی۔ ۱۰...... فتح ربانی۔

۱۱...... فسخ نکاح مرزائیاں۔ ۱۲...... مباحثہ دکن۔

۱۳...... ہندوستان کے دو ریفارمر۔

ان کتب کو حاصل کرنے کے لئے منیجر ثنائی برقی پریس سرگودھا کو لکھیں۔ یہ پریس مولوی ثناء اللہ مرحوم کے پوتوں کا ہے۔

۲...... جناب ایم.ایس خالد صاحب کی کتابیں:

۱...... نوبت مرزا۔ ۲...... تصویر مرزا۔

۳...... ناکام مرزا۔ ۴...... صحیفۂ تقدیر۔

۵...... نوشتۂ غیب۔

یہ کتابیں منیجر خالد بک ڈپو زیرآباد سے مل سکتی ہیں۔

۳...... جناب منشی محمد عبداللہ معمار فاضل مرزائیت کی کتاب ''محمدیہ پاکٹ بک''۔

یہ کتاب شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔ نہایت ضروری

کتاب ہے۔

۴...... جناب پروفیسر الیاس برنی صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن) کی کتاب ’’قادیانی مذہب‘‘ نہایت عالمانہ اور تحقیقی کتاب ہے۔ قیمت ۸روپے کل صفحات ۹۴۲ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔

۵...... شیعہ حضرات کی کتابیں:

۱...... کتاب ’’اعجاز المسیح پر ریویو‘‘ مطبوعہ مطبع فیض لاہور۔

۲...... ’’مسیح موعود‘‘ از علامہ سید علی الحائری۔

۳...... ’’آئینہ مرزائیت‘‘ از مولوی سید برکت علی وزیرآبادی۔

۴...... ’’دی فالس پرافٹ آف قادیان‘‘ (انگریزی میں)

۵...... ’’تحفہ قادیان‘‘

یہ کتب منیجر کتب خانہ حسینیہ حلقہ نمبر۵۲ موچی گیٹ لاہور اور منیجر خواجہ بک ایجنسی موچی گیٹ لاہور سے مل سکتی ہیں۔

۶...... جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب ایم.اے، پی.ایچ.ڈی کی کتاب ’’حرف محرمانہ‘‘ کتاب منزل لاہور سے مل سکتی ہے۔

۷...... جناب ابوقاسم رفیق دلاوری کی کتابیں:

۱...... رئیس قادیان۔ ۲...... بیانات علماء ربانی۔

۳...... شناخت مجدد۔

یہ کتب ۱۸۔فلیمنگ روڈ لاہور سے مل سکتی ہیں۔

۸...... مکتبہ شعیب آٹلری میدان، بنس روڈ کراچی کی کتابیں:

۱...... فسانۂ قادیان۔ ۲...... دعاوی مرزا۔

۳...... حقیقت مرزا۔ ۴...... جھوٹی پیشین گوئی۔

۵...... محکمات ربانی لنسخ القائے قادیانی۔ ۶...... مراق مرزا۔

۷...... مسلم پاکٹ بک۔ ۸...... پاکستان میں مرزائیت۔

۹...... مرزاقادیانی کی موت کہاں ہوئی۔ ۱۰...... داستان مرزا۔

۱۱...... بناسپتی امت۔

۹...... مسیحی علماء کی کتابیں:

۱...... ’’عیسیٰ اور یسوع‘‘ از جناب پادری ایس.ایم پال۔

۲...... ’’معذرت نامہ مرزا‘‘ از جناب پادری ایس.ایم پال۔

۳...... ’’ضربت عیسوی‘‘ از سلطان القلم مسٹر اکبر مسیح۔

۴...... ’’سلک مروارید‘‘ از مسٹر اکبر مسیح۔

۵...... ’’اثبات صلیب‘‘ از پادری غلام مسیح۔

۶...... ’’نور الہدیٰ‘‘ (دو حصے) از جناب آرچ ڈیکن برکت اللہ، ایم.اے۔

۷...... ’’رد بہتان قادیانی‘‘ از پادری عبدالحق۔

۸...... ’’مسیح کی دوسری آمد‘‘ از پادری بوٹا مل۔

یہ کتابیں پنجاب ریلی جس بک سوسائٹی انارکلی لاہور سے مل سکتی ہیں۔

ضمیمہ سوم

مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کا خاکہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کے مشہور دعاوی اور تصانیف کی تاریخ وار ترتیب:

حصہ اوّل

۱...... نام: غلام احمد، والد کا نام: غلام مرتضیٰ، دادا کا نام: عطاء محمد، پڑدادا کا نام: گل محمد، قوم: مغل برلاس، والدہ کا نام: چراغ بی بی۔

۲...... ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء ولادت۔ ایک لڑکی ساتھ توام پیدائش جس کا نام جنت رکھا گیا جو چند ماہ بعد مرگئی۔

۳...... ۱۸۵۵ء یا ۱۸۵۶ء پہلی بیوی سے دو لڑکے سلطان احمد و فضل احمد۔

۴...... ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء: سیالکوٹ کچہری میں ۱۵ روپے ماہوار پر محرر کی ملازمت۔ محرری سے بیزاری، مختاری کے امتحان کی تیاری اور امتحان میں نامرادی و ناکامی۔

۵...... ۱۸۷۷ء: محکمہ ڈاک کی طرف سے مقدمہ فوجداری اور بریت۔

حصہ دوم

۶...... ۱۸۸۰ء: براہین احمدیہ حصہ اوّل کی اشاعت۔

۷...... ۱۸۸۰ء: براہین احمدیہ حصہ دوم کی اشاعت۔

۸...... ۱۸۸۲ء: براہین احمدیہ حصہ سوم کی اشاعت۔

۹...... ۱۸۸۴ء: براہین احمدیہ حصہ چہارم کی اشاعت۔

۱۰...... ۱۸۸۵ء: دوسری شادی نصرت جہاں بیگم کے ساتھ۔ یہی خلیفہ بشیرالدین محمود احمد کی والدہ تھی۔

۱۱...... ۱۸۸۶ء: نصرت جہاں بیگم سے پہلی لڑکی عصمت کی پیدائش۔

۱۲...... ۱۸۸۷ء: بشیراحمد اوّل کی پیدائش۔

۱۳...... ۱۸۸۸ء: ۱۰/جولائی محمدی بیگم سے نکاح کا اشتہار اور پیش گوئی۔

۱۴...... ۱۸۸۸ء: پیری مریدی کا آغاز۔ بیعت لینے کا اشتہار و اعلان۔

۱۵...... ۱۸۸۹ء: بشیرالدین محمود احمد خلیفہ دوم کی پیدائش۔

۱۶...... ۱۸۹۱ء: ازالہ اوہام کی تصنیف اور مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ اور اس کی نسبت اشتہار۔

۱۷...... ۱۸۹۱ء: شوکت کی پیدائش۔ دسمبر میں کتاب ''آسمانی فیصلہ'' کی تصنیف۔

۱۸...... ۱۸۹۲ء: بشیراحمد کی پیدائش۔ جون میں ''نشان آسمانی'' کی تصنیف۔

۱۹...... ۱۸۹۳ء: شریف احمد کی پیدائش۔ فروری میں آئینہ کمالات اسلام کی تصنیف۔ جون میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کے ساتھ تحریری مباحثہ یعنی ''جنگ مقدس'' کی تصنیف۔ ۵/جون عبداللہ آتھم کی موت کا اشتہار و پیشین گوئی۔ اگست میں کرامات الصادقین اور ستمبر میں ''شہادت القرآن'' کی تصنیف۔

۲۰...... ۱۸۹۴ء: جنوری ''حمامتہ البشریٰ'' کی تصنیف، اکتوبر میں ''انوارالاسلام'' کی تصنیف۔

۲۱...... ۱۸۹۵ء: یکم/دسمبر ''ست بچن'' کی تصنیف۔ آخر دسمبر ''آریہ دھرم'' کی تصنیف۔

۲۲...... ۱۸۹۶ء: جنوری میں ''انجام آتھم'' کی تصنیف۔ ۱۲/مئی ''ضمیمہ انجام آتھم'' کی تصنیف۔ ۲۵/مئی ''تحفہ قیصریہ'' کی تصنیف۔ مبارک بیگم کی پیدائش۔ انکم ٹیکس ادا نہ کرنے پر مقدمہ اور انکم ٹیکس سے معافی۔ پنڈت لیکھرام کے شبہ میں خانہ تلاشی۔ پادری مارٹن کلارک کی طرف سے اقدام قتل کا فوجداری مقدمہ اور بریت۔

۲۳...... ۱۸۹۸ء: جنوری میں ''کتاب البریہ'' کی تصنیف۔ ستمبر ۱۸۹۷ء میں ''ضرورت الامام'' کی تصنیف۔

۲۴...... ۱۸۹۹ء: یکم/جنوری ''ایام الصلح'' کی تصنیف۔ ۲۶/فروری سرکاری عدالت میں نقص امن کے سلسلہ میں توبہ نامہ۔ ۲۰/اگست ''ستارۂ قیصریہ'' کی تصنیف۔ دسمبر میں ''تریاق القلوب'' کی تصنیف۔ مبارک احمد کی پیدائش۔

۲۵...... ۱۹۰۰ء: مرزاغلام احمد کے مریدوں کا مستقل نام احمدی رکھا گیا۔ مردم شماری میں احمدی نام کے اندراج کا مطالبہ۔ ۲۷/اکتوبر ''اربعین'' کی تصنیف۔

۲۶...... ۱۹۰۱ء: نبوت کا دعویٰ اور اس کی نسبت اشتہار۔ ''تحفہ گولڑویہ'' کی تصنیف۔ اگست میں ''خطبہ الہامیہ'' کی تصنیف۔

۲۷...... ۱۹۰۲ء: ۲۳/اپریل ''دافع البلاء'' کی تصنیف، اگست میں ''نزول مسیح'' کی تصنیف۔ ۵/اکتوبر کو ''کشتی نوح'' کی تصنیف۔ ۱۵/نومبر کو ''اعجاز احمدی'' کی تصنیف۔

۲۸...... ۱۹۰۳ء: جنوری میں ''مواہب الرحمٰن'' کی تصنیف۔ امتہ النصیر کی پیدائش۔ قادیان میں منارۃ المسیح کی تعمیر کا اعلان۔

۲۹...... ۱۹۰۴ء: امتہ الحفیظ کی پیدائش۔ ۲/نومبر لیکچر سیالکوٹ۔ کرشن ہونے کا دعویٰ اور اس کی نسبت اشتہار و اعلان۔

۳۰...... ۱۹۰۵ء: قادیان میں بہشتی مقبرہ قائم ہونے کا اشتہار۔ اپریل، مئی میں ''براہین احمدیہ حصہ پنجم'' کی تصنیف۔

۳۱...... ۱۹۰۶ء: ۹/مارچ کو چشمہ مسیحی کی تصنیف۔

۳۲...... ۱۹۰۷ء: ۱۵/اپریل مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ۔ ۱۵/مئی کو ''حقیقت الوحی'' کی تصنیف۔ ۱۵/مئی ۱۹۰۸ء کو ''چشمہ معرفت'' کی تصنیف۔

۳۳...... ۱۹۰۸ء: ۲۴/مئی کو ''پیغام صلح'' کی تصنیف۔ ۲۶/مئی ساڑھے دس بجے صبح کو لاہور میں وبائی ہیضہ سے وفات۔ ۲۷/مئی کو قادیان میں دفن کیا گیا۔

۳۴...... ۱۹۰۸ء: بعد وفات مرزاغلام احمد قادیانی، حکیم نورالدین خلیفہ اوّل جماعت احمدیہ کی تقرری۔

۳۵...... ۱۹۱۴ء: ۱۳/مارچ کو حکیم نورالدین کی وفات۔

۳۶...... ۱۹۱۴ء: ۱۴/مارچ ۱۹۱۴ء مرزاغلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفہ ثانی کی تقرری اور جماعت احمدیہ کی دو گروہوں میں تقسیم، یعنی قادیانی اور لاہوری گروہ۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مسیح کی آمد ثانی

جناب پادری بوٹا مل صاحب

تفصیلی فہرست

اطلاع	۳۴۴
تمہید	۳۴۵
باب اوّل ...... نبوتیں در بارۂ آمد ثانی	۳۴۸
اوّل......کتب ساویہ سابقہ میں	۳۴۸
دوئم......کتب عہد جدید میں	۳۵۰
باب دوم ...... مسیح کی آمد ثانی کا وقت	۳۵۲
ایک امریکن کسان	۳۵۵
باب سوم ...... مسیح کی آمد ثانی کے نشانات	۳۵۵
نشانات	۳۵۷
پہلا نشان......جھوٹے مسیح اور انبیاء کذاب کا ظہور	۳۵۷
دوسرا نشان......بے دینی اور بدعتوں کا نمود	۳۵۸
تیسرا نشان......غیر معمولی حوادث	۳۵۹
چوتھا نشان......انجیلی بشارت کی عالمگیری	۳۶۰
پانچواں نشان......دانش اور دولت کی فراوانی	۳۶۰
چھٹا نشان......دجال کا ظہور	۳۶۱
باب چہارم ...... تازگی بخش ایام	۳۶۲

اطلاع

رسالہ ’’نجات دہندہ کی آمد‘‘ کے دوسرے باب کی مناسب ترمیم اور مزید وضاحت اور اضافہ کے بعد وہ سارا بیان ’’مسیح کی آمد ثانی‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور اس رسالہ کے پہلے باب کی ساری باتوں اور منشاء کو رسالہ ’’فضیلت مسیح‘‘ اور ’’مسیح مصلوب‘‘ کے مضامین میں شامل کردیا گیا ہے۔ اس لئے رسالہ ’’نجات دہندہ‘‘ کی آمد کا آئندہ کوئی علیحدہ ایڈیشن شائع نہیں ہوگا۔ اس رسالہ میں حضور مسیح کی آمد ثانی پر وزن دار اور وسیع بحث کر کے مخالف مسیح کی روح کو سخت پشیمان اور پریشان کردیا گیا ہے۔

بائبل شریف کے مشرح حوالوں اور اقتباسات سے آمد ثانی کی بحث کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا گیا ہے۔ یہ ایک تازہ تصنیف ہے جو ہر مسیحی اور غیر مسیحی کے لئے یکساں مفید ہے۔ ناظرین اس رسالہ کو غور سے پڑھیں۔

خادم: مصنف

تمہید

مسیحی مذہب دو عظیم الشان واقعات کا اظہار ہے۔

اوّل...... دنیا کی تاریخ کا وہ رفیع الشان واقعہ جس کی رو سے مسیح خداوند جو جلال کا بادشاہ ہے اس دنیا میں آیا۔ اس کا تجسم اور تعلیم اور فوق الفطرت کام اور صلیبی موت اور قیامت اور مبارک صعود اس موعود کی پہلی آمد کے تاریخی عنصر ہیں اور انجیل شریف کے پہلے چار صحیفوں میں ان سب باتوں کو مفصل بیان پایا جاتا ہے۔

دوسرا...... واقعہ مسیح موعود کی آمد ثانی ہے۔ جس کا عجیب انتظار مسیحی دنیا کے علاوہ عنقریب تمام بنی نوع انسان کی امیدوں اور آرزوؤں میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ جلالی واقعہ سب چیزوں کی بحالی کا وقت، تازگی کا دن اور آخری وقت اور خدا کا جلیل دن اور خدا کا ظہور اور مسیح کی آمد کا روز اور خداوند کا دن کہلاتا ہے۔ یہی حساب کا دن اور روز جزا ہے۔ (متی:۲۵:۱۹۔۳۰، اعمال:۱۷:۳۱)

اسی دن خدا راستی سے سب قوموں کی عدالت یسوع مسیح کی معرفت کرے گا۔

(زبور:۹۶:۱۳)

مسیح کی آمد کا انتظار بائبل شریف کی نبوتوں کے علاوہ دیگر مذاہب کی روایات اور ان کے اعتقادات اور آئندہ دائمی امن اور امیدوں کی تکمیل کی حقیقت کا اظہار اور نیچر کی آواز ہے۔ دنیا میں ہر زمانہ اس انتظار میں بے قراری کا طوفان مچا رہا اور اس بے قراری کے باعث بہت دفعہ گندم نما جوفروشی کا بازار گرم رہا اور بہتوں کو دجل وفریب اور جعل سازیوں کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے اپنی فریب کاریوں اور حیلہ بازیوں سے بنی نوع انسان کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ہر ممکن چال وچالاکی سے اپنے دجل وفریب کو فروغ دیا۔ مگر ان کے خضاب کی رنگت تھوڑے ہی دنوں میں اتر گئی اور دنیا ان کی چالوں اور فریبوں سے جلد واقف ہوگئی۔ یسوع مسیح کی پہلی آمد کے قریب بھی ملک فلسطین میں کسی تھیوڈاس اور اس کے بعد یہوداہ جلیلی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکا دی اور یہودیوں اور رومیوں کے تعلقات کو ناخوشگوار بنانے اور ملکی اور سیاسی امن میں نقص کا موجب قرار دیئے جانے کے بعد دونوں مفسد یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور جتنے لوگ ان کی شرارت میں شامل ہوئے وہ سب تتر بتر اور پراگندہ ہوگئے۔ (اعمال:۵:۲۶،۲۷)

یہودی قوم کی آس اور امید کا انحصار مسیح کی آمد پر ہے۔ (۳:۳۔۴)

یہودی لوگ ہر زمانہ میں اپنے مسیح کی آمد کے انتظار میں بے قرار تو رہے۔ مگر بائبل شریف کی نبوتوں کے صحیح مطالب سے علمائے بنی اسرائیل اکثر غلط فہمی کا شکار رہے اور اس کی بڑی وجہ ان کا بے جا تعصب اور غیروں سے حسد اور ان کی خودنمائی اور خود پسندی تھی اور وحی آسمانی کے صحیح مطالب اور منشاء اور معنوں کے سمجھنے میں وہ بہت ہی قاصر رہے۔ کیونکہ وہ لوگ کتب مقدسہ کی بجائے اپنے آباؤاجداد کی روایات اور احادیث کو زیادہ پسند کرتے اور ان کے پابند رہتے تھے اور ہمیشہ اندھی تقلید کے عادی اور محض لکیر کے فقیر بنے رہے۔

توریت اور دیگر کتب آسمانی میں مسیح موعود کی آمد اوّل اور ظہور ثانی کا جدا جدا بیان ہے اور بعض نبوتوں میں ایک ہی جگہ اس کی ہر دو آمد کا اعلانیہ بیان ہے۔ دیکھو (یسعیاہ:۹:۵:۶،۶) آمد اوّل میں اس کے تجسم کا مقصد اور کفارہ کی موت کا تذکرہ ہے اور آمد ثانی میں اس کی جلالی حکومت اور مقدسوں کی نجات کو کامل کرنے کا بیان ہے۔ فارسیوں اور یونانیوں کی ماتحتی کے بعد یہودی قوم رومیوں کی حکومت اور غلامی سے نہایت ناخوش اور ان کی ناقابل برداشت پابندیوں اور ناجائز اور ناروا احکام سے بہت بیزار اور سخت لاچار تھی۔ ان دنوں وہ لوگ کسی ایسے مسیح کے منتظر اور مشتاق تے جو جلد آ کر ان کو رومی حکومت سے آزاد کر کے مطلق العنان سلطنت کا مالک بنادے۔ وہ ایسے بے قرار تھے کہ مسیح کے ایک معجزہ میں اس کی قدرت کے قائل ہو کر اس کو زبردستی اپنا بادشاہ بنانے لگے۔ (یوحنا:۶:۱۔۱۶)

اس جلالی بادشاہت کی تیاری کے لئے مسیح کا بڑا کام یعنی کفارہ کی موت ہنوز ہونے والی تھی۔ جس کے بعد اس کا جلال میں داخل ہونا ضرور تھا۔ (لوقا:۲۴:۲۶)

اس لئے یسوع ناصری قصداً اس موقعہ کو ٹال گئے۔ (یوحنا:۶:۱۵)

جب مسیح خداوند نے اپنے پیروؤں کو یہ کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ اور پرندوں کے لئے گھونسلے ہیں۔ مگر ابن آدم کے لئے دنیا میں سر دھرنے کی جگہ نہیں۔ (لوقا:۹:۵۸)

تو وہ لوگ یہ سمجھے کہ یہ آدمی ہمارے لئے کیا کر سکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے مسیح کو رد کر دیا اور رومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں پکار پکار کر کہنے لگے کہ قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔ اگر یہودی لوگ کتب آسمانی کے صحیح مطالب اور منشاء اور نبوتوں کی غایت اور غرض اور حقیقی معنوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو برگشتگی سے بچ جاتے۔ اس قوم کی موجودہ تباہ اور خستہ حالی میں بھی ان کا صیہونی جوش تعریف کے قابل ہے۔ ان کا ایمان ہے کہ کسی دن وہ ملک موعود میں جو ان کا آبائی اور موروثی ملک ہے پھر آباد ہوں گے اور وہاں دائمی صورت میں بسیں گے اور داؤد کا

تخت یروشلم میں قائم ہوگا اور مسیح ابن داؤدان پر سدا حکمران رہے گا۔ (ہوسیع:۳:۳تا۵)
اور اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہوگی۔ (یسعیاہ:۹:۶،دانی ایل:۷:۱۴)

اسی امید پر اب تک یہودی امت دنیا میں زندہ ہے اور اسرائیل اقبال اور عالمگیر بادشاہت کے منتظر اور مشتاق بیٹھے ہیں۔

ہندوؤں کے اعتقادات اور خیالات میں ایک عظیم الشان ہستی کا بھی انتظار اور اقرار پایا جاتا ہے۔ وہ اس کو الوہیت کا آخری اوتار مانتے ہیں اور اس کے ظہور کے زمانے کو ست جگ اور امن اور سلامتی کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس لئے نساتن دھرم والے ہندو سری کرشن جی کی بانسری کے بڑے مشتاق اور منتظر ہیں۔ وہ بھی اس بات کے انتظار میں ہیں کہ ایک دن پھر کرشن جی کے طفیل پاپ اور ادھرم دنیا سے مٹنے والا ہے اور دنیا میں امن اور سلامتی اور سچائی اور راست بازی کا دور قریب ہے۔ قرآن اور احادیث محمدیہ کا بڑا عنصر مسیح ابن مریم کی آمد ثانی ہے۔ قیامت اور آخری عدالت کا سارا معاملہ محمدی ایمان کی رو سے بھی مسیح کی دوسری آمد سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس اعتقاد کی آڑ لے کر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو بڑے تپاک سے دعوت دی کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ مسیح ناصری کے مثیل بننے کے علاوہ مرزا قادیانی نے یسوع مسیح ناصری کی ہتک اور توہین اور تحقیر کرنے میں سارے زمانوں کے مخالفان مسیح اور سارے ملحدوں اور دہریوں کے ریکارڈ مات کر دیئے۔ اس بے باکی اور دریدہ ذہنی کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دجال، مفتری اور کذاب اور دشمن اسلام قرار دے کر اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا اور سب مسلمانوں نے متفق ہوکر قادیانی مہدی کے خلاف فتوے دے کر اس حقیقت کا علانیہ اقرار کیا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہے اور اس کی آمد قریب قیامت حقیقی اور یقینی ہے اور دنیا کے سارے مسلمانوں نے اس اعتقاد کی تائید میں دفتر کے دفتر لکھ رکھے ہیں۔ دنیا کے تمام مسیحی آسمان کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہیں۔ (اعمال:۱:۵۱)

مسیح کی آمد کے انتظار میں بے قرار ہوکر بعض مسیحیوں نے تو اس کی آمد کے ایام اور سالوں کی تقرری کی تاویلیں بھی کی ہیں اور بڑی بے صبری سے ان سالوں اور دنوں کی انتظاری میں بیٹھے رہے ہے۔ لیکن چونکہ اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے اس قسم کے قیافے اور حساب لگانا نادانی کی بات ہے۔

مسیح کی آمد ثانی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے انکار سے انسانی امیدوں اور

روحانی آرزوؤں کا سارا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور مذہب بے جان اور بے معنی رہ جاتا ہے اور گنہگار کی تمام آس اور امید ٹوٹ جاتی ہے اور انسان ناامیدی کے دشت میں بھٹک کر دہریت کے بحر بے کنار میں غوطے کھاتا پھرتا ہے۔

اس رسالہ میں مسیح کی آمد ثانی کے متعلق تمام شبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور انسان کے دل میں جس چیز کی تڑپ ہے اور جس نعمت کے لئے وہ ترس رہا ہے اور جس روحانی پیاس کے لئے وہ پیاسی ہرنی کی طرح جو میٹھے چشموں کی مشتاق ہے بے قرار ہے پاک نوشتوں کی روشنی میں اس کا بے نقاب اظہار کیا گیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا اس رسالہ کے وسیلے بہتوں کو مسیح کی آمد ثانی کے انتظار کی صحیح سمجھ اور معرفت بخشے۔ آمین! خادم: بوٹا مل، چکوال

مسیح کی آمد ثانی

باب اوّل ...... نبوتیں دربارۂ آمد ثانی

اوّل ...... کتب سماویہ سابقہ میں

کتب سماویہ سابقہ سے مراد تورات اور زبور اور کتب الانبیاء ہے جو ۳۹ صحیفوں کا الہامی مجموعہ ہے۔ یہ سارا الہامی سلسلہ اسرائیلی نبیوں اور نہایت مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کی معرفت عبرانی زبان میں لکھا گیا۔ مسیحی اصطلاح میں اس کا نام عہد عتیق بھی ہے۔ جس میں خدا نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے اس بات کا اظہار بھی کر دیا کہ مسیح موعود کی پہلی آمد کے مقصد کی تکمیل کے بعد اس کا جلال میں داخل ہونا اور اس کی آمد ثانی میں ابلیس کی قدرت اور اختیار کا مٹایا جانا اور مقدسوں کی نجات کا کامل کرنا اور ابدی سلطنت کا وارث ہونا ضرور ہے۔ (پطرس:۱:۱۰،۱۱، یہوداہ:۷:۱۴)

کتب مقدسہ میں بعض جگہ ایک ہی وقت میں پہلی اور دوسری آمد کا یکے بعد دیگرے بیان ملتا ہے۔ جیسا کہ یسعیاہ نے لکھا ہے کہ ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوتا ہے اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا ہے۔ بس یہاں تک صرف مسیح کی پہلی آمد کا تعلق ہے اور پھر سلطنت اس کے کاندھے پر ہوگی۔ یہ دوسری آمد کی پیشین گوئی ہے۔ (یسعیاہ:۹:۶،۷،۱۱:۱تا۱۰)

اس کشف کا یہ انوکھا طرز نہایت قابل غور ہے اور جو لوگ سمجھ کے ساتھ بائبل کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے وہ ان یہودیوں کی طرح ہیں۔ جو ظاہر پر نظر کرنے کے باعث

ہولناک برگشتگی کا شکار ہو کر مسیح کے منکر اور اس سے منحرف رہے۔ مسیح کی آمد ثانی کے متعلق کتب مقدسہ سابقہ کا مختصر بیان بہ تفصیل ذیل ہے۔

۱...... دنیا کی سب قومیں اس کے پاس فراہم ہوں گی اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا۔ (زبور:۴۹:۱۰،۱۱، زبور:۲:۸، زبور:۱۱۰، زبور:۴۵)

۲...... اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی انتہاء نہ ہوگی وہ داؤد کے تخت پر اور اس کی مہلت پر آج سے لے کر ابد تک بندوبست کرے گا اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔ رب الافواج کی غیوری یہ کرے گی۔ (یسعیاہ:۹:۷)

۳...... اس کے پس ایک بادشاہت ہوگی اور وہ سب مقدسوں سمیت اس پر حکمران ہوگا۔ (دانی ایل:۷:۱۳،۱۴) میں نے رات کی رواتیوں کے وسیلے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ابن آدم کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا وہ اسے اس کے آگے لائے اور تسلط اور حشمت اور سلطنت اسے دی گئی تاکہ سب قومیں اور امتیں اور مختلف زبان بولنے والے اس کی خدمت کریں۔ اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اس کی مملکت ایسی جو زائل نہ ہوگی اور اس کے ساتھ مقدس لوگ بھی سلطنت کے وارث ہوں گے اور ابدالآباد اس سلطنت کے مالک رہیں گے۔ (دانی ایل:۷:۱۸:۲۷)

۴...... دنیا کی تمام بادشاہتیں اس کی بادشاہت میں داخل ہوں گی اور دنیا کی ہر طرف سے لوگ آئیں گے اور شاہ اسرائیل کو سجدہ کریں گے اور وہ قوموں کو صلح کا مژدہ دے گا اور اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریا سے زمین کی انتہاء تک ہوگی۔ (زکریا:۹:۱۰)

اے خداوند ساری قومیں جنہیں تو نے خلق کیا آئیں گی اور تیرے نام کی بزرگی کریں گی۔ (زبور:۹۶:۹، زبور:۷۲:۸تا۱۴)

۵...... اس کا تخت یروشلم میں ہوگا اور وہ عدالت اور صداقت سے سلطنت کرے گا۔ دیکھو وہ دن آتے ہیں۔ خداوند کہتا ہے کہ میں داؤد کے لئے صداقت کی ایک شاخ نکالوں گا اور ایک بادشاہ بادشاہی کرے گا اور اقبال مند ہوگا اور عدالت اور صداقت زمین پر کرے گا اور اس کے دنوں میں یہوداہ نجات پائے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا نام یہ رکھا جائے گا۔ خداوند ہماری صداقت۔ (یرمیاہ:۲۳:۵،۶)

۶...... یروشلم کی ہیکل اس وقت از سر نو تعمیر ہوگی اور خداوند کا جلال اس میں نمودار ہوگا۔

(حزقی ایل:۴۰:۴۳تا۴۸، ۴۸:۲تا۵)

۷...... اس کی آرام گاہ جلالی ہوگی اور ویرانہ نرگس کی مانند شگفتہ ہوگا۔ (یسعیاہ:۳۵:۱تا۳)

۸...... وہ آ کر کھوئے ہوئے اسرائیلیوں کو بحال کرے گا اوران کو دائمی صورت میں لک موعود کا وارث بنائے گا۔ (ہوسیع:۳:۴،۵)

۹...... وہ آ کر دنیا میں حقیقی امن اور سلامتی قائم کرے گا اور جنگ وجدال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردے گا۔ (یسعیاہ:۱۱:۱تا۹، ومیکاہ:۴:۱،۲، ویسعیاہ:۲:۱تا۳)

اس وقت بھیڑیا برے کے ساتھ رہے گا اور چیتا حلوان کے ساتھ بیٹھے گا اور بچھیا اور شیر بچہ اور پالا ہوا پل ملے جلے رہیں گے اور ننھا بچہ ان کی پیش روی کرے گا اور گائے اور ریچھنی مل کر چریں گے۔ ان کے بچے ملے جلے بیٹھیں گے۔ شیر ببر بیل کی طرح پوال کھائے گا اور دودھ پیتا بچہ سانپ کے بل پاس کھیلے گا اور وہ لڑکا جس کا دودھ چھڑایا گیا ناگ کی بانبی میں ہاتھ ڈالے گا۔ وہ میرے مقدس کوہ کی سب اطراف میں کسی کو دکھ نہ دیں گے۔ کیونکہ جس طرح پانی سے سمندر بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی۔

۱۰...... وہ خدا کے دشمن اور ہر قسم کی بدی اور ناراستی اور گناہ کے شخص یعنی دجال کو جس وقت وہ حشمت اور اقبال میں محو اور مست ہو کر ایمانداروں کو دکھ دینے میں مشغول ہوگا۔ اپنی قدرت کے ہاتھ سے نیست اور تباہ اور ہلاک کرے گا۔ (دانی ایل:۱۱:۳۵تا۴۵)

۱۱...... اس کی مبارک آمد میں آسمان اور زمین اور سمندر خوشی سے للکاریں گے۔ کیونکہ وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے لوگوں کی عدالت کرے گا۔ (زبور:۹۶:۱۱تا۱۳)

۱۲...... وہ آ کر ایک ایسی بادشاہت کی ابتداء کرے گا جو تاابد نیست نہ ہوگی اور وہ بادشاہت کبھی بھی غیروں کے قبضے میں نہ پڑے گی اور وہی تاابد قائم رہے گی۔ (دانی ایل:۲:۴۴)

۱۳...... اس کی مبارک آمد میں خداوند کے گھر کا پہاڑ، پہاڑ کی چوٹی پر قائم کیا جائے گا اور ٹیلوں سے بلند ہوگا اور سب قومیں وہاں پہنچیں گی۔ بلکہ بہت سی امتیں آئیں گی اور کہیں گی آؤ خداوند کے پہاڑ پر چڑھیں۔ یعقوب کے خدا کے گھر میں داخل ہوں اور وہ اپنی راہیں ہم کو بتائے گا اور ہم اس کے راستوں پر چلیں گے۔ کیونکہ شریعت صیہون سے اور خداوند کا کلام یروشلم سے صادر ہوگا۔

(یسعیاہ:۲:۱تا۳)

دوئم...... کتب عہد جدید میں

عہد جدید سے مراد انجیل مقدس کے سب پاک نوشتے ہیں جو مقدس حواریوں کی معرفت مبارک صعود کے بعد روح القدس کی تحریک سے قلم بند ہوئے۔ یہ الہامی مجموعہ ۲۷ صحیفوں

پر مشتمل ہے جو توریت اور دیگر یہودی کتب آسمانی کی الہامی تاویل اور تفسیر ہے جو بیان ان پاک نوشتوں میں مسیح خداوند کی جلالی آمد کا پایا جاتا ہے۔ وہ حقیقی ہے اور صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ مسیح ناصری کی دوسری آمد یقینی اور اچانک ہوگی اور جو لوگ مسیح کی آمد ثانی کے لئے تیار اور بیدار نہ ہوں گے وہ دائمی ہلاکت کی سزا پائیں گے۔ مسیح خداوند کی آمد ثانی کا تفصیلاً بیان غور سے پڑھیں۔

۱...... ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ ہوں گے تو وہ اس وقت اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب دنیا کی عدالت کرے گا۔ (متی:۲۵:۲۱، یہوداہ:۱۴)

۲...... وہ بڑی دھوم دھام سے آئے گا اور مردے اس کی آواز سے جی اٹھیں گے۔

(یوحنا:۵:۲۸، اتھسلنیکیوں:۴:۱۶)

۳...... وہ آکر اپنے سب مقدسوں کو اپنے ساتھ لے گا۔ (یوحنا:۱۴:۳، اتھسلنیکیوں:۴:۱۴تا۱۷)

۴...... وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں آسمان کے بادلوں پر قدرت اور جلال کے ساتھ آئے گا اور نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس سرے سے اس سرے تک جمع کریں گے۔ (متی:۲۴:۳۰،۳۱)

۵...... اس کی آمد حقیقی ہوگی۔ مماثلت اور مجاز کا اشارہ تک بھی مسیح کی آمد ثانی میں نہیں ہے۔ یعنی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ اسی طرح پھر آئے گا جس طرح تم نے اسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے۔ (اعمال:۱:۱۱)

۶...... اس کی آمد کسی کونے میں نہ ہوگی بلکہ اس کی جلالی آمد کے وقت ہر ایک آنکھ اسے دیکھے گی اور جن لوگوں نے اس کو صلیب دی وہ بھی اسے دیکھیں گے اور زمین کے سارے قبیلے اس کے سبب سے چھاتی پیٹیں گے۔ (مکاشفہ:۱:۷)

۷...... سب قومیں اس کے حضور حاضر کی جائیں گی تاکہ وہ سبھوں کی عدالت کرے۔

(متی:۱۳:۴۰تا۴۳، متی:۲۵:۲۳تا۴۶)

۸...... اس کی آمد ثانی میں اس کے لوگ اس کے ساتھ بادشاہت کریں گے۔

(متی:۱۹:۲۸، لوقا:۲۲:۲۸تا۳۰)

۹...... وہ دولہا کی مانند آئے گا اور جو لوگ اس کے منتظر اور مشتاق ہیں وہ کامل تیاری کے ساتھ اس کے استقبال کو نکلیں گے اور اس کی جلالی خوشی میں اس کے ساتھ شامل ہوں گے۔ مگر سست اور نام کے مسیحیوں کا حشر نہایت ہولناک ہوگا۔ (متی:۲۵:۱تا۱۳)

۱۰...... ہم میں سے ہر ایک اس کو اپنا اپنا حساب دے گا اور اپنی محنتوں اور خدمتوں کا اجر اور

انعام شاباش کے ساتھ پائیں گے۔ مگر سست اور لاپرواہلاک ہوں گے۔
(متی:۲۵:۱۴تا۳۰، رومیوں:۱۴:۱۲، کرنتھی:۵:۱۰)

۱۱...... وہ آ کر سب ایمانداروں کو دنیا اور اس کی ساری آزمائشوں اور مصیبتوں سے نجات دے گا اور گناہ اور اس کی نجاست سے پاک کر کے اپنے جلال کی صورت پر بنائے گا۔
(فلپیوں:۳:۲۰،۲۱)

۱۲...... اس کا عالی ظہور دجال اور تمام شرارت کی روحوں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ وہ دجال کو اپنی آمد کی تجلی اور منہ کی پھونک سے ہلاک اور نیست کرے گا۔ (تھسلنکیوں:۲:۸)

اور دجال کے سارے لشکر اور ان سب نافرمان لوگوں سے جو اس کی انجیل کو نہیں مانتے۔ بدلہ لے گا۔ (تھسلنکیوں:۲:۷تا۹)

اور اس کے حکم اور اختیار سے ابلیس اور اس کے ساتھی آگ اور گندھک کے جلتے ہوئے تنور میں جھونک دیئے جائیں گے۔ (مکاشفہ:۲۰:۱۰)

اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے۔

۱۳...... مسیح خداوند کی مبارک اور جلالی آمد سے اس موجودہ اور خراب جہان کی صورت اور شکل بالکل بدل جائے گی اور نئے آسمان اور زمین کا دور چلے گا اور اس دور جدید میں راستی اور سلامتی اور ست جگ کا راج ہوگا۔ (پطرس:۳:۸تا۱۳)

پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔
(اعمال:۳:۲۰،۲۱)

باب دوم ...... مسیح کی آمد ثانی کا وقت

ان وقتوں اور میعادوں کا جاننا جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے۔ تمہارا کام نہیں۔ (اعمال:۱:۷)

مسیح خداوند نے اپنی صلیبی موت سے پیشتر ہی اپنے شاگردوں کو اپنی دوسری آمد کے متعلق ایک عجیب تمثیل سے سمجھا دیا کہ وہ دن اچانک آئے گا۔ اس نے بڑی صفائی کے ساتھ

ارشاد فرمایا کہ جاگتے رہو۔ کیونکہ تم نہ اس دن کو جانتے ہو اور نہ اس گھڑی کو۔ (متی:۲۵:۱۳)

بلکہ جس گھڑی تمہیں گمان بھی نہ ہوگا ابن آدم آجائے گا۔ (متی:۲۴:۴۲تا۴۴)

ایسا ہی اس نے صعود فرماتے وقت اپنے شاگردوں سے یہ کلام کیا کہ ان وقتوں اور میعادوں کا جاننا جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے۔ تمہارا کام نہیں ہے اور اس کے مقدس حواریوں نے بھی اپنے نوشتوں میں روح القدس کی تحریک سے اس کی مبارک آمد کا ان الفاظ میں اظہار کیا، کہ خداوند کا دن اس طرح آنے والا ہے جس طرح رات کو چور آتا ہے۔ جس وقت لوگ کہتے ہوں گے کہ سلامتی اور امن ہے۔ اس وقت ان پر اس طرح ناگہاں ہلاکت آئے گی۔ جس طرح حاملہ کو درد لگتے ہیں۔ (اتھسلنیکیوں:۵:۲،۳)

اور جیسا نوح کے دنوں میں ہوا۔ ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت ہوگا اور جب تک طوفان آکر ان سب کو بہا نہ لے گیا۔ ان کو خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح ابن آدم کا آنا ہوگا۔

(متی:۲۴:۳۷تا۳۹)

مسیح خداوند کی آمد ثانی کے متعلق اس موقعہ پر ایک نہایت ضروری سوال کا حل درکار ہے۔ یعنی خداوند نے کیوں اپنے مبارک اور جلالی ظہور کے وقت کو سالوں اور دنوں کے حساب کے مطابق نہیں بتلایا۔ آخر اس پوشیدہ راز کی کیا غرض تھی؟

اوّل...... اس لئے کہ مسیح کی آمد ثانی اس کی کلیسیاء کے اختیاری فعل پر منحصر ہے۔ انجیل کی بشارت کا پیغام کلیسیاء کی ذمہ داری میں ہے اور جب تک ہر ملک اور ہر طبقہ انسانیت میں یہ اشتہار نہ دیا جاوے۔ تب تک ضرور ہے کہ وہ آسمان پر ہی رہے۔

(متی:۲۴:۱۴، اعمال:۳:۲۱، مرقس:۱۶:۱۶، مکاشفہ:۱۴:۶تا۱۷)

اس لئے اس کے خدمت گذار بندوں کو اس فرض کے ادا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہئے اور اپنے تن من اور دھن کو انجیلی بشارت کے مذبح پر قربان کر دینا حقیقی ایمان کا ثبوت ہے۔

دوم...... اس لئے کہ مسیح خداوند کی آمد ثانی کے قریب جن مصیبتوں اور آزمائشوں کا ذکر خود حضور نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا جو ہر ایماندار کی آزمائش کے لئے وارد ہونے والی ہیں۔ جو غیر معمولی اور ناقابل برداشت حوادث ان دنوں میں واقع ہوں گے۔ اس وقت وہ دن برگزیدوں کی خاطر گھٹائے بھی جائیں گے۔ (متی:۲۴:۲۲)

سوم...... اس لئے کہ پوشیدہ باتیں خداوند ہمارے خدا کے ذمہ ہیں۔ مگر جو ظاہر کی گئی ہیں ان کا

یقین کرنا ہی ایمانداری ہے۔ (استثناء:۲۹:۲۹)

ایسے الٰہی راز اور حقائق کے قبل از وقت پوشیدہ رکھنے میں خدا کی کامل حکمت اور اس کے فضل اور رحمت اور محبت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کو اپنی موت کے دن اور گھڑی سے آگاہ کیا جاتا تو یہ بات اس کے حق میں ہرگز مفید نہ ہوتی۔ وہ ضرور بے حد مایوس اور بے چینی کی حالت میں رہتا اور اس کی چندروزہ زندگی کے سب دن غم وہراس میں گذرتے اور انسان کی زندگی کا لطف اور شادمانی کا نام ونشان نہ ہوتا اور انسان قصداً اپنے فرائض منصبی سے لاپرواہ ہوکر ہزارہا خرابیوں اور نقصانات کا مرتکب بنا رہتا۔ خدا کا شکر ہوا کہ اس نے انسان کو ایسی حالت میں رہنے نہیں دیا۔ بلکہ اس کی ساری خوشیوں کے سامان پیدا کر کے موت کے غم کو بھلا رکھا ہے اور موت کی صرف یاد ہی ہے۔ مگر پھر بھی انسان کو اس بات کا یقین کامل ہے کہ موت دروازے پر جرس جگا رہی ہے کہ انسان کا حشر ایک دن موت ہی ہے اور کسی انسان کو ایسا کہنے کی دلیری اور جرأت نہیں کہ وہ کہہ سکے کہ وہ موت کے منہ سے بچ نکلے گا۔ اسی طرح مسیح کی آمد ثانی کے متعلق نشانات اور علامات کا ذکر تو کلام الٰہی میں بڑی وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ مگر سال اور ماہ اور دن اور گھڑی کا پتہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایمانداروں کی خدمات اور فرائض کے انتظام میں سخت گڑبڑی اور خرابی کا طوفان مچا رہتا۔ لوگ ضرور سب کچھ ترک کر کے محض انتظار میں بے قرار رہتے اور یہ بات مسیح کے اس قول کے خلاف ہے کہ ابن آدم کا آنا ایسے وقت میں ہوگا جب سب لوگ روزمرہ کے ہر معمولی کاروبار میں مصروف ومشغول ہوں گے۔ (متی:۲۴:۳۸تا۴۱)

اور مبارک ہے وہ نوکر جو اپنے مالک کی آمد کے وقت مقررہ خدمات میں مصروف پایا جائے۔ (متی:۲۴:۴۵،۴۶)

مسیح کی آمد ثانی کے سال اور ماہ اور دن اور گھڑی کے علم کا نہ ہونا۔ اس بات کی دلیل نہیں کہ مسیح کی دوسری آمد ایک وہمی تصور ہے اور نیز اس زندگی میں انسان کا علم ناقص اور عقل محدود ہے اور الٰہی حقائق اور آئندہ ہونے والی حقیقتیں فوق الفہم ہیں اور نہ ہی علم اور یقین کا ایک وقت اتفاق ممکن ہے۔ مسیح کی آمد ثانی کے علاوہ بہت سی اور باتیں بھی ہماری سمجھ اور ادراک سے بلند اور بالا ہیں۔ جن کا انکار کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ خدا کی کامل پہچان اور اس کی کائنات کا علم تو درکنار انسان تو اپنی ہستی سے بھی پورا پورا واقف نہیں ہے۔ مسیح کی دوسری آمد اور مردوں کی قیامت اور روح کی بقا کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ وہ کب آجائے گا۔

(مکاشفہ:۳:۳)

ایک امریکن کسان

ولیم ملر صاحب نے ۱۸۳۱ء میں دانی ایل نبی کی کتاب کی تفسیر لکھتے وقت مسیح کی آمد ثانی کا وقت ۱۸۴۴ء مقرر کر دیا۔ اس بات کا یقین کر کے بہتوں نے اپنے مال وجائیداد کو بیچ دیا اور مسیح کا انتظار کرنے لگے۔ وہ سال گذر گیا۔ لیکن ان کی امیدیں پوری نہ ہوئیں۔ اسی قیاسی قیافے کا انجام بہتوں کے لئے نقصان اور ٹھوکر کا باعث ہوا اور بہت لوگ مسیح کی آمد ثانی کے انتظار میں ہمت ہار بیٹھے اور ان کے دلوں سے خداوند مسیح کی آمد ثانی کا اعتقاد اٹھ گیا اور بعض بے ایمانی کا بھی شکار ہو گئے۔

سال ۱۹۳۳ء کے ماہ جون میں ایک اور خبر اخباروں میں اڑی کہ ۱۲؍جون ۱۹۳۳ء کے روز قیامت ہونے والی ہے اور اس دن مسیح کا ظہور آسمان سے ہوگا۔ اس خبر کا دینے والا کوئی شہر لنڈن کا فرشتہ تھا اور ولیم ملر کی روح کا اوتار تھا۔ اس خبر سے غیر مسیحی دنیا میں شور مچ گیا اور مسیح خداوند کے مخالفوں کو مسیحیت پر مضحکہ اڑانے کا موقعہ مل گیا۔ چونکہ اس دن اور گھڑی کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی انسان کو ایسا علم دیا گیا ہے۔ کیونکہ صرف خدا ہی اس دن اور گھڑی کو جانتا ہے۔ اس لئے خاص تاریخیں مقرر کرنا سخت نادانی کی بات ہے اور مسیح کی آمد ثانی کی ہتک اور توہین محض ہے۔ ہاں! مسیح کی آمد یقینی ہے اور اس کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ اس کے متعلق قیاس کی گھڑ دوڑ محض دھوکہ اور شرارت اور اس مبارک امید اور صحیح اعتقاد کی تحقیر اور ہتک ہے۔ ہمارے خیال میں تاریخیں مقرر کرنا اور مثیل مسیح کے سوانگ بھرنا ابلیس کے کارنامے ہیں۔ شیطان کی ان چالوں اور فریب کاریوں اور دغا بازیوں سے مسیحی کلیسیاء کو ہوشیار رہنا چاہئے۔

باب سوم ...... مسیح کی آمد ثانی کے نشانات

مسیح خداوند کی آمد ثانی کی علامات اور نشانات حوالہ قرطاس کرنے سے پیشتر اس امر کا اظہار نہایت ضروری ہے کہ جس مسیح کی آمد کا انتظار مسیحی دنیا کو اس کے صعود کے دن سے چلا آتا ہے جو اپنی قوم کے سرداروں کے ہاتھ سے مصلوب ہوا اور کتاب مقدس کے مطابق تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا اور ایک بڑی جماعت کے سامنے آسمان پر اٹھایا گیا۔ وہی دوبارہ اس دنیا میں آنے والا ہے یا وہ کسی اور رنگ میں انسانی طریقہ تولید کے طور پر زمین سے کسی عورت کے بطن سے پیدا ہونے والا ہے۔ یا کیا وہ خود اس دنیا میں آئے گا۔ یا اس کے نام سے کسی مثیل مسیح میں اس کی آمد ثانی کا مقصد انجام پائے گا۔ اس سوال کا صحیح جواب پاک نوشتوں میں الہام کے متن میں

موجود ہے اور خود مسیح مصلوب اور مقرب فرشتوں اور مقدس حواریوں کی معرفت دیا جا چکا ہے۔ غور سے پڑھو کہ کیا لکھا ہے: ''اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔'' (متی:۲۴:۳۰)

جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا۔ (متی:۲۵:۳۱)

اگر میں جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں تو پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا تا کہ جہاں میں ہوں تم بھی ہو۔ (یوحنا:۱۴:۱تا۳)

اے جلیلی مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ اس طرح پھر آئے گا۔ جس طرح تم نے اسے آسمان پر جاتے دیکھا ہے۔ (اعمال:۱:۱۱)

وہ بادلوں کے ساتھ آنے والا ہے۔ (مکاشفہ:۱:۷)

میں جلد آنے والا ہوں۔ (مکاشفہ:۳:۱۱)

ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جاویں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ (اعمال:۳:۲۱)

مگر ہمارا وطن آسمان پر ہے اور ہم ایک منجی یعنی خداوند یسوع مسیح کے وہاں سے آنے کے انتظار میں ہیں۔ (فلپیوں:۳:۲۰)

عالم بالا کی چیزوں کی تلاش میں رہو۔ جہاں مسیح موجود ہے اور خدا کی داہنی طرف بیٹھا ہے۔ (کلیسیوں:۳:۱،۲)

کیونکہ خداوند خود آسمان سے اتر آئے گا۔ اس وقت للکار اور مقرب فرشتے کی آواز سنائی دے گی اور خدا کا نرسنگا پھونکا جائے گا۔ (اتھسلنیکیوں:۴:۱۶)

خداوند یسوع مسیح اپنے قوی فرشتوں کے ساتھ بھڑکتی ہوئی آگ میں آسمان سے ظاہر ہوگا اور جو خدا کو نہیں پہچانتے اور ہمارے خداوند یسوع کی انجیل کو نہیں مانتے۔ ان سے بدلہ لے گا۔ (اتھسلنیکیوں:۱:۷،۸)

پاک نوشتوں کی اس روشنی اور وحی آسمانی کی ایسی گواہی سے اظہر من الشّمس ہے کہ مسیح

موعود کا ظہور حقیقی ہے اور وہ آسمان پر سے بڑی حشمت اور جلال کی حالت میں نزول فرمانے والا ہے اور کسی مثیل مسیح کو اسرائیلی اور مصلوب مسیح کی جگہ دینی نہایت کفر اور بے ایمانی ہے۔ ہاں بہت سے جھوٹے مسیح اور گندم نما جو فروشوں کا ظہور بھی مسیح ناصری کی جلالی آمد سے پیشتر ممکن قرار دیا گیا ہے۔ (متی:۲۴:۵،۲۴،لوقا:۲۱:۸،مرقس:۱۳:۶ تا۲۲)

اور یہ بھی سچ ہے کہ اس قسم کے درجنوں مثیل مسیح اور گندم نما جو فروشوں کا اکھاڑا حقیقی اور جلالی مسیح کی آمد سے پہلے یکے بعد دیگرے آئے دن لگا رہے گا۔ جیسا لکھا ہے کہ: ’’بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔‘‘

(متی:۲۴:۵ تا۲۴)

اور ان سب فتنہ انگیزیوں کے بعد مسیح خداوند کا نشان سمانی پر دکھائی دے گا اور لوگ اسے بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گے اور فرشتے بھی اس کے حکم اور حضوری میں صف آرا ہوں گے۔ (متی:۲۴:۲۷ تا۳۱)

نشانات

پہلا نشان......جھوٹے مسیح اور انبیاء کذاب کا ظہور

دیکھو (متی:۲۴:۵ تا۱۱،۲۴،مرقس:۱۳:۶ تا۲۱،۲۳) بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ وہ میں ہی ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے اور برگزیدوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اور بڑے بڑے حیرت انگیز کارناموں سے دنیا کے دین اور ایمان پر چھاپہ ماریں گے اور کسی حد تک اپنی کامیابی پر فاخر ہوکر گھمنڈ کی باتوں سے پھولے نہ سمائیں گے۔ یہ حیرت انگیز پیش گوئی انجیلی صداقت کی آفتاب نما دلیل ہے۔ ایسے جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے مقدس حواریوں کی عین حیات ہی میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ (کرنتھی:۱۱:۱۳،۱۴)

ایسے بدعتیوں سے ایمانداروں کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ ایسے لوگ دنیا کے دین وایمان پر چھاپہ مارنے میں نور کے فرزندوں سے زیادہ ہوشیار ہیں اور مذہب کی فضا میں گندگی اور بدبو پھیلانے اور بنی نوع انسان میں بے چینی اور نفاق پیدا کرنے میں جگت استاد ہیں اور پاک نوشتوں میں ان سب شرارت کی روحوں کو دجال لعین کی برادری میں شمار کیا گیا ہے اور ان کا حشر ان کے کاموں کے موافق اس وقت ہوگا جس وقت خداوند مسیح اپنے قوی فرشتوں کے ساتھ آتشی جلال میں آسمان سے ظاہر ہوگا۔ وہ خداوند کے چہرے اور اس کی قدرت کے جلال سے دور ہوکر

ابدی ہلاکت کی سزا پائیں گے اور اس کی جلالی آمد میں وہ سخت مایوس اور متحیر ہوں گے۔

(اتھسلنیکیوں:۲:۷تا۱۰)

اس زمانے میں یہ پیش گوئی مرزاغلام احمد قادیانی پر لفظ بلفظ صادق آئی ہے اور عنقریب ساری مذہبی دنیا میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ مرزا قادیانی دجال کی آمد کا الارم ہے اور اس نقلی مسیح کی فرضی نبوت سے سارے ہندو پاکستان کی فضا خراب ہوگئی ہے اور مرزائیت کے طوفان بدتمیزی نے سارے ملک کی ہر شریف اور قابل عزت ہستی کی تحقیر اور توہین کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور تمام ہندوستان کا مذہبی امن خطرے میں پڑ گیا ہے۔

دوسرا نشان...... بے دینی اور بدعتوں کا نمود

بے دینی کے بڑھ جانے سے بہتیروں کی محبت ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ (متی:۲۴:۸)

بے دینی اور ہلاک کرنے والی بدعتوں کا نمود اور ایمانداروں میں محبت کی کمی اور نفاق اور روحانی باتوں میں لاپرواہی اور عیش پرستی اور ریاکاری کی گرم بازاری بھی آخری دنوں اور مسیح کی آمد ثانی کے قریبی آثار ہیں۔ جیسا مسیح خداوند کا اپنا قول ہے کہ بے دینی اور بے ایمانی کی بڑھتی بھی قریب قیامت کا نشان ہے اور بڑی تاکید اور روح کے جوش سے مقدس پولوس نے ایمانداروں کو ایسی برگشتگی کی خبر دی ہے۔ (تھسلنکیوں:۲:۲،۳)

یہ سمجھ کر کہ خداوند کا دن آ پہنچا ہے۔ تمہاری عقل دفعتہً پریشان نہ ہو جائے اور نہ تم گھبراؤ۔ کسی طرح سے کسی کے فریب میں نہ آنا۔ کیونکہ وہ دن نہیں آئے گا جب تک پہلے برگشتگی نہ ہو۔ یوں تو ہر زمانے میں خداپرستی اور راستی کے خلاف ناراستی اور باطل پرستی کی جنگ رہی ہے اور ایمانداروں کو بدعتیوں اور بے ایمانوں سے بڑا نقصان پہنچا ہے اور راست بازی اور بے دینی کی رزمگاہ میں سانچ کو آنچ نہیں لگ سکی اور کلیسیا اندرونی اور بیرونی خطروں میں گھری رہی اور ہر قسم کی تکلیف اور مصائب کی غیر معمولی برداشت کرتی رہی اور سارے زمانوں کے بدعتی اور بے ایمان لوگ دینداری کی صورت میں خدا کی قدرت کے منکر اور مسیح سے منحرف رہے۔

(تمطاؤس:۳:۱تا۶)

اور ایسے لوگوں نے کلیسیاء کے اتحاد کو سخت صدمہ پہنچایا اور کلیسیاء کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ہر ممکن چال اور چالاکی کی۔ مگر موجودہ زمانے کی بے دینی اور بے ایمانی اور بدعتوں نے گذشتہ سب زمانوں کے ریکارڈ مات کر رکھے ہیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر پاک نوشتوں میں دی جاچکی ہے۔ اخیر زمانے میں برے دن آئیں گے اور آدمی خودغرض زردوست، شیخی باز،

مغرور، بدگو، ماں باپ کے نافرمان، ناشکر، ناپاک طبع، محبت سے خالی، سنگ دل تہمت لگانے والے۔ بے ضبط، تندمزاج، نیکی کے دشمن، دغاباز، ڈھیٹھ، گھمنڈی، خدا کی نسبت عیش وعشرت کو زیادہ دوست رکھنے والے ہوں گے۔ وہ دینداری کی وضع تو رکھیں گے۔ مگر اس کے اثر کو قبول نہ کریں گے۔ (تمطاؤس:۳:۱تا۵، پطرس:۲:۱تا۳)

ایسوں ہی کے سبب سے راہ حق کی بدنامی ہوگی۔ ایسے لوگوں کی ہلاکت سوتی نہیں۔ ان کا دل لالچ کا مشتاق ہے۔ پاک نوشتوں کی ان نبوتوں کے مطابق دنیا میں ایسی حالت آخری زمانے کی علامت ہے۔ اس وقت مغربی دنیا جس پر صدیوں مسیحیت کو ناز رہا۔ کس قدر مسیحیت کی شان کو گھٹا رہی ہے اور ان کے سبب سے راہ حق کی بدنامی ہو رہی ہے اور بہتیرے مسیح کے دشمنوں کو مسیح کی مخالفت کا موقع دے رہے ہیں۔ ایسے سب بدعتی اور بے دین مسیح کی جلالی آمد میں کڑوے دانے کی طرح جلانے کے لئے خدا کی کلیسیا سے برطرف کئے جائیں گے۔ (متی:۱۳:۳۰تا۴۱) اور اس کی جلالی آمد کی تجلی کی تاب نہ لا کر دجالی لشکروں کے ساتھ ابدی ہلاکت کی سزا اٹھائیں گے۔ اس وقت تو وہ بڑے گھمنڈ سے کہتے ہیں کہ اس کے آنے کا وعدہ کہاں۔ (پطرس:۳:۴)

مگر ان کی ہلاکت نزدیک ہے اور ان کے دروازوں پر دستک دے رہی ہے اور مسیح کی آمد کے جلال کا جرس جگا رہی ہے۔ (پطرس:۲)

تیسرا نشان...... غیر معمولی حوادث

دنیا میں ہیبت ناک اور ہولناک واقعات بھی مسیح خداوند کی آمد ثانی کے قریبی آثار ہیں۔ ان حادثوں میں جنگ وجدال، کال، مری، بھونچال اور مختلف وبائیں اور نظام شمسی کا درہم برہم ہونا اور سماوی قوتوں میں انقلاب عظیم ان حادثوں کے عنصر قرار دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ: ”لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہیں سنو گے۔ قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے اور بے دین اور بے ایمان ایمانداروں کو حد درجہ دکھ دیں گے اور ستائیں گے اور خدا کے لوگ شیطان کے لوگوں کے ہاتھ سے قتل کر دیئے جائیں گے۔ ان دنوں میں حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کی حالت زیادہ افسوسناک ہوگی۔“

(متی:۲۴:۶،۱۰،۱۹)

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ (متی:۲۴:۲۹،۳۰)

چوتھا نشان……انجیلی بشارت کی عالمگیری

اور بادشاہت کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو۔اس وقت کا تمہ ہوگا۔ (متی:۲۴:۱۴)

اس واسطے مسیح خداوند نے صعود فرماتے وقت اپنے حواریوں اور ایمانداروں کو یہ حکم دیا کہ:''تم تمام دنیا میں جاکر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔''

(مرقس:۱۶:۱۵،۱۶،متی:۲۸:۱۹،اعمال:۱:۸)

اس حکم اور ارشاد کے بموجب مبارک صعود کے دن سے آج تک دنیا کی ہر مسیحی جماعت سارے عالم کے ہر طبقہ انسانیت میں انجیل کی بشارت دینے میں ہمہ تن مصروف اور ہر مناسب اور ممکن وسائل استعمال کرنے میں مستعد ہے۔اس انیس سو سال کے عرصہ میں انجیلی بشارت کی برکت سے مسیحیت نے ابلیس کے سارے مورچوں کو درہم برہم کردیا ہے اور شیطان کے قدیم قلعوں میں یسوع ناصری کا راج قائم ہوگیا ہے اور مسیحیت کا فتح مند جھنڈا ہر ملک اور قوم کے سر پر لہرارہا ہے اور شیطان کی تخت گاہ یسوع ناصری کے پاؤں کی چوکی بن گئی ہے۔

(زبور:۱۱۰:۱،۲)

اور دنیا کے ہر بری اور بحری ممالک میں انجیلی مبشر مورچے بنائے بیٹھے ہیں اور جن ممالک میں ہنوز انجیلی بشارت کا داخلہ بند ہے۔وہاں کی متعصب اقوام بھی انجیل کے پیغام سننے کے آثار نظر آرہے ہیں اور وقت قریب ہے کہ ان ممالک میں بھی انجیل سنانے کی راہ کھل جائے اور جو مبشران ممالک کے گرد ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔وہ بھی ایسی آزادی کے دنوں کے منتظر اور مشتاق بیٹھے ہیں کہ کب انجیلی بشارت کے لئے دروازہ کھلے اور جھٹ بشارتی مہم کی فوجیں ان مورچوں پر دھاوا بول دیں۔ (مکاشفہ:۱۴:۶)

دنیا کے بعض ممالک اور اقوام ہنوز انجیل کی بشارت سے محروم اور متنفر بھی ہیں اس لئے ہر مسیحی کو ان مورچوں میں کام کرنے کے لئے سرتوڑ اور غیر معمولی کوشش کرنی چاہئے اور اب وقت آگیا ہے کہ ہر مسیحی اس بھاری مہم کے لئے اپنے آپ کو والنٹیر بناوے اور جس نے یہ کہا کہ میں جلد آنے والا ہوں۔اس کے ہاتھ میں اس خدمت کا بھاری اجر اور انعام زندگی کا تاج ہے۔

(مکاشفہ:۳:۱۱)

پانچواں نشان……دانش اور دولت کی فراوانی

انسانی عقل کا انتہائی ارتقاء اور دنیوی دولت کی کثرت بھی روز حشر اور مسیح موعود کی آمد

ثانی کا جرس اور خدا کی دھوپ گھڑی کا الارم قرار دیئے گئے ہیں اور آسمانی صحیفوں میں اس انتہائی ترقی کو آخری وقت کی ایک خاص علامت اور نشان بتایا گیا ہے۔ (دانی ایل:۱۲:۴)

لیکن تو اے دانی ایل ان باتوں کو بند رکھ اور کتاب پر آخری وقت تک مہر کر رکھ۔ بہتیرے سرائر ملاحظہ کریں گے اور دانش زیادہ ہوگی۔ زمانہ حال کی ایجادیں اور نہایت حیرت انگیز کارناموں سے اظہر من الشمس ہے کہ مسیح کی آمد قریب ہے اور بنی نوع انسان کا یہ قدم آخری زمانے میں ہے اور انسانی دانش کا یہ انتہائی قدم انسان کے دروازے پر قیامت اور مسیح خداوند کی دوسری آمد کا سگنل ہے۔

موجودہ زمانہ کی دولت اور دانش خود ہی قیامت اور دنیا کے خاتمہ کے آثار مہیا کر رہی ہیں۔ اقوام عالم کی جنگی تیاریاں اور انسان کی ہلاکت کے ہیبت ناک سامان صرف دولت اور دانش کے طفیل تیار ہو رہے ہیں۔ زہریلی گیسیں اور تباہ کن بم اور ہوابازیاں اور وائرلیس اور ریڈیو کے ذریعے اقوام دنیا کے حالات پر روشنی محض دولت اور دانش کے معجزات ہیں اور بنی نوع انسان کی تباہی اور خون خرابی کے آثار ہیں۔ تاکہ بادشاہ اور فوجی سردار اور زورآور اور ان کے سوار گھوڑوں سمیت اور سارے آدمی غلام اور آزاد اور چھوٹے بڑے سب ہوا کے پرندوں کی خوراک ہوں۔ (مکاشفہ:۱۹:۱۷،۱۸، مکاشفہ:۱۶:۱۴،۱۵)

چھٹا نشان......دجال کا ظہور

سب سے بڑا اور آخری نشان ہمارے منجی اور مالک مسیح خداوند کی آمد ثانی کا دجال کا ظہور ہے۔ سارے جھوٹے مسیح اور مثیل مسیح اسی آخری دشمن کے پیش نشان اور دجال کی لام ڈوری ہیں۔ جو بنی نوع انسان کے بھاری دشمن اور مخالف مسیح کے لئے راہ تیار کر رہے ہیں۔ پاک نوشتوں کے مطابق وہ دنیا کے آخر میں ظاہر ہوگا اور بڑا فساد اور فتنہ برپا کر کے آدمیوں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ وہ گناہ کا شخص اور ہلاکت کا فرزند کہلاتا ہے اور شیطان کی ماہیت کا نقش اور پورا پورا نمونہ ہوگا اور مسیح کی ابنیت کا منکر اور خود الوہیت کا مدعی ہوگا اور اس کی آمد شیطان کے سارے اقتدار اور جھوٹے نشان اور اچنبھوں اور ہلاکت ہونے والوں کے درمیان شرارت کی کمال دغابازی کے ساتھ ہوگی۔ (تھسلنکیوں:۲:۱تا۸، یوحنا:۲:۲۲، یوحنا:۴:۳، دانی ایل:۱۱:۳۶)

اس سے یہودی بھی فریب کھا جائیں گے اور اسے قبول کرلیں[۱] گے۔ (یوحنا:۵:۴۳)

---

۱ میں اپنے باپ کے نام سے آیا ہوں اور تم مجھے قبول نہیں کرتے۔ اگر کوئی اور اپنے ہی نام سے آئے تو اسے قبول کرلو گے۔ (یوحنا:۵:۴۳)

جو اپنے وطن میں آ کر ہیکل کو پھر تعمیر کر کے اس کے ساتھ عہد باندھیں گے۔ مگر وہ موت کا عہد ہوا۔ جس کو خداوند اپنے قوت کے بازو اور قدرت سے توڑ ڈالے گا۔

(یسعیاہ نبی:۱۸:۱۸)

دجال اس نو تعمیر ہیکل میں بیٹھ کر الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

(تھسلنکیوں:۲:۴، دانی ایل:۱۱:۳۶)

اور اپنے عجیب کاموں سے دنیا کو حیرت میں ڈالے گا اور اپنے تئیں بلند کرے گا اور حشمت کے ساتھ دنیا میں حکمران ہوگا اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کرے گا اور وہ اپنے زور اور اقبال کے وقت مسیح خداوند کی آمد کی تجلی اور منہ کی پھونک سے ہلاک کیا[۱] جائے گا اور اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (دانی ایل:۱۱:۴۵، تھسلنکیوں:۲:۸)

اور وہ جھوٹے نبی اور ابلیس کے ساتھ ابدی عذاب میں ڈالا جائے گا اور جتنے لوگ اس کے فریب میں آ کر حق سے گمراہ ہوں گے۔ وہ بھی اس کے ساتھ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور ان کے عذاب کا دھواں ابدالآباد اٹھتا رہے گا۔ (مکاشفہ:۱۴:۹ تا ۱۴، مکاشفہ:۲۰:۱۰)

باب چہارم ...... تازگی بخش ایام

یہ بات سچ ہے کہ موجودہ جہاں ہر قسم کے دکھ درد اور رنج والم اور تکلیف اور مصائب کا گھر ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ بدامنی اور بے چینی اور آہ وزاری کی گرم بازاری ہے نہ تو کسی کو خوشی دولت اور مال کی کثرت پر ہے اور نہ ہی کسی کو مفلسی اور محتاجی گوارا ہے۔ ہر شخص کی امیدیں ادھوری اور آرزوئیں ناتمام رہتی ہیں۔ کوئی بشر اپنی حالت پر قانع نہیں۔ ہر شخص حرص اور ہوس کا غلام ہے۔ گناہ کے باعث انسان کا اخلاق شیطان کا مذاق بنا ہوا ہے۔ حسد اور عناد نے اخوت اور الفت کی جڑ کاٹ رکھی ہے۔ ہر آدم زاد ہر طرح کے عذاب کا شکار ہو چکا ہے۔ پھر ایک موت ہے جو انسانی زندگی کی ساری مصیبتوں کا بقایا ہے۔ یہ دشمن بدقسمت انسان کے لئے ایک ہیبت ناک بلا اور سیاہ دیو اور ہلاکو کی شکل دکھائی دے رہا ہے۔ اس ظالم موت نے خویش واقارب کے دلوں پر غم اور

۱؎ دجال دنیا کے بادشاہوں کے ساتھ مل کے مسیح خداوند سے بھی جنگ کرنے کی جرأت کرے گا مگر اس کی قدرت اور جلال کی تاب نہ لا کر اس کے ہاتھ سے ہلاک کیا جائے گا۔ کیونکہ مسیح بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ (مکاشفہ:۱۷:۱۳ تا ۱۴) اور قوموں کو مارنے کے لئے اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا اور قادر مطلق خدا کے سخت غضب کی مٹی کے حوض میں انگور روندیگا اور اس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے۔ ''بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند۔'' (مکاشفہ:۱۹:۱۵، ۱۶)

جدائی کا ناقابل برداشت بوجھ ڈال رکھا ہے۔ موت انسان کا بھاری دشمن اور گناہ کا ڈنگ ہے۔ دنیا میں جو موت کا شکار ہوا وہ ہمیشہ کے لئے دنیا کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ موت کے بعد اس دنیا میں انسان کا گھر گور ہے۔ اس ہولناک تنگ اور تاریک گڑھے میں انسان سڑ کر خاک میں مل جاتا ہے۔ (واعظ:۳:۲۰، واعظ:۱۲:۷)

اس دنیا میں انسان کی ساری نسل اسی گور اور راکھ کا شکار ہوگئی ہے۔ اس گور نامراد نے انسان کی خوبصورت ہستی کو بڑی بے رحمی اور بے دردی سے اپنی خوراک بنایا اور پھر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرا۔ (امثال:۲۷:۲۰، امثال:۳۰:۱۶)

انہی وجوہات کے باعث انسان کے لئے یہ جہان سخت عذاب اور بے چینی کا مسکن اور ساری مصیبتوں کا جال بنا ہوا ہے۔ اس جہان میں انسان کو کامل راحت اور آرام اور شادمانی میسر نہیں ہوسکتی۔ اس حیات مستعار کی زندگی میں انسان کو کسی قسم کی خوشی کی آس اور امید نہیں ہے۔ یہ حالت اس بات کی مقتضی ہے کہ انسان کی کامل خوشی اور حقیقی آرام کسی بہتر عالم پر منحصر ہے اور اس بہتر عالم کا صحیح تعلق مسیح کی آمد ثانی سے ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس کے وعدے کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جس میں راست بازی بسی رہے گی۔ (پطرس:۳:۱۳)

مگر ہمارا وطن آسمان پر ہے اور ہم ایک منجی یعنی یسوع مسیح کے وہاں سے آنے کے منتظر ہیں۔ وہ اپنی اس قوت کی تاثیر کے موافق جس سے سب چیزیں اپنے تابع کرسکتا ہے۔ ہماری پست حالی کے بدن کی شکل بدل کر اپنے جلال کے بدن کی صورت پر بنائے گا۔ (فلپیوں:۳:۲۰،۲۱)

اور مخلوقات بھی فنا کے قبضے سے چھوٹ کر خدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہوجائے گی۔ (رومیوں:۸:۲۱)

پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ۔ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے لئے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔

(اعمال:۳:۱۹،۲۰)

اس دن کھوئے ہوئے بنی اسرائیل بھی اپنی برگشتہ حالت سے نجات پائیں گے۔

(ہوسیع:۳:۴،۵)

اور شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے اور جنگ وجدال اور قتل وخون کا نشان مٹ جائے گا۔ شیر کا رعب اور سانپ کا زہر جاتا رہے گا۔ رنگت کی امتیاز اور زبانوں کی قید ٹوٹ جائے گی۔ (یسعیاہ:۱۱:۴تا۹)

اس وقت بھیڑیا برے کے ساتھ رہے گا اور چیتا حلوان کے ساتھ بیٹھے گا اور بچھیا اور شیر بچہ اور پالا ہوا بیل ملے جلے رہیں گے اور ننھا بچہ ان کی پیش روی کرے گا۔ گائے اور ریچھنی مل کے چریں گی اوران کے بچے ملے جلے بیٹھیں گے اور شیر ببر بیل کی طرح پوال کھائے گا اور دودھ پیتا بچہ سانپ کے بل کے پاس کھیلے گا اور وہ لڑکا جس کا دودھ چھڑایا گیا ہوگا کالے ناگ کی بانبھی میں ہاتھ ڈالے گا۔ وہ میرے کوہ مقدس کی سب اطراف میں کسی کو دکھ نہ دیں گے اور توڑ نہ ڈالیں گے۔ جس طرح پانی سے سمندر بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی۔

(یسعیاہ:۱۱:۱تا۹)

دیکھو وہ دن آتے ہیں خداوند کہتا ہے کہ میں داؤد کے لئے صداقت کی ایک شاک نکالوں گا اور ایک بادشاہ بادشاہی کرے گا اور اقبال مند ہوگا اور عدالت اور صداقت زمین پر کرے گا اور اس کے دنوں میں یہوداہ نجات پائے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا نام یہ رکھا جائے گا۔ خداوند ہماری صداقت۔ (یرمیاہ بنی:۲۳:۵،۶)

اس وقت اندھوں کی آنکھیں کھولی جائیں گی اور بہروں کے کان کھولے جائیں گے۔ تب لنگڑے ہرن کی طرح چوکڑیاں بھریں گے اور گونگے کی زبان گائے گی۔ کیونکہ بیابان میں اور دشت میں ندیاں پھوٹ نکلیں گی۔ (یسعیاہ:۳۵:۵،۶)

سب ایمانداروں کی امیدیں اس مبارک دن سے وابستہ ہیں اور اسی دن سب ایمانداروں کو ان کی محنتوں اور خدمتوں کا اجر اور انعام شاباش کے ساتھ دیا جائے گا اور وہ مسیح خداوند کے ساتھ ابد تک بادشاہت کریں گے۔ (متی:۲۵:۲۱تا۲۳،۳۴)

اور وہ اس کے لوگ ہوں گے اور خدا آپ ان کے ساتھ رہے گا اور ان کا خدا ہوگا اور وہ ان کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دے گا۔ اس کے بعد موت نہ ہوگی اور نہ ماتم رہے گا۔ نہ آہ و نالہ نہ درد اور سب پہلی چیزیں جاتی رہیں گی اور وہ پیاسے کو آب حیات کے چشمے سے مفت پلائے گا۔ (مکاشفہ:۲۱:۳تا۶)

میں جلد آنے والا ہوں۔ آمین! اے خداوند یسوع آ۔

تمت بالخیر

خادم پادری بوٹا مل، مبشر انجیل

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

کیفیت مباحثہ سیالکوٹ

جناب موسیٰ خان۔خان صاحب

تفصیلی فہرست

دیباچہ	٣٦٧
ہماری مجبوری	٣٦٧
قتل خنزیر	٣٦٨
امر واقعہ	٣٦٨
غیرت خداوندی احمدیوں کے خلاف	٣٦٨
احمدیوں کی تعلّی	٣٦٨
سیالکوٹ کے مسیحی واحمدی صاحبان	٣٧٠
مسیحی جماعت کا احمدیہ انجمن کو چیلنج	٣٧١
مباحثہ	٣٧١
مسیحی مناظرین	٣٧٤
سرسری اشتہار مباحثہ	٣٧٤
صرف مفتی صاحب سے مباحثہ	٣٧٤
شرائط مناظرہ	٣٧٥
مقامی مسلمانوں کی مسیحیوں سے درخواست	٣٧٦
احمدیوں کو اطلاع	٣٧٦
مباحثہ کی پہلی تاریخ کی کارروائی	٣٧٧
پادری کمنگس صاحب کو یوپی جانا پڑا	٣٧٧
احمدی مبہوت ہوگئے	٣٧٩
مفتی صاحب کا جواب	٣٨٠
مسیحیوں کی طرف سے جواب	٣٨٢
دوسرے روز کی کارروائی	٣٨٣
مفتی صاحب پر اتمام حجت	٣٨٨
کھلا چیلنج	٣٨٨
تیسرے روز کی کارروائی	٣٩٠
تمام خط وکتاب باہمی پبلک کے روبرو	٣٩٠
تواریخ مباحثہ کے بعد	٣٩١
قادیانی حکمت عملی	٣٩٥
مفتی محمد صادق صاحب کا مباحثہ سے گریز	٣٩٥
مرزا قادیانی اور ہم	٣٩٦
ہمارا فخر	٤٠٢

دیباچہ

موجودہ زمانہ حکمت عملیوں اور عیاریوں کا زمانہ ہے اور سیاست کی طرح مذہب میں بھی حکمت عملی کا دور دورہ ہے۔ بالخصوص احمدی اور آریہ صاحبان کی تو یہ عادت ہوگئی ہے کہ خواہ کیسی ہی بری طرح سے مخالف سے میدان مباحثہ میں شکست کھا کر جائیں۔ گھر پہنچ کر اشتہار بازی شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے مخالف پر کامل فتح پائی اور اسے شکست فاش دی۔ وہ تو مناظرہ سے فرار کر گیا۔ اس سے ان کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کا دنیا میں نام بنا رہے اور مرید واہ واہ کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں آئے دن اس قسم کی مکروہ دروغ بیانی سے کام لیا جاتا ہے کہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے اکثر مناظرین واخبار نویس حضرات نے یہ فرض کر لیا ہے کہ سب سے بڑا وہ ہے جو اپنی شکست نہ مانے اور جس قدر بھی بن پڑے مخالف کے خلاف خواہ مخواہ کی غلط بیانی سے کام لے کر پبلک کو غلط فہمی میں مبتلا کر دے۔

ہماری مجبوری

یوں تو ہمیں کئی ایک مناظرے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مگر سیالکوٹ کے مناظرہ مابین مسیحیاں واحمدیاں پر منتظمان مباحثہ نے ہمیں بالخصوص مدعو کیا تھا کہ تمام تقاریر وواقعات کو قلمبند کر کے اخبارات میں شائع کرایا جائے۔ مسیحی مناظرین سے مشورہ کر کے اس دفعہ یہ کوشش کی گئی کہ احمدی صاحبان سے کوئی زبانی گفتگو نہ ہو۔ چنانچہ ان کے اور ہمارے درمیان جو خط وکتابت موقعہ پر ہوئی۔ وہ محفوظ ہے اور اس سے ہی یہ کیفیت تیار کی جاتی ہے تاکہ دنیا خود فیصلہ کرے کہ احمدیوں کے آئے دن مناظرہ میں فتح پانے کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ ہم یہ باور کرتے ہیں کہ صداقت اور راستی کی سوچ، بالعموم احمدی جماعت میں قریب المرگ ہو چکی ہے اور ان کا کام ہمیشہ اپنی فتح کے ہی راگ الاپتے جانا ہے۔ اس لئے ہم اس کیفیت مباحثہ سیالکوٹ کو بالخصوص غیر احمدی پبلک کی خاطر شائع کرتے ہیں۔ شاید احمدیت کے لئے ہمارا یہ رسالہ ناگوار اور مریدوں کی کمی کا باعث ہوگا۔ مگر کیا کریں ان کے روزمرہ کے مغالطہ آمیز بیانات نے ہمیں انکشاف حقیقت کے لئے مجبور کر دیا ہے۔

درگذر کیجئے بھلا کب تک ۔۔۔ تم کو خو ہو گئی برائی کی

قتل خنزیر

اخبار اہل حدیث امرتسر میں حسب ذیل مضمون بعنوان ’’کیا احمدی خنازیر ابھی زندہ ہیں‘‘ شائع ہوا ہے۔

’’حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود جب آئیں گے تو خنزیروں کو قتل کرادیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے۔’’یقتل الخنازیر ویضع الجزیة‘‘ مرزاقادیانی نے جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام کی طرف سے ان پر اعتراض ہوا کہ آپ نے خنزیر قتل نہیں کئے۔ نہ حکم سے کرائے تو مرزاقادیانی نے جواب دیا کہ:’’دشمنان اسلام پادریاں وغیرہم مسیح موعود کے دلائل سے مٹ جائیں گے۔ چنانچہ میرے اور میرے اتباع کے سامنے مخالفان اسلام پادریاں وغیرہ نہیں آتے۔‘‘

امرواقعہ

مگر امرواقعہ یہ ہے کہ پادری لوگوں سے جب کبھی پوچھا کہ آپ لوگ کیوں ان سے مقابلہ نہیں کرتے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے مقابلہ میں عبداللہ آتھم کے مباحثہ میں مرزاقادیانی اور مرزائی شکست فاش کھاچکے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو منہ لگانا نہیں چاہتے۔

غیرت خداوندی احمدیوں کے خلاف

لیکن عیسائیوں کی خاموشی سے مرزائی جماعت نے جب ناجائز فائدہ اٹھایا تو غیرت خداوندی جوش میں آئی۔ جس کا ذکر عیسائیوں کے اخبار نورافشاں میں ہوتا رہتا ہے کہ پادری عبدالحق جگہ جگہ تقریریں کرتے پھرتے ہیں جن میں مرزائی جماعت کو خاص کر للکارتے ہیں...... مرزاقادیانی نے تو ہم کو یہ بتایا تھا کہ دشمنان اسلام پادریان وغیرہ میری شمشیر تحریر سے سب مٹ جائیں گے۔ یہ آواز کیسی ہے جو ہم آج سن رہے ہیں۔’’کیا مرزائی خنازیر ابھی زندہ ہیں؟‘‘

(اہل حدیث ۶؍فروری ۱۹۲۵ء)

اہل حدیث نے کیا ہی حق کی بات کہی ہے کہ اگر پادری خنزیر ہیں تو وہ تو مرزاقادیانی کے تابعین کو کیوں سارے پنجاب میں بھگائے پھرتے ہیں۔ جب خنازیر زندہ ہیں تو مرزاقادیانی کو مسیح موعود کوئی کیونکر مانے؟

احمدیوں کی تعلّی

اہل حدیث کا فاضل اور پرانا تجربہ کار ایڈیٹر مولوی ثناء اللہ کہتا ہے کہ عیسائیوں کی

خاموشی سے مرزائی جماعت نے یہ سمجھ لیا کہ پادری ہمارے سامنے اب کوئی نہیں آتا اور دنیا میں ڈھول بجانے لگ گئے کہ مرزا قادیانی کے مسیح موعود ہونے کی شرط پوری ہوگئی کہ خنزیر قتل ہوگئے۔ مگر غیرت خداوندی نے جوش میں آ کر پادری عبدالحق صاحب کو مامور کر دیا کہ مرزائیوں کے جھوٹ کا پول کھول دے۔ چنانچہ آپ نے ہر جگہ احمدیوں کو وہ بھگایا کہ غیر بھی قائل ہوگئے۔

اس پر قادیان کے اخبار الفضل کو خطرہ ہوا کہ خفت ہوگی پس اس نے اہل حدیث کے جواب میں لکھا کہ: ''خدا کے فضل سے مسیح موعود کے خدام کے مقابل کوئی پادری، کوئی بشپ آنے کی ہمت نہیں کرتا۔ ابھی پچھلے دنوں سیالکوٹ میں چیلنج دے کر ڈاکٹر صادق کو گھر بلا کر فرار اختیار کیا تھا۔ پادری عبدالحق ہمارے فاضل مولوی جلال الدین صاحب سے بری طرح ہزیمت کھا چکا ہے...... ہمارا مسیح خنازیر اور پھر الخنزیر کو عرصہ ہوا قتل کر چکا۔'' (الفضل مورخہ ۱۲؍فروری ۱۹۲۵ء)

غضب ہے کہ باوجود تحریروں کے بھی احمدیہ جماعت کو اتنی بڑی دروغ بیانی کی جرأت باقی ہے کہ عیسائیوں نے ڈاکٹر صادق صاحب کے سامنے سیالکوٹ میں مباحثہ سے فرار اختیار کیا۔ مگر بیچارے ایڈیٹر الفضل کو یہ کہاں گمان تھا کہ ہمارے پاس ان کی اصل تحریریں موجود ہیں۔ جن کو لے کر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جاؤ، جو سلیم الطبع شخص مطالعہ کرے گا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ڈاکٹر محمد صادق صاحب نے سیالکوٹ میں مسیحیوں سے جو شکست کھائی وہ اس صدی میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اندھیر ہے کہ دنیا کو راہ راست پر لانے کا دعویٰ اور راست بازی اور صدق بیانی کا یہ حال کہ جھوٹ بولنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔

چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

ہاں اگر ڈاکٹر صادق صاحب اپنی تحریریں ہمارے پاس نہ چھوڑ جاتے تب تو ان کی یہ فرضی فتح ان کے کسی کام بھی آ سکتی۔ مگر اب جب کہ ان کی تحریریں خود ان کے خلاف پکار پکار کر ان کے جھوٹ کو ظاہر کر رہی ہیں تو خدارا بتاؤ قادیان کی کس بات کو دنیا قبول کرے؟

بت کافر ترے قرآن اٹھانے کا یقین کیا ہو
کہ اے بدعہد سب جھوٹے ترے قول وقسم نکلے

مگر غیرت خداوندی کا تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کے دعویٰ قتل خنزیر کی بطالت پر دنیا بھر میں عام اعلان کیا جائے۔ اگر ''مرزا قادیانی اور ان کے اتباع کے سامنے پادریوں کے نہ آنے'' کا یہی مطلب ہے کہ موجودہ مرزائی علماء پادری عبدالحق وغیرہ کے آگے آگے بھاگتے پھریں تو کون ہے جو مرزا قادیانی کو مسیح موعود نہ مان لے؟

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

سیالکوٹ کے مسیحی واحمدی صاحبان

سیالکوٹ وہ جگہ ہے جہاں مرزا قادیانی پندرہ روپیہ ماہوار پر کچہری میں ملازم تھے اور جہاں کہ آپ نے کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ یہاں احمدیوں کی بڑی بھاری جماعت ہے ایک احمدیہ انجمن اور ایک ریڈنگ روم ان کی طرف سے جاری ہیں۔ تمام احمدی اصحاب نہایت متمول اور آسودہ حال ہیں اور کئی وجوہ سے یہ کہنا مناسب ہے کہ اتنی بڑی احمدی جماعت شاید کسی دوسرے شہر میں موجود نہیں ہے۔

یہاں امریکن مشن کا کام بڑے زوروں پر ہے............شہرت رکھتا ہے اور سیالکوٹ کنونشن کے برابر پنجاب کے کسی دوسرے شہر میں کوئی اور مسیحی میلہ نہیں ہوتا۔ امریکن مشن کے ماتحت تبلیغ کا کام پادری آر۔ڈبلیو کمنگس صاحب کے سپرد ہے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے محنتی، ملنسار اور روحانی وگرم جوش طبیعت رکھتے ہیں۔ حسن اتفاق سے اخویم خواجہ غلام احمد صاحب مقامی نومرید آپ کے ایسے رفیق کار مل گئے ہیں کہ آپ کی اس خوش قسمتی پر بہت سے مشنری اصحاب کو رشک آتا ہوگا۔ خواجہ صاحب کے ترک اسلام وقبول مسیحیت سے یہاں کی احمدیہ انجمن ناراض تھی اور مذہبی مسائل پر بہت تنگ کرتی رہتی تھی۔ مگر آپ کی قابلیت اور مذہبی واقفیت سیالکوٹ کے احمدیوں کا ناطقہ بند کرنے کو کافی تھی۔

اب احمدیوں نے خواجہ صاحب کو یہ کہہ کر تنگ کرنا شروع کیا کہ کوئی اعلیٰ پادری لاؤ اور ہم سے بحث کراؤ۔ چنانچہ مجبور ہوکر آپ نے پادری کمنگس صاحب کی معرفت مارچ ۱۹۲۳ء کے آخری ہفتہ میں مباحثہ کا انتظام کیا اور احمدیوں وغیر احمدیوں کو دعوت مناظرہ دی گئی۔ غیر احمدی مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مسیحیوں کی جانب سے پادری عبدالحق صاحب کے درمیان مباحثہ ہوا۔ مگر احمدی مقابلہ پر نہ آئے۔ ہاں! مباحثہ کے چند روز بعد جیسا کہ احمدیوں کی عادت مستمرہ ہے۔ دو احمدی مبلغ سیالکوٹ میں آئے اور مسیحیت کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کیں اور چلتے بنے۔ اس کے بعد سیکرٹری وامیر جماعت احمدیہ نے پادری کمنگس صاحب کو سخت مجبور کر کے کہا کہ پہلے تو مسیحیوں نے غیر احمدیوں سے مباحثہ کیا۔ اب کی دفعہ احمدیوں سے ہو جائے۔ اس پر پادری صاحب نے ۷،۸،۹/اپریل ۱۹۲۴ء تواریخ مقرر کر کے مباحثہ کا انتظام کیا اور مضامین میں ''نبوت مرزا'' کو شامل کیا۔ مگر احمدی صاحبان کو اپنی کمزوری

معلوم تھی۔ وہ نبوت مرزا پر بحث کرنے سے اس قدر خائف وہراساں ہوئے کہ مباحثہ سے فرار کر گئے اور بیچارے مسیحیوں کو قادیانی نبی سے دوچار ہونے کی حسرت رہ گئی۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

مسیحی جماعت کا احمدیہ انجمن کو چیلنج

مگر خواجہ صاحب کب ایسی حسرت کو صبر سے برداشت کرنے والے تھے۔ آپ نے پادری کمنگس صاحب کی صدارت میں مسیحی جماعت کا باقاعدہ جلسہ کر کے مباحثہ کا فیصلہ کرایا اور اس فیصلہ کے ماتحت پادری صاحب موصوف نے بحیثیت مشنری ومنتظم حسب ذیل دعوت مناظرہ انجمن احمدیہ سیالکوٹ کو بھیجی۔

''جناب سیکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ شہر سیالکوٹ

جناب اعلیٰ! مسیحی جماعت سیالکوٹ نے مذہبی لیکچروں اور مناظروں کا اہتمام کیا ہے۔ اس امر کے اعلان کے لئے ایک اشتہار بھی شائع ہونے والا ہے۔ سو آپ کی وساطت سے آپ کی جماعت کے مقتدر مناظرین کو بالعموم اور مفتی محمد صادق صاحب مبلغ بلاد مغربیہ کو بالخصوص چیلنج دیا جاتا ہے کہ وہ اس موقعہ پر مناظرہ کے لئے تشریف لاویں۔

منشی محمد صادق صاحب کو پہلا حق حاصل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ وہ بلاد یورپ وامریکہ میں پیغام توحید لے کر گئے اور کہا جاتا ہے کہ ان کی سعی مشکور بھی ہوئی اور ثانیاً اس لئے کہ دیگر بزرگان جماعت احمدیہ سے مناظرہ کیا جاچکا ہے۔ مگر انہیں اب تک موقع نہیں ملا۔ بدیں وجوہ پہلا چیلنج ان کے نام ہے۔ انہیں بلایا جائے۔ اگر وہ انکار کریں یا کسی وجہ سے نہ آسکیں تو کوئی دوسرا مناظر آسکتا ہے۔ چیلنج کی منظوری پر شرائط اور مضامین کا تصفیہ ہوسکتا ہے۔''

(کمنگس سیالکوٹ مورخہ ۱۶؍ستمبر ۱۹۲۴ء)

مفتی صاحب نے چیلنج کو منظور کر کے اخبارات میں اعلان کر دیا۔ چنانچہ آپ کی مندرجہ ذیل تحریر نورافشاں مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوگئی۔

مباحثہ

''سیالکوٹ کے عیسائی مشنری پادری کمنگس صاحب نے مجھے مباحثہ کے واسطے چیلنج دیا ہے اور میں نے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ مباحثہ ابتدائی اکتوبر میں ہوگا۔ تاریخیں پھر شائع کی جائیں گی۔''

ڈاکٹر مفتی محمد صادق قادیان

اس کے علاوہ آپ نے پادری کمنگس صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط روانہ کیا۔

’’بخدمت پادری کمنگس صاحب سیالکوٹ

جناب پادری صاحب تسلیم! آپ کا چیلنج مباحثہ کے واسطے میرے نام پہنچا۔ میں آپ کے چیلنج کو بخوشی منظور کرتا ہوں اور جو تاریخ آپ مقرر کریں اس پر انشاء اللہ مناظرہ کے واسطے سیالکوٹ حاضر ہو جاؤں گا۔ بشرطیکہ آپ شرائط مباحثہ کا فیصلہ معقول اور تشفی آمیز ہمارے سیالکوٹ کے ذمہ دار دوستوں سے طے کر کے بروقت مجھے اطلاع پہنچادیں۔

مکرر اینکہ کیا یہ زیادہ مفید نہ ہوگا کہ مباحثہ بجائے سیالکوٹ کے لاہور مقرر کیا جاوے۔ کیونکہ لاہور ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور زیادہ علم دوست طبقہ مناظرہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بایں ہمہ اگر آپ کو سیالکوٹ ہی پر اصرار ہو تو مجھے اس میں بھی عذر نہیں۔‘‘

محمد صادق مورخہ ۲۱؍ستمبر ۱۹۲۴ء

پھر آپ نے قادیان سے حسب ذیل تار دیا۔

Qadian through Batala.

R.W. Cummings

I accept your challange specifying my name for debate received through Ahmadiya Anjuman.

Mufti Mohammad Sadiq

ترجمہ...... جناب پادری آر۔ڈبلیو کمنگس صاحب

آپ کا چیلنج جس میں مباحثہ کے لئے میرے نام کی تخصیص کی گئی ہے احمدیہ انجمن کی معرفت موصول ہوا۔ میں اسے منظور کرتا ہوں۔ (مفتی محمد صادق قادیان، مورخہ ۲۲؍ستمبر ۱۹۲۴ء)

چونکہ آپ کے نام دعوت مناظرہ میں خصوصیت تھی۔ آپ کو سیالکوٹ کے مسیحیوں سے مباحثہ کرنے کا اس قدر شوق و بے قراری پیدا ہوئی کہ مندرجہ ذیل انگریزی خط علاوہ ازیں روانہ کیا۔

I Accept the challange given to me by the R.W Cummings on behalf of the Christians to held debate on the religious ------- of ------- between the Christians and the Mohammadans and shall be glad

to be ----- in the Sialkot. Christan -------- on the dates to be fixed for the ---------.

M.M Sadiq

ترجمہ...... بخدت جناب پرنسپل صاحب مشن سکول سیالکوٹ

سیالکوٹ کے مسیحیوں کی طرف سے پادری آر.ڈبلیو کمنگس صاحب نے اہل اسلام ومسیحی حضرات کے درمیان مسائل متنازعہ پر بحث کرنے کے لئے جودعوت مجھے دی ہے میں اسے منظور کرتا ہوں اور بتاریخ ہائے مقررہ سیالکوٹ مسیحی کنونشن میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا۔

مفتی محمد صادق، قادیان مورخہ ۲۲رستمبر ۱۹۲۴ء

ناظرین حیران ہوں گے کہ جب مسیحیوں نے مارچ ۱۹۲۳ء میں انجمن احمدیہ کو دعوت مناظرہ دی تھی اور مسیحیوں کی طرف سے پادری عبدالحق صاحب میدان مباحثہ میں پہنچے تھے تو انجمن احمدیہ کی طرف سے کوئی بھی مناظر مقابلہ کو نہ آیا تھا۔ مگر ایک سال بعد جب پھر مسیحیوں کی طرف سے احمدیوں کو دعوت دی گئی تو مفتی صاحب اپنے اسم گرامی کی تخصیص پاکر کیوں اس قدر خوش ہوئے؟ کہ پنجاب کے اخباروں میں منظوری کا اعلان کر دیا اور مسیحی جماعت کے صدر جناب پادری کمنگس صاحب کے نام متعدد خطوط اور تار روانہ کئے۔ مگر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہندوستان کے احمدی تو مسیحی مناظرین کے مقابلہ سے عاجز آ کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے تھے اور روزمرہ کا تجربہ انہیں گھر سے نکل کر میدان میں آنے کی ہمت نہ دلاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں ایک غیر احمدی مولوی صاحب تو دو روز مباحثہ کرتے رہے۔ مگر انجمن احمدیہ نے خاموشی سے گھر پر بیٹھے رہنے یا عوام الناس کی طرح مولوی ابراہیم پادری عبدالحق صاحب کا مباحثہ سننے ہی میں بہتری اور بچاؤ کی صورت دیکھی۔ مفتی صاحب ۱۹۲۳ء کے اختتام پر ہندوستان پہنچے اور سیالکوٹ کے مباحثہ کی روئیداد سن کر مریدوں پر ناراض ہوئے کہ تم نے تو میرے پیچھے سارا کام ہی بگاڑ دیا ہے۔ اس لئے آپ نے سیالکوٹ میں پہنچ کر مسیحیت کے خلاف سخت زہر اگلا۔ جس کا کچھ ذکر خواجہ غلام احمد صاحب نے نور افشاں میں کر دیا تھا۔ مفتی صاحب نے ایک پیٹنٹ لیکچر تیار کیا ہوا تھا۔ جسے لاہور، سیالکوٹ وغیرہ متعدد مقامات صوبہ پنجاب میں پہنچ کر سنایا۔ اس سے آپ کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اب مسیحی دین مر چکا اور کوئی پادری میرا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں۔ بس یہ وجہ تھی کہ آپ نے سیالکوٹی مسیحیوں سے دعوت مناظرہ پاکر وہ خوشی منائی جو کہ جناب کی منقولہ بالا تار اور خطوں سے ظاہر ہو رہی ہے۔ آپ نے مسیحیوں سے مقابلہ کر کے فتح حاصل کرنے

کا صرف اپنے تئیں حق دار گردانا اور کسی دوسرے احمدی مناظر کو اس قابل رشک ظفر مندی کے لائق ہی نہ سمجھا۔ مگر جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہو جائے گا آپ کی مراد نہ صرف پوری ہی نہ ہوئی بلکہ الٹی باعث ندامت و موجب خفت ہوگئی۔ کیا پتہ تھا کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے؟ اور یہ خوشی مبدل، بہ غموم و ہموم ہو جائے گی۔ ورنہ کاہے کو چیلنج منظور کرتے۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم دم
کہ ہوگا باعث افزائش درد در دل وہ بھی

مسیحی مناظرین

پادری کمنگس صاحب نے حسب سابق پادری عبدالحق اور پادری حاجی مولوی سلطان محمد خان کابلی افغان فاضل عربی سے خط وکتابت شروع کی۔ یہ خط وکتابت بھی ہماری تحویل میں ہے۔ مگر اس کو نقل کرنا فضول ہے۔ ہاں! یہ جتا دینا مفید معلوم ہوتا ہے کہ پادری سلطان محمد صاحب کو اس وقت تک کہ آپ فتح گڑھ صوبہ یوپی سے چل کر لاہور پہنچے۔ اتنا بھی معلوم نہ ہوا تھا کہ تقریریں ہوں گی یا مباحثہ۔ مگر لاہور میں بھی کسی کو سوائے نور افشاں میں شائع شدہ مفتی صاحب کے اعلان کے کچھ بھی واقفیت نہ تھی۔ پس آپ ستمبر کی آخری تاریخ کو سیالکوٹ جا پہنچے۔ مگر مباحثہ کی تاریخیں ابھی طے نہ ہوئی تھیں۔

سرسری اشتہار مباحثہ

پادری کمنگس صاحب نے ۱۷ر ستمبر کو مباحثہ کا اشتہار سیالکوٹ میں شائع کر دیا جس میں لکھا کہ: ''حضرت مولانا مولوی پادری سلطان محمد خان اور پادری عبدالحق صاحبان سیالکوٹ میں آرہے ہیں۔ تین دن تک متواتر تقاریر بھی ہوں گی اور مناظرے بھی۔ مناظرہ کی درخواستیں ۲۶ر ستمبر تک موصول ہو جانی چاہئیں۔''

صرف مفتی صاحب سے مباحثہ

انجمن احمدیہ سیالکوٹ اپنے ہیڈ کوارٹر قادیان سے خط وکتابت کر رہی تھی۔ قادیان میں مناظر تو بہت ہوا کرتے ہیں۔ مگر چونکہ مفتی صاحب کو شوق تھا کہ اس فتح کا سہرا کسی اور احمدی مناظر کے سر نہ بندھے۔ لہٰذا انجمن احمدیہ نے حسب ذیل خط پادری کمنگس صاحب کو لکھا۔

آپ شرائط کا قطعی فیصلہ چاہتے ہیں۔ مگر چونکہ ابھی تک قادیان سے جواب نہیں آیا۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ قدرے التوا ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذمہ دار اصحاب ہندو مسلم

کانفرنس دہلی میں شامل ہونے کو گئے ہوئے ہیں۔ (سیکرٹری احمدیہ انجمن سیالکوٹ مورخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

شرائط مناظرہ

مسیحیوں کی طرف سے حسب ذیل شرائط مباحثہ مقرر کر کے انجمن احمدیہ کو اطلاع دی گئی۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مفتی محمد صادق صاحب نے مناظرے کا چیلنج منظور فرمایا ہے۔ ہماری پوزیشن اس وقت یہ ہے کہ ہم نے آپ کو دعوت مناظرہ دی ہے اور جلسہ کا اہتمام ہمیں نے کیا ہے۔ اندریں وجوہ انتظام جلسہ و پروگرام وغیرہ ہمارے ذمہ ہے اور ہمیں شرائط پیش کرنے کے حقدار ہیں مگر باایں ہمہ ہم مفتی صاحب کی پیش کردہ شرائط میں ہی جائز ترمیم پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس حد تک وہ نامناسب وغیر منصفانہ معلوم نہیں ہوتیں اور نہ ہمارے مجوزہ انتظام میں مخل ہیں۔ ہم انہیں قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔

شرط اوّل: فریقین کی پہلی تقریریں بجائے ایک ایک گھنٹہ کے چالیس چالیس منٹ کی ہوں گی اور بعد کی تقریریں بجائے آدھ آدھ گھنٹہ کے دس دس منٹ کی یہ عین اصول مناظرہ کے مطابق ہے۔

شرط دوم: میر مجلس صرف ایک ہی ہوگا اور اس کا تقرر ہماری طرف سے ہوگا۔ کیونکہ ہمارا ہی جلسہ ہے۔ کسی مجلس کے صدر دو نہیں ہوا کرتے۔ اس لئے ہمیں یہ روانگی منظور نہیں۔

شرط سوم: مناظرہ تقریری ہوگا۔ لیکن فریقین کو قابل یادداشت امور لکھوانے کا حق ہوگا۔ یہ جائز ہے اور ہمیں منظور ہے۔

شرط چہارم: ہر ایک فریق اپنا دعویٰ اپنی کتاب مقدس سے پیش کرے۔ یہ شرط بھی مستحسن اور قابل قبول ہے۔

شرط پنجم: پہلی اور آخری تقریر مدعی کی ہوگی۔ یہ شرط ہم اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں جو آپ چھوڑ گئے تھے۔ شرائط مذکورہ دراصل آپ ہی کی پیش کردہ ہیں۔ صرف ترمیم کر کے ہم نے انہیں وہ صورت دے دی ہے جو کہ عام طور پر مناظروں میں ہوتی ہے۔

مضامین کے انتخاب میں بھی ہم نے اپنا پروگرام قریب قریب آپ کے سپرد کر دیا ہے اور آپ کے تجویز کردہ سارے مضمون بحال رکھے ہیں۔ ہاں! صرف ایک مضمون کی صورت بدلی ہے۔ یعنی فضیلت مسیح و محمد کی بجائے حقیقت مسیحی رکھ لیا ہے۔ تقسیم مضامین حسب ذیل ہے۔

مضمون جن کے عیسائی مدعی ہوں گے	مضمون جن کے احمدی مدعی ہوں گے
(۱) کفارہ۔ (۲) الوہیت مسیح ناصری	(۱) توحید۔ (۲) نبوت مسیح قادیانی
(۳) بائبل کلام اللہ	(۳) قرآن کلام اللہ

یہ انتہاء درجہ کی رعایت ہے جو ہم آپ سے کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ آپ توقع نہ رکھیں۔ شہر لائل پور کے مناظرہ کی شرائط جو آپ کی طرف سے پیش کی گئیں اور عیسائیوں نے منظور کیں۔ اگر آپ ان سے موجودہ شرائط کا مقابلہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی بڑی رعایت ہے۔

مقامی مسلمانوں کی مسیحیوں سے درخواست

مسلمانان سیالکوٹ کی جانب سے مسیحیوں کو یہ درخواست موصول ہوئی کہ ہمارے پاس بہت سے مسلمانان سیالکوٹ نے آ کر کہا ہے کہ احمدی جماعت مسلمانوں کی صحیح نمائندہ نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ان سے مرزائیت کے مسائل مخصوصہ پر مناظرہ کیا جائے۔ اگر اسلامی مضمون پر ان سے مباحثہ ہوا تو نقص امن کا اندیشہ ہے۔ وہ مسلمانوں کی طرف سے وکیل نہیں۔ پس ہم علمائے اسلام سے استفتاء کرتے ہیں کہ کیا مفتی محمد صادق صاحب کو ہم اسلام کے نمائندہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ مفتی محمد صادق صاحب کیا مرزائیوں سے کوئی صاحب بھی ہو۔ اسلام کا نمائندہ یا وکیل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اتفاق رائے علمائے اہل سنت والجماعت یہ جماعت اسلام سے خارج ہے۔

فقط: نورالحسن المجیب مثیب

احمدیوں کو اطلاع

یہ فتویٰ پا کر مسیحی جماعت نے احمدیہ انجمن کو اطلاع دی کہ: ’’اس وقت تک ہمارا خیال تھا کہ آپ بحیثیت مسلمان ہمارے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں کے معزز اور سربرآوردہ علماء جن کا فتویٰ منسلکہ ہذا آج ہمیں موصول ہوا کسی صورت سے بھی آپ کو اسلام کے نمائندے اور وکیل نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اب یہ مناسب ہے کہ اگر اسلام وعیسائیت کا مقابلہ ہو تو بہتر ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت میں سے کوئی صاحب مقابلہ کے لئے آجائے۔ لیکن اگر آپ عیسوئیت اور مرزائیت کا مقابلہ کرنا چاہیں تو ہم بسروچشم حاضر ہیں۔ متنازعہ مسائل نبوت مرزا۔ وفات مسیح اور نزول مسیح پر بحث کر لیجئے۔ اگر علمائے اسلام آپ کو اپنا وکیل تسلیم کر لیں تو پھر ہم جملہ اسلامی مضامین پر آپ سے گفتگو کریں گے۔ مسلمان ہم سے متقاضی ہیں کہ صرف ایسے مضامین پر احمدیوں سے مناظرہ کیا جائے۔ جو انہیں سے مخصوص ہیں۔ اگر آپ اس جائز مطالبہ سے گریز کریں گے تو پھر اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم اپنے پروگرام کے مطابق لیکچر دیں گے۔ آپ آ کر بطور معترض اعتراض کریں۔ سوال وجواب کا موقعہ دیا جائے گا۔ جس صورت کو بھی آپ قبول کریں۔ ہمیں منظور ہے۔‘‘ (۱۴/اکتوبر۱۹۲۴ء)

مباحثہ کی پہلی تاریخ کی کارروائی

منتظمان جلسہ کی نیت یہ تھی کہ بحث کنونشن کے عین بعد شروع ہو جائے۔ مگر مفتی صاحب نے دہلی ہندو مسلم کانفرنس میں شامل ہوکر انعقاد مباحثہ میں دیر کر دی۔ احمدی صاحبان نے بہت لمبے چوڑے انتظام کر رکھے تھے اور سینکڑوں احمدی علماء کا اجتماع کرنے کی تیاریاں ہو چکی تھیں تا کہ لاہور میں مسیحی انجمن بشارت کے لیکچروں کے دوران میں جو ناقابل بیان شکست پادری عبدالحق وپادری سلطان محمد صاحبان کے ہاتھوں وہ چھ ماہ قبل ازیں اٹھا چکے تھے۔ اس کا بدلہ لیا جائے۔ ہم ۶/اکتوبر کی شام کو سیالکوٹ بحیثیت رپورٹر پہنچے۔ صبح ۷/اکتوبر کو مباحثہ شروع ہونا تھا۔ مگر ابھی تک مفتی صاحب تشریف نہ لائے تھے۔ صبح کو پادری عبدالحق صاحب اور مفتی صاحب آپہنچے بجائے اس کے کہ بحث شروع ہو جائے۔ انجمن احمدیہ نے صدر مسیحی جماعت کو لکھا کہ شرائط میں چند امور تصفیہ طلب ہیں۔ مگر یہ کیوں ہوا ناظرین کو بہت جلد پتہ لگ جائے گا۔

پادری کمنگس صاحب کو یوپی جانا پڑا

یہاں یہ بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پادری کمنگس صاحب کو یو. پی میں جانا پڑا اوران کی بجائے پادری سٹوارٹ صاحب بہادر تجربہ کار اور محنتی مشنری موجود تھے۔ مشن نے آپ کو منتظم جلسہ مقرر کر دیا۔ جس قابلیت اور سرتوڑ کوشش سے آپ نے اس مشکل کام کو انجام دیا۔ اسے یاد کر کے امریکن مشن کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔ آپ ہر وقت موٹر لے کر ہر جگہ ہمارے ہمراہ رہتے تھے اور لطف یہ کہ آپ مباحثہ کے لوازمات وشرائط متعلقہ سے بخوبی واقف تھے۔ خدا آپ کو زیادہ برکت بخشے۔

روبرو

جب بغرض تصفیہ شرائط ہم سب انجمن احمدیہ میں پہنچے تو مسلمانان شہر کا ایک اجتماع عظیم موجودہ پایا۔ انجمن نے دوتین شرائط میں ترمیم پیش کی۔ جن کا تصفیہ پندرہ بیس منٹ کے اندر ہوگیا۔ اب اس نے یہ تقاضا کیا کہ مضامین بحث سے ''نبوت مرزا'' کو نکال دیا جائے۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ: (۱) غیر احمدی مسلمانوں نے درخواست کی ہے کہ احمدیوں سے احمدیوں ہی کے عقائد خصوصی پر بحث ہو اور دوم چونکہ مرزا قادیانی نے مسیح موعود نے کا دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا مسیحیوں کو اس پر بحث کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر احمدی جماعت اور مفتی صاحب یک زبان ہوکر مرزا قادیانی کی نبوت پر بحث کرنے سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور یہاں تک ضد کی کہ اس

ردوکد میں تین ساڑھے تین گھنٹے ضائع کر دیئے۔ آخر مفتی صاحب نے ایک اور راہ فرار اختیار کی کہ چونکہ مرزا قادیانی نے کوئی نیا دین جاری نہیں کیا۔ لہٰذا اسلام پر بحث ہونی چاہئے نہ کہ احمدیت پر، اس پر مسیحی مناظر نے شیر ببر کی طرح گرج کر کہا کہ:

''یہ ثابت کرنا ہمارا ذمہ ہوگا کہ مرزا قادیانی ہرگز سچے مسلمان نہ تھے۔ اس کا فیصلہ میدان مناظرہ میں ہو جائے گا۔ بہرصورت ''نبوت مرزا'' پر ضرور بحث ہونی چاہئے تاکہ ہم مسیح موعود کی تحقیق بھی کریں اور پبلک پر آپ کی حقیقت بھی کھل جائے۔''

یہ سن کر احمدیوں کے تلووں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ رنگ زرد ہوگئے اور سخت گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کرنے لگے۔ آخر ان کی تجویز پر چار آدمیوں کی کمیٹی بنائی گئی۔ جو پادری سلطان محمد اور پادری عبدالحق صاحبان اور مفتی صاحب اور مولوی جلال الدین شمس صاحب پر مشتمل تھی۔ کمیٹی نے ایک بند کمرہ میں قریباً ایک گھنٹہ گفتگو کی۔ مگر احمدیوں نے ''مرزا قادیانی کی نبوت'' پر بحث کرنا کسی طرح بھی منظور نہ کیا۔ جب یہ یقین ہوگیا کہ مفتی صاحب اس سے ہر طرح گریز کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اپنی عادت موکدہ کے مطابق جاکر اخبارات میں اپنی فتح اور پادریوں کے فرار کا اشتہار دینے لگ جائیں۔ یہ مناسب سمجھا کہ ان سے تحریری جواب لے لیا جائے۔ چنانچہ اسی چار ارکان کی کمیٹی میں مسیحی نمائندگان نے مندرجہ تحریری سوال مفتی صاحب کے حوالہ کیا۔

''مکرمی جناب مفتی محمد صادق صاحب۔ ہم نے قریباً آپ کی تمام شرائط کو قائم رکھ کر صرف اس میں یہ ترمیم کی ہے کہ بجائے فضیلت محمد وفضیلت مسیح نے نبوت مسیح قادیانی والوہیت مسیح ناصری پر بحث ہو اور ہم کسی صورت سے اس بحث کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں اور چونکہ جناب کو اس پر یعنی نبوت مسیح قادیانی پر بحث کرنا کسی صورت سے منظور نہیں ہے۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر ہمیں ایک تحریری بیان عنایت کریں۔''

فقط: پادری سلطان محمد، پادری عبدالحق، مورخہ ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء سیالکوٹ

اس کا جواب اسی وقت مفتی صاحب نے یہ دیا کہ: ''جناب پادری صاحبان مکرم سلطان محمد صاحب وعبدالحق صاحب تسلیم ہم نے جو مضمون پیش کیا تھا۔ اس میں جو آپ نے ترمیم کی ہے اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ آپ فضیلت آنحضرت ﷺ اور فضیلت مسیح ناصری کو چھوڑ کر الوہیت مسیح اور نبوت مسیح قادیانی پر کیوں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ مقابلہ عیسائیت اور اسلام کا ہے۔ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے کوئی نیا مذہب نہیں پیش کیا۔ بلکہ اسلام کو ہی پیش کیا

ہے۔آپ کا دعویٰ ہے کہ عیسائیت مذہب خداتعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی میں انسان داخل ہوکر خداتعالیٰ کی رضا کو حاصل کرتا ہے اور اسلام جھوٹا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک اس وقت سوائے اسلام کے کوئی ایسا مذہب نہیں ہے کہ جس کو اختیار کر کے خداتعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکیں۔اس لئے ہمارے نزدیک بانیان مذہب عیسائی واسلام پر بحث کرنا ضروری ہے۔نیز آپ بتائیں کہ آپ اس شرط کو منظور کرتے ہیں یا نہیں؟ کہ فریقین کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعویٰ اور دلائل اپنی الہامی کتاب سے پیش کریں۔ہمارے نزدیک اس شرط کا ہونا ازحد ضروری ہے۔کیونکہ جو کتاب صرف دعویٰ ہی دعویٰ کرتی ہے اور دلیل کوئی نہیں پیش کرتی وہ کامل الہامی کتاب نہیں ہوسکتی۔ضروری ہے کہ وہ کلام کو مدلل طور پر پیش کرے۔''

شمس اور مفتی محمد صادق مورخہ ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء

اس کا مندرجہ ذیل جواب پادری صاحبان نے دیا۔

سیالکوٹ میں کمیٹی کے جلسہ میں ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء جناب مولوی صاحبان مکرم مفتی محمد صادق صاحب وجلال الدین شمس صاحب۔تسلیم! ہم ترمیم مذکورہ کی وجوہات بکرات ومرأت عرض کر چکے ہیں۔جن کا ہم پھر مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

۱...... مرزاقادیانی کو مسیح ناصری سے افضلیت کا دعویٰ ہے۔

۲...... وہ اپنے آپ کو مسیح تصور کرتے ہیں۔

۳...... ہماری دانست میں مرزاقادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو پبلک کے سامنے پیش کیا کہ ان کے دعویٰ نبوت کی تحقیق کی جائے۔

۴...... ہم آپ کے عقائد کو اہل سنت والجماعت کے عقائد سے سراسر مختلف سمجھتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ! ان وجوہات کی بناء پر ہم اپنی ترمیم کو نظرانداز نہیں کر سکتے ہیں۔ہاں! اگر محمد اور مسیح کی فضیلت پر ہم سے کسی اہل سنت والجماعت نے بحث کرنا ہو تو ہم بسروچشم حاضر ہیں۔شرط چہارم ہم کو بسروچشم منظور ہے۔اس صورت میں کہ ہم کو کامل اختیار حاصل ہے کہ ہم بائبل کے دلائل کے ساتھ داخلی اور خارجی براہین ودلائل سے کام لیں۔اب براہ مہربانی صاف صاف لکھ دیں کہ انہیں شرائط کے ساتھ آپ مباحثہ کرنے کو تیار ہیں یا نہیں۔

سلطان محمد، عبدالحق!

احمدی مبہوت ہوگئے

جب مندرجہ بالا جواب مفتی صاحب نے پڑھا تو بس ساری شیخی کرکری ہوگئی اور اب جلدی میں انہیں فرار کی کوئی صورت نہ سوجھی تو فرمایا کہ جواب بعد میں دیا جائے گا۔کمیٹی کا اجلاس

برخاست ہوگیا۔ چونکہ تجویز تھی کہ ہم ۸/بجے صبح اور چار بجے شام کو لیکچر دیں گے اور اس وقت مباحثہ ہوگا۔ صبح کا وقت تو احمدی صاحبان نے لیت ولعل میں گذار دیا اور کوئی لیکچر نہ ہونے پایا اور اب قریباً تین بجنے کو تھے۔ مگر مفتی صاحب کی طرف سے کوئی جواب وصول نہ ہوا تھا۔ لہٰذا مندرجہ ذیل یاددہانی بھیجی گئی۔

''مکرم بندہ جناب مولوی مفتی محمد صادق صاحب

تسلیم! ہم نے جو آخری چٹھی آپ کو ۱۲بجے کے قریب برائے جواب پیش کی تھی اور آپ نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ہم نہایت منشکر ہوں گے۔ اگر جناب بہرصورت آج ہی چار بجے شام تک جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ کیونکہ اگر اس وقت تک جناب کی طرف سے ہماری چٹھی کا جواب نہ آیا تو ہم چاہتے ہیں کہ اس کے بعد لیکچر دیں۔ لہٰذا مہربانی سے جواب کے متعلق صاف صاف لکھ دیں۔'' سلطان محمد، مورخہ ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء

مفتی صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب عین اس وقت موصول ہوا۔ جب کہ ہم شام کے لیکچر دینے کو موقعہ پر جا پہنچے تھے۔ واضح رہے کہ یہ جگہ شہر کے وسط میں ایک پرانے اونچے قلعہ پر واقع ہے۔ جس کے نیچے دامن میں انجمن احمدیہ ہے۔ ہم دور جگہ سے چل کر عین انجمن کے سامنے سے گذر کر قلعہ پر جایا کرتے تھے۔ مگر مفتی صاحب کو انجمن کی حدود سے باہر نکل کر قدم رکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ نقلی مسیح کے معتقدوں کو اصلی مسیح کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہونی تھی، نہ ہوئی۔ تمام شہر کے مسلمان وہنود ہزاروں کی تعداد میں ہمارے وعظوں کو سننے کے لئے آجاتے تھے اور بیچاری انجمن حسرت بھری نگاہوں سے اس عبرت خیز منظر کو دیکھتی رہ جاتی تھی۔ مسلمان راہ تضحیک وتمسخر کہتے تھے کہ قرآن کی یہ آیت کہ: ''اے عیسیٰ میں تیرے تابعین کو قیامت تک غالب رکھوں گا۔''

آج بالکل سچی ثابت ہورہی ہے۔ احمدیوں کا دوسرا گروہ کہتا تھا کہ قادیانی احمدیوں کو غلط عقائد کی سزا مل رہی ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ شہر میں ہر جگہ یہی چرچا تھا کہ مرزائی مرزا قادیانی کا نام لینے سے شرماتے ہیں۔ احمدیوں کی ندامت وخفت کی اصل حقیقت صرف اسی وقت دیکھنے سے واسطہ رکھتی تھی۔ الفاظ اس کا حقیقی نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ سیالکوٹ کی پبلک کئی سالوں تک اس منظر کو فراموش نہیں کرسکتی۔

مفتی صاحب کا جواب

جناب پادری صاحبان سلطان محمد، عبدالحق صاحب تسلیم! آپ کا رقعہ نمبر۲ موصول

ہوا۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہم ترمیم مذکورہ کی وجوہات کرأت ومرأت عرض کر چکے ہیں۔ مگر پہلی خط وکتابت میں ان وجوہات کا بھی بالکل ذکر نہیں ہے۔ آپ نے وجوہات ہمارے پیش کردہ مضمون سے انحراف کرنے کے لکھی ہیں۔ چونکہ مرزاقادیانی نے اپنے آپ کو مسیح اور مسیح ناصری سے افضل اور اپنے آپ کو نبی کہا۔ اس لئے ہم پہلے مرزاقادیانی کی نبوت پر بحث کریں گے۔ مگر جناب بتادیں کہ کیا آپ کے ان وجوہات سے یہ ثابت ہوگیا کہ فضیلت مسیح وآنحضرتﷺ پر مباحثہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں! آپ کی چوتھی وجہ قابل غور ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ چونکہ آپ کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد سے سراسر خلاف ہیں۔ اس لئے ہم آپ کے پیش کردہ مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہاں! اگر کوئی اہل سنت والجماعت سے اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہے تو ہم تیار ہیں۔ آپ کو واضح رہے کہ اس مسئلے میں سنی۔ ہمارے خلاف نہیں ہیں۔ تمام سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرتﷺ مسیح اور باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں اور اگر بالفرض دنیا میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہ ہو کہ آنحضرتﷺ مسیح سے افضل ہیں پھر بھی ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرتﷺ مسیح سے افضل ہیں۔ آپ کو دوسروں سے کیا؟ مناظرہ ہم سے ہے نہ کسی اور سے۔ خداتعالیٰ کے فضل سے ہمارا کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو قرآن مجید اور حدیث صحیحہ کے خلاف جو حضرت مسیح موعود نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ اسلام میں ہو کر اور آنحضرتﷺ کی اتباع میں اور آپ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب اسلام ہے اور آنحضرتﷺ ہی تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہیں۔ پس جو شخص اس سرچشمہ اور منبع کا انکار کرتا ہے۔ اسے پہلے اس سرچشمہ اور منبع کا سنوارنا ضروری ہے۔ آپ تو آنحضرتﷺ کے خادم ہیں اور آنحضرتﷺ آپ کے آقا۔ پس جو شخص آقا کو برا سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کسی کا آقا نہیں ہوسکتا تو خادم کے لئے پہلے اپنے آقا کی عزت اور اس کا اعلیٰ اور افضل ہونا ثابت کرنا ضروری ہے اور جو ہم نے وجہ پیش کی ہے کہ فضیلت مسیح اور آنحضرتﷺ پر بحث کرنا ضروری ہے۔ اس کی آپ نے تردید بالکل نہیں کی۔ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ آنحضرتﷺ کی اتباع میں ہے۔ پس پہلے متبوع کے وجوہ کا صادق اور راست باز ہونا ضروری ہے۔ ہاں! اس مسئلہ (نبوت حضرت مسیح موعود) پر بحث کرنے کا زیادہ ترحق ان لوگوں کا ہے جو مسیح کو خدا نہیں بلکہ ایک نبی اور آنحضرتﷺ سے مفضول سمجھتے ہیں۔ محمد اسلام کو سچا مذہب اور آنحضرتﷺ کو خدا کا سچا رسول جانتے ہیں۔ پس اگر آپ بغیر کسی ہماری پیش کردہ وجوہات کو توڑیں گے۔ مسیح اور آنحضرتﷺ کے مسئلہ پر بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تو آپ کی مرضی، پس اگر آپ اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنا چاہتے تو ہم اس کو چھوڑتے ہیں اور باقی مضامین

جن کو فریقین تسلیم کر چکے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کی اور ہماری طرف سے کسی اور مضمون کو زیادہ نہ کیا جائے اور وہ حسب ذیل ہیں۔ کفارہ، توحید، بائبل، کلام اللہ، قرآن مجید کلام اللہ۔ دوسری شرط کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو کتاب کسی بات کو خود مدلل طور پر پیش کرے گی تو اس کے لئے بیرونی دلائل کی کیا ضرورت ہے؟ خود اس میں سے دعویٰ کو مدلل طور پر پیش کیا جانا ہی کافی ہے۔ اسی کتاب میں سے عقلی دلائل بھی پیش کئے جانے چاہئیں اور اگر بائبل اپنے پیش کردہ دعویٰ پر عقلی دلائل نہ دیتی ہو تو یہ اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ نہ کامل ہونے کی اور اگر بائبل کا پیش کردہ دعویٰ بغیر بیرونی دلائل کے ثابت نہ ہو سکے تو آپ بیرونی دلائل بھی پیش کر سکتے ہیں۔

(مفتی محمد صادق وجلال الدین شمس)

مسیحیوں کی طرف سے جواب

چونکہ ایک دن یونہی گذر گیا اور احمدی مناظر کسی طرح بھی گھر سے نہ نکلا تو باقی دو روز سے کافی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے اسی روز یعنی ۷/اکتوبر کی شام ہی کو جواب بھیج دیا گیا کہ

مکرم بندہ جناب مولوی مفتی محمد صادق صاحب تسلیم! جناب کا عنایت نامہ ہمارے تیسرے خط کے جواب میں پہنچا۔ جس کو آپ نے غلطی سے خط نمبر۲ سمجھا۔ یہ خط ہمیں ساڑھے پانچ بجے کے قریب ملا۔ جب کہ ہم نے جواب کے انتظار کے بعد تقریر شروع کر دی تھی۔ آپ کے اس خط کو پڑھ کر جس قدر مایوسی، رنج اور افسوس ہمیں ہوا ہمارے قلم میں طاقت نہیں کہ بیان کر سکیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس قدر دور دراز سفر طے کر کے حاضر ہوئے ہیں۔ تاکہ صرف آپ ہی سے مضامین مقررہ پر مناظرہ کریں۔ لیکن آپ کسی نہ کسی طریق سے حیلہ کر کے بچنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ہماری پیش کردہ وجوہات کا بالتفصیل جواب تو نہیں دیا۔ مگر صرف یک وجہ کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی غلط آپ کہتے ہیں کہ علماء اہل سنت والجماعت سے ہمیں اختلاف نہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کو مسیح سے افضل مانتے ہیں یا تو آپ نے غلط سمجھا ہے۔ یا تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ کیونکہ ہمارا منشاء عقائد کے اختلاف سے یہ ہے کہ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور نہ صرف نبی بلکہ مسیح اور مسیح سے افضل اس میں مسلمان آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نیز اس میں بھی کہ وہ محمد ﷺ کے بعد کسی قسم کے نبی کا مبعوث ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ سو ہماری یہ وجہ قائم ہے۔

۲...... مرزا قادیانی آپ کے خاص نبی ہیں اور محمد صاحب مشترکہ ہمارا روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ جس کا آپ بدیں الفاظ اقبال کرتے ہیں۔ آپ کو دوسروں سے کیا۔ مناظرہ ہم سے

ہے نہ کسی اور سے۔ پس ہم آپ کے مختص ہی پر پہلے گفتگو کریں گے۔

۳...... اگر مرزا قادیانی کی مسیحیت پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے تو ہو صرف مسیحیوں کو کیونکہ مسیحی صرف ہم ہی کہلاتے ہیں اور مرزا قادیانی نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پس ہمیں حق ہے کہ ہم اس مسیح کو آزمائیں اور دیکھیں کہ کیا یہ فی الحقیقت وہی ہے جس کے لئے ہم چشم براہ ہیں۔

۴...... مرزا قادیانی نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پس جس کے وہ مثیل بنتے ہیں اس سے ہی آپکا مقابلہ ضروری اور موزوں معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا نہ صرف ایک وجہ سے بلکہ کئی وجوہات کی بناء پر ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کی تحقیق کریں۔ لیکن ہمیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ آپ قادیانی مسیح کی نبوت ثابت کرنے سے کیوں شرماتے ہیں اور ہاں! ایک لطف کی بات یہ لکھی ہے کہ عیسائی بحث سے گریز کرتے ہیں۔ یہ آپ کی تمام باتوں سے عجیب ہے۔ بھلا بتائیے تو کہ گریز کہتے کسے ہیں؟ ہم تو آپ سے کہتے ہیں کہ ہمارے تمام مسائل میں جو آپ کی نظر میں کمزور ترین ہو۔ اس پر بحث کیجئے۔ لیکن آپ اپنے مخصوص یعنی نبوت مرزا کو پیش نہیں کرتے۔ پھر اس سے کس کی کمزوری نظر آتی ہے اور کون گریز کرتا ہے؟

ہاں! ہم محمد (ﷺ) پر اعتراضات سے پرہیز کرتے ہیں۔ تاکہ عام مسلمانوں کا دل نہ دکھے۔ نیز اس میں نقص امن کا اندیشہ ہے۔ یہ ہماری شرافت ہے نہ گریز۔ کیونکہ گریز تو دعویٰ سے ہوا کرتا ہے نہ کہ اعتراض کرنے سے۔ اس امر کو ملحوظ رکھئے کہ آپ دعویٰ سے گریز کرتے ہیں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایسے سلیم الطبع شخص وجوہات مذکورہ کی بناء پر اس بات کو قبول کریں گے کہ ہمیں درحقیقت مرزا قادیانی کی نبوت پر مناظرہ کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ رعایت جو آپ نے ہم سے کی کہ الوہیت مسیح کے مضمون کو بھی اڑا دیا۔ جس کے ہم مدعی ہیں ہمیں منظور نہیں۔ یہ دونوں مضمون نہایت اہم ضروری اور مسیحیت و احمدیت کے درمیان حد فاصل ہیں۔ ایک دن تو ضائع ہوگیا۔ خدارا اس خط کا جواب کل آٹھ بجے صبح سے پیشتر ضرور دیجئے۔ تاکہ ہمیں آپ سے مناظرہ کا ارمان دل میں ہی لے کر نہ جانا پڑے۔ سلطان محمد، مورخہ ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء

دوسرے روز کی کارروائی

صبح تک جواب نہ پاکر مفتی صاحب کو منقولہ ذیل یادداشت روانہ کی گئی۔ سیالکوٹ مورخہ ۸/اکتوبر ۱۹۲۴ء: ’’مکرم بندہ جناب مولوی مفتی محمد صادق صاحب۔ تسلیم! افسوس ہے کہ جناب نے ہمارے خط نمبر۴ کا بھی جواب عنایت نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی

صورت سے بھی مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چونکہ ہم کو ہر طرح سے جناب کی خاطر رکھنا منظور ہے۔ اس لئے آپ کو پھر دعوت دیتے ہیں کہ آپ بذات خود تشریف لاکر ہم سے بلاکسی شرط وقید کے ماقبل مضامین پر مباحثہ فرماویں اور ہم نبوت مرزا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر طرح سے آپ پر اتمام حجت ہو جائے۔'' (سلطان محمد مورخہ ۸/ستمبر ۱۹۲۴ء، بوقت صبح)

مفتی صاحب نے اپنی عادت ستمرہ کے موافق اس وقت جواب دیا۔ جب کہ ہم دوسرے روز صبح ۸ بجے لیکچر دینے کے لئے موقع پر جا پہنچے تھے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ مسیحیوں کے لیکچر بھی روک دیئے جائیں۔ مفتی صاحب کو خوب معلوم تھا کہ خلیفہ قادیان ولایت میں ہے اور وہ تمام جماعت میرے سپرد کر گیا ہے۔ اگر میں بحث کروں تو ضرور شکست کھاؤں گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ قادیانی جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور لوگ احمدیت کو ترک کر جائیں گے۔ پس آپ نے دوراندیشی سے کام لے کر یہ کیا۔ جیسا کہ خطوں سے ظاہر ہے کہ جواب پر اپنے ہمراہی مولوی جلال الدین شمس کے دستخط کر کے حسب ذیل جواب لیکچر کے موقع پر ہمارے پاس روانہ کیا اور خود پہلو بچا کر انجمن میں چھپے رہے۔ جواب سے بیچارے مفتی صاحب کی بے قراری وجہ فراری عیاں ہے۔

جناب مکرم پادری صاحب سلطان محمد صاحب تسلیم!

جناب کا رقعہ ملا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جناب مفتی محمد صادق صاحب کو ریورنڈ کمنگس نے چیلنج دیا تھا اور جناب مفتی محمد صادق صاحب قادیان سے نکلے ہی ہوں گے۔ اسی وقت سے ریورنڈ کمنگس کو بھاگ جانے کی فکر پڑ گئی اور آپ کے سیالکوٹ پہنچنے پر تو ان کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس جگہ جا چھپے۔ باوجودیکہ چیلنج دہندہ یہاں سے چلا گیا اور آپ پہنچ گئے تھے۔ اسی لئے آپ نے مناسب جانا کہ اچھا اگر وہ نہیں موجود ہیں تو دوسروں سے ہی مباحثہ کر لیا جائے۔ مگر اس دفعہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل قابل خطاب نہیں ہیں اور غیر مہذبانہ کلام کرنے کے عادی ہیں۔ اس لئے جناب مفتی ڈاکٹر محمد صادق صاحب آپ سے خطاب کرنا پسند نہیں فرماتے۔ بندہ ہی آپ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب سے مباحثہ یا کوئی گفتگو کرانا چاہتے ہیں تو ریورنڈ کمنگس کو بلائیں جنہوں نے پہلے چیلنج دیا تھا اور ان کو میدان میں لائیں۔ ہم نے آپ سے وجہ دریافت کی تھی کہ آپ فضیلت مسیح وآنحضرتﷺ پر بحث کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے لکھا تھا کہ چونکہ آپ کے عقائد واہل سنت والجماعت کے عقائد سے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم آپ سے اس مسئلہ پر مباحثہ کرنے کے

لئے تیار نہیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت سے کوئی شخص اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہے تو ہم تیار ہیں۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں کہ مسئلہ پیش کردہ کے متعلق ہمارا اور اہل سنت والجماعت کا کوئی اختلاف نہیں؟ اور جو اختلاف آپ نے پیش کیا ہے اس میں بھی اصولی طور پر ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ وہ بھی آنے والے مسیح کو نبی مانتے ہیں اور آنحضرتﷺ کی اتباع سے ہوکر آنے سے افضل ہیں اور نیز عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یسوع اپنی پہلی حالت سے دوسری دفعہ اچھی حالت میں آئے گا۔ اگر پہلی حالت میں یسوع صاحب نے یہودیوں سے دھکے کھائے، کانٹوں کا تاج پہنا، صلیب پر کھینچا گیا اور یہودیوں سے گالیاں کھائیں۔ لیکن دوبارہ جب آئے گا تو جلالی صورت میں آئے گا اور اس وقت اس کی یہ بے عزتی نہ کی جائے گی۔ مرزا قادیانی دعوے کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ کا دعویٰ مسیحیت ونبوت وغیرہ کا اسلام میں ہوکر ہے جو اسلام اور آنحضرتﷺ کا منکر ہے۔ اس کو پہلے آنحضرتﷺ اور اسلام کی صداقت کا منوانا ضروری ہے۔ مرزا قادیانی نے کوئی نیا مذہب نہیں پیش کیا۔ بلکہ اسلام کو ہی پیش کیا ہے۔ مرزا قادیانی نبی ہیں۔ مگر آنحضرتﷺ کے ظل اور بروز ہونے کی حالت میں۔ پس جو شخص اصل کا منکر ہے اس کے ساتھ ظل پر بحث کرنا فضول ہے۔ پہلے اصل کا منوانا ضروری ہے۔ پھر ظل کے متعلق بحث کی جاوے گی۔ اس لئے ہم نے لکھا تھا کہ جو جوگ اصل یعنی آنحضرتﷺ کو خدا کا رسول مانتے ہیں اور ہر وقت ہم سے اس مسئلہ پر مباحثہ کرنے کے لئے تیار رہ سکتے ہیں اور ہم بھی ہر وقت ان سے اس مسئلہ پر مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ بھی اس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو وہ اصل کو پہلے مان لیں۔ یعنی اس امر کا اقرار کریں اور مان لیں کہ آنحضرتﷺ خدا تعالیٰ کے رسول تھے اور قرآن مجید کلام اللہ ہے اور آپ کا دعویٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا تو پھر نبوت مسیح موعود علیہ السلام پر گفتگو کرنے کے آپ قابل ہوسکتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ مسیح کو ایک انسان مسیح اور ایک نبی ماننے والوں کا حق ہے کہ وہ مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کے متعلق بحث کریں۔ مگر وہ لوگ جو مسیح کو خدا سمجھتے ہیں اور آنحضرتﷺ کو نعوذ باللہ ڈاکو اور بٹمار اور شہوت پرست وغیرہ جانتے ہوں تو پہلے ان کو آنحضرتﷺ کی صداقت کا منوانا ضروری ہے۔ پھر آپ نے ایک وجہ اور کہی وہ یہ کہ آنحضرتﷺ پر ”اعتراضات کرنے سے ہم اس لئے پرہیز کرتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا دل نہ دکھے۔ نیز اس میں نقص امن کا اندیشہ ہے۔ پس یہ ہماری شرافت نہ گزیر۔“

مگر جناب یہ بتلادیں کہ نبوت مرزا قادیانی پر بحث کرنے سے نقص امن کا اندیشہ

نہیں؟ مرزا قادیانی پر اعتراضات کرنے سے ہمارا دل نہ دکھے گا؟ کیا وجہ ہے کہ آپ ایک فریق کا تو دل دکھانا چاہتے ہیں اور دوسروں کی اتنی خیر خواہی، مگر دل دکھانا مقصود ہو تو میرے خیال میں آپ کو قرآن کلام پر بھی بحث نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی آپ نے قرآن مجید پر اعتراضات کرنے ہیں اور وہ بھی آنحضرتﷺ پر ہی اعتراض ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ آپ نے خدا پر افتراء کیا۔ وغیرہ!

مگر یہ تو محض آپ کی ایک چال ہے اور مباحثہ سے گریز کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ پس وہ یہ شرافت نہیں ہوسکتی۔ جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں اور جو وجہ ہم نے فضیلت مسیح وآنحضرتﷺ پر بحث کرنے کی لکھی تھی اس دفعہ بھی آپ نے اس کو نہیں چھوڑا اور وہ ویسے کے ویسے ہی قائم ہے۔ ہم نے تو متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق لکھ دیا ہے کہ چاہے تو ان دونوں مسئلوں کو چھوڑ دو اور باقی چار مسائل پر جو فریقین تسلیم کرتے ہیں ان پر مباحثہ کرلو اگر آپ لکھتے ہیں: ''اور یہ رعایت جو آپ نے ہم سے کی ہے کہ الوہیت مسیح کو بھی اڑا دیا۔ جس کے ہم مدعی ہیں۔ ہمیں منظور نہیں یہ دونوں مضمون نہایت اہم ضروری اور مسیحیت اور احمدیت کے درمیان حد فاصل ہیں۔''

ہمارے نزدیک عیسائیت اور احمدیت کے درمیان پہلی بات جو حد فاصل ہے۔ وہ آنحضرتﷺ کی صداقت ہے۔ اگر آنحضرتﷺ صادق نہ ہوں تو مرزا قادیانی کا دعویٰ ہی کچھ نہیں۔ اس لئے پہلے اس پر بحث کرنا ضروری ہے۔ موت مسیح موعود پر بحث کرنا موجودہ حالت میں ہم آپ سے مناسب نہیں سمجھتے اور آپ فرماتے ہیں کہ: ''الوہیت مسیح میں چونکہ ہم مدعی ہیں۔ اس لئے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ بہت اچھا۔''

سو ہم آپ کی خاطر اس بات کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ آپ الوہیت مسیح کا مضمون بھی رکھ لیویں۔ پانچ مضامین پر مباحثہ کرلو۔ اگر اب بھی مباحثہ کے لئے تیار نہ ہوں گے تو تھوڑی سی عقل رکھنے والا بھی سمجھ لے گا کہ آپ مناظرہ سے صریح گریز کر رہے ہیں۔ خلاصۂ عرض ہے:

۱...... اگر مفتی صاحب سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں تو پادری کمنگس صاحب جنہوں نے چیلنج دیا تھا۔ سامنے آویں۔ ڈاکٹر مفتی صاحب ان سے مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہیں اور ڈاکٹر مفتی صاحب نے پادری کمنگس صاحب کو ہی تار دیا تھا کہ مجھے آپ کا چیلنج منظور ہے اور آپ دہلی کے کام کو چھوڑ کر اتنی دور سے تشریف لائے ہیں۔

۲...... نبوت مسیح موعود کی بناء چونکہ نبوت محمدیہ پر ہے۔ اس لئے آپ اوّل چھپا ہوا اعلان شائع کر دیں کہ ہم نبوت محمدیہ کے قائل ہیں۔ قرآن شریف کو خدا تعالیٰ کا سچا کلام مانتے ہیں اور جو

دلائل قرآن وحدیث سے دیئے جاویں گے۔ ان کو ہم تسلیم کر لیں گے۔ اس پر آپ سے راقم اسی مضمون پر بحث کرنے کے لئے حاضر ہوگا۔

۳...... اگر صرف مسیحین کا مقابلہ ضروری ہے تو اس مباحثہ سے فائدہ اٹھانے والے تو عیسائی اور احمدی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوگا کہ ہر ''مسیحین کے ماننے والے برابر تعداد میں جمع کر لئے جائیں۔ مثلاً دو سو عیسائی اور دو سو احمدی ہوں تو پھر میں آپ سے اس بحث پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دیگر مسلمانوں کو اس مباحثہ سے چنداں فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی آپ کو منظور نہیں تو پھر بھی ہم اپنی طرف سے آپ کو خالی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ لہٰذا آپ کے قدیمی دوست شیخ عبدالخالق صاحب ہماری طرف سے آپ کے ہر لیکچر پر حاضر ہو کر آپ کی تواضع کرتے رہیں گے۔ ان میں سے جو بات آپ کو منظور ہو اس کی منظوری سے اطلاع کر دیں کہ ہم اس کے مطابق تیار رہیں۔ اگر ان میں سے آپ نے کوئی بات بھی تسلیم نہ کی تو ظاہر ہے کہ آپ کی نیت سوائے مباحثہ گریز کرنے کے اور کچھ نہیں۔ جواب دس بجے صبح سے پیشتر آنا چاہئے۔''

ضروری نوٹ...... جواب لکھا جا چکا تھا کہ آپ کا رقعہ ملا۔ جس میں آپ نے لکھا ہے کہ ہاں ہم نبوت مرزا قادیانی کے مضمون کو چھوڑتے ہیں اور باقی مضامین پر مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جناب کا یہ چیلنج ہمیں منظور ہے۔ ہم آپ کے جلسہ میں مباحثہ کے لئے آ رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ حضرت مفتی ڈاکٹر محمد صادق صاحب آپ سے مناظرہ کریں۔ اگر ان سے ہی مباحثہ کرانا مقصود ہو تو کمنگس صاحب کو بلالیں۔ جلال الدین شمس مورخہ ۸/اکتوبر ۱۹۲۴ء

ہمارے صبح کے لیکچر ہوئے اور ہزارہا اہل اسلام کا مجمع موجود تھا۔ مگر احمدی مناظر حاضر نہ تھا۔ ہاں! شیخ عبدالخالق صاحب ان کی طرف سے ہمارے لیکچر میں حاضر ہو کر گالیاں دینے اور شور مچانے لگے اور اس قدر بدزبانی و درشت کلامی سے کام لیا کہ اہل اسلام ہی نے ان کو خاموش کرا دیا۔ اگر مقابل پر مسیحی نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ سخت فساد ہو جاتا۔ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ احمدی صاحبان نے ان کو صرف نقض امن کے لئے ہی بلوایا ہوا تھا۔ اس روز ایک عجیب لطیفہ پیش آیا۔ ایک شخص پادری سلطان محمد صاحب کے لیکچر پر اعتراض کرنے کو کھڑا ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ ہماری بحث مفتی صاحب سے ہے۔ لہٰذا ان کو بلاؤ اور جب تک وہ انکار نہ کریں ہم کسی دوسرے احمدی سے بحث نہیں کریں گے۔ اس نے کہا کہ میں محمدی ہوں۔ پادری صاحب نے پوچھا۔ آپ احمدی ہیں یا محمدی۔ اس نے کہا سب مسلمان احمدی ہوتے ہیں۔ پھر سب احمدیوں

نے یہی نعرہ لگایا۔اس پر پادری صاحب نے کہا کہ بہت اچھا۔میں ابھی آپ سے یہ فیصلہ کرلوں گا کہ آپ احمدی ہیں یا محمدی۔آپ یہ بتائیں کہ آپ مرزا قادیانی کو دعویٰ نبوت میں سچا جانتے ہیں یا جھوٹا۔تب وہ خاموش ہوگیا۔کیونکہ سوائے قادیانیوں کے کوئی مسلمان مرزا قادیانی کو نبی نہیں مان سکتا۔اس پر تمام مسلمانوں نے بیک آواز کہا کہ ہم بالکل احمدی نہیں ہیں۔ہم محمدی ہیں۔اس سے مرزائیوں کی غرض یہ تھی کہ مفتی صاحب کی بھی عزت بچ جائے اور مسیحیوں کے جلسہ میں فساد بھی پیدا کردیں۔مگر کسی نے ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

مفتی صاحب پر اتمام حجت

اتمام حجت کی خاطر پادری صاحب نے مجھے اختیار دیا کہ میں مفتی صاحب کو مندرجہ ذیل چیلنج دیدوں جو کہ ۸؍اکتوبر کی سہ پہر کو روانہ کردیا گیا۔

کھلا چیلنج

’’مکرم بندہ جناب مفتی محمد صادق صاحب، تسلیم! جناب پادری مولوی سلطان محمد صاحب نے مجھے اختیار دیا ہے کہ ان کے خط کے جواب میں بدتخطی مولوی شمس صاحب جو تحریر موصول ہوئی۔میں اس کے جواب میں آپ کو لکھ دوں کہ اس تحریر میں خصوصیت سے نہایت ہی غیرمہذبانہ اور خلاف قانون پادری صاحب کی ذات خاص پر ایسے حملے کئے گئے ہیں۔جن کو پادری صاحب محض مسیحی ہونے کی وجہ سے معاف کرتے ہیں۔مثلاً:

۱...... آپ بالکل قابل خطاب نہیں اور غیرمہذبانہ کلام کرنے کے عادی ہیں۔

۲...... بندہ ہی آپ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہے۔

۳...... شیخ عبدالخالق صاحب ہماری طرف سے آپ کے ہر لیکچر پر حاضر ہوکر آپ کی تواضع کریں گے۔

۴...... ریورنڈ آر.ڈبلیو کمنگس صاحب کو بھاگ جانے کی فکر پڑ گئی۔ان کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کسی جگہ جا چھپے۔

اس کے علاوہ آپ کے ہمراہیوں نے ہمارے جلسہ میں پہنچ کر ہمیں غیرمہذبانہ الفاظ سے خطاب کیا ہے اور جھوٹا اور ذلیل کہا ہے۔اس کے علاوہ اس تحریر میں تہذیب سے گرے ہوئے متعدد کلمات اور بھی ہیں۔مگر پادری صاحب کی کسی تحریر میں آپ کو کوئی ایسا جملہ نہیں دکھا سکتے جو پادری صاحبان متذکرہ بالا کی ذات خاص کے خلاف کئے گئے حملوں کا جواب ہوسکے۔باقی رہا آپ کا پادری صاحب موصوف سے مباحثہ نہ کرنا۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ

پادری صاحب زبان عربی کے زبردست اور مشہور فاضل ہیں۔ جس حقیقت کو احمدیہ اصحاب کے علاوہ لاہور کی پبلک دیکھ چکی ہے۔ اگر یہ حقیقت نہیں ہے تو آپ مقابلہ پر آ کر آزمالیں۔ لہٰذا پادری صاحب نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے آپ کو کھلا چیلنج دے دوں کہ آج شام کو ۴ بجے پادری صاحب سے جملہ تحاریر مضامین وشرائط سابقہ سے آزاد ہو کر مباحثہ کریں اور اس کی اطلاع اس وقت سے پہلے ضرور کریں۔ مزید برآں جس مضمون اور جس مقام پر اور جب کبھی آپ ان سے مباحثہ کرنا چاہیں گے وہ ضرور مقابلہ پر آئیں گے تاکہ کوئی بھی تحریر شرط یا مضمون آپ کو ان کے سامنے آنے سے نہ روکے۔ اگر اس پر بھی آپ مباحثہ کو نہ آئے تو پبلک جان لے گی کہ مباحثہ سے آپ گریز کر رہے ہیں۔ ہاں! یا نہیں سے ضرور جواب ۴ بجے تک بھیج دیں۔ یہ تحریری چیلنج اتمام حجت کی غرض سے ارسال خدمت ہے۔''

فقط: ۸/۱۱ کتوبر ۱۹۲۴ء، مرسلہ موسیٰ خان لاہور، حال وارد سیالکوٹ

(مفتی صاحب موصوف نے اس کھلے چیلنج کو پڑھ کر واپس کر دیا۔ اس کی نقل نور افشاں مورخہ ۱۰/۱۱ کتوبر ۱۹۲۴ء میں بھی شائع کر دی گئی)

اس چیلنج کی خبر پا کر جوق در جوق مسلمان ہمارے پاس آنے اور احمدیوں کی شکست کے گیت گانے لگے۔ مفتی صاحب کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ سارا دن تو انجمن نشین رہے۔ مگر جب رات کے ۸ بجے کا وقت ہوتا تو بیچارے انجمن ہی میں لیکچر دیا کرتے۔ دن کو باہر نکلنا صاحبان بصیرت وحوصلہ مند مسیحیوں کا کام تھا۔ آپ کی باری رات کو آتی۔ جب ہم دونوں وقت لیکچر دے کر واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے بیچاروں کو اتنی بھی ہمت نہ پڑتی کہ ہمیں اپنے لیکچروں پر اعتراض کرنے کی دعوت ہی دیں۔ احمدیوں کی بزدلی، مباحثہ سے انکار اور مقابلہ سے فرار کا ذکر ہر مسلمان کی زبان پر تھا۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے مسجد میں ان کی شکست کا تذکرہ کیا۔ ہر طرح مسلمانوں اور احمدیوں نے کوشش کی اور غیرت دلانا چاہی۔ مگر مفتی صاحب بالکل مباحثہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ایک بارسوخ مسلمان آپ کے ہاں گیا۔ اس کے سوال کے جواب میں مفتی جی نے فرمایا کہ ہم مرزا قادیانی کی نبوت پر ہرگز بحث نہیں کریں گے۔ خواہ دنیا کچھ ہی کہے۔ سائل نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ عیسائیوں کو یہ اجازت تو دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو گالیاں دیں۔ مگر مرزا قادیانی کی نسبت آپ کوئی کلمہ سننا گوارا نہیں کرتے۔ مفتی صاحب نے اس کے جواب میں سکوت اختیار کیا۔

رات کو ایک دوست نے آ کر خبر دی کہ احمدیوں نے اخبارات کو یہ خبر برائے

اشاعت بذریعہ تار روانہ کردی ہے کہ مسیحی بھاگ گئے ہیں۔ پس ہم نے اسی وقت کاتب کو بلا کر تمام نامہ و پیام کی کتابت شروع کرادی۔ مگر احمدی جماعت کو یہ گمان نہ تھا کہ حقیقت بے نقاب ہونے والی ہے۔

تیسرے روز کی کارروائی

آخری تاریخ یعنی ۹/اکتوبر کی صبح کو بھی کوئی جواب نہ آیا۔ جب ہمارے صبح کے لیکچر ہو رہے تھے تو احمدیوں نے حسب ذیل اشتہار تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ غالباً ساری رات کے غور وفکر کا یہ نتیجہ تھا۔

لیکچر

سیالکوٹ کے پادری کمنگس صاحب نے حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب کو مباحثہ کے واسطے چیلنج دیا تھا۔ اس چیلنج کو بذریعہ تار منظور کر کے حضرت مفتی صاحب تاریخ مقررہ پر یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ لیکن اب پادری کمنگس صاحب کا کہیں پتہ نہیں کہ کدھر چلے گئے ہیں اور دوسرے دیسی پادری صاحبان ان علماء کرام کے ساتھ بحث کرنے سے گریز انکار کرتے ہیں جو حضرت مفتی صاحب کے ساتھ اس غرض کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے قرار پایا ہے کہ حضرت مفتی صاحب اور دیگر علماء کرام کے لیکچر ہی کرا دیئے جاویں۔

پہلا لیکچر آج شام کو ۸ بجے میدان زیر قلعہ متصل احمدیہ لائبریری ہوگا۔ ان لیکچروں میں دنیا اسلام کی صداقت اور عیسائیت کی تردید بیان کی جاوے گی۔ ہر لیکچر کے بعد حاضرین کو سوال کرنے کا موقعہ دیا جاوے گا۔ لیکچر کے درمیان کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

سیکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ سیالکوٹ

تمام خط وکتاب باہمی پبلک کے روبرو

یہ اشتہار انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پبلک کو مغالطہ دہی کے لئے تقسیم کیا اور فوراً ایک نقل اخبار الفضل قادیان کو روانہ کر دی۔ الفضل نے اسے درج کر کے لکھا کہ: ’’الفضل کے گذشتہ سے پیوستہ پرچہ میں اطلاع دی گئی تھی کہ جناب مفتی محمد صادق صاحب سیالکوٹ کے عیسائیوں سے مباحثہ کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ اس مباحثہ کا اعلان کئی دن پہلے ہندو مسلمان اخبارات میں ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ عیسائیوں کے اخبار نورافشاں نے بھی اس کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جب جناب مفتی صاحب موصوف مقررہ تاریخ پر سیالکوٹ پہنچے تو پادری صاحب موصوف کو وہاں

نہ پایا۔ معلوم ہوا ہے کہ خدا کے فضل سے نہایت کامیابی کے ساتھ لیکچر ہو رہے ہیں۔ پادریوں کو خاص طور پر چیلنج دیا گیا تھا کہ لیکچروں میں آ کر اعتراض کریں۔ لیکن کوئی نہیں آیا۔“

(الفضل مورخہ ۱۴/۱۰/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

ادھر انجمن کا اشتہار منقولہ بالا نکلا۔ ادھر ۴ بجے شام کے لیکچروں کے موقع پر ہم نے تمام وکمال خط وکتابت از ابتدا تا انتہاء چھاپ کر شائع کردی۔ ہمارے اس اعلان سے مسلمانوں کے ہاتھوں احمدیوں کی جوگت بنی خدا دشمن کے بھی نصیب نہ کرے۔

اگر کچھ بھی احمدیت کی غیرت ہوتی تو مفتی صاحب آخری لمحہ پر ہی میدان مباحثہ میں آ جاتے۔ مگر وہ خوب جانتے تھے کہ اگر میں مسیحی شیر کے مقابل گیا تو شکست فاش ہوگی اور احمدی جماعت میں زلزلہ آ جائے گا اور مرید پھر جائیں گے۔ گھر گھر ہمارے اشتہار کا ایک ایک لفظ بڑے جوش اشتیاق سے پڑھا گیا۔ مگر احمدیوں کی رگ حمیت کا خون سرد ہی رہا۔ مباحثہ سے گریز کرنے سے مفتی صاحب کی عزت رہ گئی۔ ہم ان کی دور اندیشی کی داد دیتے ہیں۔

تواریخ مباحثہ کے بعد

جب پہلے ہی روز ۱۲ بجے تک معلوم ہوگیا تھا کہ مفتی صاحب ”نبوت مرزا“ پر کسی صورت سے بحث کرنے کو راضی نہیں تو ہمارے مناظرین کو صلاح دی گئی کہ وہ واپس جاسکتے ہیں۔ مگر مناظرین تجربہ کار تھے۔ انہوں نے کہا کہ احمدیوں پر اتمام حجت کی خاطر لازم ہے کہ مباحثہ کی جملہ تواریخ سیالکوٹ میں ہی گذاری جائیں۔ اس پر یہ بھی کیا کہ میدان مباحثہ میں جا کر دونوں وقت لیکچر دیئے گئے اور باوجود احمدیوں کی سرتوڑ کوششوں ومخالفت کے ہزارہا مسلمان ہر لیکچر پر حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ احمدیوں کی فتح کی حقیقت مندرجہ ذیل تحریر سے معلوم ہو جائے گی۔

سیالکوٹ کی مسیحی جماعت نے حضرت والا تبار مفتی محمد صادق صاحب کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ سب کی قبولیت کا اشتہار آپ نے متعدد اخبارات میں شائع کرادیا۔ چنانچہ نور افشاں میں بھی چھپا۔ مورخہ ۷ تا ۹/اکتوبر مناظرہ کی تاریخیں مقرر تھیں۔ ان تاریخوں پر جو کچھ ہوا اس کی مفصل کیفیت تو اخی محترم موسیٰ خان صاحب نذر ناظرین کر چکے ہیں۔

جناب مفتی صاحب قادیانیوں کے ایک مایہ ناز ومتبحر عالم تصور کئے جاتے ہیں۔ ان سے اس جماعت کو گہری عقیدت ہے۔ آپ ولایت میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے اور صرف اسی وجہ سے ان کی شخصیت زیادہ باوقار سمجھی جاتی ہے۔ انہیں ناز ہے کہ مغرب سے ہو آئے ہیں۔ لیکن ان کی عالمی قابلیت بہت زیادہ نہیں۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے فرمادیا کہ مفتی صاحب علوم عربیہ

سے محض نابلد ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عربی عبارت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مولوی نورالحسن صاحب امام وخطیب جامع مسجد سیالکوٹ اور مولوی محمد شاہ صاحب سیالکوٹی نے مفتی صاحب کی علوم دینی سے ناواقفیت کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور لکھا کہ یہ اسلام کے نمائندہ تصور نہ کئے جائیں۔ بلا سے احمدیت کے وکیل ہوا کریں۔ ہم بھی حیران تھے کہ حضرت سلامت کس برتے پر پادری عبدالحق ومولانا سلطان محمد پال صاحبان کے مقابلہ میں آسکیں گے۔ مگر جناب جب آئے نہایت تزک واحتشام سے آئے اور مردانہ وار آئے۔ ان عقیدت مندوں کی لام ڈور ہی ساتھ تھی جوان کے استقبال کے لئے وزیرآباد تک گئے ہوئے تھے۔ پھر آتے ہی انہوں نے اپنی ہی پیش کردہ شرائط مناظرہ میں ترمیم کی درخواست کی اور کہا کہ ہم نبوت مرزا پر بحث کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لگے مرزائیت سے شرمانے اور نبوت مرزا کے عقیدہ کو چھاپنے۔ مولانا سلطان محمد صاحب نے فرمایا۔ آپ مباحثہ کے لئے آئیں سہی۔ ہم آپ خاطر اور تمام حجت کے لئے نبوت مرزا کے مضمون کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر مفتی صاحب کو فکر ہوئی کہ جو وجہ فرار ڈھونڈی تھی وہ تو کارگر نہ ہوئی۔ اب آپ نے ایک نیا عذر تراشا کہ مجھے مسٹر کمنگس نے دعوت مناظرہ دی ہے۔ اسے بلائیے اور یہ غلط فہمی پھیلانی شروع کی کہ مسٹر موصوف کہیں جا چھپا ہے۔ سیالکوٹ کی پبلک تو اس حقیقت سے آشنا ہے کہ یہ محض ایک عذر لنگ ہے جو اخفائے حقیقت کے لئے مفتی صاحب نے بنایا۔ مگر نور افشاں کے ناظرین کے لئے ضروری ہے کہ حقیقت اور بھی بے نقاب کردی جائے۔

۱...... مسٹر کمنگس سیالکوٹ میں تبلیغی واشاعتی کام کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی حیثیت بجنسہ وہی ہے جو سیکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ کی ہے۔ دعوت مناظرہ میں اس امر کا نہایت وضاحت سے ذکر تھا کہ سیالکوٹ کی مسیحی جماعت نے مناظروں کا اہتمام کیا ہے اور چیلنج میں سے صراحتاً، دلالتاً یا اشارتاً غرض کسی طرح سے یہ استنباط ہوسکتا تھا کہ مسٹر کمنگس صاحب نے اپنے آپ کو مناظر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۲...... دعوت مناظرہ میں ایک اشتہار کے شائع ہونے کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اشتہار بعد میں شائع ہوا اور اس میں مناظرین کے نام بھی مشتہر کردیئے گئے۔ اس صورت میں تو مفتی صاحب کا عذر اور بھی لایعنی معلوم ہوتا ہے۔

۳...... سب کو معلوم ہے کہ مسٹر کمنگس نہ مناظر ہیں اور نہ زبان اردو سے کماحقہ واقف۔ پس ان سے مناظرے کی توقع رکھنی یا تو فراری ہے یا دفع الوقتی کی غرض ہے۔

۴...... مفتی صاحب نے مناظرے کی دعوت اپنے نام پر قبول کی۔ اخبارات میں اس کا

اعلان کیا۔ کمنگس صاحب کے نام تار اور ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ وہ بنفس نفیس سیالکوٹ میں مناظرے کے لئے آئیں گے۔ یہاں آ کر دوسروں کو پیش کرنا چاہا۔

۵...... مفتی صاحب بظاہر مناظرے کے لئے آمادہ ہوئے۔ باہم شرائط مناظرہ کا تصفیہ کرنے بھی بیٹھے۔ اوّلاً اس بات پر ہرگز اصرار نہیں کیا کہ مسٹر کمنگس کو مناظرے کے لئے پیش کیا جائے۔ بلکہ یہی کہتے رہے کہ نبوت مرزا پر بحث نہ ہونی چاہئے۔ مگر جب یہ شرط بھی مان لی گئی تو پھر مذکورہ عذر پیش کیا۔

۶...... گذشتہ سال بھی جماعت احمدیہ کو مسٹر کمنگس نے ہی مسیحی جماعت کی طرف سے چیلنج دیا تھا اور اسی حیثیت سے فریقین کے مناظرین نے آ کر تین دن تک متواتر مناظرہ کیا۔ احمدیوں نے شکست فاش کھائی اور اپنا سا منہ لے کر چلتے بنے۔ لیکن کسی مرد خدا نے یہ عذر نہ کیا کہ مسٹر کمنگس نے دعوت مناظرہ دی ہے۔ اسی کو بلایا جائے۔

امور متذکرہ بالا سے اظہر من الشّمس ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی عزت بحال رکھنے کے لئے یہ مناسب نہ سمجھا کہ قلعی کھلے۔ کیونکہ ان کی شان بس اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ چلمن میں چھپے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد اگر نہایت مختصر الفاظ میں عذر کے کلام کی شاندار خدمت کے اظہار کئے بغیر میں اس مضمون کو ختم کردوں تو یہ نہایت ناشکری ہوگی۔ سیالکوٹ کے مسلمانوں کی کامل ہمدردی عیسائیوں کے ساتھ تھی اور مرزائیوں پر لعنت کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ پادری عبدالحق صاحب نے بائبل کلام اللہ اور فضیلت مسیح پر جولا جواب اور معرکتہ الآرا تقریریں کیں۔ ان سے مسیحی اور غیرمسیحی دونوں متاثر ہوئے۔ پادری سلطان محمد صاحب نے مظہریت پر ایک نہایت پرزور اور عالمانہ تقریر کی۔ موافقین کیف روحانی میں مست تھے اور مخالفین دم بخود۔ سب کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی اور سیالکوٹ میں ان کی خداداد قابلیت، استدلال اور علمیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ خداوند اقدس نے اپنے جلال کا اتم اور اکمل طریق پر اظہار کیا اور اپنے حقیقی پرستاروں کو فتح مبین عطا فرما کر سرفراز کیا۔

خدا پادری عبدالحق صاحب کو عمر دراز اور صحت کامل عطاء فرمائے اور مولانا سلطان محمد کو جنہوں نے اپنی لاتعداد خوبیوں کے باعث مجھے اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ سلامت باکرامت رکھے۔ (خواجہ غلام احمد، نورافشاں مورخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۴ء)

ہمارے بعد کیا ہوا

اس کی کیفیت مندرجہ ذیل خط سے ظاہر ہے۔ جس رات میں آپ کو گاڑی پر سوار کرنے گیا۔ یعنی آپ کی روانگی کی رات اس رات عجب منظر دیکھنے میں آیا۔ سٹیشن سے لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قلعہ کے نیچے یہاں احمدی ہر شام لیکچر کیا کرتے تھے۔ بہت شور مچا ہوا ہے۔ اسی پلیٹ فارم پر ایک طرف مفتی صاحب لیکچر دے رہے ہیں اور دوسری طرف مولوی نورالحسن صاحب، مفتی صاحب عیسائیت کی تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ لے دے کے یہی ایک ان کا مضمون ہے اور مولوی نورالحسن مرزائیت پر تقریر کرتے ہیں۔

اس کی کیفیت ہے کہ سہ پہر کو احمدیوں نے مولوی محمد شاہ صاحب کو جن سے کہ رقعہ بازی ہو رہی تھی۔ ایک رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ہم کل صبح قادیان جانے والے ہیں۔ سو اگر آپ نے مناظرہ کرنا ہو تو آج شام آ کر کرلیں۔ بس کیا تھا مسلمانوں کا ایک جم غفیران کے ساتھ تھا اور وہ نوشہ کی طرف لیکچر گاہ کو جا رہے ہیں۔ جب وہاں پہنچے تو مفتی صاحب نے مناظرہ سے انکار کیا اور مولوی جلال الدین کو پیش کیا۔ محمد شاہ صاحب نے کہا۔ جناب مفتی صاحب آپ کیوں خوف کھاتے ہیں؟ میرے ساتھ آپ مباحثہ کریں۔ اس میں آپ کی کسر شان نہیں۔ اگر آپ نام کے مفتی ہیں تو میں فی الواقع مفتی ہوں اور مسلمانوں میں میرے فتوے چلتے ہیں۔ اگر آپ نے امریکہ سے چند ڈگریاں حاصل کرلی ہیں۔ جہاں داموں ڈگریاں ملتی ہیں تو میرے پاس بھی متعدد ڈگریاں ہیں اور علاوہ ازیں میں آل رسول سے تعلق رکھتا ہوں۔ سند ہوں۔ پس کیا بہ اعتبار علم اور کیا باعتبار شرافت۔ میں آپ سے کم نہیں۔ پھر آپ مجھ سے مباحثہ کیوں نہیں کرتے؟ اس کے بعد مولوی جلال الدین صاحب کے رقعوں میں جو عربی زبان میں لکھے ہوئے تھے۔ مولوی محمد شاہ صاحب نے نحوی غلطیاں نکالیں اور بتایا کہ یہ کس قابلیت کے انسان ہیں۔ یہ سب کچھ ہوا اور اس قدر شور مچا۔ گڑبڑ ہوئی کہ احمدیوں کا ایک گیس لیمپ بھی ٹوٹ گیا۔ لیکن احمدی مناظرے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر تالیاں بج رہی تھیں اور ایک بڑا طوفان بدتمیزی تھا۔ مولوی نورالحسن صاحب اور مولوی محمد شاہ صاحب نے پاس ہی اس پلیٹ فارم پر لیکچر کرنا شروع کر دیا اور ادھر مفتی صاحب شور مچانے لگے اور فرماتے کہ اناجیل محرف ومبدل ہیں۔ مولوی محمد شاہ کے گلے میں ہار ڈالے گئے اور آخر وہ مجمع سے واپس آیا۔ لیکن احمدی اس رات کوئی لیکچر نہ کر سکے۔ شہر میں لوگ ان قادیانیوں سے اس قدر بدگمان اور متنفر ہیں کہ خدا کی پناہ۔ (خواجہ غلام احمد مورخہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

قادیانی حکمت عملی

مندرجہ بالا خط وکتابت کا مطالعہ کر لینے کے بعد کسی بھی سلیم الطبع اور ایماندار انسان کو مفتی صاحب کے مباحثہ سے انکار اور فرار میں ذرا بھی شک نہیں رہ سکتا۔ وہ تمام خط وکتابت جس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ ہماری تحویل میں ہے۔ مگر باوجود اس کے بھی مفتی صاحب نے اپنی فتح کے تار بہت سے اخباروں کو سیالکوٹ ہی سے بھیج دیئے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالی جاسکے گی۔

چنانچہ پرتاپ لاہور مورخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۴ء لکھتا ہے کہ: ''سیالکوٹ مورخہ ۸/اکتوبر کا قادیان کے ڈاکٹر مفتی محمد صادق کا تار آیا ہے کہ پادری کمنگس کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے متنازعہ مذہبی معاملات پر بحث کرنے کے لئے چیلنج کے بموجب میں تاریخ مقررہ پر سیالکوٹ پہنچ گیا۔ لیکن مجھے یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہے کہ پادری صاحب کسی جگہ چلے گئے ہیں اور کوئی رقعہ بھی نہیں چھوڑ گئے۔ اب یہاں کے ہندوستانی عیسائی واعظ ان علماء سے مباحثہ سے انکار کرتے ہیں جو میرے ساتھ قادیان سے مباحثہ کرنے آئے ہیں۔''

بعینہ یہ تار مسلم آؤٹ لک لاہور کی ۱۰/اکتوبر کی اشاعت میں درج ہوا۔ مگر ہم نے بھی جھوٹے کو گھر تک پہنچانے کے لئے بربنائے خط وکتابت طرفین اخبارات میں درج کرایا کہ:

مفتی محمد صادق صاحب کا مباحثہ سے گریز

''مسیحی جماعت سیالکوٹ کی طرف سے مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انجمن احمدیہ قادیان کو مباحثہ کا چیلنج دیا گیا۔ جسے آپ نے منظور کر کے درج اخبارات کرادیا۔ مباحثہ کی تاریخیں ۷تا۹/اکتوبر ۱۹۲۴ء قرار پائیں۔ مگر موقعہ پر مفتی صاحب نے پادری سلطان محمد افغان اور پادری عبدالحق سے مطالبہ کیا کہ نبوت مرزائے قادیانی پر بحث نہ کی جائے۔ پادری صاحبان نے جب اس بحث کی وجوہات پیش کیں تو مفتی صاحب کو مرزا قادیانی کی نبوت کو الوہیت مسیح ناصری کے مطابق لانے کی جرأت نہ ہوئی اور کہا کہ الوہیت مسیح اور نبوت مرزا قادیانی دونوں مضامین کو چھوڑ دیا جائے۔ پادری صاحبان نے آخر یہ بھی تسلیم کر لیا کہ خوشی سے الوہیت مسیح پر بحث کریں۔ ہم آپ کی خاطر نبوت مرزا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس پر بھی مفتی صاحب مباحثہ سے گریز کرتے رہے۔ آخر تمام عذر وحیلوں کو دور کر دینے کی خاطر پادری صاحبان نے آپ کو کھلا چیلنج دیا کہ جس

مضمون پر چاہیں تمام شرائط وقیود سے آزاد ہوکر بحث کرلیں۔ لیکن مفتی صاحب بالکل مقابلہ پر آنے سے انکاری ہوگئے۔ یہ تمام کارروائی بذریعہ خط وکتاب انجام پائی۔ جس کی ایک نقل مورخہ ۹/اکتوبر کو چھاپ کر سیالکوٹ میں تقسیم کی گئی۔ اصل خط وکتابت مصدقہ طرفین ہماری تحویل میں ہے۔'' (موسیٰ خان لاہور پرتاپ اخبار مورخہ ۲۲/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

مرزا قادیانی اور ہم

مرزا قادیانی نے شہادت القرآن میں لکھا ہے کہ: ''یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہوگی تو ایسا مامور من اللہ بلاشبہ انہی کی دعوت کے لئے اور انہی کے فیصلہ کے لئے آئے گا۔ پس اسی مناسبت سے اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لئے بھیجے گئے تھے۔''

(شہادت القرآن ص۲۴، خزائن ج۶ ص۳۲۰)

پس ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی مسیحیوں کے لئے آئے۔ لہٰذا ہم احمدیوں سے سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ تمہارا کیا حق ہے؟ کہ ہمیں اس حق سے جو مرزا قادیانی دے چکے محروم کردو۔ جب وہ ہمارے سامنے ویسے ہی بن کر آنے کا دعویٰ کر چکے ہیں جیسے کہ حضرت عیسیٰ، تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بغیر امتحان کئے ان کو تسلیم کرلیں؟

سنئے جناب! ہمیں تو ہدایت مل چکی ہے کہ ''خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے۔ کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے اور بہت سے جھوٹے نبی اٹھیں گے جو بہتوں کو گمراہ کریں گے۔ تب اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو اسے نہ ماننا۔ کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے اور ایسے بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے کہ اگر ہوسکتا تو وہ برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔ دیکھو میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔'' (انجیل متی باب۲۴)

اگر مرزا قادیانی دعویٰ نہ کرتے تو ہم کو کیا پڑی تھی کہ ان کے دعویٰ مسیح موعود کی تحقیقات کرتے۔ اب بھی اگر ان کی کتب سے یہ دعاوی خارج کردیئے جائیں تو ہم ان کی نسبت اس قسم کا سوال کریں تو قصوروار ہوں گے۔ مگر احمدیت کی بے بسی اور احمدیوں کی بے کسی پر حیرت بھی آتی ہے اور ترس بھی کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ: ''میں عیسائیوں کے لئے آیا ہوں۔ اسلئے عیسیٰ میرا نام رکھا گیا

ہے۔'' مگر احمدی ہیں کہ جہاں ہم نے مرزا قادیانی کی نسبت ایک بھی سوال کردیا تو یہ حال ہے کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ کوئی ان غریبوں سے پوچھے تو کہ جب تم مسیحیوں کے سامنے مرزا قادیانی کو نہیں لاتے اور ان کو چھپانے کے لئے سارا زور خرچ کردیتے ہو تو مرزا قادیانی مسیح موعود کیسے ہوسکتے ہیں؟ کیونکہ وہ مسیح صرف اسی وجہ سے ہیں کہ وہ مسیحیوں کے لئے آئے۔ ورنہ دعویٰ باطل ہے۔ احمدیوں کی غیرت کا یہ حال ہے کہ وہ مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحائی کی شان کو بٹہ لگانا تو منظور کرتے ہیں مگر آپ کو ہمارے سامنے نہیں لاتے۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ احمدیت کا قلعہ کس ریت کے ٹیلے پر ہے۔ نادان مسلمانوں سے وہ شوق سے ہر روز کہتے پھریں کہ مرزا قادیانی اور ان کے اتباع کے سامنے کوئی پادری نہیں آتا۔ ہم سے واقفوں کی شکل دیکھ کر احمدی صاحبان مرزا قادیانی کا نام لینا بھول جاتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایک دفعہ کیا ہی سچی بات لکھی تھی کہ: ''حیرت ہے کہ یہ (مرزائی) لوگ کس طرح آستینیں چڑھا چڑھا کر مخالفین اسلام سے بحثیں کرنے جاتے ہیں۔ وہاں اسلام کے دلائل سے فتح پا کر احمدیت کی فتح مشہور کردیتے ہیں۔ مگر جب احمدیت پر حملہ ہوتا ہے تو ایسے خاموش ہوجاتے ہیں کہ **کالمغشی علیہ من الموت**'' (اخبار اہل حدیث مئی ۱۹۲۱ء)

یہی حال مفتی صاحب کا سیالکوٹ میں ہوا۔ جب تھوڑا ہی عرصہ پہلے آپ نے اسی شہر میں مسیحی دین پر حملے کئے تھے تو بہت فتح مندی محسوس کرتے تھے۔ مگر اب جو قادیانی مسیحیت کا ذکر آیا تو چھکے چھوٹ گئے اور ڈیڑھ درجن امریکہ کی بے حقیقت ڈگریوں کو لے کر ایسے گم ہوئے کہ ہم نے پھر ان کی شکل نہ دیکھی۔

مگر احمدیوں کا کیا حق ہے؟ کہ وہ ہمیں مرزا قادیانی کی نبوت پر بحث کرنے سے روکیں۔ ہم مرزا قادیانی کی دعوت کو پا کر آپ کے دعاوی کی پڑتال کرنے کے پورے طور پر مستحق ہیں۔ پس ہمیں جو کچھ آپ کی نسبت معلوم ہوا۔ اسے عوام الناس کی آگاہی کے لئے درج ذیل کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی کے حق میں ہم اپنی طرف سے ایک بھی بات نہ کہیں گے۔ بلکہ آپ ہی کی کتابوں سے لفظ بلفظ نقل کر کے حجت کاملہ قائم کریں گے تاکہ کسی احمدی کو شکوہ کی جا نہ رہے۔ بس اب غور سے سنئے کہ مرزا قادیانی اپنی زبانی کیا ہیں؟

۱...... مرزا کرشن: ''میں مسلمانوں کے لئے مسیح موعود ہوں اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔'' (لیکچر سیالکوٹ ص۳۳، خزائن ج۲۰ ص۲۲۸)

۲...... مرزا حسین سے بڑھ کر: ’’اے قوم شیعہ! اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے۔ کیونکہ میں سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے (یعنی مرزا قادیانی) کہ اس حسین سے بڑھ کر ہے۔‘‘ (دافع البلاء ص۱۳، خزائن ج۱۸ ص۲۳۳)

۳...... مرزا کی گریبان میں سو حسین:

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است درگریبانم

(درثمین فارسی ص۱۷۱)

۴...... مرزا محمد:

منم مسیح زمان ومنم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(درثمین فارسی ص۱۳۸)

۵...... مرزا مسیح: ’’مسیح موعود میں ہوں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۳۹، خزائن ج۳ ص۱۲۲)

۶...... مرزا نبی: ’’میں نبی ہوں۔ میرا انکار کرنے والا مستوجب سزا ہے۔‘‘ (توضیح المرام ص۱۸، خزائن ج۳ ص۶۰)

۷...... مرزا خدا کی اولاد: ’’انت منی بمنزلة اولادی اے مرزا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے اولاد۔‘‘ (دافع البلاء ص۶، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷)

۸...... مرزا خدا کا بیٹا: ’’انت منی بمنزلة ولدی اے مرزا تو ہمارے بیٹے کی جا بجا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۸۹)

۹...... مرزا ابن اللہ: ’’مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے۔ اس کو استعارہ کے طور پر ابنیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۷، خزائن ج۳ ص۶۴)

۱۰...... مرزا خدا کا اوتار: ’’انت منی بمنزلة بروزی اے مرزا تو ہمارا بروز یعنی ظہور ہے۔‘‘ (تجلیات الٰہیہ ص۱۳، خزائن ج۲۰ ص۴۰۴)

۱۱...... مرزا خدا سے: ’’انت منی وانا منک اے مرزا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۷۴، خزائن ج۲۲ ص۷۷)

۱۲...... مرزا خدا کے پانی سے: ’’انت من مائنا اے مرزا تو ہمارے پانی سے ہے۔‘‘ (مجدد وقت ص۸، انجام آتھم ص۵۵، خزائن ۱۱ ص۵۵)

۱۳...... مرزا خدا کی توحید وتفرید: ’’اخترتک لنفسی. الارض والسماء معک کما هو معی انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی‘‘

(اربعین نمبر۲ص۶، خزائن ج۱۷ص۳۵۳)

’’(خدا فرماتا ہے) اے مرزا میں نے تجھے نفس کے لئے پسند کیا۔ زمین اور آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسے میرے ساتھ تو میرے پاس بمنزلہ میری توحید وتفرید کے ہے۔‘‘

(البشریٰ حصہ اوّل ص۹۶، تذکرہ ص۶۶ طبع سوم)

۱۴...... مرزا خدا کا خلیفہ: ’’اے سردار تو خدا کا مرسل ہے راہ راست پر۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں اپنا خلیفہ مقرر کروں۔ سو میں نے آدم کو (مرزا کو) پیدا کیا وہ دین کو تازہ کرے گا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۰۷، خزائن ج۲۲ص۱۱۰)

۱۵...... مرزا خدا: ’’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بعینہ اللہ ہوں۔ میں نے یقین کرلیا کہ میں وہی ہوں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص......، خزائن ج۵ص۵۶۴)

۱۶...... مرزا خالق دوعالم: ’’اسی حال میں میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم کوئی نیا نظام دنیا کا بناویں۔ یعنی نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں۔ پس میں نے پہلے آسمان اور زمین اجمالی شکل میں بنائے۔ جن میں کوئی تفریق اور ترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے ان میں جدائی کر دی اور جو ترتیب درست تھی اس کے موافق ان کو مرتب کر دیا اور میں اس وقت اپنے آپ کو ایسا پاتا تھا گویا میں ایسا کرنے پر قدر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا بنایا اور میں نے کہا ’’انا زینا السماء الدنیا بمصابیح‘‘ پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی سے بناتے ہیں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴، ۵۶۵، خزائن ج۵ص ایضاً)

۱۷...... مرزا کے گاؤں میں خدا: ’’خدا قادیان میں نازل ہوگا۔‘‘

(البشریٰ حصہ اوّل ص۵۶، تذکرہ ص۴۳۷ طبع سوم)

۱۸...... مرزا کی طرف خدا آیا: ’’یحمدک الله من عرشه ویمشی الیک اے مرزا خداعرش پر تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف آتا ہے۔‘‘ (انجام آتھم ص۵۵، خزائن ج۱۱ص۵۵)

۱۹...... مرزا کی خاطر: ’’اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان کو پیدا نہ کرتا۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۹۹، خزائن ج۲۲ص۱۰۲)

۲۰...... مرزا سب سے اعلیٰ: ’’دنیا میں کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲)

۲۱...... مرزا مسیح سے بڑھ کر: ’’ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔‘‘

(دافع البلاء ص۲۰، خزائن ج۱۸ ص۲۴۰)

۲۲...... مرزا شفیع: ’’سچا شفیع میں ہوں۔‘‘ (ریویو ج۱ نمبر۲ ص۱۶)

’’جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے۔ میری روح اس کی شفاعت کرے گی۔‘‘

(ریویو ج۱ نمبر۶ ص۲۳۶)

۲۳...... مرزا کی تثلیث: ’’ہم دونوں کے روحانی قویٰ میں ایک خاص طور خاصیت رکھی گئی ہے جس کے سلسلے ایک نیچے کو اور ایک اوپر کو جاتے ہیں اور ان دونوں محبتوں کے کمال سے جو خالق ومخلوق میں پیدا ہو کر نر و مادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبت الٰہی کی چمکنے والی آگ سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام روح القدس ہے۔ اس کا نام پاک تثلیث ہے۔ اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن اللہ کے ہے۔‘‘ (توضیح المرام ص۲۱،۲۲، خزائن ج۳ ص۶۱،۶۲)

یعنی خدا کی محبت مرزا کی محبت۔ وہ اور ان کا بچہ روح القدس۔ (خان)

۲۴...... مرزا الوہیت محمد کے قائل: ’’اس جگہ خدا تعالیٰ کے آنے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ہے۔ درحقیقت آنجناب کا دنیا میں تشریف لانا خدا تعالیٰ کا ظہور فرمانا ہے۔

شان احمد را کہ داند جز خداوند کریم

آنچناں از خود جدا شد کرمیاں افتادمیم‘‘

(توضیح المرام ص۲۸ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۶۵)

۲۵...... مرزا کا قرآن: ’’قرآن زمین سے اٹھ گیا تھا۔ میں قرآن کو آسمان پر سے لایا ہوں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۷۲۷ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۴۹۲)

۲۶...... مرزا کا منکر دوزخی: ’’میں نبی ہوں۔ میرا انکار کرنے والا مستوجب سزا ہے۔‘‘

(توضیح المرام ص۱۸، خزائن ج۳ ص۶۰)

خدا فرماتا ہے: اے مرزا ’’تیری پیروی نہ کرنے والا جہنمی ہے۔‘‘

(اشتہار معیار الاخیار، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۵)

۲۷…… مرزا کی لعنت: ’’لعنة الله علی من تخلف منی و ابی ہر اس شخص پر لعنت ہے جو مجھ کو نہ مانے یا میرا اخلاف کرے۔‘‘ (اعلان الحق ص۳)

۲۸…… مرزا کو حیض اور حمل: خدا فرماتا ہے کہ اے مرزا ’’بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔ مگر وہ حیض نہیں بچہ ہوگیا ہے جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۴۳، خزائن ج۲۲ ص۵۸۱)

۲۹…… مرزا کے لئے قرآنی بشارت: ’’مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد‘‘ کا مصداق میں ہوں۔ (ازالہ اوہام ص۶۷۳، خزائن ج۳ ص۴۶۳)

۳۰…… مسیح کے معجزات مسمریزم تھے: ’’یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۳۰۳، ۳۲۲، خزائن ج۳ ص۲۵۴ تا ۲۶۳ ملخص)

پس سب سے آخر میں ہم ہر ایک مسیحی سے بتاکید اکید گذارش کرتے ہیں کہ اگر احمدی اصحاب خداوند یسوع مسیح اور مقدسہ مریم کی شان میں دشنام دہی اور گستاخی سے کام لیتے ہیں تو پروانہ کرو۔ کیونکہ ان کی عادت ہے۔ ہاں! اگر وہ تم میں سے کسی کو احمدیت کی شان دکھلانے یا بحث کرنے کے لئے تیار ہوں تو سوائے مرزا قادیانی کی نبوت کے ہرگز ہرگز کسی دوسرے بحث پر بحث وکلام نہ کرو۔ احمدی جماعت محض ایک لڑاکی اور بزرگان مذاہب غیر اسلام کی شان میں گند بیانی کرنے والی سوسائٹی ہے اور اس کی حالت یہاں تک قابل نفرت ہے کہ خود مرزا قادیانی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شہادت القرآن میں صاف لکھ دیا ہے کہ:

’’مولوی نورالدین نے بار بار مجھ سے شکایت کی ہے کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور الٰہی محبت باہم پیدا نہیں کی۔ میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہوکر اور اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبۃ نصوح کر کے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے اور مارے تکبر کے سیدھے منہ سے اسلام علیک نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آئیں اور میں انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات گالیوں تک

نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں۔ اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں ہیں۔ بلکہ دوسو سے زیادہ ہیں...... میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے۔کون سی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے۔‘‘

(شہادت القرآن ص۲، خزائن ج۶ ص۳۹۵)

جب احمدیت پر گفتگو کرنے کا نام ہی لیا جائے گا تو احمدی فرار اختیار کر جائیں گے۔ چونکہ مسلمان ان کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ان کا ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ اور مسیح، قرآن وانجیل یا توحید وتثلیث پر ہم سے بحث کریں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر مرزا قادیانی کو ہم مان لیں تو ضرور ہے کہ مرزا قادیانی کی تعلیم کو بھی تسلیم کر لیں۔ مگر یہاں تو مرزا قادیانی ہی کی شخصیت، حقیقت ایک راز سربستہ ہے۔ لہٰذا اس کا فیصلہ سب سے پہلے ہونا چاہئے۔

خبردار کوئی مسیحی احمدیوں سے مسائل عامہ اسلام پر ہرگز بحث نہ کرے۔ انشاء اللہ! ہم بہت جلد حقیقت مرزا کی مکمل تصویر تیار کر کے مسیحی منادوں اور کارندوں کے ہاتھ میں پہنچائیں گے۔ تاکہ مسلمان کہلا کر مسیحیوں اور مسلمانوں کے انبیاء کو گالیاں دینے والی قادیانی جماعت کی اندرونی تصویر صاف صاف نظر آجائے اور ناواقف لوگ ان کے دام تزویر سے محفوظ ومصئون رہیں۔

ہمارا فخر

’’خدا نے دنیا کے بیوقوفوں کو چن لیا تاکہ حکیموں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمزوروں کو چن لیا تاکہ زورآوروں کو شرمندہ کرے اور دنیا کے کمینوں وحقیروں کو اور ان کو جو شمار میں نہیں آتے خدا نے چن لیا تاکہ انہیں جو شمار میں ہیں ناچیز کر ڈالے کہ کوئی بشر اس کے آگے گھمنڈ نہ کر سکے۔ لیکن تم یسوع مسیح میں ہو کے اس کے ہو کہ وہ ہمارے لئے خدا کی طرف سے حکمت اور راستبازی اور پاکیزگی اور خلاصی ہے۔ تاکہ جیسا کہ لکھا ہے کہ جو فخر کرے سو خداوند پر کرے۔‘‘ (کرنتھیوں:۱:۲۷تا۳۱)

☆ ...... ☆ ...... ☆

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مرزا غلام احمد قادیانی کے خطوط

عرف

جیبی پستول

جناب ایف. ای جیمس صاحب

عرض حال

میں اپنی زندگی کا یہ بھی ایک مقصد سمجھتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام باطل دعاوی کو اس کی اپنی ہی مختلف تحریروں سے تردید کرتا رہوں۔ ہر ایماندار کا فرض ہے کہ وہ ہر کاذب نبی کی تکذیب کا موجب بنے۔ تاکہ آئندہ کسی کاذب کو نبی بننے کی جرأت نہ ہو۔ میرا ایمان ہے کہ مرزا قادیانی بھی ایسے کاذب نبیوں کی جماعت کا ایک ممبر ہے۔ جس کے لئے ہر ایماندار کا فرض ہے کہ وہ اس کا مکذب اور مکفر بنے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں فی الحال مرزا قادیانی کے چند خطوط ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جو مرزائیوں کے مقابل ''جیبی پستول'' کا کام دیں گے۔ اسی لئے میں نے اس کتاب کا نام بھی ''جیبی پستول'' ہی رکھا ہے۔ اس پستول کی ایک ایک گولی احمدیہ پاکٹ ڈائری کے ایک ایک حرف پر خط تنسیخ کھینچی ہوئی اس کے مصنف کے دل میں گھس جائے گی۔ جہاں اسے اس جھوٹے مسیح موعود کی تمام جھوٹی تعلیم کو نکال کر باہر پھینک دے گی اور دیگر بندگان خدا بھی اس جھوٹے مسیح سے آگاہ ہو کر اس سے دور رہیں گے۔ سب بندگان خدا جو استیصال مرزائیت میں مشغول ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر ''الحکم'' کے لئے خدا سے دعا کریں۔ کیونکہ یہ خطوط ان کی کتاب مکتوبات احمدیہ سے ہی اخذ کئے گئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ! استیصال مرزائیت کی مہم میں یہ بہت کام دیں گے۔

ایف.ای جیمس

مرزا قادیانی کی مختصر سوانح عمری

مرزا غلام احمد قادیانی ابتداء میں سیالکوٹ کی تحصیل میں پندرہ روپے ماہوار پر محرر کے طور پر ملازم تھے۔ اسی سلسلہ میں قانونی کتابیں پڑھ کر مختاری کے امتحان میں شریک ہوئے۔ لیکن بدقسمتی سے آپ فیل ہوگئے۔ چنانچہ ایک مسلمان شاعر یوں فرماتے ہیں ؎

تحصیل میں جس وقت کہ مرزا تھا محرر ... دس بیس لیا کرتا تھا تنخواہ بیچارا
ہر پھر کے ہوا اس طرح مرزا بھی جو مایوس ... مختاری نے پھر دل کی امنگوں کو ابھارا
مختاری کے پڑھنے کا شب و روز رہا شغل ... اس شوق میں ہر ایک مصیبت تھی گوارا
لیکن وہی بدقسمتی یاں بن گئی ہمدم ... نکلا جو نتیجہ تو ہوا فیل بیچارا

تب مرزا قادیانی کی طبیعت نے جو بے حد جدت پسند واقع ہوئی تھی پلٹا کھایا اور آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثانہ ومناظرانہ اشتہار بازی پر اتر آئی۔ جب آپ کو کسی قدر

شہرت نصیب ہوئی تو ’’براہین احمدیہ‘‘ کی تصنیف کا اشتہاری اعلان شائع کیا اور مسلمانوں سے امداد واعانت کا خواستگار ہوا اور اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ظاہر کی کہ: ’’باعث تصنیف اس کتاب کے پنڈت دیانند صاحب اور ان کے اتباع ہیں جو اپنی امت کو آریہ سماج کے نام سے مشہور کر رہے ہیں اور بجز اپنے وید کے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) اور حضرت محمد (ﷺ) کی تکذیب کرتے ہیں۔‘‘ (تاریخ مرزا مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب ص۸)

غرضیکہ جب تک مرزاقادیانی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں آپ کی خوب آؤ بھگت ہوتی رہی اور کسی نے آپ سے تعرض نہیں کیا۔ بلکہ جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ نے براہین احمدیہ پر ایک ناعاقبت اندیشانہ ریویو لکھ کر ان کی شہرت کو اور چار چاند لگادیئے اور مرزاقادیانی پر چاروں طرف سے روپیوں کی بارش ہونے لگی۔ لیکن افسوس کہ طمع زر اور جلب منافع اور شہرت طلبی نے مرزاقادیانی کو ایک ہی نقط پر جمنے نہیں دیا اور منازل ارتقاء کی تمام سیڑھیوں کو نہایت سرعت کے ساتھ اور بہ یک جنبش طے کیا۔

چنانچہ اوّل مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ (خطبہ الہامیہ ص۱۸، خزائن ج۱۶ ص۵۱)

پھر محدث ہونے کے مدعی ہوئے۔ (توضیح المرام ص۱۹، خزائن ج۳ ص۶۰)

پھر امام الزمان بنے۔ (حقیقت الوحی ص۹۷، خزائن ج۲۲ ص۸۲، ضرورۃ الامام ص۲۴)

پھر خلیفہ الٰہی اور خدا کے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ ص۲۱۰)

غرضیکہ یہ تدریجی ترقیاں اسی طرح جاری رہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور الوہیت کے درجہ پر جاکر دم لیا۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہو اور ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور جس کے پیراؤں کا یہ عقیدہ ہو کہ مرزاقادیانی کے بغیر نجات نہیں اور اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر ایک شخص کا حق ہے کہ وہ ایسے شخص کے اقوال وافعال حرکات اور سکنات کو جانچ کر دیکھے کہ آیا وہ اپنے دعاوی میں صادق ہے یا کاذب۔ چنانچہ مسلمانوں نے بالتخصیص اس قانون کے ماتحت مرزاقادیانی کے اقوال وافعال پر اعتراضات کئے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ مرزاقادیانی بھی ایسے شخص نہ تھے جو چپ سادھ لیتے۔ آپ نے مسلمانوں کے ہر ایک اعتراض کا جواب اس طرح پر دیا کہ مسلمانوں کے ہر ایک اعتراض کو قرآن شریف اور

آنحضرت ﷺ پر چسپاں کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے مخالف حضرت اقدس مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے خلاف کوئی ایسا اعتراض پیش نہیں کر سکتے جوان کے مسلمہ راست بازوں پر نہ پڑتا ہو۔ (ریویوج ۲۸ ص ۱۲، ۴۴۱، بابت ستمبر ۱۹۲۹ء)

ضروری گذارش

معزز ناظرین! میری ضروری گذارش یہ ہے کہ اس کتاب کی جمع اور تالیف کا اصل محرک احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور کا ٹریکٹ نمبر ۶ ہے۔ جس کو مسٹر عبدالرحمٰن خادم گجراتی نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ مسٹر موصوف کا مناظرہ پچھلے سال میرے ساتھ لاہور میں مرزا قادیانی کی پیش گوئی دربارہ محمدی بیگم ہو چکا ہے۔ جس میں اس نے اس قدر معذوری اور بزدلی دکھائی کہ انبیائے سلف کو گالیاں دیتے ہوئے رات کے بارہ بجا دیئے۔ مگر اپنے آقا کی اس پیش گوئی کو بالکل ثابت نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی جھوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ سچی کیسے ثابت کرتا۔ لیکن اپنے نبی کی طرح کبھی کسی نبی کی پیش گوئی بیان کرنے لگتا۔ کبھی کسی کی جب کوئی صاحب ازراہ انصاف یہ کہہ دیتے کہ مولانا اس پادری صاحب کے اصلی اعتراض کے جواب سے کیوں گریز کرتے ہو تو فوراً ان کے گلے پڑ جاتا۔ یہاں تک کہ سامعین نے جن کی تعداد دوصد سے کم نہ تھی یہ کہا کہ بھائی صاحب اگر آپ اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکتے تو ہم پادری جیمس صاحب سے کہتے ہیں کہ وہ دوسرا اعتراض پیش کر دیں جو اس سے ہلکا ہو۔ آخر مسٹر موصوف کھسیانہ ہو کر وہاں سے بھاگا اور اس نے آج تک نہ مجھ کو اور نہ دوسرے صاحبان کو تسلی بخش جواب سے آگاہ کیا۔ اس شکست فاش نے اس کے حوصلہ کو ایسا پست کر دیا کہ وہ بیچارہ شاید اسی پیش گوئی کے متعلق مطالعہ میں ایسا غرق ہوا کہ وہ اپنے ایم۔اے کے امتحان کی تیاری کو بھی بھول گیا اور جب امتحان کے بعد نتیجہ نکلا تو ہوا فیل بیچارا۔ جیسے مرزا قادیانی مختاری کے امتحان سے فیل ہونے کے بعد بڑے جوش وخروش سے میدان مناظرہ کی اشتہار بازی پر اتر آئے۔ اسی طرح ان کا یہ خیر خواہ پیرو بھی اب مناظرانہ اشتہار بازی پر اترا ہے اور عیسائیوں کو چیلنج دیتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی صحیح نبوت کا ثبوت بائبل بھی دیتی ہے۔ خوب! مولانا ظفر علی خاں صاحب کی ایک ہی تقریر نے جو مبارک مسجد متصل اسلامیہ کالج لاہور میں ہوئی۔ قادیانی کیمپ میں کھلبلی مچا دی اور بجائے اس کے کہ قادیانی بھی تقریر کرتے اور مولانا صاحب کی تقریر کا جواب دیتے۔ بالکل دوسرا راستہ اختیار کر لیا۔ دوسرا راستہ کے اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس جانے سے تو ڈرے (حالانکہ میں جانتا ہوں کہ کبھی کسی

مسلمان نے کسی مرزائی کو ایک تھپڑ تک بھی رسید نہیں کیا) اور ان کا تو پیچھا چھوڑ دیا۔ لیکن عیسائی لوگوں کو خفتہ سمجھ کر ایسے ٹریکٹ بانٹنے شروع کر دیئے کہ کوئی عیسائی اس کا جواب تو دے گا نہیں۔ بس ہم فتح کے شادیانے بجائیں گے اور ہمارے خلیفہ صاحب بھی ہماری اس فتح مندی سے خوش ہوں گے۔ لیکن عبدالرحمٰن بھول گیا کہ وہی عیسائی مبلغ جیمس یہاں لاہور میں موجود ہے جس کے ہاتھ سے گذشتہ سال ایم۔اے کے امتحان سے فیل ہونے سے پہلے شکست کھا چکا ہوں۔ کہیں وہ جواب کے لئے کھڑا ہو گیا تو مجھے لاہور چھوڑ کر گجرات ہی جانا پڑے گا۔ پہلی شکست نے تو ایم.اے سے فیل کرایا۔ لیکن یہ دوسری شکست انشائے اللہ مرزائیت سے ہی فیل کرادے گی۔ (بشرطیکہ نور ہدایت مدنظر ہو) خیر بہرحال میں ناظرین کی چشم خراشی کے لئے معافی کا طلب گار رہوں اور اپنے اصلی مقصد پر آتا ہوں۔ یعنی اس پمفلٹ کے مضمون کے جواب کے لئے قلم کو جنبش دیتا ہوں اور خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ جیسے جیسے میرا قلم اس مرزائی کے دلائل کی تردید کے لئے جنبش کرے ویسے ویسے مرزائیوں کی لوح قلب پر سے قادیانی ایمان حرف غلط کی طرح مٹتا جائے اور صحیح ایمان اپنی پوری آب وتاب سے ان کے لوح قلب پر کندہ ہوتا جائے۔ اس پمفلٹ پر گیارہ دلائل لکھے ہوئے ہیں۔ جن سے مرزا قادیانی کی نبوت ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی گئی ہے۔ میں اس کتاب میں دسویں اور گیارھویں دلیل کا جواب درج کرتا ہوں۔ جو حسب ذیل ہے۔

دسویں دلیل

’’تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے وہ واقع اور پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کریم نے نہیں کہی۔‘‘ (کتاب استثناء:۱۸:۲۲)

کلام مرزائی

حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی ہزاروں پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ جن میں سے لیکھرام، عبداللہ آتھم، ڈوئی اور جنگ یورپ کے متعلق پیش گوئیاں سب سے نمایاں ہوئیں۔

پڑھیے: مرزائی نے لکھا اور خوب ہی لکھا۔ کیا میں نے اسی کتاب میں نہیں لکھا کہ اس مرزائی نے پچھلے سال مجھ سے محمدی بیگم والی پیش گوئی پر بحث کی تھی اور میں نے اسے شکست فاش دی۔ دیکھا نا! اس نے محمدی بیگم والی پیش گوئی کا بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر محمدی بیگم والی پیش گوئی کا نام بھی جیمس نے پڑھ لیا تو میری خیر نہیں خیر اب بھی کوئی ہرج نہیں۔ محمدی بیگم والی پیش گوئی میں تو اس نے شکست کھائی ہی تھی۔ اب میں ایک اور پیش گوئی پر جو اہی

ناموں میں سے ایک کے متعلق ہے۔ اس جگہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ تمام کا ذکر اس چھوٹی سی کتاب میں بہت ہی مشکل ہے۔ مرزائی نے عبداللہ آتھم مسیحی والی پیش گوئی پوری شدہ ظاہر کی ہے۔ حالانکہ جیسی شکست فاش مرزا کو عبداللہ آتھم صاحب کے ہاتھوں نصیب ہوئی دوسروں کے ہاتھ سے اس سے کم ہی ہوئی ہوگی۔ ملاحظہ ہو (جنگ مقدس ص۱۸۳، خزائن ج۶ ص۲۹۱)

پیش گوئی کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔ ''آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوائے کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں میں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیش گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔''

معزز ناظرین! مرزا قادیانی کا الہام شریف میں نے لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے ان پر غور کیجئے۔ مرزا قادیانی کے الہام کا لب لباب یہ ہے کہ اگر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب عیسائی رہے تو اس پندرہ ماہ کے عرصہ کے اندر اندر مر جائیں گے اور اگر وہ عیسائی رہ کر بھی زندہ رہیں تو میں جھوٹا اور میرا الہام جھوٹا۔ لیکن اگر ڈپٹی آتھم صاحب مرزائی خدا کو ماننے لگ جائیں گے تو وہ بچ جائیں گے۔ یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ عبداللہ آتھم صاحب پندرہ ماہ تک زندہ رہے۔ جن کے زندہ رہنے کی خوشی عیسائیوں سے بڑھ کر مسلمانوں نے منائی۔ کیونکہ ان پر ظاہر ہوگیا کہ جس مرزا کو ہم جھوٹا کہتے تھے۔ اسے ایک عیسائی مناظر نے جان کی بازی جیت کر پورا جھوٹا ثابت کر دیا۔ اب جیسا کہ امرتسر کے بازاروں میں عبداللہ آتھم صاحب ہاتھی پر سوار کر کے شہر میں گھمائے گئے۔ جس کی خبر پنجاب کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ جب مرزا قادیانی کے مریدوں نے یہ سنا کہ ہمارے گورو کی سچائی اور جھوٹ کو ثابت کرنے والی پیش گوئی کو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۱۵ ماہ تک زندہ رہ کر جھوٹا ثابت کر دیا ہے تو مایوس شدہ مریدوں نے بھی مرزا قادیانی کو چھٹیاں لکھنی شروع کر دیں۔ تب مرزا قادیانی نے جن کی طبیعت جدت پسند وارد ہوئی تھی۔ پلٹا کھایا اور اشتہار

بازی شروع کر دی کہ آتھم صاحب اگر قسم کھا جائے کہ اس نے دل میں رجوع نہیں کیا تھا تو میں بغیر کسی شرط کے پیش گوئی کرتا ہوں کہ وہ ایک سال کے اندر اندر ضرور مر جائے گا۔

ہاں صاحب! درست ہے۔ اس موقعہ پر مجھ کو ایک بات یاد آئی ہے کہ ہم عمر لڑکے جب غلیل بازی کرتے ہیں اور کسی کو الّو بلانا منظور ہو تو کہتے ہیں حضرت کبوتر نے چوٹ تو کھائی ہے مگر گریگا جا کر دس میل پر۔ سو ایسی ہی مثال مرزا قادیانی کی .... کہ اگر بڈھے عبداللہ آتھم صاحب پندرہ ماہ تک بچ گئے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر ایک سال تک تو ضرور مرے گا۔ بڈھا آدمی ہے تب ہی میری پیش گوئی پوری ہو جائے گی۔ سچ ہے خدا کبھی کاذب کا ساتھ نہیں دیتا۔ مرزا قادیانی کاذب تھا۔ جھوٹا نکلا اور استثناء کی کتاب کے مندرجہ بالا حوالہ کے مطابق مرزا قادیانی جھوٹا نبی تھا۔ ہم سب ان کو جھوٹا نبی مانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی پیش گوئی بالکل جھوٹی نکلی۔

گیارھویں دلیل

یسوع نے جھوٹے اور سچے نبی میں مابہ امتیاز یہ بتلایا ہے۔ ’’درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔‘‘ (متی باب:۷:۱۵تا۲۰، لوقا باب:۶:۴۴،۴۵)

قول مرزائی

حضرت مسیح موعود کی جماعت کی عملی حالت دیکھو۔ پس حضرت مسیح موعود (مرزا قادیان) کی صداقت از روئے انجیل ثابت ہے...... پس حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی مقدس اولاد اور پاک جماعت دنیا میں موجود ہے۔ جن کی قابل تقلید زندگیاں خود مدعیاں اخلاق کے لئے بطور مثال کے پیش کی جاسکتی ہیں۔

یہ مرزائی مندرجہ بالا حوالہ کو اپنے پمفلٹ پر نوٹ کر کے فوراً نتیجہ نکال دیتا ہے کہ انجیل کی رو سے مرزا قادیانی گویا سچا نبی ہے۔ جس پر وہ حاشیہ آرائی یوں کرتا ہے کہ مرزا قادیانی کی مقدس اولاد اور پاک جماعت کی قابل تقلید زندگیاں خود مدعیان اخلاق کے لئے بطور مثال کے پیش کی جاسکتی ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کی مقدس اولاد اور پاک جماعت کی قابل تقلید زندگیوں کو تو بالائے طاق رکھئے۔ پہلے مرزا قادیانی کی زندگی کا مطالعہ ان کی اپنی ہی تحریروں سے کرنا لازمی ہے کہ آیا ان کی زندگی بھی قابل تقلید ہے اور مدعیان اخلاق کے لئے نمونہ کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اگر ان کی زندگی قابل تقلید نہیں تو کیوں عبدالرحمٰن ان کی اولاد اور جماعت کی زندگیوں کا تذکرہ کرے۔ اگر گورو ہی جھوٹا ثابت ہو جائے اور اس کی اپنی زندگی اس کی

اپنی ہی تحریروں سے گھناؤنی ثابت ہوجائے تو ہم بآواز بلند کہیں گے۔ دیکھو یہ ہے جھوٹا نبی اور جھوٹا مسیح موعود جس کی جھوٹی نبوت کو عبدالرحمٰن سچا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ لیجئے! ان کی اپنی تحریریں ہی ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

مرزاغلام احمد قادیانی نامرد تھا ...... ماخوذ از مکتوبات احمدیہ

خط نمبر:۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت اخویم مخدوم ومکرم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

عنایت نامہ پہنچا اور کئی بار میں نے اس کو غور سے پڑھا۔ جب میں آپ کی ان تکلیفوں کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ان کریمانہ قدرتوں کو جن کو میں نے بذات خود آزمایا ہے اور جو میرے پر وارد ہوچکے ہیں تو مجھے بالکل اضطراب نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خداوند کریم قادر مطلق ہے اور بڑے بڑے مصائب اور شدائد سے مخلصی بخشتا ہے اور جس کی معرفت زیادہ کرنا چاہتا ہے۔ ضرور اس پر مصائب نازل کرتا ہے تا اسے معلوم ہوجائے۔ کیونکہ وہ نومیدی سے امید پیدا کرسکتا ہے۔ غرض فی الحقیقت وہ نہایت ہی قادروکریم ورحیم ہے۔ البتہ جس پر چاہے کہ ہر ایک چیز اپنے وقت پر وابستہ ہے۔ جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو جب میں نے نئی شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ آخر میں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ پر امید اور دعا کرتا رہا۔ سوتو اللہ جل شانہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ضعف قلب تو اب بھی مجھے اس قدر ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ خداتعالیٰ سے زیادہ تر کامل معالج اور کوئی بھی نہیں۔ ہماری سعادت اسی میں ہے کہ ہم بالکل اپنے تئیں نکمے اور بے ہنر سمجھیں اور ہر ایک طرف سے قطع امید کر کے ایک ہی آستانہ کے منتظر رہیں۔ سو اگر آپ مجھے بشرط صبر وشکیب رکھنے کی اجازت دیں۔ سو میں اسی کامل معالج سے آپ کے علاج کی درخواست کرتا رہوں گا۔ بشرطیکہ آپ عجلت نہ کریں۔ طلبگار باید صبور وحمول۔ اب مجھے کسی تدبیر ظاہری پر اعتقاد نہیں رہا...... والسلام!

خاکسار: غلام احمد قادیانی از قادیان، مورخہ ۲۲رفروری ۱۸۸۷ء

(ماخوذ از مکتوبات احمدیہ ج پنجم نمبر۲ خط نمبر۱۴، طبع جدید ج۲ ص۲۶)

خلاصہ خط

معزز ناظرین! آپ نے مرزا قادیانی کے خط کا تو مطالعہ کر ہی لیا۔ اس میں سے اصلی موتی جو چننے کے لائق ہیں۔ اس خط کے مضمون سے ہم پہلے پہل تو یہ اخذ کرتے ہیں کہ حکیم نورالدین صاحب اکثر بیمار رہتے تھے یا اکثر تکالیف میں رہتے تھے۔ جس کی دلجوئی کے لئے مرزا قادیانی پورے کوشاں نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہو۔ وہ صرف اپنے ضعف دماغ کے عارضہ کے لکھنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔ بلکہ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو قوت مردمی سے بھی محروم ثابت کر کے لکھ دیتے ہیں کہ میں نامرد ہوں۔ مزید برآں وہ ایک اور ضعف یعنی صنعت قلب کا ذکر کر کے ان سے ان کے لئے دعا کا وعدہ کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صبر کریں۔ آخر میں وہ دواؤں سے بیزاری کا اظہار ان الفاظ میں (اب مجھے کسی تدبیر ظاہری پر اعتقاد نہیں رہا) لکھ کر ختم کر دیتے ہیں۔ ایف.ای جیمس

مرزا قادیانی کی تجارت اور مقوی باہ ادویات

خط نمبر:۲

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ اللہ جل شانہ آپ کو دنیا و دین میں آرام دلی بخشے کہ ہر ایک بخشش و بخشائش اسی کے فضل پر موقوف ہے۔ نظر بر فضل ایک لذت بخش امر ہے۔ ’’ولا تیئسوا من روح اللہ‘‘ رسالہ مؤلفہ آں مخدوم جو امرتسر بھیجا گیا ہے کچھ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کا کیا بندوبست ہوا۔ آج کل دیانت کم ہے اور لاف وگزاف زبانی ہرگز لائق اعتماد نہیں۔ کسی کو بجز تحریری شرائط کے رسالہ نہیں دینا چاہئے۔ تا پیچھے سے کوئی خراب نتیجہ نہ نکلے۔ یہ امور مفصلہ ذیل ضرور صاحب مطبع سے طے کر لینے چاہئیں اور اقرار نامہ لے لینا چاہئے۔

اوّل...... فلاں نمونہ کے مطابق کام چھپائی صاف اور عمدہ ہوگا۔

دوم...... اگر ایسا صاف نہ ہوا تو استحقاق چار آنے فی داب میں رہے گا۔

سوم...... اتنے ماہ میں کام ختم نہ ہوا تو ہرجہ دینا ہوگا۔

چہارم...... کل کتابوں کے حوالے کرنے کے بعد اوران کی پڑتال صحت کے بعد روپیہ اجرت کا دیا جائے گا۔

پنجم...... کاغذ کی عمدگی کا ذمہ وار خود مطبع والا ہوگا۔

مقوی باہ دوائی

دوا جس میں مروارید داخل ہیں جو کسی قدر آپ لے گئے تھے۔اس کے استعمال سے بفضل تعالیٰ مجھ کو بہت فائدہ ہوا ہے۔قوت باہ کو ایک عجیب فائدہ یہ دوا پہنچاتی ہے اور مقوی معدہ ہے اور کاہلی اور سستی کو دور کرتی ہے اور کئی عورض کو نافع ہے۔آپ ضرور اس کو استعمال کر کے مجھ کو اطلاع دیں۔مجھ کو تو یہ بہت ہی موافق آ گئی۔**فالحمدللہ علیٰ ذالک!**

خاکسار: غلام احمد ۳۰؍دسمبر ۱۸۸۶ء

ماخذ از مکتوبات احمدیہ طبع جدید ج۲ ص۱۹، خط نمبر۹

ناظرین والاکرام! مرزا قادیانی کی تجارت اور اس کا طرز کیسا نرالا ہے۔اپنی کتاب یا رسالہ چھپواتے ہوئے ایسی تجویزیں کرتے تو بھلے بھی معلوم ہوتے۔

اوّل تو نبی کو ایسے کاموں سے غرض ہی کیا مگر خیر اگر اپنے کسی رسالہ یا کتاب کی چھپوائی کے لئے اتنی کوشش کرتے تو کرتے۔لیکن رسالہ تو ہے مولوی نورالدین صاحب کا اور تجویزیں لڑائی جارہی ہیں۔مرزا قادیانی کی، معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ میں نفع کا کچھ حصہ مرزا قادیانی کو بھی شاید ملنے کی توقع ہوگی۔بہرحال تجارتی ڈھنگ قادیانی نبی سے سیکھنا چاہئے۔

مقوی باہ دوائی

مرزا قادیانی حکیم نورالدین کو لکھتے ہیں کہ وہ دوا جس میں مروارید داخل ہیں جو کسی قدر آپ لے گئے ہیں۔اس کو استعمال کرنے کے بعد مجھ کو اطلاع دیں۔

نوٹ...... معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دوست بیمار ہی رہتے تھے اور مقوی باہ اور ممسک ادویات کے استعمال میں مستغرق ہی رہتے تھے اور ایک دوسرے کے حالات بیماری بذریعہ خط وکتابت معلوم کرتے رہتے تھے۔آپ حیران ہوں گے کہ ان کے اکثر خطوط تذکرہ ادویات خصوصاً مقوی باہ اور ممسک سے ہی بھدے ہوئے ہیں۔

نوٹ...... اس کتاب کے دوسرے حصے میں اور بھی زیادہ راز افشانی کی جائے گی۔عنقریب وہ بھی شائع ہونے والی ہے۔

خط نمبر:۳

بسم اللہ الرحیم الرحیم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ دوا معلومہ سے آں مخدوم سے کچھ فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید کہ یہ وہی قول درست ہو کہ ادویہ کو ابدان سے مناسبت ہے بعض ادویہ ابدان کے مناسب حال ہوتی ہیں اور بعض دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ہے کہ چند امراض کاہلی وسستی ورطوبات معدہ اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت (جماع) کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ (خیزش عضو مخصوصہ) بکلی جاتا رہتا تھا۔ (دھیان رہے کہ یہ ایک ''نبی'' کا مقدس کلام ہے) شاید قلت حرارت غریزی اس کا موجب تھی۔ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا حرارت غریزی کو بھی مفید ہے اور منی کو بھی غلیظ (گاڑھی) کرتی ہے۔ غرض میں نے تو اس میں آثار نمایاں پائے ہیں۔ **واللہ اعلم وعلمہ احکم!**

اگر دوا موجود ہو اور آپ دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہش مند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد (خیزش عضو مخصوصہ) کی بشارت سنوں، کبھی کبھی دوا کی چھپی چھپی تاثیر بھی ہوتی ہے کہ جو ہفتہ عشرہ کے بعد محسوس ہوتی ہے چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے۔ (جس کی وجہ یہ ہے) کہ میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے۔ اس لئے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔ لیکن چونکہ گھر میں ایام امید ہونے کا کچھ گمان ہے۔ جس کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ ابھی تک وہ گمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو راست کرے۔ اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت میں نہیں دیکھتا۔ مگر میں شکر گزار ہوں کہ خدا تعالیٰ نے دوا کا بہانہ کر کے بعض خطرناک عوارض (مثل مندرجہ بالا) سے مجھ کو مخلصی عطاء کی۔ **فالحمدللہ علیٰ احسانہ!**

مجھے اس بات کے سننے سے افسوس ہوا کہ رسالہ (مذکورہ خط نمبر۲) امرتسر سے واپس منگوالیا گیا۔ فیروز پور کو وہ خاص ترجیح کون سی تھی۔ بلکہ میری دانست میں حال کے زمانہ میں دنیوی واقف کاروں سے کوئی معاملہ نہیں ڈالنا چاہئے کہ وہ عہد شکنی میں بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ عمدہ اور سیدھا طریق یہ ہے کہ قانونی طور پر کارروائی کی جائے۔ اللہ جل شانہ بھی قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جب کوئی دادستد (لین دین) تم کرو۔ تو اس معاملے کے بارے میں تحریر ہونی چاہئے۔ مطبع ایسا ہونا چاہئے۔ جن کے پریس مین استاد ہوں اور عمدہ اور اوّل درجہ کی سیاہی استعمال کی جاتی ہو

اور سب شرائط اشٹامپ کے کاغذ پر لکھے جاویں۔ جہاں تک ممکن ہو مطبع والوں کو اوّل روپیہ نہ دیا جائے اور کاغذ ان کی ذمہ داری سے خریدا جاوے۔ مگر اپنا کاغذ اور کاتب بھی اپنا ہو۔ میری دانست میں امام دین کاتب بہتر ہے۔ کاپی خود غور سے ملاحظہ کرنی چاہئے۔ امرتسر میں ایک ہندو کا مطبع بھی ہے اور وہ مالدار ہیں اور امید ہے کہ یہ شرائط وہ منظور کر لیں گے اور بغیر صفائی شرائط اور تحریری اقرار نامہ لکھانے کے کسی مطبع کو ہرگز کام نہیں دینا چاہئے کہ آج کل دیانت اور ایفائے عہد مفقود کی طرح ہو رہی ہے۔ اگر میں امرتسر میں آؤں اور ایک دن کے لئے آپ بھی آ جاویں تو اسی جگہ کوشش کی جاوے۔ مگر آپ نے آج کل کے مسلمانوں (یعنی غیر مرزائیوں) پر اعتماد کر کے کچا کام ہرگز نہ کرنا۔ بلکہ ہر ایک بات میں مجھ سے مشورہ لے لیں۔ رسالوں کی چھپائی میں تین چار سو روپیہ کا خرچ ہے۔ نہ ایسی کفایت شعاری کرنی چاہئے کہ رسائل مثل ردی کے چھپیں اور نہ ایسا اصراف کہ جس میں بیہودہ خرچ ہو۔ کاپیوں کا ملاحظہ دوسروں کے سپرد ہرگز نہ کریں۔ آپ محنت اٹھالیں۔ خرید کاغذ میں بھی کوئی اپنا دانا آدمی ساتھ چاہئے۔ (کیوں خود مرزا قادیانی ہی ساتھ نہ ہوں۔ مؤلف) اور کاغذ کا حساب رکھنا چاہئے آپ کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے۔ اللہ جل شانہ جلد کوئی تقریب (یعنی جس حمل کے راست ہونے کی دعا مرزا قادیانی اس خط میں لکھ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ بچہ کی تقریب) پیدا کر دے۔ والسلام!

خاکسار: غلام احمد قادیانی از قادیان، مورخہ ۱۴ر ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ

۱۹ر جنوری ۱۸۸۷ء

ماخوذ از مکتوبات احمدیہ ص۲۰،۲۱، طبع جدید ج۲ ص۲۰ خط نمبر۱۰

خلاصہ

معزز ناظرین! مرزا قادیانی کا خط بھی خوب ہی رنگ کی رنگینوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں مرزا قادیانی نے اپنی دوائی کی ایسی تعریف کی اور اس میں ایسے مستغرق ہوئے کہ اپنی اصلی خطرناک بیماری یعنی جماع کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتے رہنے کا ذکر بھی کر دیا اور اس دوائی کا نتیجہ (یعنی یہ مرض بالکل جاتا رہا ہے) بھی لکھ مارا۔ خوب! دوائی کے دوکانداروں کے لئے یہ نادر ہے کہ وہ بھی جب گاہک کو (اپنی دوائی کا شیدا) بتانا منظور ہو تو ایسے ہی کہنا سیکھیں۔ مرزا قادیانی نے اپنی دوائی کی پہلی ناکامیابی کو حکیم نور الدین صاحب کے دل سے نکالنے کے لئے مزید یہ بھی لکھ دیا کہ آپ اس دوائی کو دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال

کریں اور میں آپ کی اس (نہایت ہی متبرک) بشارت کے سننے کا خواہشمند ہوں کہ آیا آپ کو بھی مندرجہ بالا نتیجہ نصیب ہوا ہے یا نہیں۔ چونکہ میں نے دوا زیادہ زیادہ کھائی تھی۔ اس لئے ختم ہوگئی ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اور بھی تیار کروں گا۔ مگر ایک ضروری بات یاد آ گئی کہ اف! میری بیوی تو حاملہ ہے۔ اس سبب سے دوائی تیار کرنے کی کوئی خاص ضرورت اس وقت نہیں ہے۔

نوٹ...... یہ ہیں مرزا قادیانی کے دلی خیالات جو بذریعہ قلم آنجناب نے چٹھی میں لکھ دیئے۔ ان کو کیا خبر تھی کہ یعقوب علی صاحب عرفانی ہی ایسے بیش بہا موتیوں کو لوگوں کے حوالے کر دیں گے۔

مرزا قادیانی حکیم نورالدین کے رسالہ مذکورۃ الصدر میں ایسے مستغرق ہوئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ آپ نے تجارتی راز تمام کے تمام ہی لکھ مارے۔ یہاں تک کہ رسالہ کی چھپائی وغیرہ کے متعلق قرآن شریف کا بھی تذکرہ کر گئے ہیں۔ گویا کہ سچ مچ قرآن شریف نے لین دین کے معاملہ میں (تحریر کا لکھانا، مطبع میں استاد کی ضرورت چھپائی میں اوّل درجہ کی سیاہی شرائط اسٹامپ پر لکھوانا مطبع کو پیشگی نہ دینا۔ کاغذ کی ذمہ داری ان پر ڈالنا۔ مگر اپنا ہی کاغذ اور اپنا ہی کاتب رکھنا) صریح اور صاف حکم دے دیئے ہیں۔

ناظرین میں سے کوئی ان سے ان تمام باتوں کے حوالے قرآن شریف سے تو پوچھ کر دیکھئے! اگر آپ کو حوالے معلوم ہو جائیں تو مجھے بھی لکھ دیں۔ آپ نے امرتسر میں کسی ہندو کا مطبع پسند کیا ہے اور مسلمانوں سے بچنے کے لئے تاکید کی ہے۔ یہ ہے آپ کی مسلم نوازی۔

مرزا قادیانی کی مقوی باہ معجون

خط نمبر:۴

ماخوذ از مکتوبات احمدیہ ص۵۵ ج۲ طبع جدید، مکتوب نمبر۳۵

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہر دو عنایت نامے پہنچ گئے۔ خدائے قادر ذوالجلال آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے ارادات خیر میں مدد دیوے۔ اس عاجز نے آں مخدوم کے نکاح ثانی کی تجویز کے لئے کئی جگہ خط روانہ کئے تھے۔ ایک جگہ سے جو جواب آیا ہے وہ کسی قدر حسب مراد معلوم ہوا ہے۔ یعنی میر عباس علی شاہ صاحب کا خط جو روانہ خدمت کرتا ہوں۔ اس خط میں ایک شرط عجیب ہے کہ حنفی ہوں۔ غیر مقلد نہ ہوں۔ چونکہ میر صاحب بھی حنفی اور میرے مخلص دوست منشی احمد جان صاحب (خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے) جن کی بابرکت لڑکی سے یہ تجویز پیش ہے۔ پکے حنفی تھے اور

ان کے مرید جو اس علاقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سب حنفی ہیں۔ اس لئے حنفیت کی قید بھی لگادی گئی۔ یوں تو حنیفاً میں سب مسلمان داخل ہیں۔ لیکن اس قید کا جواب بھی معقولیت سے دیا جائے تو بہتر ہے۔

اب میں تھوڑا سا حال منشی احمد جان کا سناتا ہوں۔ منشی صاحب مرحوم اصل میں متوطن دہلی کے تھے۔ شاید ایام مفسدہ ۱۸۵۷ء میں لدھیانہ آ کر آباد ہوئے۔ کئی دفعہ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ نہایت بزرگوار خوبصورت، خوب سیرت، صاف باطن، متقی، باخدا اور متوکل آدمی تھے۔ مجھے اس قدر دوستی اور محبت کرتے تھے کہ اکثر ان کے مریدوں نے اشارۃً اور صراحتاً بھی سمجھایا کہ آپ کی اس میں کسر شان ہے۔ مگر انہوں نے ان کو صاف جواب دیا کہ مجھے کسی شان سے غرض نہیں اور نہ مجھے مریدوں سے کچھ غرض ہے۔ اس پر بعض نالائق خلیفے ان سے منحرف بھی ہوگئے۔ مگر انہوں نے جس اخلاص اور محبت پر قدم مارا تھا۔ آخر تک نبھایا اور اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت کی۔ جب تک زندہ رہے۔ خدمت کرتے رہے اور دوسرے تیسرے مہینے کسی قدر روپے اپنے رزق خداداد سے مجھے بھیجتے رہے اور میرے نام کی اشاعت کے لئے بہ دل وجان ساعی رہے اور پھر حج کی تیاری کی اور جیسا کہ انہوں نے اپنے ذمہ مقرر کر رکھا تھا۔ جاتے وقت بھی پچیس روپے بھیجے اور ایک بڑا لمبا اور دردناک خط لکھا۔ جن کے پڑھنے سے رونا آتا تھا اور حج سے آتے وقت راہ میں ہی بیمار ہوگئے اور گھر آتے ہی فوت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

چونکہ وہ عالی خیال اور صوفی تھے۔ اس لئے ان میں تعصب نہیں تھا۔ میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پر قائم نہیں ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں...... اب دو باتیں تدبیر طلب ہیں۔

اوّل یہ کہ ان کی حنفیت کے سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ دوسرے اگر اسی ربط پر رضامندی فریقین کی ہو جاوے تو لڑکی کے ظاہری حلیہ سے بھی کسی طور سے اطلاع ہوجانی چاہئے۔ بہتر تو بچشم خود دیکھ لینا ہوتا ہے۔ مگر آج کل کی پردہ داری میں یہ بڑی قباحت ہے کہ وہ اس بات پر راضی نہیں ہوتے۔

مقوی باہ ادویات

ایک میرے دوست سامانہ علاقہ پٹیالہ میں ہیں۔ جن کا نام میرزا محمد یوسف بیگ ہے۔ انہوں نے کئی دفعہ ایک معجون بنا کر بھیجی ہے۔ جس میں کچلہ مدبر داخل ہوتا ہے۔ وہ معجون میرے

تجربہ میں آیا ہے کہ اعصاب کے لئے نہایت مفید ہے اور امراض رعشہ اور فالج اور تقویت دماغ اور قوت باہ کے لئے اور نیز تقویت معدہ کے لئے فائدہ مند ہے۔ مدت سے میرے استعمال میں ہے۔ اگر آپ اس کو استعمال کرنا قرین مصلحت سمجھیں تو میں کسی قدر جو میرے پاس ہے بھیج دوں۔

جلب زر کے لئے ڈورے ڈالنا

چھ سو روپے کے لئے جو آن مخدوم نے لکھا ہے اس کی ضرورت تو بہر حال درپیش ہے۔ مگر بالفعل اپنے پاس ہی بطور امانت رکھیں اور مناسب ہے کہ وہ آپ کے مصارف سے الگ پڑا رہے۔ تا جس وقت مجھے ضرورت پڑے۔ بلاتوقف آپ بھیج سکیں۔ جس وقت مطالبہ کے لئے میرا خط پہنچے۔ اس وقت ارسال کر دیں۔

لیکھ رام کی کتاب کے متعلق اگر جلد مسودہ تیار ہو جاوے تو بہتر ہے۔ لوگ بہت منتظر ہیں اور اگر آپ کی کتاب جو دہلی میں چھپی ہے۔ تمام وکمال چھپ چکی ہو تو ایک جلد اس کی بھی عنایت فرماویں۔ جزاکم اللہ خیرا!

خاکسار: غلام احمد قادیانی از قادیان، مورخہ ۲۳/ جنوری ۱۸۸۸ء

خلاصہ خط اور نتیجہ

معزز ناظرین! ذرا غور سے پڑھئے۔ اس خط سے اور نیز دیگر خطوط سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اور حکیم نورالدین صاحب کا رشتہ اتحاد اس قدر نزدیکی تھا کہ مرزا قادیانی حکیم صاحب کے نکاح ثانی کے لئے اس قدر کوشاں نظر آتے ہیں کہ تلاش زن کے لئے کئی جگہ خطوط لکھتے ہیں۔ مگر وائے ناکامی تیرا ستیاناس ہو۔ صرف ایک ہی جگہ سے جواب آیا۔ ماشاءاللہ! ایک جگہ کے جواب نے اس قدر پریشان کن لمبا خط لکھوایا۔ خدانخواستہ اگر تمام خطوط کے جوابات مرزا قادیانی کو ملتے تو میرا خیال ہے کہ آپ کو ایک ضخیم رسالہ کے لکھنے کی ضرورت لاحق ہو جاتی۔ مگر ان کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ صرف ایک ہی خط کا جواب آیا۔ جس کے لئے وہ قدر پریشان خاطر نظر آتے اور کہتے ہیں کہ لڑکی والے ایک خاص شرط حنفی اور مقلد ہونے کی ٹھہراتے ہیں۔ خیر وہ اس قید کا جواب بھی معقولیت سے دینا چاہتے ہیں۔ دلی زبان میں آپ نے اس قید کا معقول جواب یہ دیا ہے کہ اگر اس ربط پر رضامندی فریقین کی ہو جائے تو لڑکی کے ظاہری حلیہ سے بھی کسی طور سے اطلاع ہو جانی چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ چلو دوست عورت کے لئے مقلد اور حنفی ہی بن جاؤ۔ کیا حرج ہے۔ عورت تو ہاتھ لگے پھر دیکھا جائے گا۔

ناظرین! یہ غور طلب بات ہے کہ یہ ''نبی'' اپنے دوست کو اس کی ضمیر اور اپنی ضمیر کے خلاف کام کے لئے صرف عورت کی خاطر آمادہ کرتا ہے۔ کیا ایسا شخص جسے اپنے ایمان کا پاس نہ ہو اور اپنی ضمیر کی آواز کے خلاف چلے۔ کیا وہ نبی ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ انصاف کیجئے! کیا یہ ایمان پرستی ہے۔ یا زن پرستی۔ پھر مرزا قادیانی کو ایک اور شوق لاحق ہوا کہ لڑکی کو بچشم خود دیکھنا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی اس کے آپ نے پردہ داری کی بری رسم کی قباحت سے بیزاری کا اظہار بھی کردیا اور یوں تحریر فرمادیا کہ اس لڑکی کے والدین لڑکی دکھانے پر رضامند نہ ہوں گے۔ وائے ناکامی تیرا ستیاناس ہو اس قدر کہ ایمان فروشی کے خیال کے بعد بھی دیدار سے مستفیض نہ ہوسکے۔ میں ان کی اس ناکامیابی پر ہمدردانہ انداز میں افسوس کرتا ہوں۔

معجون مقویٔ باہ

ناظرین! ملاحظہ ہو کہ شادی تو ابھی ہوئی نہیں لیکن مرزا قادیانی اپنی مخصوص معجون مقویٔ باہ (جس کو آپ مدت سے استعمال کر رہے ہیں) حکیم صاحب کو پیش کر رہے ہیں کہ اگر آپ قرین مصلحت سمجھیں تو میں کسی قدر جو میرے پاس ہے روانہ کردوں۔ گویا حکیم صاحب کو شادی سے پہلے ہی تیار کر رہے ہیں۔

نتیجہ

معزز ناظرین! آپ نے مرزا قادیانی کی اپنی ہی تحریروں کو پڑھ لیا۔ آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کیا ایسے شخص کی زندگی جسے عبدالرحمٰن گجراتی نبی منوانا چاہتا ہے۔ قابل تقلید زندگی کہلا سکتی ہے۔ جو خود مدعیان اخلاق کے لئے مثال کے طور پر پیش کی جاسکے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ میں تو کم از کم اتنا کہنے کے لئے تیار ہوں کہ جس شخص کے دل کے خزانے کے یہ موتی ہیں اسے مسیح موعود یا نبی کہنا اپنی دیانت وشرافت کا خون کرنا ہے۔ کہو عبدالرحمٰن گجراتی کیسی کہی؟ مرزا قادیانی کیا ہیں؟

اشتہار باز دوکاندار

مقوی باہ، ممسک اور نعوذ بکلی قائم رکھنے والی ادویات کا استعمال کرنے والا قادیانی۔

نہ کہ مجدد، یا نبی، یا مسیح موعود یا مہدی، قادیانی ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

نوٹ...... اس کتاب کے دوسرے حصے میں اس سے بھی زیادہ راز افشانی کی جائے گی جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ (مؤلف)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

احمقوں کی جنت

جناب جی آر اعوان صاحب

تفصیلی فہرست

۴۲۱	فکروعمل کا تضاد
۴۳۰	الہامات کی رداؤں میں لپٹے ہوئے افراد کا اصل کردار
۴۳۴	روداد الفت
۴۳۶	غایت تحریر
۴۳۹	ویرانی سی ویرانی
۴۴۲	پینے پر کوئی پابندی نہیں
۴۴۶	جونک نہیں لگتی پتھروں کو
۴۵۳	احمدی تو ہم ہیں
۴۶۰	چلتی پھرتی لائبریری
۴۶۵	بے وفا دوست سے کے ٹو سگریٹ اچھا
۴۷۴	احمقوں کی جنت
۴۷۸	حوریں
۴۸۴	غلمان
۴۸۷	نام نہاد صحابیوں کی افراط
۴۹۱	گھونگٹ کی ہوا
۴۹۷	پلے بوائے
۵۰۳	طلسمی صندوق
۵۰۷	کوتوال شہر
۵۱۳	منافقت کے چکنے چکنے پات
۵۱۶	ربوہ کا سالانہ میلہ
۵۲۰	کوفیوں کا شہر
۵۲۴	مرزائیت گزیدہ

فکروعمل کا تضاد

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد واحمد ﷺ کی غلامی کے صدقے نبی بننے کا دعویٰ کرنے والے مرزاغلام احمد قادیانی کا اس غلامی پر ناز کرنے کی بجائے یہ نسبت ختم کر دینا اور خود محمد اور احمد (ﷺ) بن بیٹھنا دنیا کی تاریخ کا منفرد سانحہ ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل فتنہ ہے تو اس کی وجہ مرزا قادیانی کا دعویٰ کے بعد دلائل گھڑنے کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کے الفاظ تک کا تقدس اور سیاق وسباق ہی نظرانداز نہیں ہوا۔ بلکہ الفاظ ومعانی کی نئی دنیا بسائی گئی۔ لغات واصطلاحات کا نیا جہاں آباد ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ کو قبول اور مسترد کرنے کی بنیاد روایت اور درایت کا کوئی اصول نہیں بلکہ اس کا اپنے دعویٰ کے لئے کارآمد ٹھہرنا اس کے صحیح وغلط ہونے کا پیمانہ بن گیا۔ اخلاقیات کے بھی اپنے معیار بنائے گئے۔ اس لئے مرزا قادیانی کے فکروعمل کی پوری کائنات پیاز ثابت ہوئی۔ چھلکے پہ چھلکا اتارتے جایئے۔ نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ مثلاً مرزا قادیانی نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن کبھی تیرھویں صدی اور کبھی چودھویں صدی کے مجدد ہونے کی بات کی گئی۔

(ازالہ اوہام ص۱۸۴،۱۸۵، خزائن ج۳ ص۱۸۸،۱۸۹، تحفہ گولڑویہ ص۱۰۲،۱۰۳، خزائن ج۱۷ ص۲۶۵،۲۶۶)

کبھی کہا وہ تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا مسیح ہے۔

(ازالہ اوہام ص۱۸۵،۱۸۶، خزائن ج۳ ص۱۸۹)

یہ بھی کہا: ’’مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۹۰، خزائن ج۳ ص۱۹۲)

بلکہ سب انبیاء علیہم السلام کے مثیل ہونے کا دعویٰ کیا۔

(ازالہ اوہام ص۲۵۳ ملخص، خزائن ج۳ ص۲۲۷)

لیکن کسی ایک نبی علیہ السلام کے مثیل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوتا تو بھی نبوت کا دعویٰ نہ ہوتا کہ آیت میثاق کے تحت سب انبیاء علیہم السلام، ختم الرسل ﷺ کی پیروی کے پابند ہیں۔ مثیل تو ان سے بھی بڑھ کر۔

مگر ساری عمر اپنے نام کے ساتھ مسیح موعود لکھتے رہے۔ یہ بھی کہا کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوسکتے۔ وہ تو نبی ہیں اور نبی اب آنہیں سکتا اور امتی آپ ہو نہیں سکتے کہ نبی ہیں۔ (ازالہ اوہام ص۵۷۵ تا۵۷۸، خزائن ج۳ ص۴۱۰ تا۴۱۲)

مگر جب مرزا قادیانی نے خود نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو امتی بھی ٹھہرے۔

(ازالہ اوہام ص ۵۳۹ ملخص، خزائن ج ۳ ص ۳۹۰)

ظلی اور غیر تشریعی نبی۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۱)

اور تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۶،۷ ملخص، خزائن ج ۱۷ ص ۴۷۲،۴۷۳)

دعویٰ یہ بھی ہے کہ میں جھوٹا ہوتا تو دعویٰ کے بعد ۲۳ سال تک زندہ نہ رہتا۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۶،۷ ملخص، خزائن ج ۱۷ ص ۴۷۲،۴۷۳)

لیکن جھوٹا دعویٰ کب کیا اس کا کوئی تعین نہیں۔ قاری نصیر احمد غزنوی نے اپنی تصنیف ''اظہار حق قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں'' اس سلسلے میں مرزا قادیانی کے ۲۶ مختلف اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔

شاید اسی لئے کہا کہ لفظ نبی کا ٹا ہوا سمجھیں۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۳۱۴)

جب کہ مرزا قادیانی کے دوسرے جانشین کا کہنا یہ ہے کہ: ''مرزا قادیانی نبوت کا فہم نہیں رکھتے تھے۔'' (حقیقت النبوۃ، انوار العلوم ج ۲ ص ۴۵۵،۴۵۶)

(یہ کتاب مرزا محمود کی تصنیفات کا مجموعہ ہے)

مرزا قادیانی کی شخصیت کے بارے میں دو+دو= چار کی طرح یہی کلیہ بن سکتا ہے کہ دعویٰ پہلے اور دلائل بعد میں گھڑنے کی وجہ سے دعاوی اور نتائج میں ربط نہیں رہا۔ دعاوی بلند آہنگ اور نتائج اتنے ہی پست مرتب ہوئے۔ اس ضمن میں یہاں چند مثالیں اس لئے بھی ضری ہیں کہ ''احمقوں کی جنت'' میں قادیانیوں کے صرف کردار کا ذکر ہے۔ نظری بحث سے قاری کو کردار سے پہلے قادیانیت کے فکر ونظر سے آگاہ ہونے میں مدد ملے گی۔

مرزا قادیانی کے دعاوی ودلائل میں واضح فرق کی پہلی مثال کا مجمل ذکر شروع میں ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد بزرگ ترین ہستی محمد واحمد ﷺ کی غلامی کے نتیجے میں منصب نبوت پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔

(حقیقت الوحی ص ۲۸، خزائن ج ۲۲ ص ۳۰، کشتی نوح ص ۱۵، خزائن ج ۱۹ ص ۱۶)

اور اسی نسبت کو ختم کر دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے غلام کی نسبت ''سابقہ یا رواج کہہ کر ختم کی یا یہ سورۂ الصّف کی آیت مبارکہ نمبر ۶ کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا مصداق بننے کی کوشش میں ختم ہوئی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ بہرحال

یہ نسبت ختم ہوئی اور اپنے ہاتھوں ختم کی گئی۔ پہلے مرزا قادیانی نے بروز مظہر، بعثت دوم وغیرہ کے حوالے سے۔" (تذکرہ الشہادتین ص۴۳ ملخص، خزائن ج۲۰ ص۴۵)

بعد میں مرزا قادیانی کے دوسرے جانشین مرزا بشیر الدین محمود نے حتمی فیصلہ دے دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق تو بس مرزا قادیانی ہے۔ (انوار خلافت ص۱۸ تا ۲۳)

۱۹۹۱ء میں مرزا قادیانی کے چوتھے جانشین مرزا طاہر احمد کی سوانح حیات ایک برطانوی صحافی آئن ایڈمسن سے لکھوائی گئی۔ **A Man of God** نامی اس کتاب میں شروع سے آخر تک مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر احمد ﷺ کی غلامی کا شرف حذف کر کے ہوا، اور صرف احمد نام متعارف کرایا گیا۔ احمد ﷺ کی غلامی شرف انسانیت پر فائز ہونے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا دیگر کی غلامی سے نجات کی ضامن تھی۔ یہ ضمانت کیا ختم ہوئی مرزا قادیانی سے ملک وقوم کی غلامی کے خاتمہ کے بارے میں سوچنے لکھنے اور کچھ کرنے کی صلاحیت ہی سلب ہوگئی۔

۲...... یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ: "آنحضرت ﷺ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی روحانی توجہ نبی تراش ہے۔" (حقیقت الوحی ص۹۷ حاشیہ، خزائن ج۲۲ ص۱۰۰)

لیکن رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور نبی تراش توجہ سے قیامت تک صرف ایک (وہ بھی خود ہی) نبی بننے کا نتیجہ نکالا گیا۔

(حقیقت الوحی ص۲۸ حاشیہ، خزائن ج۲۲ ص۳۰، حقیقت النبوۃ انوار العلوم ج۲ ص۵۴۴)

اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی صفت کا میرے ذریعہ ظہور ہو۔ (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی کو ایک مکمل انسان قرار دینے میں بھی تامل روا ہے۔ کیا شرف انسانیت کی انتہاء پر فائز تمام شخصیات کا پرتو اور نمونہ ایسا ہو سکتا ہے جو اپنی تیسری شادی کے لئے گیارہ سالہ لڑکی محمدی بیگم کا رشتہ نہ ملنے پر اس کی پھوپھی کو خط لکھے کہ اپنے بھائی کو اور جگہ رشتے دینے سے روکے۔ ورنہ اپنے بیٹے فضل احمد سے تمہاری بیٹی عزت بی بی کی مشروط طلاق لکھواؤں گا کہ جس روز محمدی بیگم کا کسی اور سے نکاح ہوا۔ عزت بی بی کو تین طلاق ہیں اور واقعی طلاق دلوادی اور تیسری شادی کی کوشش کی مخالفت پر دوسرے بیٹے سلطان احمد کو عاق کر دیا اور اشتہار دیا کہ جس روز محمدی بیگم کی دوسری جگہ شادی ہوئی اس نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا اور اس روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔

(مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۲۱۹ تا ۲۲۱، سیرۃ المہدی ص۲۹، روایت نمبر۳۷، حصہ اوّل)

نبوت کے سلسلے میں یہ بھی دعویٰ ہے کہ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔یعنی فنافی الرسول پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے ہاں آتا ہے۔اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ ص۲،خزائن ج۱۸ص۲۰۷،۲۰۸)

اس حوالے سے اپنے رسول ہونے کا دعویٰ ایک صفحہ پہلے کیا گیا۔دوسرے الفاظ میں سیرت صدیقی کی اس کھڑکی سے صدیق اکبرؓ اللہ کے پاس نہ آئے۔جب کہ وہی پہلے فنافی الرسول ہیں جو رسول اللہ ﷺ میں فنا ہونے کے باوجود صدیق رہے۔رسول نہیں بنے جیسے ایک قادیانی غلام،آقا میں فنا ہونے کے دعویٰ کے بعد خود فنا نہیں ہوا۔بلکہ جس میں فنا ہونے کا دعویٰ کیا وہی یعنی اپنا آقا بن بیٹھا اور اس کے نتیجے میں غلام ہونے کے شرف سے محروم ہوگیا کہ ایسا دعویٰ غلامی کا نتیجہ ہی نہیں۔

۳...... مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ:''یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے۔اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنی قرآن کے ظاہر کرے خدا نے مجھے اس لئے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں۔''

(ملفوظات ج۶ص۱۶۷)

یہ دعویٰ ۲۳؍اکتوبر۱۹۰۳ء کو کیا گیا۔جب کہ ۲۸؍مئی ۱۸۹۷ء کی ایک تحریر میں کہا گیا۔''میری تالیفات...... اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں۔جیسے رسالہ احکام القرآن اور اربعین فی علامات المقربین اور سراج منیر اور تفسیر کتاب عزیز۔'' (نشان آسمانی ص۴۳،خزائن ج۴ص۴۰۷)

دوسرے الفاظ میں''الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں'' کے دعویٰ پر مبنی تفسیر تالیف ہوچکی تھی مگر یہ تفسیر آج تک منظر عام پر نہیں آسکی۔جب کہ مرزا کو''اسی لئے مامور'' کیا گیا۔

مرزا قادیانی کی جو تفسیر سامنے لائی گئی وہ باقاعدہ نہیں بلکہ دیگر تالیفات میں موجود مختلف آیات مبارکہ کی تفسیر ایک ترتیب سے جمع کردی گئی۔اس میں زیادہ حصہ سورہ فاتحہ بلکہ اس کے آخری حصہ پر مشتمل ہے۔اتفاق دیکھئے''مرزا قادیانی کے قرآن کے صحیح معنی'' سے اختلاف مرزا کے جسمانی وروحانی جانشین مرزا بشیرالدین محمود نے کیا۔ترجمہ کس کا صحیح ہے۔بحث اس سے نہیں غور طلب بات یہ ہے کہ مرزا محمود نے اپنے والد کا ترجمہ قرآن''مامور کا ترجمہ'' نہیں سمجھا۔ مرزا قادیانی کی''بیان فرمودہ'' تفسیر سورۂ فاتحہ میں اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت مجیدہ کا ترجمہ

کئی بار ہوا اور ہر مرتبہ ایک بات مختلف انداز میں کی گئی۔ لیکن مرزا محمود نے کسی ایک انداز کو قبول نہیں کیا اور اپنی تفسیر صغیر و کبیر دونوں میں اس سے قطعی مختلف ترجمہ کیا جب کہ مرزا محمود کے داماد پیر معین الدین نے اپنے سسر کی تفسیر کی تلخیص ’’مخزن معارف‘‘ میں مرزا قادیانی کا ترجمہ لیا اور مرزا محمود کا ترک کر دیا۔

اب صحیح ترجمہ کا ایک نمونہ پیش ہے جس کے لئے مرزا قادیانی کا مامور ہونے کا دعویٰ ہے۔ سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس کا ترجمہ یہ کیا گیا۔ ’’تم اے مسلمانو! نصاریٰ سے کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے اور تم جو نصاریٰ کا فتنہ دیکھو گے اور مسیح موعود کے دشمنوں کا نشانہ بنو گے یوں دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے...... خدا کی پناہ مانگتا ہوں...... اور میں اندھیری رات کے شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور انکار مسیح موعود کے فتنہ کی رات ہے۔ خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔‘‘

(تحفہ گولڑویہ ص۷۷،۷۸، خزائن ج۱۷ ص۲۲۰،۲۲۱)

یاد رہے ’’بیان فرمودہ‘‘ تفسیر سورۂ فاتحہ میں اس ترجمہ کو جگہ نہیں مل سکی۔ شاید اس کے مرتب اس کے صحیح معنی نہیں سمجھے۔ مرزا قادیانی نے ایک حدیث کا ترجمہ یہ کیا ہے: ’’کیا حدیث ’’امامکم منکم‘‘ کے یہی معنی نہیں کہ آنے والا عیسیٰ، اے امتی لوگو! تم میں سے ہیں نہ کسی اور قوم سے۔‘‘ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۲، خزائن ج۲۱ ص۲۹۹ حاشیہ)

اور یہ کہ صحیح بخاری میں آنے والے عیسیٰ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ: ’’امامکم منکم‘‘ یعنی اے امتیو! آنے والا عیسیٰ بھی صرف ایک امتی ہے نہ اور کچھ۔ جب کہ صحیح بخاری میں یہ امام مہدی کے بارے میں لیکن مرزا قادیان نے حرف ’’و‘‘ اور اس کا ترجمہ حذف کر دیا۔ مگر ایک سوال کے جواب میں خود ہی صحیح مفہوم واضح کر دیا۔ ’’حدیث میں آیا ہے کہ مسیح جو آنے والا ہے وہ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا۔‘‘ (فتاویٰ احمدیہ ج۱ ص۸۲)

یہ حوالہ (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۹۶) سے لیا گیا ہے۔

اب ترجمہ کے ضمن میں مرزا قادیانی کے ایک الہام کے چند تراجم دیکھیں جو تمام مرزا قادیانی کے ہیں اس الہام کا انتخاب اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ اس کے تمام جملے قرآن مجید کی مختلف آیات میں معمولی تصرف کا نتیجہ ہیں۔ ایک سورۂ تبت کی پہلی آیت ہے اور دوسری سورۂ الاحقاف کی آیت نمبر ۳۵ کا پہلا حصہ ہے۔ دیگر کے لئے (الانفال:۳۰،۸، القصص:۳۸، البقرہ:۱۱۴، النساء:۷۹) ایک نظر دیکھ لیں۔

مرزا قادیانی کا الہام یہ ہے: ’’اذا یمکر الذی کفر، او قدلی یاھامان لعلی اطلع علی الٰہ موسیٰ وانی لاظنه، من الکاذبین، تبت یدا ابی لهب وتب ما کان له ان یدخل فیھا الا خائفا وما اصابک فمن اللّٰہ الفتنة ھھنا فاصبر کما صبر الوالعزم‘‘

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے: ’’اور جب تیرے ساتھ مکر کیا اس شخص نے جس نے کفر کی راہ اختیار کی۔ اے ہامان! میرے لئے آگ روشن کر شاید کہ موسیٰ کے معبود کی اطلاع پاسکوں اور میں اس کو جھوٹوں میں خیال کرتا ہوں۔ ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا وہ خود اس کے لئے نہیں چاہئے تھا کہ داخل ہو اس میں مگر اس حالت میں کہ وہ خائف ہو اور جو تکلیف تجھ کو پہنچی ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ سے ہے یہ فتنہ ہے۔ پس صبر کر جیسا کہ صبر کیا اولوالعزم لوگوں نے۔‘‘

(احمدیہ تحریک ص۹۸، از ملک محمد جعفر خان)

اب مرزا قادیانی کے تراجم پڑھیں اور صحیح ترجمہ کے لئے مامور ہونے کی داد دیں۔

۱...... وہ زمانہ یاد کر جب کہ مکفر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر ہوسکتا ہو کہے کہ میرے لئے فتنہ کی آگ بھڑکاتا۔ میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدعی ہے۔ خدا اس کا معاون ہے یا نہیں اور میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور آپ بھی ہلاک ہوگیا اس کو نہیں چاہئے تھا کہ اس میں دخل دیتا۔ مگر ڈرڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ (تفسیر سورۂ فاتحہ ص۳۱۸، ۳۱۹)

۲...... یاد کر جب مکفر نے بغرض کسی مکر کے اپنے رفیق کو کہا کہ کسی فتنہ یا آزمائش کی آگ بھڑکاتا کہ میں موسیٰ کے خدا پر یعنی اس شخص کے خدا پر مطلع ہو جاؤں۔ کیونکہ وہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ کسی واقعہ آئندہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو بصورت گزشتہ بیان کیا گیا ہے۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کو لائق نہ تھا کہ اس کام میں بجز خائف وترسادہ ہونے کے یونہی دلیری سے داخل ہو جاتا اور جو تجھ کو پہنچے تو وہ خدا کی طرف سے ہے یہ کسی شخص کے شر کی طرف اشارہ ہے جو بذریعہ تحریر یا بذریعہ کسی اور فعل کے اس سے ظہور میں آئے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اس جگہ فتنہ ہے بس صبر کر جیسے اولعزم لوگوں نے صبر کیا ہے۔

(تذکرہ (مجموعہ الہامات) ص۸۷، طبع سوم)

۳...... اور یاد کر وہ آنے والا زمانہ جب کہ ایک شخص تیرے پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے

کسی ایسے شخص کو جس کے فتویٰ کا دنیا پر عام اثر ہوتا ہو کہے گا۔ اے ہامان! میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا تا میں اس شخص کے خدا پر اطلاع پاؤں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ ہلاک ہوگئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے اور وہ بھی ہوگیا (یعنی جس نے یہ فتویٰ لکھایا لکھوایا) اس کو نہیں چاہئے تھا کہ اس معاملہ میں دخل دیتا۔ مگر ڈرتے ڈرتے ....

اور پھر فرمایا کہ اس فتویٰ تکفیر سے جو بھی تکلیف تجھے پہنچے گی وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک فتنہ ہوگا بس صبر کرو۔ جیسا کہ اولوالعزم نبیوں نے صبر کیا۔

(تذکرہ ص۳۶۱،۳۶۲، طبع سوم)

۴...... اور یاد کرو وہ وقت جب تیرے پر ایک شخص سراسر مکر سے تکفیر کا فتویٰ دے گا۔

(تذکرہ ص۳۸۸، طبع سوم)

اور پھر فرمایا کہ وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تو ڈال کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے اور تو اپنے فتویٰ سے سب کو افروختہ کر سکتا ہے۔ سو تو سب سے پہلے اس کفرنامہ پر مہر لگا تا سب علماء بھڑک اٹھیں اور تیری مہر دیکھ کر وہ بھی مہریں لگادیں اور تا کہ میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (تب اس نے مہر لگادی) ابولہب ہلاک ہوگیا اور اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے۔ (ایک ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ کو پکڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا) اس کو نہیں چاہئے تھا کہ اس کام میں دخل دیتا مگر ڈرتے ڈرتے اور جو تجھے رنج پہنچے گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مہر لگا دے گا تو بڑا فتنہ برپا ہوگا بس تو صبر کر جیسا کہ اولوالعزم نبیوں نے صبر کیا۔ (تذکرہ ص۳۸۸، طبع سوم)

۵...... یاد کرو وہ زمانہ جب کہ ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں کو اثر ہو سکے گا کہے گا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا یعنی ایسا کر اور اس قسم کا فتویٰ دے دے کہ تمام لوگ اس شخص کو کافر سمجھ لیں تا کہ میں دیکھوں کہ اس کا خدا سے کیا تعلق ہے۔ یعنی یہ جو موسیٰ کی طرح اپنا کلیم اللہ ظاہر کرتا ہے۔ کیا خدا اس کا حامی ہے یا نہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ ہلاک ہوگئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے (جب کہ اس نے یہ فتویٰ لکھا) اور وہ آپ بھی ہلاک ہوگیا اس کو نہیں چاہئے تھا کہ اس کام میں دکل دیتا۔ مگر ڈرڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا وہ خدا کی طرف سے ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص۷۵، خزائن ج۱۷ص۲۱۵)

ان تراجم کو تفسیری ترجمہ بھی قرار دیں تو بھی ان کے صحیح ہونے کی گنجائش نہیں۔ جہاں تک ''الہامی اور وحی پرمبنی تفسیر'' کا تعلق ہے تو مرزا قادیانی کے پہلے جانشین نورالدین، دوسرے

جانشین مرزا بشیر الدین محمود اور لاہوری جماعت کے امیر محمد علی بھی اس سے مطمئن نہیں اور جا بجا اس سے اختلاف کیا اس سلسلے میں تفصیلات حافظ عنایت اللہ اثری کی تصنیف ''مرزا قادیانی (اور) قرآن مجید سے نادانی'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں نورالدین کے تفسیری نکات پر مشتمل ''حقائق الفرقان'' کا صرف ایک حوالہ کافی ہے۔ سورۂ البقرہ کی آیت مبارکہ نمبر ۲۵۹ کی تفسیر کے تحت ہے۔ (حضرت صاحب یعنی مرزا قادیانی۔ ناقل) سے میں نے ایک دفعہ اس آیہ کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا میں نے جناب الٰہی میں توجہ کی تو مجھ پر کھلا کہ وہ شخص واقعی مرگیا تھا۔ عرض کیا پھر سو سال کے بعد اٹھنا کیا معنی؟ فرمایا کہ انبیاء کو مرنے کے بعد ایک حیات دی جاتی ہے...... پھر عرض کیا وہ آیت کس طرح ہے؟ فرمایا کیا مردہ آیت نہیں ہوسکتا؟...... چونکہ میری طبیعت میں شرم اور ادب بہت تھا۔ اس لئے میں نے یہ نہ پوچھا کہ ''**انظر الیٰ طعامک وشرابک هم یتسنه**'' کا کیا مطلب ہوا ہے۔ یہ بھی یاد رہے ''حقائق الفرقان'' کے پیش لفظ میں (تذکرۃ المہدی ج۱ ص۲۴۴، طبع جدید ص۱۷۴) کے حوالے سے درج ہے کہ مرزا قادیانی فرمایا کرتے تھے کہ: ''حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تفسیر قرآن آسمانی تفسیر ہے۔''

اب مرزا قادیانی کے دو تفسیری نکات درج ہیں:

الف...... آیت ''**ان علی ذهاب به لقادرون** (المومنون:۱۴)'' میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ ہے...... جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین سے اٹھالیا جائے گا۔ (ازالہ اوہام ص۷۲۲ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۴۸۹)

ب...... ''اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔''

(تفسیر سورۃ فاتحہ ص۳۱۹)

''اگر کوئی ہم سے سیکھے'' کی شرط بھی خوب ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مرزا قادیانی نے قرآن اور صاحب قرآن سے جو سلوک کیا اسے جاننے کے بعد بھی کوئی مرزا قادیانی سے سیکھے گا تو یہی جانے گا کہ ''**مایضل به الا الفاسقین** (البقرہ:۲۶)'' یعنی قرآن مجید سے گمراہی تو بس فاسقین ہی پاسکتے ہیں۔

مرزا قادیانی کے بلند دعاوی مگر پست نتائج کے اس تجزیے میں مرزا قادیانی کا اپنا کردار بھی واضح ہے۔ مرزا قادیانی کے پیروکاروں کا اس سے متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ اسے پروفیسر محمد الیاس برنی سے جناب شفیق مرزا تک کئی اصحاب علم وفضل زیر بحث لائے ہیں۔ تاکہ مسلمان اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں۔ ہمارے دوست جی. آر اعوان نے بھیرہ کے محلّہ اسلام باغ

سے لاہور کے باغ گل بیگم تک کے سفر میں ربوہ اور چنیوٹ میں بھی قیام کیا۔

اتفاق دیکھئے! مرزا بشیر الدین محمود قادیان سے براستہ رتن باغ لاہور ربوہ پہنچے۔

(اخبار الرحمت مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۴۹ء)

اس قیام کے دوران جو دیکھا اسے طاہر رزاق صاحب کے اصرار پر سپرد قلم کیا۔ اس کار خیر میں میرا حصہ صرف یہ تھا کہ طاہر رزاق صاحب کو اعوان صاحب سے متعارف کرایا۔ جس کی اس دنیا میں یہ جزا ملی کہ پہلے ہر باب کا خلاصہ سنا اور پھر مسودہ پڑھا اور ایڈٹ کیا۔ اعوان صاحب سے روزنامہ ''پاکستان'' میں متعارف ہوا۔ وہ میرے نقش قدم پر ''خبریں'' سے ''جنگ'' پہنچے۔ دفتر اور اس سے باہر میری ان سے دوستی مثالی بنتی جارہی ہے۔

''احمقوں کی جنت'' کے تعارف کے سلسلے میں یہ لکھنا مبالغہ ہے نہ بے جا کہ اس سے مرزا قادیانی کے بارے میں قائم میرے اس کلیہ اور تاثر کو تقویت ملی ہے کہ دعاوی بلند مگر نتائج پست نکلے۔ قادیانیوں نے پاکستان میں اپنی آبادی کا نام ربوہ (بلند یا پہاڑی مقام) اس لئے رکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پناہ کو قرآن حمید نے ربوہ قرار دیا۔ (المومنون:۵۰) اور مرزا بشیر الدین محمود نے اسے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے تشبیہ دی۔ (خطبہ جمعہ بحوالہ قادیانی اخبار الرحمت لاہور ج۱ص۱، مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۴۹ء)

لیکن قادیانیوں کا کردار اپنی آبادی کے نام سے برعکس رہا۔ جہاں اصل احمدیوں یعنی مسلمانوں کو غیر احمدی اور احمد ﷺ سے تعلق نہ رکھنے والوں کو احمدی کہا گیا۔ قیام پاکستان میں ان لوگوں کا کیا کردار رہا۔ یہ الگ موضوع ہے۔ ان کے مردے آج بھی قادیان جانے کے منتظر ہیں۔ اس لئے اپنی نئی نسل کو ''یہ ہے ہمارا ہندوستان'' کا درس دیا جاتا رہا۔ مرزا طاہر کے بارے میں جو کتاب لکھوائی گئی اس میں مرزا طاہر کی نوجوانی کی ایک نظم ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

ربوہ میں ہے آج کل جاری نظام اپنا
ہے قادیاں لیکن ابدی مقام اپنا

یہ وہ قادیان ہے جس میں مرزا قادیانی نے مسیح موعود کا دعویٰ کرنے کے بعد یہ کہہ کر ایک مینار تعمیر کرایا کہ احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مینار پر اترنے کا ذکر ہے۔

(خطبہ الہامیہ ص۱۹ ملخص، خزائن ج۱۶ص۵۱)

یہی وہ منارہ ہے جسے دیکھنے کے لئے مرزا قادیانی کے ''صحابی'' اور ''ملنگ'' دیوانے بنے ہوئے ہیں اور پھر ان ملنگوں سے حضرت علیؓ کے ملنگوں کا موازنہ کر کے مسلمانوں کو اشتعال

دلایا جاتا ہے۔ جب کہ علامہ اقبالؒ اور مرزا قادیانی کی بیٹی مبارکہ بیگم سے کلام کا موازنہ کرنے والے قادیانی پروفیسر کا یہ کارنامہ بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا قادیانی کا نام لئے بغیر فرخ (مرزا قادیانی کا تخلص) کو بڑا شاعر ثابت کرنے کی کوشش کی اور اپنا مضمون فریب سے ایک سرکاری ماہنامہ میں چھپوالیا جس میں خواجہ غلام فریدؒ کے بارے میں مغالطہ انگیزی سے کام لیا گیا۔ جب کہ حقیقت جاننے کے لئے ''مقابیس المجالس'' کا مقدمہ دیکھنا ہی کافی ہوگا۔

اعوان صاحب نے درسگاہوں سے لے کر رہائش گاہوں اور ''خلیفہ'' کے لئے پروٹوکول کی تفصیل پر مبنی طبقاتی نظام کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ جماعت کچھ بھی ہو اس کا نبوت سے تعلق ہے نہ خلافت سے اور اس کا پورا نظام فریب پر قائم ہے۔

محمد انور طاہر، لاہور

الہامات کی رداؤں میں لپٹے ہوئے افراد کا اصل کردار

قادیانی امت کا قول وفعل مرزا غلام احمد علیہ ما علیہ کے کشوف والہامات اور ''رویائے صادقہ'' کی طرح بھان متی کی ایک پٹاری ہے اور ان میں اس قدر تضاد وتخالف بلکہ تناقض موجود ہے کہ اس کی کوئی تعبیر کرنا ممکن ہی نہیں۔ نام نہاد الہامات کی رداؤں میں لپٹی ہوئی ''ذریت مبشرہ'' نے ربوہ کی کلر اور شورزدہ سرزمین میں اپنے فکری ونظری بانجھ پن میں اضافہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے فارسی الاصل عجمی ذوق کی تسکین کے لئے بھی ایسی ایسی نئی راہیں تلاش کی ہیں کہ خانوادہ نبوت کاذبہ کی ہر کلی ہی نہیں بلکہ اس سے وابستگی اور پیوستگی کا اقرار کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد جسے بلاشبہ اس جماعت کا سواد اعظم کہنا چاہئے سدومیت کی ایسی نہج پر چلا ہے کہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ خدا تعالیٰ نے عصمت نبوی ﷺ پر زبان طعن درازی کرنے کے نتیجے میں اہل ربوہ سے عصمت وکردار کا وہ گوہر بھی چھین لیا ہے جو ایک عام آدمی کے ماتھے کا جھومر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ قادیانی امت کے بڑے تو چندے کے استحصالی نظام کو باقاعدہ بھتے کی شکل دے کر ہر سال اربوں روپیہ اکٹھا کر لیتے ہیں۔ اس لئے وہ تو فراوانی دولت کے نشے میں بیکاری کے شغل کے طور پر یہ دھندہ اپنا لیتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جنہیں مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے اور اپنے معاشرے سے کٹ کر ربوہ کے استحصالی نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے رہنا پڑتا ہے اور اپنی قوت لایموت میں سے بھی جبری بھتہ دینا پڑتا ہے وہ اگر اس عالم میں اپنے سربراہوں بلکہ گورور جنیشوں کا اتباع نہ کریں تو کیا کریں۔

جھوٹ، الزام تراشی، غیبت، دھوکہ دہی اور فریب وہ عناصر خمسہ ہیں جن سے قادیانیت کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے اگر اس سے کوئی اور چیز برآمد ہو تو اس پر تعجب ہوگا۔ ہر وہ شخص جس نے چند سال ربوہ میں آنکھیں کھلی رکھ کر گزارے ہیں وہ اس امر کی شہادت دے گا کہ ربوہ کی معاشرتی اور معاشی زندگی حسن بن صبا کی جعلی جنت کی طرح ظلی اور بروزی ہی نہیں بلکہ عین بہ عین اس کا بدل ہے۔

برادرم جی۔آر اعوان کو ربوہ کے افکار و نظریات سے کبھی کوئی علاقہ نہیں رہا۔ لیکن انہیں گیارہ سال کا طویل عرصہ چناب کے اس پار گزارنے کا موقع ملا ہے اور ان کے مشاہدات اور تجربات بھی بالکل وہی ہیں جن کا ذکر راقم الحروف نے خاصی تفصیل کے ساتھ ''شہر سدوم'' میں کیا ہے۔ اسے محض اتفاق قرار نہیں دیا جاسکتا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے زمانے میں بھی میں پیر سراج الحق نعمانی نے ان کی پگڑی میں مرزا محمود احمد کے جنسی عصیان کے ایک واقعہ کے بارے میں تحریر لکھ کر محض اتفاقاً ہی رکھ دی اور ازاں بعد اس اتفاق کی ایک جھلک اس وقت نظر آئی جب مولوی محمد علی نے یہ لکھا کہ مرزا محمود احمد پر الزام تو ثابت تھا۔ مگر ہم نے اسے شبہ کا فائدہ دے کر بری کر دیا۔ اسے مکافات عمل کہیے یا ستم ظریفی حالات کہ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اسی کتمان حق کی پاداش میں خود مولوی محمد علی اور ان کے اہل خانہ کو قادیان سے دربدر ہونا پڑا۔ اس کے بعد عبدالکریم اور محمد زاہد المعروف مباہلہ والوں نے اپنی بہن سکینہ بیگم زوجہ آنجہانی مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ سرگودھا سے ہونے والی زیادتی پر مرزا محمود احمد کی پاکبازی کی حقیقت کھولنے کے لئے باقاعدہ ایک اخبار ''مباہلہ'' نکالا۔ پھر فخر الدین ملتانی نے اسی صورتحال سے تنگ آکر قادیان کے در و دیوار پر ''فحش کا مرکز'' کی سرخی جما کر اشتہارات لائے اور اس کے نتیجے میں اسے اپنی جان بھی دینا پڑی۔ حکیم عبدالعزیز نے بھی یہی راہ اپنائی، حقیقت پسند پارٹی کے جنرل سیکرٹری صلاح الدین نے اپنی بہن روزی اور ڈیزی سے ہونے والی زیادتی پر ہاہا کار مچائی۔ ''خالد احمدیت'' عبدالرحمٰن خادم مصنف ''احمدیہ پاکٹ بک'' کے بھائی عطاء الرحمٰن نے اپنی کتاب ''ربوہ کا مذہبی آمر'' میں ایسے ہی خونچکاں حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے ایسے ایسے انکشافات کئے کہ قادیانی خلفاء کا سارا بھرم خاک میں رل کر رہ گیا۔ انہی کے دوسرے بھائی عزیز الرحمٰن نے سینکڑوں پمفلٹ لکھ کر مرزا محمود احمد اور ان کے ہم مشربوں کے قائم کردہ دجالی نظام کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ مگر وہ اپنی پرانی تطہیر ذہنی کی بناء پر مرزا غلام احمد کو اب بھی مجدد مسیح موعود اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں۔ مگر اس کی جنسی انارکی کے بارے میں کوئی مفاہمت، کوئی سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بشیر احمد مصری

جو مولوی عبدالرحمٰن مصری کے بیٹے تھے اور جنہوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر یہ تحریر دی تھی کہ مرزا محمود احمد نے ان سے ’’فعل بد‘‘ کا ارتکاب کیا تھا۔ آخری عمر تک اپنے اس مؤقف پر ڈٹے رہے اور قادیانی امت کے چوتھے گورو مرزا طاہر احمد جب لنڈن گئے تو انہوں نے باقاعدہ ایک پمفلٹ چھاپ کر انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ یہ پمفلٹ میرے پاس بھی موجود ہے جسے جمعیت اہل حدیث نے لنڈن سے ازسرنو شائع بھی کر دیا ہے۔ جب کہ اس کی تفصیلات تو ’’لولاک‘‘ فیصل آباد میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ جس میں جناب بشیر احمد مصری نے مرزا طاہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب علماء کو چیلنج کرنے کی بجائے ہم سے مباہلہ کریں جو آپ کے گھر کے بھیدی ہیں۔ مگر مرزا طاہر احمد اپنے دادا کی سنت کے مطابق راہ فرار اختیار کر گئے۔ کیونکہ انہیں یہ پتہ تھا کہ ان کے سامنے آنے سے قادیان اور ربوہ کی روحانی شکارگاہ کے ایسے ایسے مناظر سامنے آئیں گے جنہیں عبدالرحمٰن قادیانی کے بیٹے عبدالرزاق مہتہ کا کمزور قلم بیان کرنے سے عاجز رہ گیا۔ بھائی عبدالرزاق مہتہ تو خیر بڑھاپے میں یہ کام کرنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ یہاں تو عصیان کا طوفان اپنی شدت میں اتنا زیادہ ہے کہ اس کو بیان کرنے سے تو ’’ڈی۔ایچ لارنس اور جان رائل اسکاٹ‘‘ کا قلم بھی عاجز اور بے بس ہو جاتا ہے۔ جی۔آر اعوان نے تو ان لوگوں کی بڑی تعداد کو جو روحانیت کے چکر میں ان دلدادگان رومانیت کے ہاتھوں سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تھے شاید دیکھا تک نہیں۔ لیکن وہ بھی یہی بات کہتے ہیں تو پھر اسے محض یہ کہہ کر رد کر دینا ممکن نہیں کہ یہ سب مخالفین کی کارستانی ہے۔ یہاں تو اپنے اور بیگانے سب متفق ہیں۔ اس لئے یہ ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے اور ایسا مشاہدہ اور تجربہ ہے جسے کوئی دلیل باطل نہیں کر سکتی۔ جی۔آر اعوان نے ربوہ کی معاشی ومعاشرتی زندگی کی جو جھلک دکھائی ہے وہ ایک ایسا ناگزیر کام ہے جس سے اب تک صرف نظر کیا جاتا رہا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی یہ نگارشات بہت بڑے خلا کو پورا کرتی ہیں۔ ان کی یہ کتاب امت مسلمہ کے ہر طبقہ میں ہی ذوق وشوق سے نہیں پڑھی جائے گی بلکہ ربوہ کی سنگلاخ زمینوں میں بھی یہ اپنا اثر چھوڑے گی اور ماہرین نفسیات کے لئے بھی ایک خاصے کی چیز ہے۔

منور احمد انیس قادیانی نے ملائیشیا کے نائب وزیراعظم سے سدومیت کا شوق پورا کرنے کا پولیس کے سامنے جس طرح اقرار کیا اور اسے بی۔بی سی نے ہوا کے دوش پر کرہ ارض پر بسنے والے اربوں لوگوں تک جس انداز میں پہنچا دیا ہے قادیانی شاید اسے بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام ’’میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘‘ کی تکمیل کا ہی پہلو قرار دیں گے۔ لیکن یہ راز اب طشت ازبام ہوتا جا رہا ہے کہ قادیان اور اس کے بعد ربوہ میں جتنا بدترین استحصالی

نظام قائم ہوا ہے اس نے اس جماعت کے نام نہاد سربراہوں کو تو خدمت دین اور خدمت قرآن کے نام پر اکٹھے کئے گئے چندوں سے حاصل ہونے والے اربوں روپے سے اندرون و بیرون ملک گل چھرے اڑانے کے لئے کھلا چھوڑا ہوا ہے لیکن عام ''احمدی'' جو اپنے مخصوص عقائد ونظریات اور اس میں کئے جانے والے غلو واطراء اور تشدد کی وجہ سے اپنی برادری اور ماحول سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے شہر میں جہاں روزگار کے کوئی متبادل ذرائع موجود نہیں۔ وہاں وہ مرزاغلام احمد قادیانی کے خاندان کو جبری بھتہ دینے پر بھی مجبور ہوتے ہیں اور ان کی چاکری کرنے پر بھی۔ کیونکہ اگر وہ وہاں پر قائم جبر وتشدد کے استحصالی نظام کے خلاف آواز احتجاج بلند کریں تو کرایہ پر رہنے والوں کو تو در کنار وہاں مالکان مکان کو بھی چلتا کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے صرف ''لیز'' پر زمین حاصل کر سکتے ہیں۔ پہلے تو اس زمین کی رجسٹری بھی ''لیز ہولڈرز'' کے نام نہیں ہوتی تھی۔ گو اب یہ سلسلہ تو کسی حد تک شروع ہو گیا ہے۔ لیکن حکومتی ٹیکس کے اربوں روپے خانوادہ نبوت کاذبہ نے جس طرح ''ڈکارے'' ہیں اس کا ابھی تک کوئی حساب نہیں لگایا گیا۔ ربوہ کی زمین ''کراؤن لینڈ ایکٹ'' کے تحت ''علامتی قیمت'' پر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو دی گئی تھی۔ لیکن اسے لاکھوں روپے مرلہ کے حساب سے مریدوں کو بیچ کر جس طرح اربوں روپے کمائے گئے ہیں یہ استحصال کی بدترین مثال ہے اور اس کا حکومت کو ازالہ کرنا چاہئے اور نہ صرف رجسٹری کے ہضم شدہ ٹیکس ان لوگوں سے وصول کرنے چاہئیں۔ بلکہ اس ''لیز'' کو بھی فوراً منسوخ کر دینا چاہئے۔

قادیان سے تو مولوی محمد علی، خواجہ کمال الدین اور دوسرے قریبی لوگوں کو دہلی کے ''چھوٹ بھیٹیوں'' نے نکلنے پر مجبور کر کے ۲۲ سالہ مرزامحمود احمد کو ایک ایسی عمر میں مرزاغلام احمد کی گدی پر بٹھانے کی کوشش کی جو دینی جماعتوں کی سربراہی کے لئے کسی طرح مناسب ہی نہیں۔ اس کے بعد مرزامحمود نے بھی جماعت کو ''ھوالناصر'' لکھنے کی تلقین کر کے اپنے بڑے بیٹے مرزاناصر احمد کی تخت نشینی کی راہ ہموار کی اور مرزا رفیع احمد اپنے تمام خضوع وخشوع اور درسوں سمیت سوتیلا ہونے کی وجہ سے اس گدی کے قریب بھی نہ بھٹک سکے۔ حکیم نورالدین کے بیٹے میاں عبدالمنان کو پہلے ہی جماعت سے نکال کر راستے کا یہ پتھر بھی ہٹا دیا گیا تھا اور ایک مرتبہ جب فالج کے انتہائی کربناک لمحات میں مرزامحمود احمد نے میاں عبدالمنان کو معافی دینے کا ارادہ کیا اور اس کا باقاعدہ جلسہ سالانہ کے موقع پر اعلان کرنے کا پروگرام بھی بنایا تو مرزاناصر احمد نے پستول تان کر کہا: ''ابا حضور! ایسا ہرگز نہ کرنا ورنہ......''

اور پھر مرزا محمود احمد اس سے رک گئے۔ کیونکہ آخر یہ سارا ڈرامہ بھی تو انہوں نے مرزا ناصر احمد کو لانے کے لئے ہی رچایا تھا۔ مرزا ناصر احمد نے تخت خلافت پر متمکن ہو کر مرزا رفیع اور اس کے یمین ویسار میں رہنے والے لوگوں پر ظلم کی انتہاء کر دی تو مرزا طاہر نے فوراً حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مرزا رفیع سے اپنے تعلقات توڑ لئے اور مرزا ناصر احمد کے بیٹے مرزا لقمان کو اپنی اکلوتی بیٹی دوسری شادی کے لئے دے کر خاندان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی اور جب مرزا ناصر احمد اپنے بیٹے مرزا لقمان کے دام میں آنے والی ''طاہرہ خان'' سے راہ ورسم نبھانے اور اپنی مردہ رگوں میں جوانی کا خون دوڑانے کی کوششوں میں ناکام ہوئے اور خداتعالیٰ کی گرفت میں آ کر ''نرگباش'' ہوئے تو مرزا طاہر احمد نے خاندان میں اپنی مضبوط پوزیشن کا فائدہ اٹھا کر خلافت پر قبضہ جما لیا۔ اب ''ایم.جی احمد'' کے حق میں پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور توقع ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی تبدیلی نہ ہوئی تو ''خلافت'' کا ہما اس کے سر پر بیٹھے گا۔ اس کے بعد بھی قادیانی امت یہی ''ڈگڈگی'' بجاتی رہے گی کہ ''یہ خلافت'' ہے گدی نہیں اور امر واقع یہ ہے کہ یہ گدی سے بھی دو قدم آگے رہنے والی ''گدھی'' ہے۔

شفیق مرزا، لاہور

روداد الفت

میو ہسپتال لاہور کی غلام گردشوں میں آج بھی میری اور جی.آر اعوان کی دوستی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ۱۹ برس قبل ہماری پہلی ملاقات ہسپتال کے اینٹی بائیوٹک اور اینٹی سپٹک ادویہ کے مشک زدہ ماحول میں اس وقت ہوئی جب ہم دونوں وہاں ملازم تھے۔ ایک شفیق اور نستعلیق انسان سے ملاقات ہوتے ہی ہماری دوستی ہوگئی۔ یوں شیر وشکر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے گھریلو، دفتری، مالی اور سماجی حالات ایک جیسے تھے۔

اتنی طویل دوستی میں جو مشاہدہ میں نے کیا اس کے مطابق اعوان صاحب بڑے مرنجاں مرنج اور ہمہ صفت انسان ہیں۔ خود مصائب کے گرداب میں گھر کر بھی دوسروں کو کنارے لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کمٹمنٹ کا یہ عالم ہے جو وعدہ کریں اسے ایفا کرنا جزو زندگی سمجھتے ہیں۔

اعوان صاحب لاہور میں پیدا ہوئے۔ پرورش اور ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر بھیرہ ضلع سرگودھا کے محلہ اسلامی باغ میں پائی۔ افتادطبع کا یہ عالم ہے پرائمری تعلیم کے دوران موصوف نے چند دن بھی کسی ایک سکول میں ٹک کر نہیں گزارے۔ کبھی شوکت اسلامیہ سکول میں ہیں تو کبھی ماسٹر سعید کے مدرسے میں۔ آج چڑی چوگ سکول میں گئے ہیں تو کل اپنے تایا حاجی محمد حیات کے

سکول علی پور سیداں میں براجمان ہیں۔ اپنے سرکاری ملازم والد محترم کے ساتھ مختلف شہروں میں بھی رہے۔ اس دوران سلانوالی اور ساہیوال ضلع سرگودھا کے علاوہ لاہور کے کوٹ خواجہ سعید کے سکول میں بھی تختیاں لکھتے رہے۔ لیکن پرائمری تعلیم کا اصل، طویل اور نتیجہ خیز دور انہوں نے ضیائے امت پیر کرم شاہ کے سکول محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول میں ملک نذیر اور صوفی خدا بخش کے زیر تدریس گزارا۔ آپ نے اسی سکول سے مارچ ۱۹۶۵ء کو پانچویں جماعت پاس کی۔

اعوان صاحب کے والد صاحب کو سرکاری و نجی ملازمت خاص طور پر ''کلرکی'' بالکل پسند نہیں تھی۔ اسی لئے انہوں نے ۱۹۷۳ء میں ریٹائرمنٹ سے قبل ہی چنیوٹ میں سیمنٹ کی ایجنسی لے کر کاروبار شروع کر دیا جو سابق صدر جنرل ضیاء الحق کے ''فضل و کرم'' سے ۱۹۷۸ء میں کم سنی کے عالم میں ہی دم توڑ گیا۔ ناچار اعوان صاحب کو ملازمت تلاش کرنا پڑی۔ اس سلسلے میں وہ اپریل ۱۹۷۹ء کو لاہور کے باغ گل بیگم میں آ پہنچے اور حالات نے آپ کو میو ہسپتال کا جونیئر کلرک بنوا دیا۔ لیکن آپ نے والد کی نصیحت و وصیت کے مطابق خدا کی طرف سے موقع ملتے ہی ''کلرکی'' چھوڑ دی۔ ۱۹۸۱ء میں آپ نے حضرت یونس خان آفریدی ڈبل ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، ایف۔آر۔جی۔ایس ایڈووکیٹ لاہور ہائیکورٹ سے بیعت کر لی۔ میں آفریدی صاحب کا مرید تو نہیں تاہم عقیدتمند ضرور رہا ہوں۔ انہیں کے حکم پر ہم دونوں نے ایران کے خانہ فرہنگ مال روڈ پر فارسی کے کورس میں داخلہ لیا۔ کورس کی تکمیل کے بعد جی۔آر اعوان نے تو ایم۔اے اردو کر لیا جو میں چاہنے کے باوجود نہیں کر سکا۔ ایک دفعہ آفریدی صاحب نے قلندرانہ ترنگ میں کہا: ''اعوان صاحب آپ صحافی کیوں نہیں بن جاتے'' عرض کی ''حضرت وہ کیسے میرا تو اس پیشے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' فرمایا: ''ہم نے کہا ہے بن جائیں۔'' بس ادھر آفریدی صاحب کے منہ سے بات نکلی سوئے اتفاق ادھر ڈان اخبار کے سکندر لالی نے اعوان صاحب کو سیارہ ڈائجسٹ میں جز وقتی پروف ریڈر بننے کے لئے بھیج دیا۔ آپ یہاں آئے تو پروف ریڈر کے بجائے مصنف بن کر اولیائے کرام کی چار جلدیں لکھ ڈالیں اور دسمبر ۱۹۸۹ء تک علی سفیان آفاقی اور ندیم اپل کی ادارت میں کام کرتے رہے۔

آپ نے آغا شورش کاشمیری کی تمام کتب پڑھی کیا ازبر کر رکھی ہیں۔ یہ انہی کا اعجاز ہے کہ جب آپ کوئے صحافت میں آئے تو امروز، اجالا، چاردیواری، حکایت، سیارہ ڈائجسٹ، زندگی، مشرق، نوائے وقت میں لکھتے وقت انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ جون ۱۹۹۰ء میں روزانہ صحافت کا باقاعدہ آغاز کیا اور چند دن نوائے وقت اور ایک سال مشرق میں گزارا۔ پھر پاکستان

اور خبریں سے ہوتے ہوئے روزنامہ جنگ آ پہنچے اور تادم تحریر یہیں پر ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں۔

اعوان صاحب نے ’’احمقوں کی جنت‘‘ لکھنی شروع کی تو میں ڈر گیا۔ انہیں روکا اور کہا بھائی مرزائی بڑے ظالم لوگ ہیں۔ آپ اپنے بچوں کے تنہا کفیل اور وکیل ہیں۔ آپ کو کچھ ہوگیا تو ان کا کون والی وارث ہوگا۔ اس پر انہوں نے کہا: ’’اگر اسی طرح مرنا لکھا ہے تو پھر ڈرنا کیسا۔‘‘ بہرحال انہوں نے کتاب لکھ ڈالی جسے پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوا اعوان صاحب نے کتاب لکھ کر کمال کیا ہے۔ نہ لکھتے تو ملال ہوتا۔ محمد اشرف، ہارٹ میڈیکس جیل روڈ لاہور، ۱۹۹۸ء

غایت تحریر

ہر شخص کے ماضی میں یادوں کا ایک جہاں آباد ہوتا ہے۔ ذہن کا کمپیوٹر آن ہوتے ہی بیتے دنوں کا لمحہ لمحہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ میرے ایام رفتہ بھی یادوں سے بھرے پڑے ہیں۔ بے شمار تلخ وشیریں یادیں بھلائے نہیں بھولتیں۔ پھر قدرت نے انتہائی کمال کا حافظہ دیا ہے کہ اک ذرا غور کی دیر ہے۔ گئے دنوں کی ہر بات یوں یاد آنے لگتی ہے جیسے مسافت سمٹ گئی ہو اور گزرا زمانہ لوٹ آیا ہو۔ بچپن کی یادیں تو ویسے بھی لاشعور کے نہاں خانوں میں ایسے جاگزیں ہوتی ہیں کہ انسان زندگی میں جب بھی خواب دیکھتا ہے تو خود کو اسی گھر میں دیکھتا ہے۔ جہاں اس نے بچپن گزارا ہوتا ہے۔

میرا بچپن اور لڑکپن کفر کی بستی ’’مرزائیل‘‘ میں گزرا۔ جسے ربوہ کہا جاتا ہے۔ مرزائیوں اور یہودیوں میں ہر اعتبار سے اس قدر مماثلت ہے کہ ربوہ کو اسرائیل کے ہم وزن مرزائیل کہنا انتہائی موزوں لگتا ہے۔ تاہم کتاب کے نام ’’احمقوں کی جنت‘‘ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسلمان جنت کے لئے اعمال، اوصاف اور افعال کو باکمال بناتا ہے۔ جبکہ مرزائی پیغمبر کی جنت کے ٹکٹ کے خواہشمند کو اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے ایک چوتھائی حصہ کے برابر رقم جماعت کو دینا پڑتی ہے۔ لہٰذا اعمال کی بجائے مال سے جنت حاصل کرنے والوں کے شہر کو ’’احمقوں کی جنت‘‘ ہی کہا جاسکتا ہے۔ ویسے کتاب کے آخر میں ڈاکٹر سید اعزاز الحسن شاہ کا تحقیقی مضمون ربوہ کے نام کے متعلق بے شمار وضاحتوں کا حامل ہے۔ جس کے مطابق مرزائیوں کے اس شہر کو ربوہ کے علاوہ کوئی بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۵ء میں میرے والد گرامی سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں ربوہ تبدیل ہوئے تو ہمیں اپریل ۱۹۶۵ء سے اگست ۱۹۶۹ء تک ربوہ میں رہنا پڑا۔ بعد ازاں اگرچہ قیام چنیوٹ میں

رہا۔ تاہم تعلیمی تعلق کے حوالے سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک مرزائیل سے ہی وابستگی رہی۔ اس دوران وہاں کا شہری، شخصی، سماجی زندگی اور مرزائی روایات کے بےشمار مشاہدات سامنے آئے۔

مرزائی قوم ایک جھوٹے نبی کی امت ہونے کے باعث مسلمانوں کے لئے جس قدر ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ان کی زندگی میں پھیلے ہوئے اخلاقی اور سماجی طاعون کو دیکھ کر سر چکراتا اور ذہن سوچتا ہے کہ یہ لوگ ہیں کیا اور خود کو پیش کیا کرتے ہیں۔ اخلاق کی چادر اوڑھے یہ گروہ یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر خصائل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

قیام ربوہ کے دوران بےشمار مرزائیوں سے ملاقات ہوئی۔ کئی دوست بنے، لاتعداد کلاس فیلو بھی تھے۔ ان کے مذہبی اجتماعات بھی دیکھے۔ کئی مرزائی بےزاروں سے مرزائی امت کے ارباب حل وعقد کی داخلی زندگی کے رنگین وسادہ قصے بھی سنے۔ ''جنت ودوزخ'' اور ''حور وغلمان'' کی کہانیاں بھی معلوم ہوئیں۔ لیکن ان سب سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ مرزائیوں میں مسلمانوں کے لئے تعصب اور تنفر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ربوہ میں قیام کے دوران جو دیکھا اور محسوس کیا وہ سب وقت کی دھول اور مصروفیت کی گرد تلے دبتا چلا گیا۔ قلم وکاغذ سے رشتہ ہونے کے باوجود کبھی بھولے سے بھی یہ خیال ذہن میں نہیں آیا کہ کفرستان میں قیام کی روداد پر خامہ فرسائی کی جائے۔ چند برس پہلے ایک روز اپنے ایک جاننے والے کے گھر بیٹھا تھا۔ ان کے ہاں ڈش نصب تھی۔ ٹیلی ویژن آن تھا۔ چینل بدلتے ہوئے اچانک ''احمدیہ ٹیلی ویژن نیٹ ورک'' آ گیا۔ جس پر مرزا طاہر کا نام نہاد جمعہ کا خطبہ نظر ہو رہا تھا۔ موصوف کا کہنا تھا کہ: ''پاکستان میں ہم جن قابل تعزیر جرائم کی زد میں آتے ہیں ان میں ہمارے گھروں سے قرآن کا برآمد ہونا، کسی کو السلام علیکم کہنا یا نماز پڑھانا شامل ہے۔ جب کہ پاکستانی علماء اغواء، بدفعلی، زیادتی اور ناجائز اسلحہ رکھنے کے جرائم میں دھرے جاتے ہیں۔ موازنہ کیا جائے کہ قصوروار اور جرم دار کون ہے؟''

مرزا طاہر کی طرف سے جس ڈھٹائی سے خود کو معصوم اور پاکستانی علمائے کرام کو مطعون کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اسے سن کر میری سوئی ہوئی یادوں نے انگڑائی لی اور قیام ربوہ کے دوران دیکھے ہوئے مرزائیوں کے کئی ''کالے کرتوت'' یاد آنے لگے اور بےاختیار چاہا کہ کاش یہ شخص میرے سامنے ہوتا تو میں اس کا اور اس کی امت کا کچا چٹھا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیتا۔ میرے پاس کوئی پلیٹ فارم نہیں تھا۔ چنانچہ یہ خواہش دل ہی دل میں رہ گئی۔ لیکن قدرت کو شاید میرے جذبے پر کچھ زیادہ ہی پیار آ گیا۔ اس لئے اس نے مرزائیوں کو آئینہ دکھانے کے لئے مجھے جلد موقع فراہم کر دیا۔

علامہ انور طاہر صاحب میرے مشفق اور مہربان دوست ہیں۔ ایک شب پریس کلب میں ان کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا کہ انہیں ملنے کے لئے محمد طاہر رزاق صاحب تشریف لائے۔ مرزائیت کے خلاف طاہر صاحب کے جہاد کے تذکرے کے بعد علامہ صاحب نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ: ’’اعوان صاحب گیارہ برس ربوہ نشین رہے ہیں۔‘‘ طاہر صاحب سے گفتگو شروع ہوئی تو میں نے انہیں قیام ربوہ کے مختلف واقعات سنائے۔ جس پر طاہر صاحب نے مجھے اس بارے میں یادداشتیں تحریر کرنے کے لئے کہا جس سے ربوہ کی عام شخصی زندگی سے پردہ اٹھتا ہو۔

علامہ صاحب کی تحریک اور محمد طاہر رزاق صاحب کی تائید سے میرا قلم متحرک ہوا، اور یہ کتاب شروع کر دی گئی۔ کتاب کیا ہے، ربوہ میں قیام کا روزنامچہ ہے جو چھٹی جماعت سے بی۔اے تک ایک طالبعلم کی سال بہ سال کی یادوں اور محسوسات کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں کسی تصنع و بناوٹ کا سہارا لیئے بغیر اس زمانے میں آنکھوں نے جو دیکھا اور دماغ نے جو محسوس کیا وہ لکھ ڈالا۔

کتاب مرزائیت کے خلاف ضرور ہے لیکن اس میں مخالفت برائے مخالفت کا عنصر کہیں بھی نہیں۔ تاہم رسالت اور ختم نبوت کے فلسفے سے محبت کا اثر بہرحال موجود ہے۔ جو ہر مسلمان کے ایمان کا اقتضاء ہے کہ جو شخص بھی ہمارے پیغمبر آخر، پیغمبر اعظم ﷺ کے کاشانہ نبوت میں نقب لگائے وہ مسلمہ کذاب ہو یا قادیان کا مرزا غلام احمد قادیانی اس سے نفرت اور جنگ ضرور کی جائے گی۔

چنانچہ ربوہ اور اس کے مرزائی مکینوں کے بارے میں میرے ذہن میں جو سچ محفوظ تھا، میں نے جہاد سمجھ کر محض اس وجہ سے لکھ ڈالا کہ ’’مرزا غلام احمد‘‘ کو جہاد سے نفرت تھی۔ میری اس کتب کو پڑھ کر اگر ایک مرزائی بھی مرزائیت سے متنفر ہو کر تائب ہو جاتا ہے تو یہ میری فلاح کا باعث ہوگا۔

کتاب کی تیاری میں میرے قلم وذہن کا جتنا دخل ہے، اس سے کہیں زیادہ علامہ صاحب کی رہنمائی اور طاہر رزاق صاحب کے مفید مشورے شامل ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب طاہر رزاق اور علامہ صاحب کے مساعی مشکور کا نتیجہ ہے تو غلط نہیں ہوگا۔

ناقدری الفت ہوگی کہ یہ سطور شفیق مرزا کے ذکر سے خالی رہیں۔ کہنہ مشق صحافی، دانشور اور صاحب علم شفیق مرزا نے مرزائیت کے رگ وریشے کی جراحت جس طرح کی ہے اس کی شاہد تو ’’شہر سدوم‘‘ ہے تاہم احمقوں کی جنت، انہوں نے حرف حرف پڑھی اور بہت سے ایسے نکات سے آگاہ کیا جن سے ناآشنائی، نارسائی اور ناآگاہی کے باعث یہ کتاب ادھوری اور ناوک

تنقید کا نشانہ بنتی۔ روداد الفت میں عزیز من اشرف صاحب نے سوانحی خاکہ بیان کرتے ہیں۔ میری بہت تعریف کی ہے یہ ان کی نوازش ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

کتاب میں مختلف تذکروں کے دوران مرزائی شہریوں، محلوں اور مقامات کے نام مصلحتاً تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ جی. آر اعوان، لاہور

ویرانی سی ویرانی

۱۹۶۵ء کے شروع کی بات ہے۔ ہم ساہیوال ضلع سرگودھا میں رہتے تھے کہ ابا جی کا تبادلہ ربوہ ہوگیا۔ وہ محکمہ زراعت میں ملازمت کرتے تھے۔ ہمارا آبائی شہر بھیرہ ضلع سرگودھا ہے۔ بھیرہ جہاں اولیاء خیز سرزمین ہے، وہاں مرزائیوں کا گڑھ بھی ہے۔ مرزا قادیانی کا پہلا خلیفہ حکیم نورالدین بھی بھیرہ کا ہی رہنے والا تھا۔ جس نے ''مرزا غلام احمد'' کی جھوٹی نبوت کو چار چاند لگائے۔ انہی دنوں ہماری پھوپھی زاد بہن کی شادی تھی، جس میں شرکت کے لئے ہم ساہیوال سے بھیرہ آئے تو وہاں کے مرزائیوں نے ہمارے گھر میلہ لگا دیا۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ہم ربوہ جا رہے ہیں تو ان کی خوشیاں دیدنی تھیں۔ حافظ اشرف، اماں خدیجہ، مبارک بک سیلر، بشارت چکی والا، مبارک درزن۔ غرض ہر مرزائی شخص ہمیں ملنے آیا۔ یہ لوگ یوں مل رہے تھے جیسے ہم حج یا عمرہ کرنے دیار حبیب ﷺ جا رہے ہیں۔ تب مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان مرزائیوں کی اس وارفتگی کی غایت کیا ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ان کے پاؤں زمین پر اس لئے نہیں ''ٹک'' رہے کہ ان کے خیال میں ربوہ جا کر ہم لوگ مرزائی ہو جائیں گے۔

میں نے پانچویں جماعت ساہیوال میں مفتی صاحب کے سکول میں پڑھی تاہم امتحان پیر کرم شاہ صاحب کے محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول بھیرہ سے پاس کیا تھا۔ مزید تعلیم کے لئے چھٹی جماعت میں ربوہ جا کر داخلہ لینا تھا۔ جن دنوں کا یہ ذکر ہے، تب مرزائیوں کو کافر تو سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ملکی قانون کے اعتبار سے وہ غیرمسلم نہیں تھے۔ انہیں عام طور پر مسلمانوں کے ہی ایک فرقے جیسی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا مرزائیوں سے میل جول، لین دین اور کھانا پینا اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بھیرہ کے مرزائی نشینوں نے ابا جی کو اپنے ربوہ مکین عزیزوں اور رشتہ داروں کے حوالے اور پتے دیئے۔ بلکہ اپنے عزیزوں کو ان لوگوں نے خطوط کے ذریعے ہماری آمد کے بارے میں مطلع بھی کر دیا۔ چنانچہ جب ہم ربوہ آئے تو وہ سب ہمارے منتظر اور چشم براہ تھے۔

ہم لوگ ابھی بھیرہ میں ہی تھے کہ ابا جی چارج سنبھالنے ربوہ چلے گئے۔ وہاں جا کر

انہیں معلوم ہوا کہ مرزائی انتظامیہ، امت اور جھوٹی نبوت کا دعویدار مرزائی خاندان مسلمان سرکاری ملازمین کو صرف اسی صورت میں ربوہ میں ٹکنے دیتا ہے۔ اگر وہ ان کی بات مانتے رہیں۔ بصورت دیگر ان کا تبادلہ کروادیا جاتا ہے۔ ابا جی کے پیش رو کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ربوہ میں قیام اور مرزائیوں کو ٹھکانے پر رکھنے کے لئے ٹھوس حکمت عملی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی سب سے پہلی ملاقات تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل مرزا ناصر احمد سے ہوئی، جو بعد میں مرزائیوں کے تیسرے خلیفہ بنے۔

محکمہ زراعت کا دفتر اور متعلقہ آفیسر کی رہائش گاہ شہر سے دور دریائے چناب کے پاس تھی۔ کیونکہ شہر میں کوئی شخص مرزائی مرکز کی اجازت کے بغیر رہائش نہیں رکھ سکتا تھا۔ ابا جی نے سب سے پہلے دفتر اور رہائش شہر میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہر میں رہ کر وہ تمام حقوق حاصل کرنا چاہتے تھے جو ایک پاکستانی شہری کا حق ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی مقصد تھا کہ مرزائیت کو قریب سے دیکھا جاسکے۔ ابا جی نے مرزا ناصر احمد سے ملاقات کر کے بتایا کہ وہ اپنا دفتر اور رہائش شہر میں رکھیں گے اور سرکاری ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ان سے محکمانہ تعاون کرتے رہیں گے۔ لیکن ربوہ میں قیام کے دوران اپنی نجی اور مذہبی زندگی میں کوئی مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔ مرزا ناصر احمد نے ابا جی کو بتایا کہ آپ سے پہلے اکثر زراعت آفیسر ہم سے تعاون نہیں کرتے رہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے زرعی مسائل اور فصلوں اور باغات کی نگہداشت کے لئے ذاتی زرعی عملہ رکھنا پڑا۔ آپ ہمیں محکمانہ تعاون فراہم کریں تو ہمارا وعدہ ہے کہ آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، ربوہ میں کسی مسلمان کے لئے گھر حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لہٰذا ہمیں بھی ذاتی طور پر کسی مرزائی سے کرائے کا گھر نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ مرزا ناصر نے ابا جی کو شہر میں رہائش اور دفتر کے لئے ایک کشادہ مکان لے کر دیا۔

اپریل ۱۹۶۵ء کے آخری ایام تھے جب ہم بھیرہ سے عازم ربوہ ہوئے۔ لاہور جاتے ہوئے کئی بار ربوہ کا نام سنا۔ لیکن اس روز ہم اسے دیکھنے اور وہاں رہنے پہلی بار جارہے تھے۔ مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے ہم نے پہاڑوں کے دامن میں واقع وادی کفرستان میں پہلا قدم رکھا۔ بس ایک ویران سی جگہ پر رکی۔ ہمارا سامان اتارا اور روانہ ہوگئی۔ اس وقت ربوہ کا لاری اڈہ مرزائیوں کے ''قصر خلافت اور عبادت گاہ مبارک'' کے پاس ہوتا تھا۔ اڈے پر ایک چونگی محرر اور ایک قلی نما شخص تھا۔ جس کا نام غالباً سیف الرحمٰن تھا۔ باقی ہر طرف ''ہو'' کا عالم اور کوئی ویرانی سے ویرانی تھی۔

میں، میرے بہن بھائی اور امی جان اڈے پر حیران کھڑے سوچ رہے تھے۔ ''یارب

یہ کیسی بستی ہے جہاں بندہ نہ بندے کی ذات'' سب اباجی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے پوچھ رہے ہوں۔ ''آپ ہمیں کہاں لے آئے ہیں؟''

کافی دیر بعد دور سے ایک تانگہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ اڈے پر پہنچا تو اباجی نے اسے ''محلہ دارالرحمت غربی، الفضل والی گلی'' چلنے کو کہا۔ کوچوان نے سامان تانگے میں رکھا۔ ہم سوار ہوئے اور تانگہ واپس سرگودھا کی طرف چل پڑا۔ سڑک کے دائیں جانب تو صرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ جب کہ بائیں جانب خاردار درختوں کے پار ایک جیسی کوٹھیوں کی قطاریں تھیں۔ جن میں بیشتر درودیوار سفید اور سبز تھے۔ کوئی ڈیڑھ میل کی مسافت کے بعد تانگہ محلہ دارالصدر کی عقبی سڑک سے شہر میں داخل ہوا۔ اس نیم پختہ سڑک کا نام تو اب میرے ذہن میں نہیں، تاہم سرگودھا کی طرف شہر کی یہ آخری سڑک تھی۔ مکانوں کا سلسلہ شروع ہوا تو راستے میں کئی مکین بھی نظر آئے۔ عجیب وغریب شکلوں والے لوگ تھے۔ یوں لگتا تھا ہم کسی اور ہی ملک میں آ گئے ہیں۔ مختلف گھروں کی دیواروں پر کچھ عبارات تحریر تھیں۔ جن کے نیچے الہام حضرت مسیح موعود لکھا ہوا تھا۔

ان عبارات میں سے کچھ یوں تھیں: ''مرزا غلام احمد کی جے۔''

''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔''

تانگے کا گھوڑا مریل، تانگہ کھٹارا اور کوچوان عجیب یبوست زدہ تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑک نے تو ہمارے انجر پنجر ہلا کر رکھ دیئے اور بالآخر ہم الفضل والی گلی کے اس مکان کے سامنے آ پہنچے جس پر لگی ہوئی سنگ مرمر کی تختی پر ''امین منزل'' لکھا ہوا تھا۔ یہ گلی ربوہ کے مغربی کنارے کی آخری گلیوں میں سے تھی۔ اس کے بعد صرف ایک گلی تھی، جس کے دوسری طرف کافی دور ایک گاؤں نما آبادی تھی جسے ''چمن عباس'' کہتے ہیں۔

گھر خاصا کھلا اور بڑا تھا۔ ہمیں گھر چھوڑ کر اباجی بازار سے کھانا وغیرہ لینے چلے گئے۔ کھانا کھا کر ہم چارپائیوں پر دراز ہوگئے۔ ہم میں سے ہر ایک سوال پر سوال کر رہا تھا کہ ''ہم کہاں آ گئے ہیں؟ یہ تو ویران سا شہر ہے۔ ہمارا دل یہاں کیسے لگے گا؟'' تھکے ہوئے اباجی نے یہ کہہ کر ہم سے جان چھڑائی کہ ''صبح ہو لینے دو آپ لوگوں کی تمام حیرانیاں اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔'' تھکے ہوئے تو خیر ہم تھے، تھوڑی ہی دیر بعد نیند کی وادیوں میں گم ہوئے۔ اگلے روز اٹھے تو سب سے پہلے میرے کانوں نے سنا وہ ایک گونج دار آواز تھی: ''چھولے بڑے پولے۔''

اباجی نے مجھ سے کہا: ''یہ آواز سنی ہے؟'' کہا: ''جی سنی ہے۔'' اس پر انہوں نے بتایا ہمارے گھر کے ساتھ ہی ایک بازار ہے۔ جس کو غلہ منڈی یا رحمت بازار کہا جاتا ہے۔ یہ آواز وہاں

سے آئی ہے۔ پھر انہوں نے ہمیں گھر اور اس کے حدود اربعہ کے متعلق بتایا۔ اس محلے کا نام دارالرحمت غربی اور سڑک نما گلی کا نام الفضل والی گلی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ربوہ سے مرزائیوں کا ایک اخبار بھی شائع ہوتا ہے جس کا نام ''الفضل'' ہے۔ اس کا دفتر اسی گلی میں ہے۔ جبکہ چمن عباس میں زیادہ تر اہل تشیع بستے ہیں۔ تاہم وہاں چنگڑ قوم بھی آباد ہے۔ شہر کے بارے میں انہوں نے مزید بتایا کہ ربوہ میں سب سے بڑا گول بازار ہے جب کہ ایک کچا بازار بھی ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ مجھے بازار لے گئے۔ بازار اور لوگوں کو دیکھ کر کچھ تسلی ہوئی کہ یہاں بھی کوئی رہتا ہے۔

الفضل والی جس گلی میں ہمارا گھر تھا، اس کے ایک طرف مستری فضل دین سائبریا والے، دوسری طرف ٹاؤن کمیٹی ربوہ کے سیکرٹری نور احمد عابد، تیسری طرف ابراہیم پہلوان رہتے تھے۔ جب کہ چوتھی جانب سڑک تھی اور اس کے پار کھلا میدان تھا۔ جس کی ایک طرف چاچا محمد حسین اور بابا ہل جل کا گھر تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی چوہدری سربلند خان کا گھر تھا۔ ہمارے گھر پر نصب ''امین منزل'' کی تختی دراصل مالک مکان محمد امین زرگر کے نام سے موسوم تھی جو سیالکوٹ میں رہتے تھے اور صرف مرزائیوں کے جلسہ سالانہ پر ہی وہ ربوہ آیا کرتے تھے...... اس گلی میں زیادہ تر متوسط طبقے کے ملازم پیشہ اور محنت مزوری کرنے والے مرزائی آباد تھے۔ مسلمانوں کا صرف ایک گھر تھا اور وہ ہمارا تھا۔ تاہم گلی میں ایک قابل ذکر شخصیت صوفی بشارت الرحمٰن رہتے تھے جو عربی کے پروفیسر تھے جو بعد ازاں تعلیم الاسلام کالج کے وائس پرنسپل بھی بنے۔ صوفی صاحب کو نہ جانے کیا بیماری تھی کہ وہ اپنے گھر سے نکلتے ہی گھنگھارنا شروع کرتے اور منزل مقصود تک پہنچنے تک یہ عمل جاری رکھتے۔ ان کی یہ عادت ان کے گھر سے باہر نکلنے کا اعلان ہوتی تھی۔

پینے پر کوئی پابندی نہیں

ربوہ میں بس کے ذریعے آئیں تو سڑک کی ایک جانب پہاڑ ہی پہاڑ اور ان کے دامن میں مرزائیوں کا جنت دوزخ ہے۔ جب کہ دوسری جانب دریائے چناب تک شہر آباد ہے۔ تاہم دریا کے قریب سڑک کے دونوں جانب آبادیاں ہیں۔ پرانے اڈے سے شہر کی طرف داخل ہوں تو ایک طرف قصر خلافت اور اس سے ملحقہ ''پوش علاقہ'' ہے۔ لاری اڈے سے شہر آنے والی یہ سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ جس کے ایک حصے پر قصر خلافت جامعہ نصرت کالج و نصرت گرلز ہائی سکول ہے اور دوسری جانب یہی سڑک امور عامہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے سامنے

سے گزرتی ہوئی گول بازار میں داخل ہو جاتی ہے۔ گول بازار بھی دراصل گول نہیں بلکہ درانتی کی مانند آدھا گول ہے۔ اب تو شہر کی شکل بدل چکی ہے۔ تاہم ۱۹۶۵ء میں اس کی صورت ایسی ہی تھی، جیسی بتلائی جارہی ہے۔ دکانوں کا سلسلہ منان ٹیلر کی دکان سے شروع ہو کر زیرہ ہاؤس پر ختم ہوتا تھا۔ زیرہ ہاؤس کے سامنے سے ایک سڑک گزرتی ہے جو ریلوے پھاٹک کو کراس کرتی ہوئی شہر کے دوسرے حصے کی طرف جاتی ہے۔ جس پر فضل عمر ہسپتال، ٹیلی فون ایکسچینج اور تنویر سٹوڈیو وغیرہ آتے ہیں۔ ریلوے لائن شہر کے وسط میں سے گزرتی ہے جس کے ساتھ ساتھ جانے والی ریلوے روڈ کی طرف اور غلہ منڈی اور فیکٹری ایریا کی طرف جاتی ہے۔ دریا کی طرف جانے والی اسی سڑک پر جامعہ احمدیہ، تعلیم الاسلام ہائی سکول اور تعلیم الاسلام کالج ہیں۔

ربوہ کی تمام گالیاں کشادہ اور سڑک نما ہیں۔ تب گلیاں تو کچی تھیں تاہم ریلوے اسٹیشن اور لاری اڈے سے شہر کے مختلف حصوں کو جانے والی اور قصر خلافت اور اس سے ملحقہ علاقے کی سڑکیں نیم پختہ تھیں۔ انہیں تارکول ڈال کر پختہ بنانے کی بجائے ان پر موٹی بجری ڈال کر اوپر سرخ کیری بچھا کر پختہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ سڑکیں بھی ''مرزا غلام احمد'' کی نبوت کی طرح جعلی تھیں جن کی قلعی بارش ہوتے ہی کھل جاتی۔ ان پر پڑی ہوئی ''سڑک کیری'' لال کیچڑ بن کر لوگوں کے کپڑوں پر نقش ونگار بنا دیا کرتی تھی۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر تھی کہ جعلی خاندان نبوت نے انتہائی متمول و مالدار ہونے کے باوجود سڑکوں کی تعمیر پر توجہ کیوں نہیں دی تھی۔

ربوہ کے تمام داخلی راستوں پر بڑے بڑے سائز کے بورڈ آویزاں تھے۔ جن پر جلی حروف میں ''سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔'' لکھا ہوا تھا۔ یہاں آنے والے اجنبی ان بورڈوں کو پڑھ کر اکثر سگریٹ پھینک یا جیبوں میں اچھی طرح چھپا دیا کرتے تھے۔ میں نے شہر میں پھرتے ہوئے دیکھا کہ ہر کریانے کی دکان پر نہ صرف سگریٹ فروخت ہوتے بلکہ چلتے پھرتے لوگ سگریٹ پیتے بھی نظر آتے تھے۔ جب کہ پان سگریٹ کے کئی کھوکھے بھی تھے۔ گول بازار میں پان سگریٹ کی سب سے بڑی دکان ''فہیم موٹے'' کی تھی۔ اس سلسلے میں لوگوں سے پوچھا گیا کہ جب شہر میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے تو یہاں سگریٹ کی دکانیں کیوں ہیں۔ بتایا گیا کہ سرعام سگریٹ پینا منع ہے۔ گھروں کے اندر سگریٹ، حقہ اور بیڑی پی جاسکتی ہے۔ بعد میں پتہ چلا یار لوگ پینے والی بہت سی چیزیں چھپ کر پی لیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی تھی۔ جب سرعام سگریٹ پینے والوں کا ذکر کیا گیا تو ایک شرمندہ سے تبسم کے علاوہ کوئی جواب نہ مل سکا۔

ربوہ میں اردو کے ایک پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی تھے جن کے والد مولوی

احمد خان نسیم مرزائی مبلغ تھے جو پاکستان بھر کے دیہات کے دورے کر کے سادہ لوح دیہاتیوں کو گھیر گھار کر مرزائی بناتے تھے۔ ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی ''قینچی'' کے سگریٹ پیتے تھے۔ ان کے لئے شہر کا ایک مخصوص دکاندار خصوصی طور پر اس برانڈ کے سگریٹ منگوایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر پروازی جامعہ احمدیہ کے کواٹروں میں رہتے تھے۔ ریلوے لائن کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جب وہ تعلیم الاسلام کالج پڑھانے جاتے تو کھلے عام سگریٹ پیتے ہوئے جاتے تھے۔ جب کہ ایم.ایم احمد کے بھائی ہسٹری کے پروفیسر مرزا مجید عرف میاں موجی تو کار میں آتے جاتے، کلاس پڑھاتے وقت اور سر عام بھی ''پائپ'' منہ میں ٹھونسے رکھتے تھے۔ شہر میں سگریٹ نوشی کی جتنی ممانعت تھی، اتنی زیادہ سگریٹ کی فروخت ہوتی تھی۔ مرزائیت کو میرا نارسا ذہن تو پہلے ہی سمجھتا تھا۔ مگر سگریٹ نوشی کے متعلق ان کی دورنگی نے ''مرزا غلام احمد'' کی نبوت کا فلسفہ مزید واضح کر دیا کہ مرزائیت منافقت آ گیں اور دو نمبر مذہب ہے۔

ربوہ میں تمام مکانوں کی ترتیب اور نقشے ایک جیسے ہیں۔ یعنی ایک گلی کے مکانوں کا عقبی حصہ دوسری گلی کے مکانوں کے عقبی حصہ کے ساتھ ملتا تھا۔ تمام مکانوں کی تعمیر ''ایل'' کی شکل میں کی ہوئی تھی جب کہ ہر گھر میں ایک درخت بھی لگا ہوتا تھا۔ ان دنوں ربوہ میں ٹیلی فون ایکسچینج لگے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ چنانچہ مرزائی مرکز کے حکم پر اکثر وبیشتر مرزائیوں کے گھروں میں ٹیلی فون تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ہی ربوہ میں سوئی گیس کی تنصیب ہوئی تو مرزائی امت اس وقت سوئی گیس کی سہولت سے مستفید ہوئی جب ملک کے باقی عوام اس سے محروم تھے۔

ربوہ میں ہر چھوٹے بڑے شخص نے ٹوپی پہن رکھی ہوتی تھی۔ جسے دیکھ کر بہت حیرت ہوتی تھی۔ ٹوپیوں کی اقسام مختلف تھیں۔ تاہم ہر سر رام پوری، جناح اور لیاقت کیپ سے ڈھکا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ ننگے سر پھرنا ''مرزا غلام احمد'' کے حکم کے منافی ہے۔ چنانچہ تمام مرزائی امت ہر وقت ٹوپی پہنے رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ ربوہ کے ہر شہری نے عجب وغریب داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ عام طور پر داڑھی سے انسان کا چہرہ نورانی ہو جاتا ہے۔ لیکن مرزائی لوگ کی صرف ٹھوڑی پر لٹکی ہوئی داڑھی نے تو ان کے حلئے ہی بگاڑ کر رکھ دیئے تھے۔ ہر شخص انتہائی مکروہ صورت لگتا۔ پتہ چلانے پر بتایا گیا کہ یہ فرنچ کٹ داڑھی ہے جو مرزائی امت اپنے لئے مسنون سمجھتی ہے۔

''رحمت بازار غلہ منڈی'' میں لاہور ہاؤس، شاہد کلاتھ ہاؤس، بھٹی چیپ سٹور، سلیم ورائٹی ہاؤس، نعیم پمپی ہاؤس اور دارالخیر جنرل سٹور بہت مشہور دکانیں تھیں۔ دکاندار تو سارے ہی مرزائی اور اپنے ''نبی'' کی طرح بڑے طرار تھے۔ لیکن شاہد کلاتھ ہاؤس اور دارالخیر سٹور والے

سب پر بازی لے گئے تھے۔ یہ دونوں ہاتھوں سے لوٹتے بھی تھے اوران کی دکانوں میں حوروں کی بھیڑ بھی لگی رہتی تھی۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ دارالخیر جنرل سٹور کے مالک امین کی بیوی معمولی شکل وصورت کی خاتون تھی۔ اس کے ایک دوست نے اس کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو امین نے بے نیازی سے کہا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہر کی ہر ماہ جبیں تو میری جیب اور دکان پر ہوتی ہے۔ گول بازار میں بھی بہت سی دکانیں تھیں۔ لیکن مون لائٹ جنرل سٹور، بیت اللباس اور احمدیہ ماڈرن سٹور قابل ذکر ہیں۔ مون لائٹ جنرل سٹور کے مالک کو ''پیر جی'' کہتے تھے۔ یہ شخص نہایت اچھا آدمی تھا۔ شنید ہے کہ وہ اندرخانے مسلمان ہوگیا تھا۔ تاہم بعد میں ربوہ کے قریب ہی ایک حادثے میں انتقال کر گیا تھا۔ لیکن احمدیہ ماڈرن سٹور جو ایک ڈیپارٹمینٹل سٹور تھا، اس کا مالک تو اوّل درجے کا بے ایمان تھا۔ مرزائی امت اس دکان کو احمدیہ مادر...... سٹور کہا کرتی تھی۔

ربوہ میں آمد کے ایک دو روز بعد میں نے اباجی کے ہمراہ مختلف دکانوں سے شاپنگ کی۔ کتابیں اور یونیفارم خریدا۔ ربوہ کے بازاروں میں نورکا جل اور ''الیس اللّٰہ'' کی انگوٹھیوں کے بہت سے اشتہاری بورڈ لگے ہوئے تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ انگوٹھیاں تو ''مرزا غلام احمد'' کے الہام پر مبنی ہیں جب کہ کاجل خلیفہ اوّل نورالدین کے کیمیائی نسخوں میں سے تھا۔ ''الیس اللّٰہ'' کی انگوٹھیاں مرزائی امت خیر و برکت کے طور پر پہنتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں ٹوپی، فرنچ کٹ داڑھی کے بعد مرزائیوں کا ٹریڈ مارک یہ انگوٹھیاں تھیں۔

ہماری گلی کی آخری نکڑ پر الفضل اخبار کا دفتر تھا۔ یہ روزنامہ کم اور مرزائی نامہ زیادہ تھا۔ جس کی پیشانی کے ساتھ مرزائی خلیفہ کی صحت کی تازہ ترین تفصیلات کے ساتھ روزانہ اس کی درازی عمر کی دعا کے لئے امت سے درخواست کی جاتی تھی۔ اخبار کے ایڈیٹر کا نام روشن دین تنویر تھا۔ اس نام پر ہم لوگ ہنسا کرتے تھے کہ موصوف روشن بھی ہیں اور تنویر بھی۔ اخبارات کے دفاتر کا خاصا ہے کہ اس کے اندر گہما گہمی ہوتی ہے۔ نیوز روم میں سب ایڈیٹر اور رپورٹنگ روم میں رپورٹر ہوتے ہیں۔ لیکن اس دفتر میں روشن دین تنویر، ایک آدھ کاتب اور دو ایک دیگر افراد کے علاوہ ویرانی ہی ویرانی تھی۔ مذکورہ لوگوں کے چہرے بھی نہایت سوگوار اور آدم بیزار سے لگتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں زبردستی کسی جرم کی سزا دے کر یہاں بٹھا دیا گیا ہو۔

الفضل کو اگر تبلیغی سرکلر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ضیاالاسلام پریس سے جاری ہونے والے اس اخبار میں مرزا قادیانی کے پرانے خطبے اور ''نور کا جل اور ہاضموں'' کے اشتہاروں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اس کی خریداری تمام مرزائی امت کا فرض لازم تھی۔ اخبار

کے دفتر کے باہر اگر جہازی سائز کا بورڈ آویزاں نہ ہوتا تو اس کے اخبار کے دفتر ہونے کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اخبار میں مرزائی قارئین کو بتانے کے لئے بیرون ملک مرزائی مبلغین کی سرگرمیاں تحریر کی جاتیں کہ ''انہوں نے فلاں فلاں ملک میں کتنے لوگوں کو داخل کفر کرلیا ہے۔'' اس طرز عمل سے مرزائیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہوتا تھا کہ مرزائی مذہب دنیا میں زیادہ سے زیادہ فروغ پارہا ہے۔ اندرون وبیرون ملک مرزائی امت پر اخبار کی خریداری اس لئے بھی لازم تھی کہ اس سے اخبار کی آمدن میں اضافہ ہوسکے۔ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نام نہاد اخبار کے درپردہ مرزائیوں کا کوئی خفیہ مشن بھی تھا۔ کیونکہ مرزائیوں کی یاوہ گوئی پر مبنی مذہبی کتب اسی پریس پر اخبار کی آڑ میں چھپا کرتی تھیں۔ اخبار کا پریس بھی کسی نامعلوم جگہ پر نصب کیا گیا تھا۔

جونک نہیں لگتی پتھروں کو

ربوہ آتے ہی بھیرہ کے مختلف ربوہ نشینوں نے ہماری دعوتوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ بھیرہ کے جن لوگوں نے ہمیں ربوہ میں مقیم اپنے رشتہ داروں کے حوالے اور پتے دیئے تھے، انہوں نے بھرپور انداز میں ہمارا خیر مقدم کیا۔ ہر دوسرے تیسرے روز ایک دعوت ہونے لگی۔ جن خاندانوں نے ہمیں بھرپور پروٹوکول دیا۔ ان میں میاں عطاء الرحمٰن فیملی قابل ذکر ہے۔ بھیرہ نژاد خاندان ''خاندان طبیعات'' کہلاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گھر کے فرد اوّل میاں عطاء الرحمٰن ربوہ کے ڈگری کالج میں فزکس کے پروفیسر تھے اور ایم۔ ایس سی طبیعات کی کلاسیں لیتے تھے۔ جب کہ ان کے بیٹے لطف الرحمٰن، لطف المنان، حبیب الرحمٰن اور شفیق الرحمٰن سب کے سب فزکس میں ماسٹر ڈگری یافتہ تھے۔ لطف الرحمٰن تو ہمارے سکول میں سائنس ٹیچر بھی رہے تھے۔ بعد ازاں وہ بیرون ملک چلے گئے۔ جب کہ لطف المنان تعلیم اسلام کالج ربوہ میں فزکس پڑھاتے تھے۔ میاں عطاء الرحمٰن کی تین بیٹیاں امتہ اللطیف، امتہ الرفیق اور امتہ السمیع تھیں۔ اوّل الذکر دونوں نصرت گرلز ہائی سکول میں پڑھاتی تھیں۔ جب کہ امتہ السمیع میری کلاس فیلو تھی۔

اس خاندان کی ہمارے ساتھ وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے نہ صرف ہماری دعوت کی بلکہ مجھے اور میری ایف۔ اے کی طالبہ بہن کو پڑھانے کی پیش کش بھی کردی۔ ہمیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔ چنانچہ میری بہن میاں عطاء الرحمٰن کی بڑی بیٹی امتہ الطیف اور میں امتہ الرفیق کے پاس پڑھنے لگا۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز شام وہ پڑھنے کے دوران ہمیں ٹھنڈا دودھ بھی پلاتے اور جس روز ہم پڑھنے نہ جاتے، ان کے گھر سے فوراً کوئی نہ کوئی ہمارے نہ آنے کی وجہ پوچھنے

ہمارے گھر آ جاتا۔ یہ سلسلہ چھ سات مہینے چلتا رہا۔ اس دوران امتہ اللطیف میری بہن کو کپڑے بھی سی کر دیا کرتی تھیں۔ ان لوگوں کی طرف سے براہ راست تو ہمیں مرزائیت قبول کرنے کی کبھی کوئی پیشکش نہیں ہوئی۔ تاہم میاں عطاء الرحمٰن کی اہلیہ فضل الٰہی بیگم ہم دونوں بہن بھائیوں کو یہ ضرور بتاتی رہی تھیں کہ میں جب گھر کا کام کرتی ہوں تو ساتھ ساتھ ''درثمین'' کے اشعار پڑھتی رہتی ہوں۔ جب ہم پوچھتے کہ ''درثمین'' کیا چیز ہے تو کہتی ''یہ ہمارے مرزا غلام احمد کا کلام ہے۔'' پھر وہ اپنے مذہب اور حضرت صاحب کی تعریفیں کرنے لگتی۔ جب کہ اس کی بیٹیاں امتہ اللطیف اور امتہ الرفیق اسے ٹوکتے ہوئے کہتیں۔ ''امی جان! چھوڑیں یہ قصے، بچوں کو پڑھنے دیں۔'' امتہ السمیع میرے ساتھ ہر روز ایک بات کرتی ''تم نے حضرت مسیح موعود دیکھے ہیں'' میں جواب دیتا ''نہیں'' پھر وہ کہتی ''اچھا میں تمہیں دکھاؤں گی۔'' بات آئی گئی ہو جاتی۔ ایک روز اس نے پھر کہا تو میں نے جواب دیا: ''تم روز کہتی ہو، کسی روز دکھا ہی دو۔''

میرا جواب سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور کمرے سے ایک تصویر اٹھا لائی۔ میں نے تصویر دیکھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب میں نے ''مرزا غلام احمد'' کی شکل دیکھی تھی۔ مجھے اس کی شکل اس قدر بری لگی کہ میں کوشش کے باوجود اپنے تاثرات کو زبان پر آنے سے نہ روک سکا اور برملا کہہ ڈالا: ''یہ نبی ہے۔ نبی اس قدر مکروہ صورت نہیں ہو سکتے۔'' میرے جواب پر امتہ السمیع کے چہرے کا رنگ ہی اتر گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ان لوگوں کی چاہت ماند پڑنے لگی۔ ہم معمول کے مطابق پڑھنے جاتے تو وہ لوگ ایک تو تدریس میں عدم دلچسپی سے کام لیتے دوسرے کبھی طبیعت کی خرابی کا عذر تراش کر پڑھانے سے اجتناب کرتے۔ کبھی مہمانوں کا بہانہ کر کے ہمیں ٹال دیا جاتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی تصویر دیکھنے والا واقعہ سننے کے فوراً بعد میرے ابا جی نے ہمیں آگاہ کر دیا تھا کہ یہ لوگ اب تمہیں زیادہ دیر نہیں پڑھائیں گے۔ بہرحال ہم نے ایک آدھ دن یہ روش دیکھی تو پھر ان کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے بعد میں تعلق کو اس قدر موقوف کر دیا کہ آتے جاتے کہیں ملتے تو سلام دعا سے بھی گریز کرتے۔ بعد ازاں بھیرہ سے معلوم ہوا کہ میاں عطاء الرحمٰن فیملی ہمارے بارے میں نہایت پرامید تھی کہ ہم بہت جلد مرزائیت اختیار کر لیں گے۔ لیکن ان کے انتہائی حسن سلوک کے باوجود ہم بہت ڈھیٹ نکلے۔ چنانچہ انہیں خود ہی کنارہ کشی کرنا پڑی۔ ہمیں سن کر حیرت کی بجائے مسرت ہوئی۔ ابا جی نے کہا وہ حسن سلوک کے ہزاروں پاپڑ بھی بیل لیتے، تو بھی بھلا پتھر کو کبھی ''جونک'' لگ سکتی ہے۔

ہم لوگ مرزائیوں سے بحث مباحثے یا مذاکرے کے لئے بہت زیادہ علمیت تو نہیں

رکھتے تھے۔ لیکن ایک دین دار گھرانے کے افراد ہونے کے باعث اللہ کے فضل وکرم سے جب بھی کسی مرزائی کے ساتھ ’’بحث کا میچ‘‘ پڑا۔ انہیں ٹھیک ٹھیک جواب دے کر ہمیشہ پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور تو اور میری امی جان جو پڑھی لکھی خاتون نہیں۔ لیکن ’’گڑھی‘‘ ضرور ہے۔ وہ بھی مرزائیوں کو ’’وارے‘‘ میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ بھیرہ کے ساتھ ایک قصبہ ’’نمک میانی‘‘ ہے۔ یہ ہمارا ننھیالی قصبہ ہے۔ یہاں کا ایک مرزائی ’’جلپانہ‘‘ خاندان بھی ربوہ میں آباد تھا۔ اس خاندان کی ایک خاتون صالح بیگم محلہ دارالرحمٰن کی خواتین کی صدر محلہ اور ہماری گلی کی نکڑ پر رہتی تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ بھیرہ میانی کی ایک فیملی جو مرزائی نہیں ہے، ربوہ آچکی ہے۔ چنانچہ وہ ہمارے خاندان پر طبع آزمائی کرنے ایک روز ہمارے گھر آئی۔ تعارف اور حسب توفیق خاطر مدارات کے بعد موصوفہ اصل مقصد پر آنے کے لئے پر تولنے لگیں۔ یہ بات ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ ہم نے زندگی کے کسی موڑ اور مقام پر اپنی بولی نہیں بدلی۔ الحمدللہ! اردو ہماری مادری زبان ہے۔ نہایت روانی سے بولتے ہیں۔ لیکن بھیرہ کی بولی سے پیار کا یہ عالم ہے کہیں راستے یا سفر میں کوئی شخص بھیرہ کی بولی بولتا ہوا ملے تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ ہماری امی جان کو بھیرہ کی ٹھیٹ پنجابی بولتے ہوئے صالحہ بیگم نے بات کا آغاز کیا اور کہا: ’’بہن جی! تسی اپنی بولی نئیں بدلی۔‘‘ امی جان نے جواب دیا: ’’ہم لوگ بولی بدلتے ہیں نہ مذہب۔‘‘ امی جان کو ’’مذہب‘‘ کی جگہ دراصل ’’ذات‘‘ کہنا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے دانستہ ’’مذہب‘‘ کا لفظ استعمال کیا۔ درحقیقت وہ اپنی زیرکی کی بناء پر بھانپ چکی تھیں کہ موصوفہ تبلیغ کرنے آئی ہے۔

صالح بیگم نے امی جان کی بات سنی تو اسے اپنا مقصد پورا ہوتا مشکل نظر آیا۔ چنانچہ اس نے کچھ دیر کے لئے موضوع چھیڑنے سے گریز کیا۔ مگر پھر جب اس سے نہ رہا گیا تو کہنے لگی: ’’بہن جی! ہمارے محلے میں جمعرات کو خواتین کا ایک اجلاس ہوتا ہے آپ وہاں آیا کریں۔ اس سے ایک تو واقفیت بڑھتی ہے، دوسرے وہاں اچھی اچھی دین کی باتیں ہوتی ہیں۔ آپ ضرور آیا کریں۔‘‘ امی جان نے کہا: ’’دیکھیں بہن! جہاں تک واقفیت بڑھانے کا تعلق ہے، اس کا اوّل تو مجھے شوق ہی نہیں۔ دوسرے میں مصروف خاتون خانہ ہوں۔ گھر کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ کہیں جایا جائے۔ رہ گئی بات دین کی باتوں کی تو آپ کے اور ہمارے دین میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم اپنے دین کے بارے میں الحمدللہ! بہت کچھ جانتے ہیں۔‘‘ صالح بیگم لاجواب تو ہو چکی تھی، لیکن مرزائیوں کی روایتی خوبی کے پیش نظر ڈٹی رہی۔ مرزائیوں کا خاصا ہے کہ وہ بحث اور تبلیغ کرتے وقت گالیاں اور جوتیاں بھی کھاتے ہیں۔ لیکن کسی نہ کسی طرح تبلیغ جاری رکھتے

ہیں۔ یہ شاید انہیں اپنے ’’نبی‘‘ کی طرف سے ہدایت ہے۔ صالح بیگم نے بھی ہمت نہ ہاری اور پھر کہنے لگی۔ ’’آپ ایک مرتبہ ہمارے اجلاس میں آئیں تو سہی۔‘‘ امی جان نے بھی حتمی فیصلہ سناتے ہوئے کہا: ’’نی بھینا! جس گراں نئیں جانا، اس داناں پچھ کے، کے لینا۔‘‘ یہ شافی جواب سن کر صالح بیگم کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی اور وہ بے نیل ومرام واپس چلی گئی۔ اسی شام صالح بیگم کا دیور چوہدری نذیر جسے لوگ چوہدری ’’ٹیڈی صاحب‘‘ کہا کرتے تھے، ہمارے ہاں آیا اور ابا جی سے کہنے لگا: ’’میری بھابھی آپ کے ہاں تبلیغ کرنے آئی تھی۔ مگر آپ کی بیوی کے منہ توڑ جواب نے اس کا خوب مان توڑا۔ وہ تو گھر سے بڑے دعوے کر کے چلی تھی۔ چوہدری نذیر نے ابا جی کو بتایا کہ میں تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود گھر پر فارغ پڑا ہوں۔ ان کو میری بھلائی اور نوکری کا کبھی کچھ خیال نہیں آتا اور دوسروں کو مرزائی بنانے چل پڑتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے ’’نبی‘‘ اور اس کی امت کو خوب گالیاں دیں اور کہنے لگا کہ میں تو مجبور ہوں۔ کوئی حیلہ وسیلہ نہیں۔ ورنہ اس جھوٹے مذہب پر لعنت بھیج کر اسے کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔‘‘

ہمارے پڑوس میں سیکرٹری ٹاؤن کمیٹی نور احمد عابد رہا کرتے تھے۔ ان کی اہلیہ رشیدہ بیگم نہایت متعصب خاتون تھیں۔ وہ مرزائیت کی آفاقی حیثیت اور جھوٹے خاندان نبوت کی حیثیت اجاگر کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا کرتی تھیں۔ مرزا ناصر کی ہمارے گھر آمد کے بعد وہ ہماری امی جان سے کہنے لگی: ’’آپا جی! اب تو آپ لوگوں کو ضرور کچھ سوچنا چاہئے۔ جس طرح ہمارے حضرت صاحب نے آپ کے گھر آ کر کرم فرمایا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ لوگ اب احمدی ہو جائیں۔ میری مانیں اور آج ہی بسم اللہ کریں۔ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔‘‘

امی جان ہنڈیا پکا رہی تھیں۔ اس کی بات بھی سن رہی تھیں۔ ہنڈیا میں اطمینان سے چمچہ ہلاتے ہوئے امی جان نے نہایت نرمی سے کہا: ’’آپا جی! اللہ کے فضل سے ہم پہلے ہی احمدی ہیں اور اپنے نبی احمد ﷺ کی امت ہیں۔ تاہم مرزائی نہیں ہیں اور اللہ ہمیں معاف کرے اور مرزائیت سے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ رہی بت مرزا ناصرا کی آمد کی تو وہ صوفی صاحب اور ان کی دوستی کا معاملہ ہے۔ ہم نے انہیں بلایا نہیں تھا۔ اسی طرح کے ہمارے دوستانہ تعلق تو قیام پاکستان سے قبل ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ کئی بڑے بوڑھے ہندو سکھ ہم جیسے مسلمانوں کے ہاں آتے جاتے تھے تو کیا ہم ان کی آمد پر ہندو سکھ ہو جاتے۔ یہ بات سن کر موصوفہ کچھ بولے بغیر چلی گئی۔‘‘

مرزائیوں کے پاس مسلمانوں کو مرزائی بنانے کا سب سے نادر کلیہ زن، زر اور زمین

ہے۔ وہ مجبور لوگوں پر عنایات کی بارش کر کے انہیں دام میں پھنسالیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تو حضرت محمد ﷺ کے ہی ماننے والے ہیں اور آپ ﷺ پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ربوہ شہر کے اکثر درودیوار پر ایسے شعر رقم کئے گئے تھے جنہیں پڑھ کر باہر سے آنے والے مسلمان ایک بار یقین کر لیتے کہ مرزائیوں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی کئی بڑے بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر حسب ذیل عبارات واشعار تحریر تھے۔

’’اللہ تعالیٰ کہنے میں بڑی برکات ہیں۔‘‘

’’پاک محمد مصطفیٰ سب نبیوں کا سردار۔‘‘

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا نام اس کا ہے محمد دلبر میرا یہی ہے
جمال وحسن قرآن نور جان ہر مسلمان ہے قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے
ہو فضل یا رب تیرا یا کوئی ابتلا ہو راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

ایسی عبارات اور اشعار پڑھ کر اچھا بھلا مسلمان جھانسے میں آ جاتا ہے۔ ربوہ کے علاوہ قادیان میں بھی ایسے کلمات دیواروں اور بورڈز پر تحریر تھے۔ چارسدہ کا ایک پٹھان ہدایت اللہ خان ہمارے اباجی کا دوست بن گیا۔ اس کو احمدیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا اور اباجی سے کہتا ’’صوفی صاحب! مہربانی کر کے ہمارے لئے دعا کروتا کہ اس جہنم سے کسی طرح نکل جائیں۔‘‘ اباجی نے اس سے پوچھا: ’’خان صاحب! آپ مرزائی ہوئے کیسے؟‘‘ کہنے لگا۔ بھائی کیا بتاؤں میری قسمت خراب تھی۔ ایک بار اپنے ایک دوست سے ملنے گورداسپور گیا۔ وہاں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو احمدی تھا۔ اس نے مجھے نہ جانے کیسے شیشے میں اتارا کہ میں قادیان چلا گیا۔ شہر میں ہر جگہ ہمارے کالی کملی والے نبی ﷺ کی شان میں اشعار پڑھنے کو ملے۔ میں نے سوچا کہ یہ مرزائی تو اپنے جیسے مسلمان ہیں۔ لہٰذا ان کا دین قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں ان دنوں بھرپور اور خوبصورت نوجوان تھا۔ مذکورہ شخص مجھے ایک عزیز کے گھر لے گیا جس کی بیٹی بہت خوبصورت تھی۔ اسے میں نے دیکھا تو پھر کوئی ہوش ہی نہ رہا۔ اس سے شادی کے لئے میں نے بغیر کسی حیل وحجت کے احمدیت قبول کر لی۔ ان لوگوں نے وہیں میری شادی کر دی۔ میرے والدین مرزائیت کے سخت خلاف تھے۔ لہٰذا میں واپس گھر نہیں جاسکتا تھا۔ چنانچہ قادیان کا ہی ہو کر رہ گیا۔ بعد ازاں تقسیم کے بعد ربوہ آ گیا۔ ان میں رہ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مذہب نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ اس کے بانیوں اور ماننے والوں میں مکاری

اور چال بازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اب تو میری بیوی بھی میری ہم خیال ہو چکی ہے اور ہم دونوں احمدیت سے تائب ہونا چاہتے ہیں۔

ابا جی، خان صاحب کو سلار والا کے صوفی برکت صاحب کے پاس لے گئے۔ جہاں خان صاحب نے اسلام قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد ربوہ کو چھوڑ کر چارسدہ واپس چلے گئے۔

ابا جی کو محکمہ کی طرف سے دو ''بیلدار'' ملے ہوئے تھے۔ ان کی رہائش گاہ بھی ہمارے گھر کے قریب تھی۔ ان میں سے ایک کا نام طالب حسین تھا جب کہ دوسرا متھیلا تھا۔ طالب حسین اچھی شکل وصورت کا چالاک آدمی تھا۔ ان لوگوں کے پڑوس میں ایک شخص ظفر رہتا تھا۔ جس کی بیوی کا نام زبیدہ تھا۔ دونوں میاں بیوی نے طالب حسین کو مرزائیت میں داخل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ زبیدہ تو طالب حسین پر باقاعدہ ''لٹو'' بھی ہوگئی۔ ابا جی کو اس صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے طالب حسین کو بلا کر سمجھایا۔ پہلے تو اس نے ٹالا۔ ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ مگر جب ابا جی کی طرف سے سرزنش ہونے کے ساتھ یہ دھمکی بھی ملی کہ اس کا تبادلہ کرادیا جائے گا تو کہنے لگا۔ یہ بات درست ہے کہ مذکورہ شخص ظفر اور اس کی بیوی نے اسے مرزائیت کے بہت قریب کر دیا ہے۔ ابا جی طالب حسین کو لے کر فوراً دریائے چناب پر واقع وادی عزیز کے سجادہ نشین صوفی محمد علی صاحبؒ کے پاس لے گئے اور ان سے بیعت کرادیا۔ جب ظفر اور اس کی بیوی زبیدہ کو یہ خبر ہوئی کہ طالب حسین مرزا ناصر احمد کی بیعت کرنے کی بجائے کسی مسلمان پیر کا مرید بن گیا ہے تو انہوں نے طالب پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے۔

ربوہ کی نواحی بستی چمن عباس میں ایک نذر چنگڑ کی کریانے کی دکان تھی۔ ربوہ کے مرزائی دکاندار ہر چیز مہنگی بیچا کرتے تھے۔ چنانچہ ربوہ والوں کی اکثریت نذیر چنگڑ کی دکان سے سودا سلف خریدا کرتی تھی۔ ان لوگوں نے سستا سودا خریدنے کا اجر نذیر جنگڑ کو یہ دیا کہ اسے مرزائی کرنے کا منصوبہ شروع کر دیا۔ ہم لوگ بھی اس کی دکان سے ہی سودا سلف خریدا کرتے تھے۔ نذیر نے ابا جی کو بتایا کہ ربوہ والے اسے مرزائیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ابا جی نے اسے فوراً روکا اور کہا: ''خبردار کافر ہو جاؤ گے۔ مرزا قادیانی تو مرتد اور دجال ہے۔ ان کافروں کے جال سے بچنا۔'' اس پر نذیر نے کہا: ''صوفی صاحب! آپ مجھے کوئی راہ دکھائیں ورنہ یہ لوگ جس طرح میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، مجھے گمراہ کر کے چھوڑیں گے۔ ابو جی کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر اسے بھی وادی عزیز لے گئے اور صوفی محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرادیا۔ بعد میں مرزائیوں نے حسب معمول نذیر کو جب دعوت تبلیغ دی تو اس نے کہا: ''تم مجھے زور تبلیغ

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

کرتے ہو آج میری بات بھی سنو۔'' مرزائی سمجھے شاید پنچھی دام میں آنے والا ہے۔ لہٰذا انہوں نے کہا: ''کہو کیا کہتے ہو؟'' اس پر نذیر نے انہیں کہا: ''مجھے مرزائی بنانے کے بجائے میری مانو اور مرزا غلام احمد کے جھوٹے مذہب سے تائب ہو جاؤ۔ چلو میں تمہیں اپنے پیر کے پاس وادی عزیز شریف لے چلوں۔'' یہ سننا تھا کہ مرزائیوں کے رنگ فق ہوگئے اور پھر انہوں نے نذیر کو مرزائیت کی دعوت دینے کی کوشش نہیں کی۔

محکمہ ٹیلیفون کا ایک ملازم فضل احمد ربوہ میں رہتا تھا۔ راولپنڈی کے اس شخص کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ اس کے بیٹے منور کو مرزائیت سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ وہ باپ سے ناراض ہو کر اپنی مسلمان پھوپھی کے ہاں پنڈی میں مقیم ہوگیا۔ فضل احمد نے بیٹے کو گھر واپس لانے اور مرزائیت میں داخل کرنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں مگر ناکام رہا۔ فضل احمد نے اس سلسلے میں ایک مرزائی مبلغ جمیل الرحمٰن رفیق سے مدد طلب کی۔ موصوف فضل احمد کے گھر آیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ اس کے بیٹے کو دوبارہ مرزائی کرلے گا۔ لیکن بجائے اس کے کہ جمیل الرحمٰن رفیق منور کو مرزائی کرتا، وہ خود فضل احمد کی بیٹی ناصرہ پر لٹو ہوگیا۔ خوبصورت ناصرہ جمیل الرحمٰن رفیق کو اپنا انکل سمجھ کر اس کی خوب خاطر مدارت کرتی رہی۔ مگر انکل کچھ اور ہی نکلا اور چند روز بعد ہی اس نے فضل کو شادی کے لئے پیغام بھجوا دیا۔ مرزائی مرکز کی طرف سے بھی جمیل الرحمٰن رفیق کی سفارش ہوئی۔ لہٰذا بیچارہ فضل احمد انکار نہ کر سکا۔ چنانچہ اسے اپنی لڑکی کی شادی دگنی عمر کے شخص سے کرنی پڑ گئی۔ جمیل الرحمٰن رفیق ناصرہ کو لے کر چلتا بنا جواب اس کی کئی بیٹیوں کی ماں ہے۔ یوں فضل احمد بیٹے کو مرزائی بنانے کے چکر میں بیٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

مرزائیوں نے ارتداد کے عجیب وغریب طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ یہ لوگ دیہات کے غریب لڑکوں کو تعلیم دلوانے کا جھانسہ دے کر شیشے میں اتار لیتے تھے اور بعد میں بار احسان تلے دبے ہوئے یہ لڑکے مرزائی ہو جاتے۔ ان مرزائی لڑکوں کو مسلمان خاندانوں کے سامنے غیر مرزائی ظاہر کر کے ان کی شادی مسلمان لڑکیوں سے کر دی جاتی تھی۔ ایک مولوی کا تو یہ باقاعدہ کاروبار تھا۔ وہ جماعت سے فنڈز لیتا۔ دیہاتی غرباء لڑکوں کو تعلیم وملازمت دلواتا۔ پھر ان کے رشتے مسلمان گھرانوں میں کر دیتا۔ اس شخص نے ایک نہایت شریف اور خدارسیدہ شخص کے ساتھ ایسا ہی دھوکہ کیا اور اپنے ایک پروردہ ''جنگلی'' لڑکے کو ایک مسلمان کی تعلیم یافتہ بیٹی کے ساتھ بیاہ دیا۔ دو بچوں کے بعد مذکورہ مسلمان خاندان پر حقیقت کھلی تو وہ سر پیٹ کر رہ گئے۔ مگر اب تو چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔

اسی طرح مرزائی لڑکوں کی ڈیوٹی تھی کہ وہ مسلمانوں کی لڑکیوں کو شیشے میں اتاریں اور پھر انہیں اپنی زوجیت میں لائیں۔ یہاں ایک وقعہ جو لطیفہ بن گیا، قابل ذکر ہے۔ ایک مرزائی عبدالواسع نے ''مری'' میں سیر کے دوران ایک لڑکی کے ساتھ مراسم استوار کر لئے۔ وہ بہت خوش تھا کہ ایک مسلمان لڑکی پھنس گئی۔ جس کے عوض اسے مرکز سے بھاری معاوضہ ملے گا۔ مگر بعد میں اس پر انکشاف ہوا کہ وہ لڑکی چنیوٹ کے سردار عبدالقادر قادیانی کی بیٹی نجمی ہے جو مسلمان نہیں مرزائی ہے۔ بلکہ وہ بھی جماعت کی طرف سے مسلمان مرد مرزائی بنانے پر مامور ہے اور اس نے مذکورہ شخص کو مسلمان لڑکا سمجھ کر لفٹ کرائی تھی۔ مرزائیوں کے مسلمان عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا گھناؤنا منصوبہ اس قدر عام رہا ہے کہ ایک مرزائی اسلم چوہدری نے ایک مسلمان عورت زرینہ عرف بلو سے دوستی کر لی جس کا خاوند تلاش معاش کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ بعد ازاں اس عورت سے مرزائی امت کے اس سپوت نے جس کو خدا کے ساتھ ہم کلام ہونے کا دعویٰ ہے، ایک ناجائز بیٹا پیدا کیا جو اب جوان ہو چکا ہے۔ اس کا نام ارسلان ہے۔

احمدی تو ہم ہیں

ربوہ آئے ہوئے ہمیں کچھ روز گزرے تھے کہ مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں چھٹی جماعت کے سیکشن ''سی'' میں داخل کرا دیا گیا۔ سکول بہت بڑا تھا۔ اس کے باوجود طلبہ کی زیادہ تعداد کے باعث ہماری کلاسیں بورڈنگ ہاؤس میں لگا کرتی تھیں۔ ہمارے کلاس انچارج ماسٹر بشارت احمد تھے۔ وہ اگرچہ مرزائی تھے تاہم نہایت خلیق انسان تھے۔ انہیں دیکھ کر میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ کاش یہ شخص مرزائی نہ ہوتا۔ کئی بار میرا دل چاہتا کہ ماسٹر بشارت مرزائیت سے تائب ہو جائیں۔ ہمارے پیریڈ نو ہوتے جو مختلف استاد پڑھایا کرتے تھے۔ اساتذہ کی اکثریت مرزائی تھی۔ جن میں تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

کلاس میں جاتے ہی سب سے پہلے مجھے جس چیز کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ ہر لڑکا مجھ سے ایک ہی سوال کرتا۔ ''آپ غیر احمدی ہیں'' مجھے یہ بات تو بخوبی معلوم تھی کہ غیر احمدی کا مطلب یہی ہے کہ میں مرزائی نہیں ہوں۔ لیکن حیرت یہ تھی کہ ہر شخص آخر مجھ سے ہی کیوں یہ سوال کر رہا ہے۔ آخر کلاس میں اور بھی تو مسلمان لڑکے ہوں گے۔ میرے ماتھے پر تو یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں مرزائی نہیں ہوں۔ گھر آ کر میں نے یہ بات اباجی کو بتائی تو انہوں نے کہا: ''تمہارے گلے میں پڑا ہوا تعویذ اس بات کا ٹائٹل ہے کہ تم مرزائی نہیں ہو۔'' ان کی بات واقعی درست نکلی۔ چند

روز بعد جب لڑکے مجھ سے بے تکلف ہوئے تو انہوں نے تعویذ کے بارے میں مجھ سے سوالات کرنے شروع کردیئے۔ میں نے انہیں کئی شافی جواب دیئے۔ لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ جو چیز نہایت دلچسپی کی حامل تھی، جس سے میں آج بھی لطف اندوز ہوتا ہوں، وہ ہے ہمارے بھیرہ کی سرائیکی طرز کی بولی، جس کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ خاص طور پر میرا ''پھر کیا ہوا'' کو ''وت کے ہویا'' کہنا لڑکوں کو عجیب اور نہایت بھلا معلوم ہوا۔ میرا یہ ''تکیہ کلام'' اس قدر مشہور ہوا کہ اساتذہ اور ساتھی طلبہ جب بھی مجھے ملتے کوئی اور بات کئے بغیر بے ساختہ کہتے ''وت کے ہویا'' حالانکہ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کے بارے میں مزید کچھ دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ پہلے پہلے مجھے اس طرز عمل سے خفت سی ہوتی۔ لیکن بعد میں، میں نے بھی انجوائے کرنا شروع کردیا۔

میں نے ربوہ میں لوگوں کو ٹوپی پہنے دیکھ کر جس ناگواری کا اظہار کیا۔ اس کا خمیازہ مجھے یوں بھگتنا پڑا کہ میرے سکول یونیفارم میں خاکی پینٹ، سفید قمیص کے ساتھ کالی ٹوپی بھی شامل تھی۔ یوں مجھے بھی سیاہ رام پوری کیپ پہننا پڑی۔ سکول میں ٹوپی نہ پہننے پر سخت سزا ملا کرتی تھی۔ ہمارے سکول کے ہیڈ ماسٹر میاں محمد ابراہیم تھے۔ ان سے ملاقات بغیر ٹوپی کے نہیں ہوسکتی تھی۔ مجھے ٹوپی سے سخت نفرت تھی۔ میں اکثر ٹوپی بستے میں رکھ دیتا۔ جونہی ضرورت محسوس ہوتی، پہن لیتا۔ ایک بار ہیڈ ماسٹر ابراہیم میرے پاس سے گزرے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب کے بجائے کہا: ''سر سے بھی ننگے پاؤں سے بھی ننگے۔''

میں بہت حیران ہوا۔ کیونکہ میرے سر پر اگر ٹوپی نہیں تھی تاہم میرے پاؤں میں ہوائی چپل تو تھی۔ میرے استفسار پر ایک ہم جماعت نے بتایا کہ: ''تم نے ہوائی چپل پہنی ہوئی تھی جو کہ پاؤں ڈھانپنے کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہیڈ ماسٹر صاحب نے تمہیں پاؤں سے ننگا کہا ہے۔''

سکول میں ٹیکسٹ بک بورڈ کے نصاب کی دینیات کو بالکل برائے نام حیثیت حاصل تھی۔ جب کہ اس کی جگہ جبری طور پر مرزا قادیانی کی کتاب ''کشتی نوح'' پڑھائی جاتی تھی۔ ہمارے دینیات کے استاد احمد علی تھے۔ نوماہی امتحان میں دینیات کا سارا پرچہ کشتی نوح سے آیا جب کہ دینیات کا ۲۰ نمبر کا ایک سوال اصل کورس میں سے شامل کیا گیا۔ میں نے صرف ۲۰ نمبر کا ایک سوال کر کے باقی ''کشتی نوح'' والا حصہ چھوڑ دیا۔ نتیجتاً مجھے سو میں سے ۱۳ نمبر دے کر فیل کردیا گیا۔ جس پر میرے ابا جی نے بڑا اسٹینڈ لیا۔ مرزا ناصر احمد سے بات کی گئی جس پر مرزائی مرکز

حرکت میں آ گیا۔ آئندہ کے لئے مسلمان طلبہ کو ''کشتی نوح'' سے تو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا لیکن سکول میں قیام کی تمام مدت مجھے ماسٹر احمد علی کے عتاب اور تعصب کا نشانہ بننا پڑا۔ موصوف مجھے ہمیشہ ''غیر احمدی'' لڑکا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ہماری کلاس میں مرزا رفیع کا بیٹا طیب، مرزا ناصر کا بیٹا لقمان، مرزا انور کا بیٹا احسن اور میر داؤد کا بیٹا قمر سلیمان بھی پڑھتے تھے۔ لقمان تو باپ کے خلیفہ بنتے ہی سکول چھوڑ گیا۔ بلکہ اسے پڑھانے سکول خود چل کر قصر خلافت جاتا تھا۔ یعنی اساتذہ اسے پڑھانے کے لئے جاتے تھے۔ احسن اور قمر سلیمان نسبتاً اچھے لڑکے تھے۔ جب کہ طیب انتہائی متعصب لڑکا تھا۔ اسے میرے ساتھ نہ جانے کیوں خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ میرا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ماسٹر احمد علی کی طرح ہمیشہ مجھے ''غیر احمدی لڑکا'' کہا کرتا تھا۔ ایک روز اس کے ساتھ میری اس بات پر سخت لڑائی ہو گئی۔ میں نے کہا: ''تم مجھے غیر احمدی کہتے ہو۔ حالانکہ تم خود غیر احمدی بلکہ مرزائی ہو۔''

میں نے گھر آ کر اپنے اباجی سے کہا کہ کل سے میں نے مرزائیوں کے سکول نہیں جانا۔ انہوں نے مسئلہ دریافت کیا اور میرے بتانے پر وہ مجھے لے کر مرزا رفیع کے گھر گئے۔ ہم محلّہ دارالصدر میں واقع قصر خلافت میں مرزا رفیع کے گھر پہنچے۔ وہ خود گھر موجود نہیں تھے۔ مرزا طیب اس وقت ہمارے سکول کے ایک استاد عبدالرحمٰن اتالیق کے پاس ٹیوشن پڑھ رہا تھا۔ اسے ہماری آمد کا پتہ چلا تو وہ ماسٹر اتالیق کے ہمراہ باہر آ گیا۔ اباجی نے تو اس کے خوب ''لتے لئے'' اور کہا: ''ہم سرکاری ملازم ہیں۔ مرزا قادیانی کی امت نہیں۔ نہ ہی تم لوگوں کی رعایا ہیں کہ ہم پر تمہارے نظریات لاگو ہوں گے۔ اپنے باپ کو بتا دینا کہ ہم لوگ نہ تمہارے ماننے والے ہیں اور نہ تم لوگوں سے متاثر ہیں۔ چنانچہ آئندہ میرے بچے کو ''غیر احمدی'' مت کہنا۔ ''غیر احمدی'' تو تم ہو جب کہ اصل احمدی تو ہم ہیں۔ جو حضرت احمد ﷺ کی سچی امت ہیں۔ تم لوگوں نے مرزا قادیانی کی نسبت خود کو احمدی بنا رکھا ہے۔''

اباجی کا پارہ ذرا نیچے آیا تو ماسٹر اتالیق نے مداخلت کی اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے انتہائی متعصّبانہ طریقے سے پوچھا: ''لڑکے! تم نے مجھے کبھی سکول میں دیکھا ہے؟'' کہا: ''جناب ہزار بار دیکھا ہے۔'' کہنے لگے: ''تو پھر تم اپنے والد صاحب کو تکلیف دینے کی بجائے مجھ سے بات کر لیتے۔'' میں نے کہا: ''میں اس بارے میں اپنے کلاس انچارج سے کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں۔ آپ ہمارے انچارج ہیں نہ ہمیں کوئی مضمون پڑھاتے ہیں۔ لہٰذا میں آپ سے کیسے کہہ سکتا تھا؟''

ماسٹر اتالیق نے اباجی کو یقین دلایا کہ ان کا پیغام مرزا رفیع کو پہنچا دیا جائے گا اور آئندہ

آپ کو کوئی شکایت بھی نہیں ہوگی۔ اگلے روز میں سکول آیا تو مجھے ہیڈ ماسٹر میاں ابراہیم نے طلب کیا اور سارا ماجرا پوچھا۔ میرے بتانے کے بعد انہوں نے نہایت شفقت سے کہا: ’’اوّل تو آئندہ آپ کے ساتھ کوئی بھی لڑکا ’’ایسی‘‘ بات نہیں کرے گا اگر ایسا ہو تو آپ سیدھے میرے پاس آئیں گے۔‘‘ اس کے علاوہ میرے اساتذہ کو بھی خصوصی ہدایت کی گئی کہ کلاس میں ایسا ماحول پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ جس سے صوفی فضل کریم صاحب کے صاحبزادے کو کوئی ذہنی اذیت پہنچے۔ اس انقلاب پر میں مسرور بھی تھا اور حیران بھی کہ یہ سب اچانک کیسے ہوگیا۔ لیکن جلد ہی پتہ چلا کہ ابا جی کے قصر خلافت جا کر ’’جھوٹے خاندان نبوت‘‘ کو کھری کھری سنانے سے وہاں ہلچل مچ گئی۔ مرزائی مرکز کو اطلاع کی گئی۔ مرزا ناصر نے ازخود نوٹس لے کر ہدایات جاری کیں۔ یہ ابا جی کے ’’نعرہ مستانہ اصل احمدی تو ہم ہیں۔‘‘ کا اعجاز تھا کہ ہر شخص بچھا بچھا جا رہا تھا۔ لیکن ماسٹر اتالیق جو بعد ازاں آٹھویں جماعت میں ہمارے کلاس انچارج بنے، ان کا تعصب دو چند ہوگیا۔ وہ میرے سلام کا جواب بھی نہیں دیا کرتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد کسی کو مجھے ’’غیر احمدی‘‘ کہنے کی جرأت تو نہ ہوئی تاہم میرے کچھ بے تکلف دوست بعض اوقات میرے ساتھ ’’سین پھنسانے‘‘ کی کوشش کرتے اور اپنے نبی کی شان بناتے ہوئے تبلیغ شروع کر دیتے تھے۔ میں کافی دیر ان کی باتیں یوں سنتا جیسے واقعی متاثر ہو رہا ہوں۔ لیکن آخر میں جب یہ کہتا کہ: ’’یار پیغمبر تو وقت کا خوبصورت ترین انسان ہوتا ہے۔ تم نے اپنے ’’نمونے نبی‘‘ کی شکل پر کبھی غور کیا ہے۔‘‘ تو ان کے منہ لٹک جاتے اور پھر وہ مرزائیوں کے روایتی حربے پر اتر آتے اور کہتے اس طرح شکل پر اعتراض تو انسانی اقدار کے منافی ہے۔ یوں وہ جذباتی گفتگو کرتے کرتے پھر سے تبلیغ کی طرف آ جاتے۔ ایک روز ایسا ہی سلسلہ جاری تھا میں ان کی خرافات کافی دیر سنتا رہا۔ وہ سمجھ رہے تھے جیسے ’’موم پگھل‘‘ رہا ہے۔ مگر میں نے آخر میں جب کہا۔ دیکھو یارو! تمہاری ساری باتیں درست ہیں۔ مگر اس شعر کا کیا ہوگا۔ اس پر سب یک زبان ہو کر بولے ’’کون سا شعر‘‘ میں نے کہا۔ بھئی یہ والا شعر ؎

اگر مرزا ہوتا خدا کا نبی
تو ’’ٹٹی‘‘ میں گر کر نہ مرتا کبھی

شعر کہنے کی دیر تھی، ان سب کی ساری چمک کافور ہوگئی۔ ان کے پوست زدہ چہرے دیدنی تھے۔ اس کے بعد میرے مرزائی دوست مجھے تبلیغ کرنے سے محض اس وجہ سے گریز کرتے کہ میں ان کے ’’نبی‘‘ کی شخصیت اور شکل پر ’’پھبتیاں نہ کسوں‘‘۔

سکول اور اساتذہ کو تنخواہ انتہائی کم ملا کرتی تھی۔ وہ بے چارے ٹیوشنز اور دیگر جز وقتی ذرائع سے نہ جانے کیسے اپنے گھر چلاتے اور اس کے ساتھ چندے دے کر مرزائیت کا دوزخ بھی بھرتے تھے۔ اردو کے استاد احمد علی کی طرف سے ہمیں یہ ہدایت تھی کہ ’’اردو کے لئے پان کے پتے والی کاپی استعمال کی جائے‘‘ مجھے بڑی حیرت ہوتی کہ آخر اس کاپی میں کیا خاص خوبی ہے جو ماسٹر صاحب اس کے استعمال پر مصر ہیں۔ مگر بعد میں پتہ چلا کہ دراصل یہ کاپیاں وہ خود بناتے تھے۔

چوہدری غلام رسول معاشرتی علوم پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روزہ وہ جغرافیہ پڑھاتے ہوئے دنیا کے نقشے سے مختلف مقامات اور ملک دکھا اور پڑھا رہے تھے۔ اچانک ہندوستان پر انگلی رکھ کر بولے ’’تو یہ ہے ہمارا ہندوستان‘‘ پوری کلاس یک زبان ہوکر بولی ’’ماسٹر صاحب! ہمارا ہندوستان نہیں، ہمارا تو پاکستان ہے۔‘‘ اس پر چوہدری صاحب نے کہا: ’’بھئی ہمارا ہندوستان کیوں نہیں، کیا وہاں ہمارا قادیان نہیں ہے؟‘‘ لڑکے بولے جی ہے۔ تو پھر ہندوستان ہمارا ہندوستان ہوا یا نہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا۔ جس پر پوری کلاس نے گونج دار آواز میں جواب دیا۔ ’’جی ہندوستان ہمارا ہے۔‘‘ میں بھی وہاں موجود تھا اور یہ سن کر مرزائیت پر لعنت بھیج رہا تھا۔ چوہدری صاحب نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: ’’دیکھو بچو! قادیان واپسی ہمارا مشن اور خواب ہے۔ اس لئے ہندوستان ہمارا ہے۔ اپنے ذہن میں یہ بات رکھو کہ ہم نے ایک دن قادیان واپس جانا ہے اور وہی ہماری منزل ہے۔‘‘ مجھے خاموش دیکھ کر میرے ایک ساتھی نے پوچھا: ’’تم کیا سوچ رہے ہو۔‘‘ میں نے کہا: ’’میں تم لوگوں کی عقل پر ماتم کر رہا ہوں کہ تم لوگ اتنے پیارے ملک کو اپنا کہنے کے بجائے دشمن ملک کے گن گا رہے ہو۔‘‘

ہماری کلاس میں ’’محمود نظامی‘‘ کا بیٹا شکیب ہارون پڑھا کرتا تھا۔ پہلے تو اس کا قیام بورڈنگ ہاؤس میں تھا۔ بعد میں وہ اپنے گھر والوں کے ہمراہ مرزائی ہوکر ربوہ منتقل ہوگیا اور ’’الفیض فلیٹس‘‘ میں رہائش اختیار کی۔ شکیب فیملی کے مرزائی ہونے کی خبر قومی اخبارات میں چھپی تو پورا اسکول اسے مبارک باد دینے ہماری کلاس میں آیا اور وہ یوں مبارک بادیں سمیٹ رہا تھا جیسے اس نے کوئی میدان مار لیا ہو۔ اس روز مجھے بہت دکھ ہوا کہ ایک اچھا بھلا مسلمان خاندان نہ جانے کیسے کفر کی گھاٹی میں اتر گیا ہے۔ میرے کلاس فیلو مجھے سمجھانے لگے ’’دیکھو شکیب ہارون اور اس کے گھر والوں نے کتنا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں بھی غور کرنا چاہئے۔‘‘ میں نے کہا: ’’مجھے تو تم اور تمہارے نبی پر تین حرف بھیجنے چاہئیں۔ تمہارا کیا خیال ہے میں کسی کو جہنم جاتے دیکھ کر خود بھی اس کے پیچھے چل پڑوں گا۔ ہم تو کالی کملی والے کے غلام ہیں۔ ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔

جب تک یہ جذبہ زندہ ہے مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔''

ہمارے ایک استاد ماسٹر نذیر احمد جن کا تعلق چنیوٹ کے ایک نواحی گاؤں سے تھا وہ کسی مرزائی ملّاں کے جھانسے میں آ کر مرزائیت قبول کر بیٹھے۔ گھر والوں سے غالباً ان کا تعلق تمام ہو چکا تھا۔ انہیں کلاس میں مرزائیت کا پرچار کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ ان کی شادی بھی ربوہ میں کرائی گئی تھی جس کے زعم میں وہ ہر وقت مرزائیت کا حق نمک ادا کرنے پر تلے رہتے تھے۔ وہ ہمیں پڑھاتے تو حساب تھے، لیکن اپنے پیریڈ کے دوران کچھ نہ کچھ وقت مرزائیت بیانی پر بھی ضرور صرف کرتے تھے۔ ایک روز مرزا غلام احمد قادیانی کی سیرت پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے پورا پیریڈ غارت کر دیا۔ مجھے سخت کوفت ہوتی تھی لیکن میں انہیں روک نہیں سکتا تھا۔ دوسرے وہ میرے ساتھ براہ راست ہم کلام بھی نہیں تھے۔ اس روز میرے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی کہ: ''مولا! اس شخص نے تیرے سچے نبی کی جگہ اپنے ''جھوٹے نبی'' کا درجہ بلند کرنے کی انتہاء کر دی ہے۔ اس کو سخت ترین سزا دے۔'' یہ شاید قبولیت کی گھڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میری التجا سن لی اور ماسٹر نذیر کو جسم پر عجیب وغریب دانے نکلنے شروع ہو گئے۔ جن سے پانی نکل کر جہاں لگتا فوراً دوسرا دانہ نکل آیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا چہرہ مکمل دانے دار اور انتہائی مکروہ ہو گیا۔

چوہدری غلام رسول جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے وہ جسمانی سزا کے بہت ماہر تھے۔ ان کا طریق کار یہ تھا کہ سزا دینے کے لئے ماتھے کے بالوں سے پکڑتے اور زمین پر پٹخ کر گرا دیتے اور اوپر سے گھونسوں، لاتوں اور ڈنڈوں کی بارش کر دیتے۔ ان کی مار کھانے والا کئی روز تک بستر پر پڑا رہتا تھا۔ ایک روز انہیں نہ جانے کیا ہو گیا اور غصے میں اپنے جھوٹے خاندان نبوت کے ایک سپوت پر بھی طبع آزمائی کر بیٹھے۔ مرزا انور کا بیٹا مرزا احسن بہت موٹا تھا۔ اس کو کوئی سوال نہ آیا تو چوہدری صاحب نے اسے مذکورہ طریقے سے گرا کر دھن ڈالا۔ وہ بے ہوش ہونے والا ہو گیا۔ گھر جا کر اس نے بتایا تو اگلے روز مرزا انور نے سکول آ کر بھری کلاس میں چوہدری صاحب کی ''مدرسنڑ'' ون کر دی اور دو تین تھپڑ لگا دیئے۔ پوری کلاس چوہدری صاحب کی بے بسی دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ مرزا انور نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ موصوف کو سکول سے نکلوا دیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کو لاہور میں مرزائیوں کے ایک ہوسٹل ''دارالحمد'' کا وارڈن لگا دیا گیا تھا۔ یہاں ایک دلچسپ بات قابل ذکر ہے کہ چوہدری صاحب کی موصوف کی سخت ترین سزا کے باوجود ہمارے سکول میں ایک نام نہاد اصول کے تحت بڑی سے بڑی سزا چھ ڈنڈے تھی۔

ہمارے سکول میں بعض اچھے استاد بھی تھے جن میں سید سعادت علی شاہ صاحب اور

عبدالرب صاحب شامل ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں مشہور تھا کہ دونوں ''نیم مرزائی'' ہیں۔ شاہ صاحب فزکس، کیمسٹری اور ریاضی پڑھاتے تھے۔ ان کا طرز تکلم جتنا سخت تھا، دل کے وہ اتنے ہی نرم تھے۔ لڑکے ان کے طرز تدریس سے بہت خوش تھے۔ شاہ صاحب ۱۹۶۹ء کے بعد مرزائیت ترک کر کے مسلمان ہوگئے۔ جب کہ عبدالرب صاحب جو ہمیں ساتویں سے دسویں تک انگریزی پڑھاتے رہے وہ بھی بڑے نرم خو تھے۔ مجال ہے جو کلاس میں مرزائیت کے بارے میں ایک لفظ بھی کہہ جائیں۔ تاہم ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ ابھی تک مرزائیت کے جال میں جکڑے ہوئے ہیں یا نکل چکے ہیں۔

۱۹۶۵ء کے ہی آخری مہینوں میں مرزائی خلیفہ مرزا محمود احمد کا انتقال ہوگیا تو سکول کالج غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے۔ شہر میں مرزائیوں کا میلہ لگ گیا۔ دنوں تک میت کا دیدار کیا گیا۔ مرزائی لڑکے دعویٰ کرتے تھے کہ ''دیدار'' کرنے سابق صدر ایوب خان بھی آئے تھے۔ جھوٹی نبوت کے اس ستون کو ربوہ کی خود ساختہ جنت میں منوں مٹی تلے دفن کر کے جب دوبارہ سکول کھلے تو کلاس کے بے تکلف لڑکوں نے مجھے کہا: ''دیکھا ہے مقام، ہمارے حضور کا، کتنی دنیا ان کا دیدار کرنے آئی، اگر ہمارے خلیفہ صاحب سچے نہ ہوتے تو انہیں یہ مرتبہ کیسے عطاء ہوتا۔ اب بھی مان لو۔'' میں ان کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا۔ اپنی رائے ہمیشہ کی طرح محفوظ رکھی اور نہایت مختصر سا جملہ کہا: ''اوئے مرزے نوں دب آئے او۔'' میرا یہ کہنا تھا کہ چند لمحے پہلے مسکرانے والے ان لڑکوں کے چہرے غصے سے تمتما اٹھے۔ کچھ ہی دیر بعد یہ بات ''ٹاک آف دی سکول ہو گئی'' اساتذہ سمیت کئی طلبہ نے مجھ سے استفسار کیا۔ جس پر میں نے کہا کہ کوئی غلط بات نہیں کی گئی۔ ہماری بولی میں جب کسی شخص کو دفن کر دیا جائے تو ہم یہی کہتے ہیں۔ ''دب آئے آں'' اس پر میرے اساتذہ نے مجھے سمجھانے کے انداز میں کہا کہ: ''آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ انہیں سپرد خاک کر دیا گیا ہے اور پھر اتنے عظیم انسان کے لئے تو اچھے کلمات استعمال کرنے چاہئیں۔'' میں نے کہا: ''آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن موصوف میرے لئے عظیم نہیں تھے بلکہ ایک عام شخص تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے لئے عام بات کہہ دی۔'' وہ لوگ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ یوں بظاہر بات دب گئی مگر بعد میں مجھے پتہ چلا کہ چھٹی کے بعد مجھے مارنے کا باقاعدہ پروگرام بن گیا تھا۔ لیکن سکول انتظامیہ نے روک دیا تھا۔

گھر آیا تو والد صاحب نے مجھ سے ساری صورتحال پوچھی اور کہا: ''بات تو تم نے سچ کی ہے مگر ذرا محتاط رہا کرو۔ یہ لوگ انسان نہیں بھیڑیے ہیں۔'' بعد ازاں اباجی کو سکول بلا کر ہیڈ

ماسٹر ابراہیم نے کہا کہ: ’’آپ اپنے بچے کو سمجھائیں کہ وہ اس قسم کی متنازع بات نہ کیا کرے۔ جس سے لڑائی جھگڑے کا خطرہ ہو۔‘‘ ابا جی نے کہا آپ لوگ بھی یہ جو دعوت تبلیغ ’’تلی‘‘ پر لئے پھرتے ہیں، اس سے گریز کیا کریں۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہمارے ایک استاد بشیر احمد جغرافیائی حالات پر لیکچر دے رہے تھے۔ بات بھارت کے متعلق چل نکلی تو وہ کہنے لگے: ’’بھارت ہمارے لئے پاکستان سے زیادہ اہم ہے۔ وہاں قادیان ہے جس میں ہمارے ’’نبی‘‘ دفن ہیں اور ہمیں ایک دن وہاں لوٹ کر جانا ہے۔‘‘ اس کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا: ’’ہمارے خلیفہ اور دیگر مشاہیر کو ربوہ میں امانتاً دفن کیا گیا ہے۔ جنہیں بعد ازاں قادیان لے جایا جائے گا۔‘‘ اس پر انہوں نے اپنے خلیفہ مرزا محمود احمد کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا جس میں کہا گیا تھا کہ ’’ملکی تقسیم غلط طریقے سے ہوئی ہے۔ ہم اس تقسیم کو ختم کرانے اور پاک بھارت کے باہمی افتراق دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس عارضی تقسیم کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے گا اور ہندوستان اور پاکستان کو پھر سے اکھنڈ بھارت بنا دیا جائے گا۔‘‘

چلتی پھرتی لائبریری

ربوہ میں آئے ہوئے کئی مہینے گزر جانے کے باوجود میں شہر کے بیشتر راستوں سے نابلد تھا۔ ہمارا بیلدار طالب حسین مجھے سائیکل پر چھوڑنے اور لینے جاتا تھا۔ اس کی فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ وہ مجھے کلاس روم میں چھوڑتا اور وہیں سے واپس لے آتا۔ اس کے علاوہ ابا جی ہمیں گھر سے باہر نکلنے بھی نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے دونوں بیلدار متھیلا اور طالب حسین چھٹی پر تھے۔ مجھے سکول پیدل جانا پڑا۔ یہ دن میرے لئے بڑا مشکل تھا۔ میں گھر سے نکلا اور جدھر لڑکے جارہے تھے، چلتا گیا اور بالآخر سکول پہنچ گیا۔ اس روز کے بعد ابا جی نے فیصلہ کیا کہ میں پیدل سکول جایا کروں۔ میں نے اس کے لئے راستے میں آنے والے مخصوص نشان وعلامات اور مکان یاد کرنے شروع کر دیئے۔ جنہیں دیکھ کر مجھے بہت جلد سکول کا راستہ یاد ہوگیا۔ گھر سے نکلتا تو گلی کے پہلے موڑ کے بعد ایک گھر پر غلام رسول راجیکی کا بورڈ آویزاں تھا۔ اس کے بعد چوہدری فرزند علی کا گھر پھر اسامہ کاٹیج اور آشیانہ کے پاس سے گزرتے ہوئے کچا بازار آجاتا۔ یہاں سے اقصیٰ کی ملحقہ پہاڑی کی طرف سڑک مڑتی اور آگے ایک مکان پر جلی حروف میں ’’مرزا غلام احمد‘‘ کا ایک الہام ’’مرزا غلام احمد کی جے‘‘ تحریر تھا۔ اس کے ساتھ ہی جامعہ احمدیہ تعلیم الاسلام سکول اور

تسلیم الاسلام کالج تھے۔ چند روز کی مشق کے بعد راستہ یاد ہوگیا۔ بعدازاں میں نے راستہ تبدیل کر کے ریلوے لائن کے کنارے کنارے آنا جانا شروع کردیا۔ ان دنوں صبح کے وقت ریڈیو پر ٹیسٹنگ کے طور پر تلاوت لگتی تھی۔ قاری صاحب جب لمبی آیات تلاوت کر کے سانس لیتے تو سامعین ''اللہ اللہ'' کہا کرتے تھے۔ اس کو سن کر ہمارے سکول میں اسمبلی کے دوران جب تلاوت ہوتی تو لڑکے اللہ اللہ کہنا شروع کردیتے۔ اس پر ہمارے سیکنڈ ماسٹر چوہدری غلام رسول کی طرف سے سخت سرزنش ہوئی۔ ان کا مؤقف تھا کہ اس طرح ''اللہ اللہ'' کہنا بدعت ہے۔ لیکن لڑکے ان کی نصیحت کے باوجود باز نہ آئے تو چوہدری غلام رسول نے ڈنڈے سے اسمبلی میں شریک تمام لڑکوں کی اس قدر دھنائی کی کہ وہ اللہ کا نام لینا چھوڑ گئے۔ مرزائی اساتذہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اللہ کا ذکر جلی طور پر کرنا بدعت ہے۔ چنانچہ اس بدعت کی شدت سے مخالفت کی گئی۔

ایک بار ہماری کلاس چھٹی، سی میں دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے۔ لڑتے لڑتے دونوں مجھ پر گر پڑے۔ ایک نے دوسرے کو بازو پر کاٹ لیا۔ لیکن اس کا ''چک'' اس کے حریف کے بازو پر لگنے کے بجائے میرے بازو کا قیمہ بنا گیا۔ میں تو بے ہوش ہوگیا۔ اگلے روز اباجی سکول آئے اور اسمبلی میں ''چک'' دکھادیا۔ اس وقت تو لڑکوں کو سزا اور والد صاحب سے معافی مانگ لی گئی۔ لیکن بعد میں استاد چہ میگوئیاں کرتے رہے۔

''ایس منڈے نوں تے کنڈ اوی لگ جاوے تو اینداپیو مصیبت پادیندا ہے۔''

ربوہ شہر میں کئی عجیب وغریب لوگ تھے جس میں مرزا منور کا بیٹا، مرزا مظہر عرف میاں مجو قابل ذکر ہے۔ اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ انتہائی فربہ مرزا مظہر ہاتھوں میں اخبار، بغل میں کتابیں اور منہ میں پان رکھے شہر میں گھومتا رہتا تھا۔ اس کے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر ہوتے جب کہ ایک ہاتھ میں چھڑی ہوتی تھی۔ لوگ اسے مذاقاً چلتی پھرتی لائبریری کہا کرتے تھے۔ جونہی کوئی اسے لائبریری کہتا مرزا مظہر کے منہ سے گالیاں اور کف برسنا شروع ہوجایا کرتا تھا۔

ہماری کلاس میں ایک لڑکا جمال الدین تانگے والا بھی پڑھتا تھا جو سکول کے اوقات کے بعد تانگہ چلایا کرتا تھا۔ کئی بار وہ اپنا تانگہ سکول میں ہی لے آتا اور جونہی چھٹی ہوتی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ اپنا تانگہ لے کر دھندے پر نکل جایا کرتا تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوتی کہ بیچارہ پڑھائی کے ساتھ محنت مزدوری بھی کرتا ہے۔ مگر بعد میں پتہ چلا کہ جمال دین کے والدین نہایت تنگدست تھے۔ جمال الدین اپنے گزربسر کے علاوہ چندے کی بھرمار سے نبردآزما ہونے کے لئے تانگہ چلایا کرتا تھا۔

ربوہ میں مسلمان سرکاری ملازمین کی تعداد بہت کم تھی۔ ہمارے علاوہ وہاں دوست محمد ٹیلیفون سپرنٹنڈنٹ، لائن مین محمد شفیع، مولانا بخش ڈاکیا اور سٹیشن ماسٹر شیخ مختار رہا کرتے تھے۔ایک دفعہ شیخ مختار کے بیٹے اسرار کو مسجد سے ٹونٹیاں اتارنے کے الزام میں مرزائیوں کے نام نہاد تھانے میں ڈال دیا گیا۔ شیخ مختار بہت پریشان ہوئے اور اباجی سے مدد طلب کی۔اباجی شیخ صاحب کو لے کر مرزا منصور کے پاس گئے اور ان کی طبیعت صاف کر کے رکھ دی۔مرزا منصور اباجی کو پیر جی کہا کرتے تھے۔اباجی نے ان سے کہا: ''مرزا صاحب! پہلے ہی آپ کے کفرستان میں کوئی مسلمان ملازم آنا پسند نہیں کرتا اور شامت اعمال سے اگر کوئی آجاتا ہے تو آپ اس کو جھوٹے الزامات کے ذریعے تنگ کرتے ہیں۔''

مرزا منصور نے کہا: ''پیر جی! کیا خطا ہوگئی ہے جو جناب کا پارا آسمان تک پہنچا ہوا ہے؟''

اباجی نے کہا: ''مسجد سے ٹونٹیاں آپ کے ان امتیوں نے اتاری ہیں، جن سے چندے لے لے کر آپ لوگوں نے انہیں ''پھانک'' کر رکھا ہے اور الزام آپ نے ایک مسلمان سرکاری ملازم کے بچے پر لگا دیا ہے۔آپ فوری طور پر ''اسرار'' کو اپنی پراسرار حراست سے آزاد کریں۔''

مرزا منصور نے مسکراتے ہوئے اپنے دربان کو حکم دیا: ''میاں جلدی کرو اس لڑکے کو رہا کراؤ ورنہ پیر جی کچھ کر ڈالیں گے۔''

ربوہ شہر میں ریلوے اسٹیشن، گول بازار کے پھاٹک اور دار ضیافت کے پہلو میں ایک کچا کمرہ ہے جس کی بنیادیں انتہائی پکی ہیں۔ یہ وہ کمرہ ہے جہاں قیام پاکستان کے بعد ربوہ آنے پر مرزا محمود احمد نے قیام کیا تھا۔اس یادگار کمرے کو پرستش کا مقام دے دیا گیا ہے۔لوگ زیارت کے طور پر یہ کمرہ دیکھنے جاتے ہیں۔لیکن ''مرزائی امت'' کے پیشواؤں، پیروکاروں اور علمبرداروں کی تضاد فکر ملاحظہ ہو۔اس کمرے کے اردگرد کوئی امیر وکبیر خاندان مقیم نہیں۔ بلکہ یہاں تیسرے درجے کے ''کمی کمین'' لوگ رہتے ہیں جن میں ہمارا ایک کلاس فیلو محمود احمد شمس عرف پوپو بھی رہتا تھا۔جس کی والدہ کے ساتھ ایک افریقی مبلغ نے شادی کی اور کئی بچوں کی شکل میں اسے مرزائیت کا تحفہ دے کر بھاگ گیا۔وہ بیچاری بچوں کا ایک ''ترنڈ'' لے کر اپنے نبی کے یادگار کمرہ کے قرب میں مرزائیت کا ماتم کرتی تھی۔

ربوہ میں کئی دلچسپ کردار گلیوں میں مارے مارے پھرا کرتے تھے۔ایک شخص جسے درمٹ کہا جاتا تھا وہ پورے شہر کے لوگوں کے آوازے سنتا اور جواباً ان پر گالیاں اور سنگ وخشت برسایا کرتا تھا۔ یہ نیم پاگل قسم کا انسان تھا جسے ربوہ کے مکینوں نے مکمل پاگل کر دیا تھا۔نبوت کے

تخت نشینوں کو کبھی بھول کر بھی اس شخص کے بارے میں خیال نہیں آتا تھا۔ حالانکہ صحت مندی کی حالت میں وہ بہت اچھا پینٹر تھا اور بھٹی پینٹر کے نام سے مشہور تھا۔

ایک اور داڑھی والا ''الٰہی بخش'' بھی تھا۔ پورے شہر میں وہ آگے اور لڑکے بالے اور اس کے پیچھے پیچھے پاگل پاگل کا شور مچاتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس کی جیبوں میں کاغذوں کے چیتھڑے، ہاتھوں میں روڑے اور زبان پر ''پھکڑ'' ہوتے جو وہ اپنی مرزائی امت کے نونہالوں پر برساتا تھا۔ ان نونہالوں پر جنہیں مرزامحمود احمد نے کچھ کہنے کے لئے کلام محمود تصنیف کیا تھا۔ قصر خلافت کے اردگرد ایک اور دیوانہ شخص ہوتا جس کا نام مجھے یاد نہیں۔ کہتے ہیں بچپن میں اس کی ایک پالتو بطخ بس کے نیچے آگئی۔ اس نے روتے ہوئے اپنی ماں سے کہا: ''ماں بطخ لوٹ پوٹ'' بس یہی بات اس کی چھیڑ بن گئی۔ جس نے اسے دیوانہ بناڈالا۔

ربوہ میں لوگوں کے نام بھی عجیب وغریب ہوا کرتے تھے۔ عربوں کی نقالی میں یہ لوگ فرنچ کٹ داڑھی کی طرح نام بھی ان جیسے رکھا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہمارے گھر کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جنہیں ''مولوی پاوا'' کہا جاتا۔ مگران کا اصل نام ابوالمنیر نورالحق تھا۔ ایک شخص کا نام سراج الدین حبیب اللہ طارق تھا۔ جب کہ ہمارے ایک کلاس فیلو کا نام آفتاب منیر احمد تھا۔

ربوہ میں ایک شخص عزیز راجیکی تھا جس کی وضع قطع دیکھ کر میں بہت حیران ہوتا تھا۔ انہائی لمبے قد کا بھاری بھرکم شخص سفید تہبند اور کرتہ پہنا کرتا تھا۔ جب کہ اس کے سر پر بہت بڑی سی سفید پگڑی ہوتی جس میں اس کا بڑا سا چہرہ چھپ کر رہ جاتا۔ سکھوں کی طرح داڑھی اور مونچھوں نے اس کے ہونٹ بھی چھپا رکھے تھے۔ کہا جاتا کہ یہ ''مرزاغلام احمد'' کے صحابی مولوی غلام رسول راجیکی کا بیٹا ہے۔ اس شخص کا مسلک سدومیت سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ اس کے جلو میں ہروقت شہر کے ''نوخیز امرد'' گھوما کرتے تھے۔ جن میں ملک خدابخش ہرل تھانیدار کا بیٹا قابل ذکر ہے۔

ربوہ کے اکثر لوگ ایک بات بڑی عقیدت سے سنایا کرتے تھے کہ ایک بار ان کے ''مرزاغلام احمد'' پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کی برسات ہوئی تو مولوی نورالدین اور مرزامحمود احمد اور مرزابشیر احمد ایم۔اے نور کی اس میگھا میں بھیگ گئے۔ بعد میں یہی برسات ایک بار مرزامحمود احمد پر ہوئی تو انہوں نے برستی برسات میں مرزاناصر، ڈاکٹر مرزامنور، مرزامبارک، مرزاطاہر اور مرزارفیع کو بلالیا۔ جب یہ لوگ نور سے پوری طرح سیراب ہوگئے تو بھی نور کا مینہ برستا رہا۔ پھر چوہدری ظفر اللہ خان کو بلایا گیا۔ چنانچہ وہ بھی خدائی نور سے منور ہوگئے۔ مجھے یہ سن کر حیرانگی ہوتی

کہ بھوک کے مارے اور پیسوں کو ترسے ہوئے پوست زدہ مرزائی نہ جانے کس زعم یا مجبوری کے تحت ایسی خرافات سنتے، ان پر ایمان لاتے اور پھر ان کا پرچار کیا کرتے تھے۔

ربوہ سے سرگودھا جائیں تو لالیاں اور ۴۶ اڈے کے درمیان ایک ۵۸ چک ہے جس کو ''چک قصائیاں'' کہا جاتا ہے۔ یہ چک درحقیقت جسم فروشی کا اڈہ ہے۔ جس کو اگر دیہی بازار حسن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ہم جب سکول و کالج میں پڑھا کرتے تھے تو اکثر مرزائی لڑکے ایک دوسرے کو کہتے ''چلو شکار کے لئے چک قصائیاں چلیں'' تب میں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ شاید پرندوں کے شکار کے لئے کسی گاؤں جانے کی بات کرتے ہیں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ چک مرزائیوں نے اپنی تسکین کے لئے آباد کر رکھا تھا۔ دروغ برگردن راوی ہمارے ایک مرزائی کلاس فیلو جس کا نام قصداً یہاں لکھنا مناسب نہیں، مجھے بتایا تھا کہ ماضی کی ایک اداکارہ ناصرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ربوہ کے محلّہ فیکٹری ایریا کے کسی تحصیلدار کی بیٹی تھی۔

جس زمانے کی یہ باتیں ہیں، تب ربوہ کی درسگاہوں کو مثال سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے اور اس زمانے کے ربوہ سے فارغ التحصیل طلباء یہ بات بڑے وثوق سے بتا سکتے ہیں کہ ربوہ میں تعلیم کا معیار ملک بھر کے باقی تعلیمی اداروں جیسا ہی تھا۔ کوئی تخصیص نہیں تھی۔ ماسوائے اس کے کہ جنسی تعلیم عام تھی۔ وقت سے پہلے ہر لڑکا وہ باتیں سیکھ جاتا تھا جو زندگی سنوارنے کی بجائے تباہ کر دیا کرتی ہیں۔ سکول و کالج کے ہوسٹل تو ''جنسی انسٹیٹیوشن'' تھے جہاں لڑکے لڑکیوں کو ''گے اور لزبین'' کلچر کی تعلیم کے علاوہ تربیت بھی دی جاتی تھی۔ لیکن ہوش وخرد سے عاری والدین نہ جانے کیوں اپنے بچوں کو گھروں سے دور جنسی درندوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ جامعہ نصرت کالج اور سکول کی لڑکیاں ہوسٹل کے بند دروازوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیواریں پھاند کر جہاں مرضی ہو چلی جاتی اور خوش وقت ہو لیا کرتی تھیں۔ بلکہ بتانے والے بتاتے ہیں لڑکیوں کے ہاسٹل کے دروازے قصر خلافت کے دروازوں کے آمنے سامنے رکھنے کے بھی کئی مقاصد ہیں۔

ربوہ میں بھونڈی نہایت تیاری سے کی جاتی تھی۔ لڑکے ٹیڈی پتلونیں پہن کر سائیکلوں پر شہر کی سڑکوں پر گھومتے اور سیاہ برقعوں میں ملبوس حوروں کو آنکھوں سے اشارے کرتے۔ اگر بات بن جاتی تو ریل گاڑی میں بیٹھ کر چنیوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر چلے جاتے۔ یہاں انہیں دوسری طرف سے آنے والی ٹرین کی آمد تک کافی موقع مل جاتا۔ اس کے علاوہ چنیوٹ سرگودھا اور لائل پور کے سینما گھر ''ڈیٹ'' کے لئے بہترین مقامات تھے۔

''مرزائی امت'' کے پیروکاروں کو''شیعہ مسلک'' سے خداواسطے کا بیر تھا۔ یہ اپنے خاص خاص فنکشن خاص طور پر محرم کے ایام میں رکھا کرتے تھے۔شادی بیاہ کی بیشتر تقاریب دسویں محرم کو ہوا کرتی تھیں۔ان بدبختوں کا اس بارے میں مؤقف یہ تھا کہ حضرت امام حسینؓ کی یزید کے ساتھ جنگ سیاسی تھی اور ایک نافرمان کے حاکم وقت کے ہاتھوں قتل ہو جانے پر افسوس کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔ ہمارے سکول میں دسویں جماعت کی الوداعی پارٹی بھی دسویں محرم کو ہوئی جس میں ہم لوگوں نے احتجاجاً شرکت نہیں کی تھی۔اس کے علاوہ ماتم اور مجالس عزا اور بالخصوص مجلس شام غریباں کا ربوہ میں زبردست مذاق اڑایا جاتا تھا۔چمن عباس، چنیوٹ اور احمد نگر میں تعزیہ اور ذوالجناح کے جلوس نکلتے تو خدام الاحمدیہ کے شیر جوان خاص طور پر وہاں بھونڈی کرنے کے لئے جاتے اور اگلے روز اپنی خباثت کے قصے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔حالانکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے جلسہ سالانہ پر ان کی حوریں''اڑانے'' کے لئے باہر سے ربوہ میں کون کون آتا تھا۔لیکن وہ یہ نہیں سوچتے تھے۔کیونکہ ورثے میں ملی ہوئی بے غیرتی کے باعث شرم اس امت سے کوسوں دور تھی۔

ایک مرزائی مبلغ جو پہلے سکھ تھا، بعد میں بھی خود کو''گیانی'' ہی کہلواتا تھا۔اس نے ایک بار مجھے اور میرے چند دوستوں کو کہا کہ آپ لوگوں کو ابھی تک احمدیت کی تبلیغ کسی نے اچھے طریقے سے کی نہیں۔اس لئے آپ''مرزاغلام احمد'' کی تعلیمات کو سمجھ نہیں سکے۔لہٰذا آج میں آپ کو بتاتا ہوں کہ احمدیت کیا ہے۔ہم خاموش اور ہمہ تن گوش ہوگئے اور دل میں سوچ لیا کہ''مرزائی امت'' کے اس علمبردار کی مت مار کر ہی رہیں گے۔ ہمارے بزرگ دوست چوہدری غلام رسول آف سرگودھا نے اس بدبخت کی تمام باتیں سن کر کہا:''باباجی! آپ کی عمر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہاتھ کی بجائے صرف زبان سے بات ہوسکتی ہے۔لہٰذا سنو! تمہارا جھوٹا نبی اگر کسی جھوٹے پیر کے طور پر اہل روحانیت کا دعویٰ کرتا، ہم قبول کر لیتے۔کیونکہ ملک بھر میں بے شمار''ڈبے پیر'' موجود ہیں۔لیکن اس نے تو لمبی چھلانگ جا لگائی اور''نبی بن بیٹھا'' تو باباجی ہم اسے کیسے مانیں اور تم تو مرزائی ہونے کے بجائے سکھ رہتے تو زیادہ اچھا تھا۔کم از کم کسی ٹھوس مذہب پر تو قائم تھے۔ چوہدری غلام رسول کی باتیں سن کر''بڈھا سکھ'' لمبی سی''ہوں'' کر کے رہ گیا۔''

بے وفا دوست سے کے ٹو سگریٹ اچھا

ازل سے آج تک دنیا کے ہر معاشرے میں تین قوتوں کی حکمرانی رہی ہے۔جن میں

حکام، مذہبی اکابرین اور طبیب شامل ہیں۔ تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ مذہبی اکابر حکام کی ہر سچی جھوٹی بات کی تائید کر کے انہیں من مانی کا موقع دیتے ہیں۔ جب کہ حکام اہل مذہب کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں اور طبیب دونوں فریقوں کو جسمانی، ذہنی اور جنسی طور پر صحت مند رہنے کے لئے نسخے اور کشتے مہیا کرتے ہیں۔ انگریز کو ہندوستان پر پورا تسلط حاصل ہونے کے باوجود بھی مسلمانوں سے ہمیشہ خطرہ رہا ہے۔ خود کو مضبوط کرنے اور مسلمانوں میں دراڑیں ڈالنے کے لئے اس نے جب کسی مذہبی حوالے اور دھڑے کی شدت سے ضرورت محسوس کی تو مرزاغلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر لا کھڑا کیا۔ ان دونوں قوتوں کو شیطان دوستی میں مزید آگے لے جانے کے لئے بھیرہ نژاد حکیم مولوی نورالدین نے اپنی تمام تر ذہنی اور طبی صلاحیتیں صرف کر کے ایک مرزائی معاشرے کو جنم دیا۔ مرزائیت کے قیام کو دوام بخشنے کے لئے مرزاغلام احمد قادیانی اس کے برگ وبار اور خلفاء کو مرزائی علماء نے دلائل وبراہین سے سچا ثابت کیا اور انگریز سے دولت کے ڈھیر سمیٹے جب کہ ان دونوں حلقوں کی ذہنی، جسمانی اور جنسی آبیاری کے لئے طبیبوں اور ویدوں کے ٹولے نے اپنی اپنی خدمات انجام دیں۔ ربوہ شہر میں دیسی علاج کرنے والے حکماء کی بکثرت دکانیں ہیں۔ کہنے والوں کے مطابق حکیم نورالدین کا مرزائی خاندان نبوت اور امت پر بڑا احسان ہے۔ اس کی ادویہ نے مرزاغلام احمد قادیانی کی ڈھلتی ہوئی جنسی قوتوں کو سنبھالا دیا اور نسخہ ''زدجام عشق'' کے زور سے مرزامحمود احمد اور مرزابشیر احمد ایم۔اے پیدا ہوئے۔

گول بازار میں دواخانہ خدمت خلق، دواخانہ حکیم نظام جان اور خورشید یونانی دواخانہ بہت بڑے دیسی ادویہ کے مراکز ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مطب بھی موجود تھے۔ جن میں حکیم رانجھا اور حکیم عبدالحمید سنیاسی کا مکتبہ فیض عام بہت مشہور تھے۔ کھلنڈرے لڑکے اکثر ''فیض عام کو قبض عام'' کہہ کر حمید سنیاسی کو چھڑتے اور مادر وخواہر کی مغلظات سنا کرتے تھے۔

مذکورہ دواخانوں میں زیادہ تر قوت مردی میں اضافے کی ادویہ فروخت ہوتی تھیں۔ ہر دوسری دوا پر ''نسخہ حضرت خلیفہ اوّل'' تحریر کر دیا جاتا۔ جس کی کشش سے دوا کی خریداری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ ''مرزاغلام احمد'' کے بارے میں مشہور ہے کہ ان پر جنسی قوت بڑھانے کا خبط سوار تھا۔ ان کی تقلید میں مرزائی امت کے مرد بھی ہر وقت جنسی کمزوری دور کرنے اور قوت مردمی بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ یہ انہی نسخوں کا ہی اعجاز واکرام ہے کہ مرزائی تعدد ازدواج اور کثرت اولاد کے دلدادہ ہیں۔ حکماء کا خاصہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی ''بم'' قسم کا نسخہ تیار کرتے ہیں تو پہلے خود استعمال کرتے ہیں۔ اسی بناء پر دواخانہ خدمت خلق کے حکیم بشیر اور دواخانہ نظام جان

کے حکیم نذیر کے گھروں میں بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ دیگر حکماء بھی اپنے اپنے کشتوں کی برکت سے خاصے عیال دار تھے۔ جنسی ادویہ کے علاوہ نور کا جل، محبوب کا جل اور سرمہ نور بھی مولوی نورالدین کے نسخے قرار دیئے جاتے اوران سے چاندی حاصل کی جاتی۔ حکیم نذیر کی پیٹ درد کے لئے تیار کی گئی دوا ''ہاضموں'' بہت مشہور تھی۔ جس کے لئے انہوں نے ایک نظم بھی لکھی تھی۔

ہاضموں کیا خوب دوائی
ربوے وچ حکیم بنائی

بڑے بڑے مگرمچھ قسم کے حکماء کو ''مرزائی خاندان'' کی سرپرستی حاصل تھی۔ لیکن نچلی سطح کے طبیب نہایت تنگ دست تھے۔ جنہیں دووقت کی روٹی کے لالے پڑے رہتے تھے۔ حکیم صدیق نے اباجی سے اپنی کسمپرسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: ''ہم پر تو کوئی ایسا عذاب الٰہی نازل ہے کہ کسی کو مفت دوا دیں تو فوراً آرام آجاتا ہے۔ لیکن مول دوا لینے والوں کو معمولی افاقہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو لوگوں کو دوا کی قیمت واپس کرنی پڑتی ہے۔ بڑے حکیموں کے بھی اکثر نسخے ناکام تھے۔ مگران کا ''کلا'' بہت مضبوط تھا۔ دواخانہ خدمت خلق والوں کا کیل مہاسوں سے نجات دلانے والا ''بیوٹی لوشن'' انتہائی خطرناک تھا۔ ایک بار ایک خاتون نے استعمال کیا وہ خطرناک الرجی کا شکار ہوگئی جو بمشکل اور بسیار ڈاکٹر علاج سے ٹھیک ہوئی۔ مگراس کے چہرے پر نشان عمر بھر موجود رہے۔''

جہاں ربوہ میں ایک طرف ''حکیم راج'' تھا تو دوسری طرف زچہ بچہ کے بھی کئی چھوٹے بڑے کلینک کھلے ہوئے تھے۔ جنہیں عطائی قسم کی دائیاں چلاتی تھیں۔ دو کلینک بہرحال بڑے اور مشہور تھے۔ جن میں ایک ''اقبال زنانہ دواخانہ'' تھا جو محلّہ دارالرحمت وسطی میں کچے بازار اور پرائمری سکول کے قریب واقع تھا۔ ربوہ میں طبقاتی فرق ملک بھر میں سب سے زیادہ تھا۔ جس کی بناء پر اعلیٰ درجے کے گھرانوں کی خواتین تو اپنے زچگی کے مراحل بڑے شہروں کے بڑے ہسپتالوں میں سرکیا کرتی تھیں۔ درمیانے، سفارشی اور منہ لگے طبقے کی خواتین کے لئے فضل عمر ہسپتال میں بھی مراعات وسہولیات میسر تھیں۔ لیکن نچلا اور تیسرے درجے کا طبقہ بہرحال روایتی دائیوں اور مذکورہ دواخانوں کے سہارے چلتا تھا۔ ان دواخانوں میں زچگی کے امور کے علاوہ اسقاط حمل کے کیس بھی نمٹائے جاتے تھے۔ اقبال زنانہ دواخانہ کی مالک رضیہ اقبال اپنے بیٹے کی معاونت سے یہ کلینک چلارہی تھی۔ اس کے بیٹے کی رحمت بازار میں جوتوں کی دکان ''نعیم پمپی ہاؤس'' تھی۔ اس کے علاوہ گول بازار کے ریلوے پھاٹک سے ملحقہ پہاڑیوں کے دامن میں ایک

مختاری دائی کا میٹرنٹی ہوم تھا۔ یہاں بھی خواتین اپنے زچگی کے مراحل سے گزرتی تھیں۔اس کے علاوہ بہت سے بالا بلند اور نام نہاد شرفاء شبینہ مشاغل سے پیدا ہونے والے مسائل کے ازالہ کے لئے بھی ان کلینکوں سے رجوع کرتے تھے۔ دارالرحمت وسطی میں ہمارا ایک کلاس فیلو صابر علی رہتا تھا۔ سیاہ رنگ کا یہ مرزائی بے زار انسان باتیں کھری کھری کرتا تھا۔ اس نے رضیہ اقبال کے بارے میں بتایا کہ موصوفہ اگرچہ ایک غیر مستند دائی ہے۔لیکن قادیان کی ظلی نبوت کی پیداوار کی تختہ مشق بنائی ہوئی۔ ''امتی'' عورتوں کی مشکلات بہرحال آسان کردیا کرتی ہے۔اس کے بدلے میں اس نام نہاد ڈاکٹرنی کو ستم رسیدگان سے فیس اور ''اوپر والوں'' سے انعام بھی ملتا ہے۔

طلاق ربوہ میں جس قدر عام تھی، اس کی مثال کسی اور معاشرے میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ یہاں مرد اور عورتیں دونوں طلاق کو مرضی کے مطابق استعمال کر لیتے تھے۔ ہمارے سکول کے ایک ٹیچر اسماعیل صاحب کے فلاسفی کے پروفیسر بیٹے مبارک احمد کی شادی ہوئی تو سہاگ رات کو ہی لڑکی نے لڑکے کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا اور اگلے ہی روز دونوں میں طلاق ہوگئی اور اسی ہفتے دونوں کی نئی شادیاں کردی گئیں۔طلاق کے بعد خواتین میں عدت گزارنے کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ افتخار بیگم کو محض اس بناء پر طلاق دے دی کہ اس کو کسی اور لڑکی سے محبت تھی۔ جب کہ اس کا باپ اس لڑکی کو صرف اپنے اغراض ومقاصد کے لئے ''بہو'' بنا کر لانا چاہتا تھا۔اس شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق کے ساتھ تحریر کئے جانے والے خط میں لکھا: ''ہمارے معاشرے میں سسر کا بہو کے ساتھ تعلقات استوار کر لینا معمول کی کارروائی ہے۔ لہٰذا میں آپ کو اپنے باپ کے چنگل سے بچانے کے لئے طلاق دے رہا ہوں۔'' یہ واقعہ بھی محلّہ دارالرحمت شرقی کی ایک مکین لڑکی سے پیش آیا۔

طلاق اور خلع کے معاملات کو حل کرنے والی ربوہ کی متعلقہ انتظامیہ کا خاصا ہے کہ وہ ایک ہی نشست میں طلاق کا فیصلہ کردیتی اور کھڑے پاؤں لڑکی اور لڑکے کے لئے نئے رشتے تجویز کردیتی۔ جنہیں فریقین اکثر قبول کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق کے مضر اثرات کو محسوس کیا جاتا اور نہ ہی اس سے بچاؤ کے لئے عملی اقدام کئے جاتے تھے۔

اکثر مرزائی عورتیں شوقیہ طلاق بھی لے لیتی تھیں۔ ایسی کئی مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ ایک شخص عبدالواسع کی بہن نے جب کسی ٹھوس وجوہ کے بغیر طلاق لے لی تو ہمارے ایک کلاس فیلو محمود نے اس بارے میں بتایا کہ مذکورہ خاتون ازدواجی بندھن کی قائل نہیں تھی۔ اس نے گھر والوں کے

مجبور کرنے پر شادی کی اور ایک ''بچہ'' حاصل کرنے کے بعد شوہر اور سسرال سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ محمود کے مطابق ربوہ سے وابستہ اکثر تعلیم یافتہ خواتین میں یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ صرف بچہ حاصل کرنا چاہتی ہیں تاکہ معاشرے میں ان سے ''تنہا عورت'' کا لیبل اتر جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ کسی بھی عام شخص سے شادی کر لیتی ہیں اور مقصد حاصل ہوتے ہی کسی بھی بات کو جواز بنا کر نجات حاصل کر لیتی ہیں۔

ربوہ میں طلاقوں کی ایک اور وجہ بھی ہے جس پر مرزائی بے زار افراد کی اکثریت پوری طرح متفق ہے۔ ان لوگوں کے مطابق مرزائی امت کے مرد حضرات اپنے پیشوا اور اس کی آل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''سدومیت'' کے اس قدر رسیا ہیں کہ وہ بیویوں کو بھی تختہ مشق بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ بعض خواتین اپنی مجبوریوں کے باعث سر تسلیم خم کر لیتی ہیں۔ جب کہ اکثریت اس پر طلاق کو ترجیح دیتی ہیں۔ ہمارے محلّہ میں ایک خاتون بشریٰ نے محض اسی وجہ سے طلاق لے لی کہ وہ شوہر کی یہ خواہشات پوری کرنے سے قاصر تھی۔

ہمارے سکول کے ایک استاد کی شادی بھی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون سے ہوئی جو پائے کی ریاضی دان تھیں۔ اس نے موصوف استاد سے شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد طلاق لے لی۔ ان کے بارے میں بھی یہی سننے میں آیا کہ خاتون اپنے شوہر نامدار کی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی تھی، جو وہ اس کے ساتھ اپنی امت کی مسلمہ روایت کے طور پر ادا کرنا چاہتا تھا۔ جھوٹ وہ معاشرتی بیماری ہے جو کسی بھی معاشرے کی تمام اچھی اقدار کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ قادیانی نبوت کی بنیاد ہی جھوٹ ہے۔ لہٰذا یہ امت ہمہ وقت جھوٹ بولنا اپنا ایمان سمجھتی تھی۔ بڑے بڑے اکابرین اپنی کہی ہوئی باتوں سے یوں مکر جاتے ہیں جیسے وہ بات کہی گئی ہی نہیں تھی۔ ایک شخص چوہدری نذیر خان ایک بار ہمارے گھر آیا اور کہنے لگا کہ ''میرا بھائی اور بھابی مختار احمد ایاز اور صالح بیگم جماعت کے مبلغ ہیں اور دونوں نے میرے حصے کی جائیداد ہتھیا کر اپنے نام کرالی ہے۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ یہ جائیداد موروثی نہیں بلکہ ان کی اپنی خریدی ہوئی ہے۔'' ابا جی نے اسے کہا: ''تم اس بارے میں کوئی ثبوت پیش کرو کہ جائیداد کے تم بھی وارث ہو۔'' کہنے لگا ان لوگوں نے باپ کی بیماری کے زمانے میں ہر چیز اپنے نام کرالی تھی۔ اب ثبوت تو میرے پاس ہے نہیں، بات قسم کی ہے۔ مگر یہ لوگ جھوٹی قسم کھانے سے دریغ نہیں کرتے۔

ہماری گلی میں ایک حکیم صدیق آف میانی والے قیام پذیر تھے۔ ان کا بیٹا شریف صدیقی ایک بے روزگار نوجوان تھا۔ اس کو گھر میں کوئی وقعت حاصل تھی نہ گھر سے باہر اس کی کوئی

عزت کرتا تھا۔ اس کا ''ہینڈ رائٹنگ'' بہت عمدہ تھا۔ وہ اباجی کا بے حد احترام کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے جب بھی سکول کے لئے چارٹ بنوانا ہوتا، اسے کہا جاتا۔ وہ بنا دیتا تھا۔ ایک بار میں نے اس سے پوچھا: ''آپ کو نوکری کیوں نہیں ملتی؟'' کہنے لگا: ''بھیا! میں نوکری حاصل کرنے کے قابل نہیں۔'' میں نے پوچھا آپ پڑھے لکھے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے نوکری نہ ملنے کی۔ کہنے لگا ربوہ میں نوکری حاصل کرنے کے لئے منافقت کی ڈگری ہونا ضروری ہے۔ زہر کو قند کہنے کا فن جسے آتا ہو، وہ شجر احمدیت کے اثمار سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ میری مجبوری ہے کہ میں احمدی ہوکر بھی اپنی آل نبوت اور امت کے ساتھیوں کی برائیوں اور خطاؤں سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ اپنے والدین، متعصب بھائیوں، محلے صدر اور جماعت کے اکابرین کے سامنے غلط کو غلط کہتا ہوں اور یہ چیز ان لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا مجھ سے میرے گھر والے خوش ہیں نہ جماعت والے راضی۔ پھر مجھے نوکری خاک ملے گی؟

ربوہ میں چڑے شکار کرنے کا رواج عام تھا۔ ہر گھر میں لوگ مرغیاں ''تاڑنے'' والے ٹوکرے کو ایک چھڑی کے سہارے اس طرح کھڑا کر دیتے کہ نیچے ایک خلا سا بن جاتا۔ جہاں باجرہ بکھیر دیا جاتا تھا۔ جونہی چڑیا یا چڑا دانہ چگنے ٹوکڑے کے نیچے جاتا، ٹوکرے کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کھینچ لی جاتی۔ یوں بیچارہ چڑا مقید ہو جاتا۔ جس کو پکڑ کر ذبح کرلیا جاتا تھا۔ ربوہ والے کہتے تھے کہ وہ چڑے بھی اپنے ''نبی'' کی سنت کے طور پر کھاتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ مرزاغلام احمد چڑے پکڑتے اور انہیں سرکنڈے سے نہایت اذیت دہ طریقہ سے ذبح کیا کرتے تھے۔ ان کے امتی اس معاملہ میں قدرے رحم دل واقع ہوئے تھے جو سرکنڈے کے بجائے چاقو سے چڑے ذبح کرتے تھے۔ ہمارے سکول کے ایک ماسٹر مسعود جن کی شکل انتہائی ہیبت ناک تھی، چڑوں کے بڑے رسیا تھے۔ وہ لڑکوں کو چڑے پکڑ کر لانے کو کہتے تھے اور جو لڑکا انہیں چڑے فراہم کرنے میں فراخ دلی سے کام لیتا۔ موصوف اسے نمبر دینے میں دریادلی سے کام لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ربوہ میں تلیر، شارک، لالی اور کبوتروں کا شکار بھی بہت کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شکار کے لئے ایئرگن کے علاوہ غلیل بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی چڑوں کے شکار کا شوق ہوا۔ میں اور میرا کزن شکار کے ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے کہ اباجی کو خبر ہوگئی۔ اس کے بعد ہمارے ساتھ جو ہوا، اس کا نتیجہ بہرحال یہ تھا کہ پھر کبھی ''چڑا کشی'' کا خیال ہمارے ذہن میں نہیں آیا۔

ربوہ کے دکانداروں کا ناپ تول اس قدر بددیانتی پر مبنی تھا کہ خود اہل ربوہ اپنے ہم

مذہبوں پر اعتبار نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ سودا سلف لینے کے لئے چنیوٹ یا لالیاں جانے کو ترجیح دیتے تھے یا چمن عباس کے نذیر چنگڑ سے اشیاء ضرورت خریدا کرتے تھے۔ شریف بٹ اور حفیظ سبزی فروش کے ساتھ اکثر لوگوں کا مول تول پر جھگڑا ہوا کرتا تھا اور تو اور یہ لوگ اپنی گندم پسوانے کے لئے ربوہ کی چکی پر جانے کی بجائے چمن عباس کے مسلمان چکی والے کے پاس جایا کرتے تھے۔ ان تمام حقائق سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا گیا گزارا معاشرتی اور سماجی طور طریق مرزائیوں سے ہزار گناہ زیادہ اچھا ہے کہ یہ لوگ خود حقیقی زندگی میں مسلمانوں پر ہی انحصار کیا کرتے تھے۔

اس شہر کے باسیوں میں گالیاں دینے کا عام رواج تھا۔ وہ لوگ کشتی نوح میں مرزاغلام احمد قادیانی کی مسلمانوں کو دی گئی گالیوں پر بڑے نازاں تھے اور ان کی تقلید میں گالی دینا اپنا کمال سمجھتے تھے۔ ربوہ کا ایک ڈپو ہولڈر عبدالرحیم چیمہ مغلظات کا اس قدر ماسٹر اور خوگر تھا کہ اپنے ڈپو پر آنے والے گاہکوں کو بھی رگڑا لگا دیتا تھا۔ ایک بار کسی گاہک کو رحیم چیمہ گالی دے بیٹھا۔ جس پر بات بڑھتی بڑھتی لمبی لڑائی کی شکل اختیار کر گئی۔ معاملہ امور عامہ سے ہوتا ہوا مرزا ناصر احمد کے پاس چلا گیا۔ مرزا ناصر احمد نے رحیم چیمہ کو طلب کر کے کہا: ”چیمہ صاحب! آپ کی شکایت آئی ہے کہ آپ اپنے ڈپو پر آنے والے گاہکوں کو گالیاں دیتے ہیں۔“

اس پر رحیم چیمہ نے کہا: ”جناب کہیڑا ابہن.......... کہندا اے۔“

یہ سن کر مرزا ناصر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ کہتے بھی کیا ان کی اپنی تعلیم بول رہی تھی۔

ربوہ میں بیاہ شادیوں کے سلسلہ میں بھی عجیب فرق و امتیاز پر مبنی نظام رائج تھا۔ ”اہل خاندان“ ان کے حواریوں اور پوش علاقے کے باسیوں پر شان و شوکت سے شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ ریلوے لائن کے ایک طرف لاری اڈہ والی سائیڈ پر محلّہ دارالصدر کے باسی جو کریں، وہ سب اچھا تھا۔ لیکن ریلوے لائن کے دوسری طرف کے مکین اور دارالرحمت محلوں والے مرکز کی ہدایات کے مطابق مسجد میں نکاح کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے دلیل یہ دی جاتی تھی کہ متوسط طبقے کو شادی بیاہ کے اخراجات سے بچانے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی ہے جب کہ اہل زر و ثروت اپنے وسائل کی بناء پر سب کچھ کر گزرنے میں آزاد تھے۔

لومیرج بھی ربوہ کے کلچر کا حصہ تھی۔ اکثریت پسند کی شادی کرتی ہے۔ ہماری گلی میں ہی ایک لڑکی بشریٰ متین رہا کرتی تھی۔ اس کے گھر والوں نے اس کی شادی طے کر رکھی تھی۔ لیکن موصوفہ نے عین وقت پر شادی کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی مرضی سے ایک مسلمان سے شادی

رچالی۔ اسے مرکز کی طرف سے ربوہ بدر کرنے اور سوشل بائیکاٹ کی دھمکی بھی دی گئی۔ مگر اس نے کسی کو خاطر میں لانے سے انکار کر دیا۔ ہمارے ایک کلاس فیلو ظہیر الدین بابر نے والدین کی طرف سے پسند کی شادی میں رکاوٹ پر خودکشی کی کوشش کی۔ میو ہسپتال کی ایک نرس ناصرہ نے بھی پسند کی شادی کر لی اور گھر والوں کو اس وقت بتایا جب وہ ماں بننے والی تھی۔ ''لو میرج'' یوں تو ہر معاشرے میں ہوتی ہے۔ لیکن ربوہ کلچر میں اس کی نوعیت مختلف تھی۔ خاندان نبوت کے بڑے بوڑھے اور نوجوان تو جماعت کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرنے میں آزاد تھے۔ لیکن جماعت کے عام افراد پر پابندی تھی۔ گو وہ بھی اس پابندی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس کے علاوہ اکثریت اپنے والدین یا گھر والوں کو خبر کئے بغیر بھی شادیاں رچالیا کرتی تھی۔

مرزا ناصر کے بھائی مرزا رفیق نے چنیوٹ کے ایک سابق ہیڈ ماسٹر جلیل شاہ کی بیٹی کو کسی طرح شیشے میں اتارا اور اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لی۔ بعد ازاں جلیل شاہ کو دلفریب مالی آسودگی کی پیش کش کی گئی۔ جس پر موصوف نے مذہب اور عزت کو عیش و عشرت پر وار دیا اور اپنے پورے خاندان کے ساتھ ربوہ آ گیا اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد ربوہ میں ٹیوشن سنٹر کھول لیا۔ وہ بزعم داماد تعلیمی بورڈ کے ہم مذہب و ہم مشرب ارباب حل و عقد سے انگریزی کے گیس حاصل کر کے طلباء کو منتخب سوالات کروا اور بتا دیتا۔ امتحان میں وہی سوالات آ جاتے جس سے طلباء امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کر لیتے۔ اس طریق کار سے جلیل شاہ کے گھر ٹیوشن پڑھنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن سیاہ فام جلیل شاہ کا خاصا تھا کہ وہ لڑکوں کے بجائے لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھانے کو ترجیح دیا کرتا تھا۔ سارے دن میں لڑکیوں کی کئی کلاسیں لیتا۔ جب کہ لڑکوں کی صرف ایک کلاس ہوا کرتی تھی۔

ربوہ کی ایک خاتون ٹیچر ایک سرکاری افسر کے دام محبت میں آ گئی۔ موصوف پہلے ہی شادی شدہ اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔ اس ٹیچر کو اس نے دوسری شادی کی پیش کش کی تو اس نے شرط رکھ دی کہ پہلی بیوی کو طلاق دو پھر شادی کروں گی۔ کافی ردوکد کے بعد یہ شادی تو ہوگئی لیکن سرکاری افسر نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور بیٹے کو ننھیال کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ طلاق دلوا کر شادی رچانے کا رواج بھی ربوہ کی عورتوں میں عام تھا۔ جب کہ اکثر مرد بھی دوسروں کی بیویوں کو شیشے میں اتار کر طلاق پر راغب کر لیتے اور بعد میں شادی رچالیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا۔ ربوہ میں طلاق کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی کا اعجاز تھا کہ عائلی زندگی عدم استحکام کا شکار رہتی تھی۔

ربوہ میں قومی سطح پر باسکٹ بال کھیلنے کا بہت رواج تھا۔سکول و کالج کی طرف سے ہر سال آل پاکستان ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ کروایا جاتا تھا۔جس میں ملک بھر کی مختلف ٹیمیں شرکت کرتی تھیں۔ ریلوے کی ٹیم کو بہت پذیرائی حاصل ہوتی تھی۔اس ٹیم کے کپتان جاوید الحسن کو اہل ربوہ بہت پسند کرتے تھے۔ربوہ کے اکثر نوجوان جاوید الحسن بن کر باسکٹ بال کھیلا کرتے تھے۔اکثر لڑکے کہا کرتے تھے کہ جاوید الحسن، مرزا ناصر احمد کی خصوصی مہربانیوں سے متاثر ہو کر مرزائی ہو چکا ہے۔لیکن اصل حقیقت اللہ پاک جانتے ہیں۔ باسکٹ بال کے علاوہ ربوہ میں کرکٹ بھی کھیلی جاتی تھی۔سکول کے زمانے میں ہمارے سکول کا چنیوٹ کے اصلاح ہائی سکول کے ساتھ اکثر میچ ہوا کرتا تھا جو چنیوٹ کی کمال گراؤنڈ میں کھیلا جاتا تھا۔ہم سب لڑکے ریل گاڑی پر چنیوٹ جاتے اور میچ دیکھتے تھے۔شہر میں عام طور پر لڑکے ''میرو ڈبہ، پٹھو گرم اور باندر کلا'' کھلا کرتے تھے۔جب کہ لڑکیاں ''شٹاپو'' کھیلتی تھیں۔

ہر محلّہ میں اکثر و بیشتر جماعت کے کئی اجلاس ہوتے رہتے تھے۔مرزائی مرکز کی طرف سے کوئی بھی ہدایت جاری ہونے کے بعد محلّہ کے تمام افراد کو عبادت گاہوں میں طلب کر لیا جاتا تھا۔اس کے لئے ''میگا فون یعنی بھونپو'' پر لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔شہر میں عموماً ان الفاظ میں اعلان ہوتا تھا۔''حضرات! اعلان کیا جاتا ہے کہ محلّہ دارالرحمٰن غربی کے تمام مکینوں کا ایک اجلاس محلے کی عبادت گاہ میں صدر محلّہ کی زیر صدارت بعد از نماز عصر ہو رہا ہے۔تمام اہل محلّہ اس میں اپنی شرکت کو ضروری بنائیں۔''

نماز کے اوقات میں شہر بھر کی دکانیں بند کر دی جاتی تھیں۔دکاندار نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، دکان بہر حال بند رہتی تھی۔ایک دکاندار جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، دارالخیر جنرل سٹور کا مالک امین گاہکوں سمیت دکان کے اندر رہتا اور دکان کا شٹر گرالیا کرتا تھا۔چنانچہ جتنی دیر نماز ہوتی رہتی تھی، گاہکوں کو بھی دکان میں بند رہنا پڑتا تھا۔

شہر بھر میں دیواروں پر فضول قسم کی باتیں لکھنے کا بھی بہت رواج تھا۔خوبصورت لڑکے کو وہاں کے لوگ اپنی کسی مخصوص اصطلاح میں ''کےٹو'' کہا کرتے تھے۔ ہمارا ایک دوست عبدالسمیع سہیل جو سرگودھا سے آیا تھا، اس کے حسن کے بہت چرچے تھے۔ ہر دیوار پر جلی حروف میں لکھا ہوتا تھا، ''ربوہ کا مشہور و معروف تحفہ سہیل کےٹو'' اہل شہر کو ''کےٹو'' سے کیا نسبت تھی، اس کا مجھے آج تک علم نہیں ہو سکا۔تاہم کئی دیواروں پر یہ الفاظ بھی تحریر ہوتے تھے کہ ''بے وفا دوست سے کےٹو سگریٹ اچھے ہوتے ہیں۔''

لوگوں کو گھر سے بلانے کے لئے عجیب طریق کار مروج تھا۔ جب کوئی شخص کسی کے گھر جاتا تو دروازہ ''ناک'' نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ ہر گھر پر ''کال بیل'' بھی لگی ہوتی تھی۔ جانے والا دروزے کے باہر کھڑا ہوکر زور سے ''السلام علیکم'' کہتا جس کے جواب میں صاحب خانہ باہر آجاتا تھا۔ مرزائی اس طریقہ کار کو مذہبی لحاظ سے انتہائی شائستہ عمل قرار دیتے تھے۔ دوسری طرف عالم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص گھر سے باہر نہ آتا یا دروازہ نہ کھولتا تو آنے والا کسی بچے کی خدمت حاصل کرتا۔ بچہ دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوتا اور صاحب خانہ کو باہر آنے کے لئے کہتا۔ نتیجتاً اسے باہر نکلنا ہی پڑتا۔ ان واقعات وحقائق سے یہ اندازہ لگانا نہایت آسان ہے کہ ربوہ کی معاشرتی زندگی کس قدر تضادات کا مجموعہ تھی۔ جس کی بناء پر مرزائی امت کی منافقت کا بخوبی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

احمقوں کی جنت

ربوہ سے کوٹ امیر شاہ جانے والے راستے پر پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع وعریض چاردیواری ہے۔ جس میں قبروں کا لامتناہی سلسلہ ہونے کے باوجود بہت سی زمین ابھی مزید قبروں کے لئے باقی ہے۔ یہ قبرستان مرزائیوں کی جنت ہے۔ اس چاردیواری کے پیٹ میں آنے والے مرزائی اپنی امت کے نام نہاد جنتی کہلاتے ہیں۔ اس قبرستان سے ملحقہ چاردیواری کے باہر سبزہ اور سایہ دار درختوں سے محروم گورستان ان لوگوں کا ہے، جنہیں مرزائی بادشاہ کی جنت حاصل نہیں ہوئی یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ وہ جنت حاصل نہیں کر سکے۔ دراصل ان لوگوں کو غالب کے بقول ''اس جنت'' کی حقیقت کا پتہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے محض دل کو خوش رکھنے کے لئے ایسی جنت کے حصول کے لئے پیر اور پر نہیں مارے۔

مرزائی امت کے ''جنتیوں'' کے اس مقبرے کو بہشتی مقبرہ کہتے ہیں جو مدینہ کے ''جنت البقیع'' کا مماثل تیار کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اور یہ بھی اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ قادیانی امت اسلامی اصطلاحات اور شعائر اسلامی کی ایک نہایت بھونڈی نقل کر رہی ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی نبوت باطلہ کی طرف بلانے والے پراپیگنڈے کے زور سے لوگوں کو اپنے دام فریب میں لاتے وقت ایسے طریقے سے ان کی ''برین واشنگ'' کر دیتے ہیں کہ ان کی حیثیت ایک روبوٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ جنہیں وہ عمر بھر اپنے اشاروں پر نچاتے رہتے ہیں۔ مگر ان کا احساس زیاں کبھی بیدار نہیں ہونے دیتے۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنے زمانے میں تبلیغ کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی بھی شخص کو بیعت کرتے وقت اس سے عہد لیا جاتا کہ وہ اپنے

سگے اور خونی رشتہ داروں سمیت تمام مسلمانوں سے اس وقت تک کوئی تعلق نہیں رکھے گا جب تک وہ احمدی نہیں ہو جاتے۔ حتیٰ کہ ان کے جنازوں میں بھی شریک نہیں ہوگا۔ س کے علاوہ اپنی آمدن کو بھی اپنی مرضی کی طرح احمدیت کے لئے وقف کر دے گا۔ اس کے مال اور مزاج پر زندگی بھر نام نہاد نبوت کے ٹھیکداروں کا قبضہ رہے گا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے خاندان نے اپنی اس غنڈہ گردی کو عملاً قائم رکھنے کے لئے امت پر بے شمار اقسام کے چندے یعنی جگے ٹیکس عائد کر رکھے ہیں۔ جن سے احمدی امت کے کسی فرد کو فرار حاصل نہیں۔ انہی چندوں میں ایک وصیت کا چندہ، جو درحقیقت ''مرزائی جنت'' میں داخلے کا ٹکٹ ہے۔

بہشتی مقبرے میں تمام قبریں ایک حاشے میں ترتیب سے بنائی گئی ہیں جن پر باقاعدہ نمبر لگائے جاتے ہیں۔ قبروں کی شکل اس طرح ہے کہ ہر قبر کے کنارے پختہ اینٹوں سے بنائے گئے ہیں جب کہ اوپر سے قبر کچی رہتی ہے۔ تاہم اس کا کتبہ اچھا اور خوبصورت بنا ہوتا ہے۔ یہاں بھی ڈیزائن کا خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی کتبہ دوسری قبروں کے کتبے سے مختلف نہیں۔ قبرستان میں ایک اور چھوٹی سی بے چھت چاردیواری ہے جس میں داخلے کے لئے ایک دروازہ لگا ہوا ہے جس کے اندر مرزا محمود احمد اور مرزا ناصر احمد سمیت مرزائی خاندان نبوت کے خاص خاص ''گرگوں'' کی قبریں ہیں۔ جنہیں یہاں امانتاً دفن کیا گیا اور جونہی ان لوگوں کو ربوہ سے قادیان جانے کی اجازت ملے گی۔ وہ دھرتی کے اس بوجھ کو یہاں سے اٹھا کر بھارت لے جائیں گے۔ یہاں یہ لکھنا بے جا نہیں ہوگا کہ اب جب کہ مرزائی خلیفہ مرزا طاہر جو کہ ''راجہ داہر'' بن کر مرزائی امت پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ لندن سے بے شمار دفعہ بھارت جاتے اور قادیان کے چکر لگاتے ہیں۔ انہیں اپنے باپ، بھائی سمیت دیگر لوگوں کی میتوں کو قادیان پہنچا دینا چاہئے تاکہ پاکستان کی سرزمین ان لوگوں کے بوجھ سے آزاد ہو جائے۔

وصیت کرنے والوں کو ایک معقول رقم اپنی منقولہ غیرمنقولہ جائیداد کے ۱/۴ کے برابر دے کر جنت کی ٹکٹ اور بہشتی مقبرہ کی قبر حاصل کرنا پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں پر یہ پابندی ہے کہ یا تو وہ ساری رقم یک مشت ادا کر دیں یا پھر اقساط کی شکل میں دیتے رہیں اور اگر اس دوران ان کا انتقال ہو جائے تو یہ رقم وہ شخص ادا کرے جس کو مرنے والا اپنی زندگی میں نامزد کرتا ہے۔

''بہشتی مقبرہ'' یعنی مرزائیوں کی جنت میں داخلے کی ٹکٹ کے بارے میں جب مقامی لوگوں سے دریافت کیا تو کوئی ایک نے بچ بچا کر وضاحت کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ ''خاندان

نبوت‘‘ کے کل پرزوں نے اپنی امت کو چاروں طرف سے لوٹنے کے لئے مختلف بہانے بنا رکھے ہیں۔ جنت کی ٹکٹ کی قیمت دراصل بہشتی مقبرے میں قبر کی زمین کی قیمت ہے جس کو جنت کی کنجی قرار دے کر اس کی بھاری قیمت لگادی گئی۔ عقل مارے مرزائی بے شمار گناہ کرنے کے باوجود دولت کے زور پر جنت میں جانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے مرزائیوں کی جنت کے بجائے احمقوں کی جنت کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ وہ اس لئے کہ کوئی بھی شخص زندگی میں اپنی قبر کھود کر نہیں بیٹھتا۔ یہ درست ہے کہ کسی کو اپنی موت کی خبر نہیں، کوئی دم بھی دم آخر ہوسکتا ہے۔ اس کے باوجود ایک امید کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے لوگ موت کے بارے میں لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں سوچتے اور برسوں جیئے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ربوہ کی نبوت باطلہ کے پرچارکروں نے امت کی جیبیں خالی کرانے کے لئے انہیں زندگی میں اپنی قبریں بنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہشتی مقبرے میں قبر حاصل کرنے کا خواہشمند جب چندہ وصیت ادا کر دیتا ہے یا اس کی اقساط کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو اسے موصی نمبر اور وصیت کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کے مرنے کے بعد نام نہاد بہشتی مقبرہ میں اس کی قبر کی جگہ مخصوص ہو سکے۔ ایسے شخص کو مرزائی امت بہت خوش نصیب کہتی ہے۔

میاں عطاء الرحمٰن کے بیٹے لطف الرحمٰن محمود جن کا ذکر اس سے قبل بھی کیا گیا ہے، انہوں نے وصیت کی اور اپنی دولت اندھے کنوئیں میں پھینکنی شروع کر دی تو ان کے گھر عزیزوں رشتے داروں کا میلہ لگ گیا۔ ہر کوئی مبارک باد کے ڈونگرے برسا رہا تھا اور ان کے نصیب پر نازاں ہو رہا تھا۔ یہ منظر میں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ ’’کیا نادانی سی نادانی ہے۔‘‘

عام معاشرے میں جس طرح ٹیکس گزار کسی بھی جگہ اپنی حیثیت جتانے اور برتری منوانے کے لئے کہتے ہیں میں ’’ٹیکس گزار‘‘ ہوں۔ اسی طرح ربوہ میں بھی جن لوگوں نے وصیت کی ہوتی اور جن کا ٹوکن ان کی جیب میں ہوتا وہ ہر موقع پر اپنی حیثیت کا تذکرہ لے کر بیٹھتے اور کہتے: ’’میں موصی ہوں۔‘‘ گویا یہ بات ان لوگوں کا ’’سٹیٹس سمبل‘‘ بن کر رہ گئی تھی۔ اس کے علاوہ مرزائیت کے لئے زندگی وقف کرنے والوں کی اکثریت نے اپنے گھر کے دروازے پر آویزاں نیم پلیٹ پر بھی یہ واقف زندگی ’’ڈگری‘‘ تحریر کر رکھی ہوتی تھی۔ یعنی منیر احمد سالک ’’واقف زندگی‘‘ علاوہ ازیں جنت کے ان مسافروں نے اپنے وزیٹنگ کارڈ پر بھی اپنا ’’حیثیتی نشان‘‘ رقم کر رکھا ہوتا تھا۔ یعنی عطاالمجید واقف زندگی، ایک دلچسپ بات جو بیان کرنا ناگزیر ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے

زندگی وقف نہیں کرائی ہوئی تھی، ان کو یہ واقف زندگی اور جنت کی ٹکٹوں سے سخت چڑ تھی۔ ایک بار غلہ منڈی کے بازار میں دو بوڑھوں کی لڑائی ہوگئی۔ دونوں نے خود کو ایک دوسرے سے برتر ثابت کرنے کے لئے کئی دلائل دینے کے علاوہ خاصی بھاری بھرکم مغلظات سے بھی کام لیا۔ لیکن ایک دوسرے کو چت نہ کر سکے۔ آخر کار ایک بوڑھے نے دور کی کوڑی لاکر کہا: ''تم نہیں جانتے میں واقف زندگی ہوں۔ واقف زندگی تیری میری کیا برابری۔'' اس پر پہلے بوڑھے نے نہایت مدلل جواب دیا جو اس کے حریف پر ہی نہیں، مرزائیت کے منہ پر بھی ایک طمانچہ ہے۔ کہنے لگا: ''جا اوئے مورکھا! زندگی وچ ای اپنی قبر بنالئی ای تے کہندا ایں میں واقف زندگی آں۔ اس جنت دا کی فائدہ جہیڑی ہزاراں روپے دے کے لینی اے۔'' اس پر دونوں اطراف سے سیز فائر ہوگیا۔ کئی دکاندار اور راہ گیر جو اس تماشے سے لطف اندوز ہو رہے تھے انہوں نے بھی موخر الذکر بابے کے ''کومنٹس'' پر کہا: ''بھئی بابا جی! کہندے تے سچ نے۔''

مولوی احمد خان نسیم کے بارے میں پہلے بھی تحریر کیا گیا ہے یہ ایسا مبلغ تھا جو دیہاتیوں کو گھیر گھار کر مرزائیت میں لاتا اور ان کے مال و دولت سے اپنے جھوٹے نبی کے خزانے بھرتا تھا۔ اس نے ایک شخص فیض محمد کو مرزائی کرلیا۔ یہ ایک کھاتا پیتا زمیندار تھا۔ عقیدت کے چکر میں اس نے ربوہ میں اپنا گھر بنایا اور بال بچے سمیت یہاں منتقل ہوگیا اور اپنے قبیلہ برادری سے قطع تعلق کر لیا۔ اس نے بھی ربوہ والوں کو ہر قسم کا چندہ دینے کے علاوہ وصیت کر ڈالی۔ دولت کی فراوانی تھی تو چندے دینا کوئی مہنگا نہیں تھا۔ لیکن اچانک فیض محمد کو فصلوں سے آنے والی آمدن کم ہونے لگی۔ ان کے بھائیوں نے بھی زمین کے مقدمے جیت کر اسے اس کے حصے کی زمین سے محروم کر دیا۔ ربوہ میں اس کا ڈیپارٹمینٹل سٹور بھی خسارے میں چلا گیا۔ اس کو دال روٹی اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لالے پڑ گئے۔ لیکن چندوں کے ناگ منہ کھولے۔ اسے نگلنے کے لئے ہر گھڑی تیار رہتے تھے۔ جب بھی چندہ لینے والے ''ملاں عرف مربی'' آتے تو کہتے ''مہر جی اوکھے سوکھے ہو کے چندہ دیندے رہوو، اللہ خیراں کردے گا۔'' حالات کے ستائے ہوئے فیض محمد نے ایک روز چندہ لینے والے ''ملاں'' کو گریبان سے پکڑا اور مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ وہ ''مرزا غلام احمد'' اور اس کی آل کے علاوہ مولوی احمد خان نسیم کی تمام خواتین خانہ کے ساتھ اپنے تمام تر تعلق جوڑتا ہوا کہہ رہا تھا ''ایسی جنت کو سات سلام جو پیسوں سے ملے۔ میرے بچے بھوکے مر رہے ہیں اور ان ظالموں کو چندے کی پڑی ہے۔'' بہت سے بڑے بوڑھے مرزائیوں نے اسے سمجھانے اور استغفار کرنے کی تلقین کی کوشش کی۔ مگر اس کی خونخوار آنکھیں دیکھ کر انہیں ''چندے والے ملاں'' کا انجام یاد

آ گیا جو فضل عمر ہسپتال کے ''مفلس وارڈ'' میں بے یارومددگار پڑا تھا۔

کہتے ہیں قبرستان جا کر انسان کو موت یاد آتی ہے اور وہ زندگی کے سبق سیکھتا ہے۔ ربوہ کے ایک مکین خورشید احمد چیمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ موصوف واقف زندگی تھے۔ اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ کاٹ کر مرزائی خاندان نبوت کا دوزخ بھرتے تھے۔ مرزائیوں کے بہشت میں ان کی قبر کا رجسٹرڈ نمبر بھی لگا دیا گیا تھا۔ ایک روز وہ اپنی قبر دیکھنے بہشتی مقبرے گئے تو قدرت کو ان کی سادگی پر پیار آ گیا اور جس نے انہیں ہدایت دینے کا وسیلہ بنا دیا۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ ان کی قبر میں کتا پیشاب کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر انہیں اس قدر نفرت ہوئی کہ انہوں نے ایسی جنت کا خیال دل سے نکال دیا اور چندوں کی رقوم عزیز واقارب اور مرزائی نبوت اور اس کے خانوادوں پر تین حرف بھیج کر مسلمان ہو گئے۔

حوریں

ہم نے سن رکھا تھا کہ ربوہ میں جنت اور حوریں بھی ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ کیسے جانا جائے کہ جنت دوزخ کہاں ہیں اور حوریں کدھر اور کیسی ہوتی ہیں۔ اباجی سے جو معلومات ملیں، ان سے جنت دوزخ کے بارے میں تو کچھ پتہ چل گیا مگر حوروں والا قصہ ابھی تک تشنہ بلکہ نامکمل تھا۔ کسی مرزائی لڑکے سے اس بارے میں دریافت کرنا بھی مشکل تھا۔ ہماری کلاس میں ایک لڑکا عبدالمالک پڑھتا تھا۔ دیہاتی لب ولہجے کا یہ لڑکا مرزائیوں کے سخت خلاف تھا۔ مگر اپنے باپ کی جائیداد سے محرومی کے خوف سے مرزائیت کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ ایک دن وہ مرزائیت اور اس کے ماننے والوں کے شجرہ نسبت پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور اس سے حوروں کے متعلق پوچھ ڈالا۔ غصے میں وہ پہلے ہی تھا۔ میرے استفسار پر اس نے حور وقصور کی پوری تفسیر بیان کر ڈالی۔ کہنے لگا: ''سوہنیا! حوراں کادھیاں نے، ربوے دیاں ساریاں کڑیاں نوں ای حوراں کہندے نے، تاہم کچھ حوریں اصلی ہوتی ہیں بعض نقلی۔''

پوچھا: ''نقلی اور اصلی حوروں سے مراد؟'' جواب ملا: ''یار! اصلی حوراں مرجوآنیاں دیا زنانیاں نے تے نقلی حوراں حماتڑاں دیاں رناں نے۔''

مالک سے میں نے سوال کیا ان لوگوں کی خواتین اصلی اور تم والی نقلی حوریں کیوں، اس پر وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔ بھائی اوہ اصلی دیسی گھی دیاں نے نا۔ وہ اس طرح کہ ہمارا نبی خواہ سچا ہے یا جھوٹا، اس سے قطع نظر نبی تو ہے نا۔ اب اس کی آل اولاد میں جتنی لڑکیاں ہیں، وہ خوبصورت بھی

ہیں، امیر بھی۔ ان کے لباس، شکل وصورت اور نشست وبرخاست ہماری عورتوں سے مختلف اور پرکشش ہے۔ چنانچہ انہیں اصلی حوریں ہی کہا جائے گا۔ جب کہ ہماری عورتیں مرتبے، مقام اور جیب کے اعتبار سے ان جیسی تو نہیں ہیں لیکن اس نبی کی امت تو ہیں، جسے ہم نے مان لیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے حوروں والی صفات ہماری خواتین کے حصہ میں بھی آتی ہیں۔

اتنی معلومات ملنے کے بعد میں نے حوروں کے بارے میں خود بھی مشاہدہ کیا تو مجھے ربوہ کی ہر عورت حور ہی لگنے لگی۔ کیونکہ مرزائی عورتوں کا اپنی طرف متوجہ کرنے کا جو انداز ہے، اس سے وہ خواہ مخواہ ہی حوریں لگتی تھیں۔ سیاہ رنگ کے ان کے برقع کی وضع قطع کچھ اس طرح کی ہوتی کہ ہر خاتون ''سیکس اپیلڈ'' نظر آتی تھی۔ برقع کا نچلا حصہ لمبا اور چغہ نما ہوتا جو کہنے کو برقع مگر اس میں ملبوس ہر خاتون ایک فتنہ خوابیدہ نظر آتی تھی۔ سر پر تکونی سکارف اور اس کے ساتھ دو نقاب اپنے اندر ایک طوفان چھپائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر عورت ایک نقاب سے چہرے کا نچلا حصہ ناک تک چھپا لیتی ہے۔ جب کہ دوسرا نقاب سر پر لپیٹ لیا جاتا ہے۔ صرف آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں جو آنکھوں آنکھوں میں باتیں کر جاتی ہیں۔ بعض مہ جبیں شہر آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا کر اچھی بھلی دشمن عقل وایمان بن جاتی ہے۔ اس ''گٹ اپ'' میں معمولی سی شکل وصورت والی عورتیں بھی ماہ لقا اور حور شمائل نظر آنے لگتی ہیں۔

مرزائی خاندان نبوت کی خواتین واقعی حسن وجمال کا پرتو ہیں۔ ''عزازیلی'' حسن کی بناء پر ہی یہ جھوٹا مذہب چل رہا ہے۔ حسینانان ربوہ کو حوریں کہنا اگرچہ شاعری کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن جس کسی نے شاعرانہ ترنگ میں مرزائی خواتین کو حوریں کہا ہے، اس میں اس کی خرد قصوروار نہیں۔ یہ دست قدرت کا کمال ہے یا کالے برقع کی فسوں سازی جس نے وہاں کی ہر عورت کو حور بنا کر رکھ دیا ہے۔

مرزائی امت کے ارباب اقتدار اور شہر کے عوام الناس نے اپنے ہر قول وعمل پر منافقت کا لبادہ چڑھا رکھا ہے۔ ربوہ کے معاشرے کو پاکیزہ اور مثالی ظاہر کرنے کے لئے مختلف ڈرامے بازیاں کی جاتیں۔ جن میں شہر کے ایک کونے پر جامعہ نصرت گرلز کالج اور نصرت گرلز ہائی سکول اور دوسرے کونے پر لڑکوں کے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور ٹی آئی کالج کی تعمیر قابل ذکر ہے۔ اس تعمیر کی غایت بظاہر یہ تھی کہ باہر کی دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ صنف نازک اور صنف کرخت کے تعلیمی اداروں میں انتہائی فاصلے ایک مثالی معاشرے کی شاندار مثال ہیں۔ لیکن ان کی منافقت اور ڈرامے بازی اس وقت انتہائی مضحکہ خیز ثابت ہوتی جب دریائے چناب، الف محلّہ، دارنصر،

دارالبرکات اور پہاڑی کے دامن میں واقع دارالیمن کی لڑکیاں اپنے سکول کالج کے لئے ریلوے لائن کے کنارے کنارے چلتی ہوئی آ رہی ہوتی جب کہ فیکٹری ایریا، محلّہ دارالصدر، محلّہ دارالرحمت غربی، شرقی، وسطی، ریلوے اسٹیشن کے علاقے کے لڑکے دریا کی طرف اپنے سکول وکالج جارہے ہوتے تھے تو دونوں اصناف کا آپس میں کراس ہوتا۔ اس دوران بے شمار لڑکے لڑکیوں کے آپس میں مسکراہٹوں اور رقعوں کے تبادلے ہوجاتے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ میں اور میرا کزن محمد شفیع ریلوے لائن میں چلتے ہوئے سکول جارہے تھے۔ راستے میں ایک شیریں کو اپنے فرہاد کی نگاہوں سے بلائیں لیتے دیکھا تو لامحالہ ہمارا دھیان ادھر چلا گیا۔ اس محویت میں پیچھے سے آتے ہوئے ریلوے انجن کی آواز بھی نہ سنائی دی۔ قدرت کو ہماری زندگی مقصود تھی کہ انجن ابھی چند گز کے فاصلے پر تھا کہ ہم نے دائیں بائیں جانب چھلانگیں لگا کر جان بچالی۔ ورنہ ایک حور کے کمالات کا نظارہ ہمیں دوسری دنیا پہنچا چکا ہوتا۔

ربوہ کی ایک لڑکی کا نام نجمہ تھا جسے سب لوگ نجمی کہتے تھے۔ اس کی چنیوٹ کے ایک مسلمان لڑکے ظہیر احمد سے نہ جانے کیسے ملاقات ہوگئی اور اسے اپنا دیوانہ بنالیا۔ یہ لڑکا یتیم تھا اور تعلیم حاصل کرنے ملتان سے اپنی بہن کے پاس چنیوٹ آیا ہوا تھا۔ ظہیر کے گھر والوں نے سنا ہوا تھا کہ ربوہ میں تعلیم بہت اچھی ہے۔ لہٰذا اسے فرسٹ ایئر میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرادیا گیا۔ اس کی نجمی سے ملاقات ہوئی تو وہ ظہیر پر لٹو ہوگئی۔ دسمبر ٹیسٹ میں جب ظہیر میاں فیل ہوگئے تو اس کے گھر والوں کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے اپنے طور پر انکوائری کی تو معلوم ہوا کہ میاں صاحبزادے تو ایک حور کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں۔ بس پھر کیا تھا، پہلے تو ان کی خوب دھنائی ہوئی مگر جب عشق کا بھوت ان کے سر سے اتارے نہ اترا تو موصوف کو گھر والوں نے واپس ملتان بھیج دیا۔

حوروں کے سب سے بڑے ''دوڈپو'' مرزا محمود احمد کی بیویوں مہر آپا اور مریم صدیقہ المعروف چھوٹی آپا کے گھروں میں تھے۔ ''رحم سے خالی'' مہر آپا کے پاس جماعت کی دیوداسیوں کی ایک فوج تھی جو بظاہر اس کی خدمت پر مامور تھی۔ مگر درحقیقت وہ اپنے نبوت زادوں کی وابستگی کا سامان کرتیں یا احمدیت کے دام میں آنے والے نئے پنچھیوں کے پاؤں میں اپنی زلفوں کی بیڑیاں ڈالا کرتی تھیں۔

ربوہ کے تمام مرد، دو مقامات پر سرنگاہ جھکا اور ہاتھ باندھ لیا کرتے تھے۔ ایک جب وہ اپنے خلیفہ، اس کی اولاد یا جھوٹے خاندان نبوت کے کسی بھی فرد کے سامنے پیش ہوتے،

دوسرے اس وقت جب حوریں ان کے سامنے آتیں۔ ''ربوی مرد'' کنکھیوں سے انہیں دیکھ تو لیتے مگر ان سے نظر ملانا نہ جانے کیوں ان کے بس میں نہیں ہوتا تھا۔ کئی ایک سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے ''نبی'' کی نام نہاد تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ''ہم اپنی مذہبی تربیت کی بناء پر عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ جب کہ عورتیں ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھ لیتی ہیں۔''

جامعہ نصرت کالج فار ویمن کی پرنسپل فرخندہ شاہ جو مسز شاہ کے نام سے مشہور تھیں ان کی مرزائیت کے لئے ''خدمات'' کو بہت سراہا جاتا تھا۔ ان کی علمیت کے علاوہ زبردست ڈسپلن کے قصیدے بھی قصر خلافت میں چار دانگ پڑھے جاتے تھے۔ ان کے بیٹے نے اپنی والدہ کو کالج میں سوشل ورک کا مضمون تعارف کرانے کا مشورہ دیا جسے قبول کر لیا گیا اور پھر بیٹے ہی کی سفارش پر ایک مسلمان لڑکی مس نجف کو سوشل ورک کی لیکچرار کے طور پر ملازمت دے دی گئی۔ اس مسلمان لیکچرار نے مسز شاہ کے سخت نظم وضبط اور قصر خلافت میں نیک نامی پر پانی پھیر دیا اور پرنسپل کے بیٹے کو پہلے مسلمان کیا۔ بعد میں اس کے ساتھ شادی رچا کر اسے کفرستان سے لے کر نکل گئی۔ قصر خلافت مسز شاہ اور حوریں منہ دیکھتی رہ گئیں۔ حوروں کے سلسلے میں ایک دلچسپ بات جسے ہر شخص انجوائے کیا کرتا تھا کہ جامعہ نصرت گرلز کالج کی پرنسپل مسز شاہ، نصرت گرلز ہائی سکول کی ہیڈ مسٹریس مسز بشیر اور فضل عمر فاؤنڈیشن انگلش میڈیم سکول کی پرنسپل تینوں بیوہ تھیں۔ اکثر لوگ ازراہ مذاق کہا کرتے تھے کہ تینوں ''میڈموں'' نے نہ جانے کیوں اپنے شوہروں کو دنیا سے باجماعت رخصت کر دیا ہے اور مرزائی مرکز نے زنانہ تعلیمی اداروں کے لئے تین بیوائیں ہی کیوں منتخب کیں۔

ہمارے چنیوٹ کے ایک دوست کی بہن جو نصرت گرلز ہائی سکول کی طالبہ تھی اس کے گھر والوں نے چنیوٹ سے لاہور منتقل ہونا تھا۔ چنانچہ اس نے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد نویں کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہا۔ مگر سکول کی ہیڈ مسٹریس مسز بشیر نے سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا اور کہا: ''بچی لائق ہے اسے ہم میٹرک پاس کرنے تک سکول سے نہیں فارغ کریں گے۔'' سکول کے مینیجر چوہدری علی اکبر ہمارے دوست مقصود الرحمٰن کے والد تھے۔ ان کی سفارش کرائی مگر بے سود۔ آخر ہمارے ایک اور کلاس فیلو عبدالحئی طاہر دور کی کوڑی لائے انہوں نے یونائیٹڈ بینک کے مینیجر لطیف اکمل سے بات کی جنہوں نے ایک فون کیا اور اگلے ہی لمحے مسز بشیر نے سرٹیفکیٹ دینے کی حامی بھر لی۔ ہمارا کام تو ہو گیا مگر لطیف اکمل سے اس انہونی کے ہو جانے کے اسباب

پوچھے تو انہوں نے آنکھ دبا کر کہا: ’’بھائی یاری کی کچھ تو پردہ داری ہونی چاہئے۔‘‘

ایک مرتبہ ہمارے ایک جاننے والے کی نصرت گرلز ہائی سکول کی طالبہ بیٹی نویں جماعت میں فیل ہوگئی۔ لڑکی کے والد نے سکول انتظامیہ سے ملنے کے بعد لڑکی کے پرچے دوبارہ چیک کر کے اسے رعایتی نمبر دلوا کر پاس کرانے کی درخواست کی۔ اس سلسلے میں اس کی ملاقات لڑکی کی کلاس ٹیچر سے ہوئی۔ جس نے لڑکی کے باپ کو بتایا کہ لڑکی کی نالائقی کی وجہ اس کا چال چلن ہے۔ یہ اور اس کی سہیلیوں کا گروپ کلاس سے اکثر غائب رہتا ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے بوائے فرینڈز کو محبت نامے پہنچانے اور ملاقاتیں ارینج کرانے میں مصروف رہتی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پڑھائی میں کمزور رہ گئی ہے۔ لڑکی کا والد جو پہلے ہی بیٹی کی ناکامی پر سر پیٹ رہا تھا، اب بچی کے مشکوک چال چلن کی خبر پر سخت پریشان ہوگیا۔ جب لڑکی اور اس کی سہیلیوں سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے ایک اور ہی کہانی سنا ڈالی کہ موصوف ٹیچر کے خود کچھ مشکوک لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ اپنی ’’خوب رو‘‘ طالبات کو ان لوگوں سے ملاقات پر مجبور کرتی ہے اور جو لڑکیاں بات نہیں مانتی، انہیں نہ صرف کلاس میں زچ کیا جاتا ہے بلکہ امتحان میں بھی فیل کر دیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ جب اعلیٰ سطح پر اٹھایا گیا تو سکول انتظامیہ نے یہ کہہ کر بات دبا دی کہ اس طرح اساتذہ اور طالبات کی بدنامی ہوگی۔ چنانچہ لڑکی کو پاس کر کے اگلی کلاس میں بھیج دیا گیا۔

ہمارے محلّہ میں ایک لڑکا رفیق رہتا تھا۔ جس کے اپنی پڑوسن اور میٹرک کی طالبہ جمیلہ سے تعلقات تھے۔ دونوں کے والدین نے انہیں باز رکھنے کی بسیار کوشش کی مگر بے سود۔ دونوں نے اپنی ڈگر سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ رفیق کا والد راج گیری کا کام کرتا تھا وہ اسے اپنے ساتھ کوئٹہ لے گیا۔ جب کہ جمیلہ کے گھر والوں نے اس کی شادی کر دی۔ فریقین کا خیال تھا کہ دوری دونوں کے سروں سے عشق کا بھوت اتار دے گی۔ مگر مرض دوا کرنے کے ساتھ بڑھتا گیا اور رفیق باپ کو جل دے کر کوئٹہ سے چنیوٹ آ گیا اور ایک آٹو ورکشاپ میں کام سیکھنا شروع کر دیا۔ اس دوران رفیق اور جمیلہ کی ملاقاتیں پھر سے ہری ہوگئیں۔ چنانچہ جمیلہ نے طلاق، اور رفیق نے اپنے استاد کی مدد لے کر نکاح کر ڈالا۔

ربوہ کے ایک حکیم صاحب کے پڑوس میں ملتان کا ایک لڑکا شاکر اپنی ماں کے ہمراہ قیام پذیر ہوا۔ حکیم صاحب نے اپنی تربیت کے مطابق اس سے ملاقات کی اور پوچھا کہ: ’’بیٹے آپ احمدی ہیں؟‘‘ جواب ملا: ’’نہیں۔‘‘ حکیم صاحب نے فوراً اسے تبلیغ کرنے کا فیصلہ کیا اور ’’مرزا غلام احمد‘‘ کی نبوت ان کے خلفاء کے بارے میں جملہ کہانیاں سنا ڈالیں۔ شاکر اگرچہ

مذہبی ذہنیت رکھنے والا مسلمان نہیں تھا، تاہم اسے مرزائیت سے بھی کوئی رغبت نہیں تھی۔ حکیم صاحب نے اسے عبادت گاہ اور دیگر اجلاسوں میں آنے کی بہت پیش کش کی۔ مگر وہ ہر بار طرح دے جاتا۔ ایک دن حکیم صاحب نے اسے گھر بلایا اور ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ابھی تبلیغ کا باب دوبارہ شروع ہوا ہی تھا کہ حکیم صاحب کی بیٹی چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ بس پھر کیا تھا شاکر لڑکی کو دیکھتے ہی دم بخود ہوگیا۔ اتنی حسین لڑکی شاید میں نے پہلے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ خود کلامی کے انداز میں وہ بڑبڑایا۔ حکیم صاحب نے یہ صورتحال دیکھی تو کہنے لگے بیٹے یہ میری بیٹی طاہرہ ہے۔ اس سال فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی ہے۔ شاکر طاہرہ کے حسن قیامت خیز میں اس قدر کھویا کہ اس نے حکیم صاحب کی شبینہ روز تبلیغ کو گوارہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا: ’’حکیم صاحب! مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی لگی ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ تمام باتیں مجھے رفتہ رفتہ بتائیں اور سمجھائیں۔‘‘ حکیم صاحب ایک نیا احمدی جماعت میں لانے میں مگن تھے۔ جب کہ شاکر ترچھی نگاہوں سے طاہرہ کو تسخیر کرنے میں مصروف تھا۔ حکیم صاحب کی مسلسل کوشش کے باوجود شاکر مرزائی تو نہ ہوسکا۔ مگر طاہرہ اس کے دام محبت میں آگئی۔ شاکر طاہرہ سے تعلق برقرار رکھنے اور حکیم صاحب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ’’نیم مرزائی‘‘ ہوگیا۔ ان دونوں کی دوستی اور محبت کا حکیم صاحب کو بھی علم تھا۔ مگر وہ شاکر کے مکمل مرزائی ہونے تک سب کچھ گوارا کرنے پر تیار تھے۔ جب کہ شاکر انہیں ٹالنے کے لئے نت نئے بہانے بنالیتا۔ کبھی کہتا میں اپنی تعلیم مکمل کرلوں، پھر مرزا ناصر کی بیعت کرلوں گا۔ فوری طور پر بیعت کرنے پر مجھے گھر والے عاق کردیں گے۔ حکیم صاحب اس کی دلیلوں کو مانتے رہے اور اپنے گھر آنے جانے سے نہ روکا۔ اس دوران وہ اپنا مقصود بھی حاصل کرتا رہا۔ یوں اس نے پہلے ایف۔اے، پھر بی۔اے کرلیا اور مرزائیت پر لعنت بھیجتا ہوا واپس ملتان چلا گیا۔ جب کہ حکیم صاحب اور طاہرہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔

ایک لڑکی نور النساء ڈار کی داستان بھی مدتوں ربوہ کے کوچہ وبازار کا شاہکار بنی رہی۔

جن دنوں نیا نیا ٹی وی آیا تو ربوہ کے متمول گھروں کی چھتوں پر بلند وبالا انٹینے لگے نظر آتے تھے۔ جماعت کی طرف سے بالا بلندیوں کو ٹی وی رکھنے کی سختی سے ہدایت تھی۔ ٹی وی پر جب ہفتہ وار فلم لگتی تو جماعت کے امراء، غرباء ہم مذہبوں کو اجتماعی طور پر فلم دیکھنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ یہ بات میرے ذاتی مشاہدے میں ہے کہ ہم نے بھی حوروں کے جلو میں بیٹھ کر پرانی فلم ’’جھومر‘‘ دیکھی تھی۔

غلہ منڈی بازار میں ایک جنرل سٹور کا مالک عبدالباسط انتہائی وجیہ اور خوبرو نوجوان

تھا۔کبڈی کے اس کھلاڑی کی ایک لڑکی بشریٰ کے ساتھ گہری چھنتی تھی۔ ویسپا پر دونوں کھلے عام گھومتے۔ بشریٰ اپنی سہیلیوں کے جلو میں دکان پر شاپنگ کرنے آتی تو جو دل چاہتا، سمیٹ کر لے جاتی۔اس دریادلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد دکان خالی ہوگئی۔تو بشریٰ نے بھی اپنا رخ زیبا موڑ لیا۔ موصوف دن بھر کوئے جاناں کی خاک چھانتا لیکن وہ پری رو تو جیسے گم ہوگئی۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ بشریٰ اس کے ساتھ فلرٹ کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کا نکاح تو پہلے ہی کہیں ہو چکا تھا۔

مبارکہ بیگم محکمہ تعلیم کی ملازم تھی۔ جس نے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی نہ کی۔ حالانکہ کئی مرزائی رشتے اس کے ساتھ ''جڑنے'' کے لئے پرتول رہے تھے۔لیکن اس نے کسی کو گھاس نہ ڈالی۔ اس کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ وہ محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام سے جو کام چاہے کروالیتی ہے۔ مخالفین سے تبادلوں کے ذریعے انتقام لینا اس کا معمول تھا۔ ربوہ کے خاندان کے سرگروہ افراد ہوں یا مسلمان جاگیردار اس کی نگاہ کرم سب کے لئے یکساں تھی۔

غلمان

''سدومیت اور گے کلچر'' ربوہ کی آل نبوت اور امت کے تشخص کا لازمی جزو ہے۔ القابات اور الہامات کی رداؤں میں لپٹی ہوئی اس ''ذریت مبشرہ'' کا یہ کردار مرزا غلام احمد کے الہامات کی ساری حقیقت کھول کر رکھ دیتا ہے۔ میں نے غایت تحریر میں مرزا طاہر کی احمدیہ نیٹ ورک ٹیلی ویژن پر کی گئی ایک تقریر کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے پاکستانی علماء کرام، خطیبوں اور مساجد کے اماموں پر اغوا، زیادتی، اغلام اور ناجائز اسلحہ رکھنے کے الزام لگائے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلے میں خود کو پاکیزہ اور پاک ثابت کرنے کی اس کوشش کی ہے۔ یہ بات اس ''دروغ گو'' مرزا طاہر کے لئے جس کا حافظہ ختم ہو چکا ہے ایک آئینہ ہے جسے دیکھ کر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جائے گا۔

یوں تو قصر خلافت ربوہ کے در و دیوار پر بنات امت کے ساتھ کئے جانے والے ''پاکیزہ'' اعمال کی کہانیاں ہی ربوہ کی آل نبوت کے کردار کا تجزیہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔لیکن اس امت کے ''مسلک ہم جنس پرستی'' پر روشنی ڈالنی بھی ناگزیر ہے تاکہ ان لوگوں کو پتہ چل جائے کہ سیٹلائٹ پر ''کف'' اور شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ وخشت برسانا آسان نہیں کہ وہ بھی اندرون خانہ کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں۔

ہماری کلاس میں پڑھنے والے خانوادگان مرزائی نبوت کے تین سپوتوں، مرزا طیب،

مرزا احسن اور سید قمر سلیمان کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ ہم لوگ نویں جماعت میں پڑھتے۔ کسی بات پر ان تینوں کی آپس میں لڑائی ہوگئی۔ تیز گفتگو، دشنام طرازی سے ہوتی ہوئی کردار تک جا پہنچی۔ تینوں نے ایک دوسرے کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ خانساموں، ماشکیوں اور گھر کے ملازموں کے علاوہ کزنوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ایک دوسرے کی ''سدومیت داری'' کی داستانیں سنا دی گئیں۔ پوری کلاس نہایت دلچسپی سے جھوٹے نبی زادوں کے کردار کی حکایتیں سن رہی تھی۔ اسی دوران ماسٹر احمد علی کلاس میں تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر بھی شاہی خاندان کے ''اصیلوں'' نے زبان کو لگام نہ دی اور باہمی کردار واخلاق کی دھجیاں بکھیرتے رہے۔ ماسٹر احمد علی بھی سدومی صفات سے مالا مال تھے اور ''اپنی امت'' کی اس روایت پر پوری طرح عمل پیرا رہتے تھے۔ تاہم ''مرزوں'' کو بھری کلاس کے سامنے ایک دوسرے کی پگڑی اچھالتے دیکھا تو کہنے لگے: ''دیکھو صاحبزادو! اگر نبیوں کی اولادیں ہی آپس میں اس طرح تھوکا فضیحتی کرنا شروع کر دیں گی تو امت کے ان طلباء کا کیا بنے گا، جنہوں نے اپنے کردار کو آپ لوگوں کے طرز عمل کی مثال سے سنوارنا ہے۔''

نبی زادے لڑتے رہے۔ ماسٹر احمد علی انہیں خاموش کرانے میں جب ناکام ہوگئے تو معاملہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے نہ جانے کس طرح تینوں کو ''کول ڈاؤن'' کیا۔ لیکن اس دوران ان کی لڑائی سے قصر خلافت کے شہزادوں کی اصلیت اور ان کی ''کردار کہانی'' کھل کر سامنے آئی۔ کلاس کے ایک طالب علم ظفر باجوہ نے اس صورت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا نبی زادوں نے ماشکیوں اور خانساموں کا تو زور وشور سے ذکر کیا۔ لیکن میرے سمیت سکول کے بہت سے ساتھیوں کا تذکرہ کرنا ہی بھول گئے۔ جن کا ان شہزادوں کی خدمت میں برابر کا حصہ ہے۔

فیکٹری ایریا محلّہ میں ہمارا ایک کلاس فیلو اعجاز اکبر رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک بار مجھے اپنے محلے کی دو انتہائی سرکردہ اور مذہبی اکابر شخصیات کا تذکرہ سناتے ہوئے کہا کہ مولانا غلام باری سیف اور قانون دان سعید عالمگیر کی آپس میں گہری چھنتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے دونوں ذوق طبع کی تسکین کے لئے ایک دوسرے کے بیٹوں کو تختہ مشق بناتے ہیں۔ شہر کے در و دیوار ''نونہالان جماعت'' کے باہمی اختلاط کے قصوں سے سیاہ رہتے تھے۔ ''گگوتے ابرار والی'' نظم تو مدتوں نوشتہ دیوار بنی رہی تھی جو دو نہالوں کی سیاہ کاری کی ترجمان تھی۔

جسم فروشی کا رجحان اس قدر زیادہ تھا کہ ہر خوش شکل لڑکا ایک چلتا پھرتا ''بروتھل'' تھا۔

ایسے طلباء جن کے والدین اپنی قلیل آمدنی سے جماعت کا ''دوزخ'' بھرتے اور اپنی اولاد کی ادنیٰ سی خواہش بھی پوری نہیں کر پاتے تھے۔ ان کے بچوں کے لئے پیسہ کمانے کے لئے یہ آسان ترین راستہ تھا۔ بے شمار لڑکے کھلے عام ''معاملہ'' طے کرتے اور چل پڑتے تھے۔ والدین اور اساتذہ کی اکثریت اپنے بچوں اور طلبہ کی ان ''مصروفیات'' سے آگاہ تھی۔ ایک دوسرے کے گروپ سے ''لڑکا'' توڑنا ایک معرکہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیح عمل کی بجا آوری کو یہ لوگ اپنے آباء کی سنت اور اتباع خیال کرتے تھے۔

گول بازار کے ایک بہت بڑے دکاندار کا بیٹا شبیر شاہ بھی ہمارا کلاس فیلو تھا۔ وہ بھی اپنے نبی کی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا رہتا تھا۔ لیکن اس بیچارے کے ساتھ عجیب قسم کا ''دھرو'' ہوگیا۔ جس کی صفائیاں دیتے ہوئے اس کی زبان تھک گئی۔ مگر رسوائی کی داستان پھر بھی ہر کوچے میں جا پہنچی۔ قصہ یہ تھا کہ شبیر شاہ ایک شخص کے ساتھ طے شدہ پروگرام کی خلاف ورزی کر کے کسی اور کے ہاں جا پہنچا۔ اوّل الذکر نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے ایک منصوبے کے تحت ''خصوصی لمحات'' کی تصاویر بنا کر سکول میں تقسیم کر دیں۔

تصاویر کے ذریعے بلیک میلنگ کی دھمکی عام تھی۔ اکثر شہری اس سے کام نکال لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تیزاب سے چہرہ داغ دینے کی دھمکی بھی کام کر جاتی تھی۔ ''عبادت گاہوں'' جائے نماز کے علاوہ جائے عمل بھی تھیں۔ مرزا ناصر کا زمانہ گزر چکا تھا۔ مگر مرزا طاہر کے بے شمار ہم جولی ''مرزا تاری'' کے ساتھ گزارے ہوئے۔ شب و روز پر نازاں ہوا کرتے تھے۔ مرزا لقمان کی ''صحبت'' سے فیضیاب ہونے والے بھی خود کو امت کے برہمن خیال کیا کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس ربوہ ''شہر سدوم'' جہاں بسنے والوں کا مذہب سدومیت ہے جسے ہر کس و ناکس نے اپنے دائرہ کار میں اختیار کر رکھا تھا۔

مولوی محمد ابراہیم بھانبڑی ہمارے سکول کے استاد اور بورڈنگ ہاؤس کے وارڈن تھے۔ ان کی ''نگاہ لطف و کرم'' ہر لڑکے پر یکساں ہوتی۔ تاہم لڑکوں سے وصول کئے ہوئے جسمانی خراج کا حساب ان کے بیٹے انور بھانبڑی کو چکانا پڑتا تھا۔ مولوی صاحب اپنی افتاد طبع سے اس قدر مجبور تھے کہ بعض اوقات ان سے کئی حرکات کھلے عام ہی میں سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ جن سے انہیں شرمندگی اٹھانے کے علاوہ سکول انتظامیہ کی طرف سے محتاط رویہ اختیار کرنے کا نوٹس آ جایا کرتا تھا۔

تعلیم الاسلام کالج میں دو لڑکوں امین الدین اور طیب عارف کے حسن کے اس قدر

چرچے تھے کہ ہر شخص ان سے بات کر کے اور ہاتھ ملا کے اپنے نصیب پر ناز کیا کرتا تھا۔ امین الدین کے فرسٹ ایئر میں داخلے کے بعد تمام اساتذہ کے دل مچل رہے تھے کہ کاش انہیں اس کی کلاس مل جائے۔ یہ لڑکا جب سامنے سے گزرتا تھا تو لڑکے باجماعت یہ گیت گایا کرتے تھے۔ ’’تک چن پیا جاندا ای‘‘ طیب عارف کے رخسار کے تل پر تو یار لوگ شاعرانہ ماحول بنا لیتے۔ ہر شخص بساط بر اشعار اس ’’تل‘‘ کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی ’’امرد‘‘ ایسے تھے جن کے حسن کے قصیدے ربوہ کی ’’گے‘‘ سوسائٹیوں میں پڑھے جاتے تھے۔ یہ تو چیدہ چیدہ لوگوں کے قصے ہیں۔ ورنہ یہاں کا ہر فرد سدومیت کو اختیار کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ اگر فرداً فرداً داستانیں لکھی جائیں تو کئی دفتر تصنیف ہو جائیں۔

تعلیم الاسلام کالج کے ایک پرنسپل چوہدری محمد علی بھی اس کھیل کے مرد میدان تھے۔ فضل عمر ہوسٹل کی وارڈن شپ کے دوران ان کی ’’داستان سدومیت‘‘ ہوسٹل اور وارڈن خانے کے درودیوار پر رقم رہی۔ پرنسپل بننے کے بعد وہ مرزا ناصر احمد والی بڑی کوٹھی کے مکین بنے تو وہاں انہوں نے مرزا ناصر احمد اور ان کے کارناموں کو زندہ رکھا۔ بعض اوقات انتہائی دلچسپ صورتحال پیدا ہو جاتی۔ جب پرنسپل کے ساتھ ساتھ جانے والے کسی بھی ’’خوش رو‘‘ لڑکے کو اس کے ساتھی دیکھ لیتے، بعد میں ’’یاروں‘‘ میں بیٹھ کر اسے وضاحتیں کرنا پڑ جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ جو لڑکا چوہدری صاحب کے گھر سے آتا ہوا نظر آ جاتا، اس پر تو مدتوں ’’انگلیاں‘‘ اٹھتی رہتی تھیں۔ ان سب باتوں کے باوجود پرنسپل کا بلانا اور پری جمالوں کا ان کے گھر بلا تامل چلے جانا کسی دور میں بند نہ ہوا۔

ربوہ کے ملاں و پیر اور میر و وزیر ہر قسم کی اخلاقی مذہبی اور سماجی قید سے آزاد ہیں۔ وہ خوش وقت ہونے کے لئے صنف موافق و مخالف کی تفریق نہیں کرتے۔ دونوں اجناس ان کے ہاں ارزاں اور وافر ہیں۔

نام نہاد صحابیوں کی افراط

قدرت اللہ شہاب نے اپنی تصنیف ’’شہاب نامہ‘‘ میں ایوب چوک جھنگ کے ایک موچی کی عظمت کا ذکر کیا ہے۔ جس کی خودداری کو سابق صدر ایوب خان نے بھی خراج تحسین پیش کیا تھا۔ ربوہ کے رحمت بازار میں ولی محمد کی آٹا پیسنے والی چکی کے پاس ایک سلیم موچی کا ’’تھڑا‘‘ تھا۔ یہ شخص نہایت سچا، کھرا، دیانتدار اور بااخلاق تھا۔ میں نے گزشتہ اوراق میں کئی ایک مرزائیوں

کا ذکر کیا ہے جو مرزائیت کے بدنما وجود میں نہ صرف اجلے اور علیحدہ نظر آتے تھے۔ بلکہ انہیں مرزائی کہتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے۔ میرا بہت دل چاہتا تھا کہ کاش یہ لوگ مرزائی نہ ہوتے۔ سلیم موچی کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوتا تھا۔ سلیم ابا جی کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہم لوگ اسے اکثر کہا کرتے تھے: ''سلیم! تم شکل وعادت سے مرزائی نہیں لگتے۔ پھر تم ان بدبختوں میں کہاں آپھنسے ہو۔''

ہمیشہ کی طرح سلیم مسکرا دیتا اور کہتا: ''دیکھیں جی ماں باپ احمدی تھے۔ میں بھی احمدی بن گیا۔ وہ کچھ اور ہوتے تو کچھ اور بن جاتا۔''

سلیم کو کئی بار ابا جی نے مسلمان ہونے کی پیشکش کی۔ لیکن وہ انکار کئے بغیر خاموش ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز میں سلیم کی دکان پر کھڑا تھا کہ وہاں ایک بہت ہی بوڑھا سا شخص آکر بیٹھ گیا۔ اس شخص کی زبان کپکپا رہی تھی اور ہاتھوں میں رعشہ طاری تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی اس بوڑھے کے پاس آگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سلیم کی دکان کو لوگوں کے ایک گول دائرے نے گھیر لیا۔ ہر شخص بوڑھے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اصرار کر رہا تھا: ''بابا جی کچھ باتیں سنائیں اپنے زمانے کی۔''

کانپتی آواز میں بابے نے کہا: ''ٹھہر جاؤ اوئے منڈیو! مینوں ساہ تے لین دے او۔'' قدرے تامل کے بعد بابے نے ''مرزا غلام احمد'' کے بارے میں مختلف قصے اور قادیان کی کہانیاں سنانی شروع کر دیں۔ اسی دوران اس نے سیلاب کے دنوں کا ایک لطیفہ بھی سنا ڈالا۔ لطیفہ انتہائی غلیظ تھا۔ مجھے اتنے بزرگ بندے کے منہ سے ایسا لطیفہ سن کر بڑی مایوسی ہوئی۔ مگر تمام سامعین اس لطیفے پر قہقہے لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''بابا جی اک ہور سناؤ۔''

بابا اپنے ''نبی'' کے تذکرے کو غلیظ لطیفوں کے ساتھ مکس کر کے کوئی گھنٹہ بھر اپنے ماننے والوں کو محظوظ کرتا رہا۔ اس دوران اس کے لئے دودھ کا ایک بھرا ہوا پیالہ لایا گیا جو اس نے پیا اور کہا: ''ہٹو اوئے منڈیو! ہن مینوں جان دیو۔''

بابا چلا گیا۔ میں نے سلیم سے پوچھا یہ بابا کون تھا؟ سلیم حسب معمول مسکرایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ایک اور شخص مجھے سرزنش کے انداز میں کہنے لگا: ''اسے بابا مت کہو، بلکہ بابا جی کہو۔ یہ تو تمہارے حضرت مسیح موعود کے صحابی ہیں۔ انہیں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ یہ تو کبھی موج میں آجائیں تو بات کرتے ہیں۔ ورنہ تو لوگ ان کی باتیں سننے کو ترستے ہیں۔''

''صاحابی'' میں نے ذرا لمبا کر کے کہا، اور سٹپٹا کر رہ گیا۔ لیکن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں

نے سلیم سے کہا: ''صحابی کا درجہ تو وہ ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو حاصل تھا۔ جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ، ان کی گفتگو کا حرف حرف ایک درس اور مشعل راہ تھا۔ یہ کیسا صحابی ہے جس نے اتنے بیہودہ لطائف سناڈالے اور لوگ واہ واہ کررہے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ مذکورہ شخص کے ساتھ میری تو تکار ہو جاتی، سلیم نے نہایت معاملہ فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات کو سنبھال لیا اور جب وہ شخص چلا گیا تو سلیم کہنے لگا۔ ''بھیا! تم خواہ مخواہ ان پھڈوں میں نہ پڑا کرو، ہر شخص کی عقیدت کا اپنا معیار ہوتا ہے۔ انہیں یہی پسند ہے پھر لڑنا کیسا۔''

میں بھی یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جس نبی کا یہ صحابی ہے، وہ ''نبی آخر کیسا ہوگا۔'' کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مختصر سے مختصر کلام میں بھی زیادہ سے زیادہ دشنام شامل رہی ہیں۔ چنانچہ اس کے مصاحب جیسے پڑھے ہیں، ویسے ہی پڑھائیں گے۔

مجھے ذاتی طور پر بھی مرزائیوں کے ایک نیم صحابی سے ملاقات کا پالا پڑا۔ یہ شخص بھی کوئی ۸۰ کے پیٹے میں تھا۔ اس کی زبان کترنی کی طرح چلتی تھی۔ اس کے ہر موضوع کی تان آکر ''سیکس'' پر ٹوٹا کرتی تھی۔ اس کے پاس کوئی بھی شخص آکر بیٹھتا، یہ اس سے جنسی موضوعات پر بات چیت کر کے خوش وقت ہوتا۔ ایک دن کہنے لگا میں اگرچہ عمر کے اس حصے میں ہوں جب انسان ''خصی بیل'' جیسے حال میں ہوتا ہے۔ لیکن میرے اندر زندگی کے تمام تر ''کرنٹ'' موجود ہیں۔ اب بھی میں بس، ریل یا تانگے میں بیٹھوں تو عورتیں بالخصوص نوعمر لڑکیاں مجھے بوڑھا آدمی سمجھ کر ساتھ بٹھالیتی ہیں۔ ان کے خیال میں، میں بے ضرر سا بوڑھا ہوں۔ حالانکہ صورحال اس کے برعکس ہوتی ہے۔ میرا تو رواں رواں اس وقت عمر رفتہ کی صدائیں دے رہا ہوتا ہے اور مجھے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے جو میری عمر کا اقتضا نہیں ہے۔

ربوہ میں مجھے ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کے ایک اور صحابی کو بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ سال خوردہ شخص اپنی عمر کی سنچری بنانے والا تھا۔ سرخ سر اور داڑھی والا سیاہ رو بابا ''آرے آرے تیرے گھرتے مینارے'' کہلاتا تھا۔ اسے سوہنی، موہنی اور کومل سی لڑکی سے شادی کا بے حد شوق تھا۔ ایک روز میں سکول سے واپس آرہا تھا تو اپنی گلی کی نکڑ پر بڑے چھوٹے لوگوں کا ایک مجمع دیکھا جس میں سفید شلوار قمیص اور شملے دار پگڑی والا ایک بستہ قد بوڑھا کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔ جب کہ سب لوگ اونچی آواز میں آمین کہتے جارہے تھے۔

دعا کا خلاصہ یہ تھا: ''اے اللہ مجھے اتنی دولت دے کہ میں اس کے ڈھیر کے نیچے دب جاؤں۔ مجھ سے نکلا نہ جائے۔ لوگ آکر مجھے نکالیں۔ پھر مجھے ایک بڑا سا گھر دے جس میں باغ

ہوں، باغیچے ہوں اور پھول کھلیں۔ بہت سے نوکر چاکر اور کنیزیں اس گھر میں چلتی پھرتی نظر آئیں۔ میں ایک کو بلاؤں تو ساری بھاگی چلی آئیں...... اس گھر میں ہر وقت مختلف انواع کے لذیذ کھانے پکیں۔ اے اللہ میاں جب یہ ساری چیزیں آ جائیں تو پھر اس گھر میں ایک بہت ہی چھوٹی سی عمر کی نازک سی، شرمیلی سی، خوبصورت سی لڑکی بھیج دے جو مجھ پر فریفتہ ہو جائے۔ وہ مجھے کہے کہ میرے ساتھ شادی کر لو۔ میں کہوں نہیں۔ وہ مناتی جائے میں انکار کرتا جاؤں اور پھر میں مان جاؤں جب ہماری شادی ہو جائے تو ہم ہنسی خوشی سکھی اس گھر میں رہیں اور دن رات یہ گانا گائیں۔"

"آرے آرے تیرے گھرتے منارے...... آرے آرے تیرے گھرتے منارے"

دعا ختم ہونے کے بعد بابے نے یہ گانا شروع کیا تو لوگ بھی ساتھ گانا گانے لگے۔ پھر بابے نے دھمال ڈالنی شروع کر دی۔ وہ اتنا ناچا کہ کیا کوئی جوان ناچے گا۔ رقص وسرود ختم ہوا تو میں نے اپنے ایک پڑوسی انیس احمد سے پوچھا یہ کون تھا تو کہنے لگا یہ ہمارے حضرت صاحب کے صحابی تھے۔ اس کے بعد میں نے شہر میں اکثر اس بڈھے کو پھرتے دیکھا جو لوگوں کو دیکھتے ہی اپنا راگ "آرے آرے تیرے گھرتے منارے" الاپنا شروع کر دیتا تھا۔ جس کے جواب میں لوگ اسے پیسے دیا کرتے تھے۔ اسے دیکھ کر منہ سے بے ساختہ نکلتا "صحابی نہ ہوا بھکاری ہوا۔"

ہماری گلی میں بلکہ گھر کے بالکل سامنے دو کچے سے مکان تھے۔ ایک میں معذور شخص چاچا محمد حسین رہتا تھا۔ جب کہ دوسرے میں اسلم چپن اور اس کا بھائی اچھو اپنی والدہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ اس مکان کا مالک ایک بوڑھا ضعیف آدمی تھا۔ جس کو لوگ "بابا ہل جل" کہا کرتے تھے۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں کہ یہ بابا خود کہاں رہتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی جب آتا تو لوگ اسے بھی "نیم صحابی" کہا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد کا یہ صحابی جب بھی آتا اپنے کرایہ داروں کو انتہائی غلیظ گالیاں دیتا اور مکان خالی کرنے کے لئے کہا کرتا تھا۔ ایک بار تو اس نے اندھیر ہی مچا دیا۔ اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لایا اور چاچا محمد حسین کے گھر والوں کو مکان خالی کرنے کو کہا۔ انہوں نے منت سماجت کر کے مہلت جو مانگی بس پھر کیا تھا۔ بابا بپھر گیا اور گالیوں کی بھرمار کر دی۔ اپنا لٹھ نما ڈنڈا در و دیوار پر برسانے لگا۔ کمانڈر کی طرف سے فائر کرنے کا حکم ملنے کی دیر تھی، اس کے ساتھ آئے ہوئے حواریوں نے بیچارے محمد حسین کے گھر کا سامان باہر پھینک دیا۔ یہ لوگ رات بھر گلی میں رہے اور اگلے دن نہ جانے کیسے سر چھپانے کے لئے کوئی کوٹھڑی تلاش کی۔ "بوڑھے ہل جل صحابی" نے مکان گروا کر اس کی جگہ نیا مکان تعمیر کروایا۔ اس میں زیادہ کرایہ دینے والے کرایہ دار

رکھ لئے۔ یہ تھا ''مرزا غلام احمد'' کے صحابیوں کا کردار۔ حالانکہ صحابی تو اچھی صحبت کے باعث لوگوں پر مہربان ہوتے ہیں اور خود دکھ اٹھا کر خلق خدا کو سکھ پہنچاتے ہیں۔

ربوہ میں ہر دوسرا تیسرا ضعیف ونحیف بوڑھا خود کو صحابی یا نیم صحابی کہلا کر اتراتا پھرتا تھا۔ ہمارے سکول کے ایک لڑکے کا دادا بہت بوڑھا تھا۔ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ تاہم یہ بابا ہر کسی کو گالیاں خوب دیا کرتا تھا۔ اس کی دشنام طرازی سے بچنے کے لئے بابے کی آل اولاد نے اسے ایک کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ ایک دن دروازہ کھلا رہ گیا اور بابا کسی طرح گھر سے باہر نکل آیا اور گھر کے باہر تھڑے پر بیٹھ کر ہر آنے جانے کے شجرہ نسب پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ بابے کے گھر والوں نے اسے گھر کے اندر لے جانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں اینٹیں مارنی شروع کر دیں۔ آخر کار شام کو بابا تھک ہار کر گھر کے اندر چلا گیا تو اس کے گھر والوں نے اسے کمرے میں بند کر کے ''لاک'' لگا دیا۔ لوگوں نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ یہ بابا جی کون تھے تو جواب دیا گیا یہ ہمارے ابا جی اور حضرت مسیح موعود کے صحابی ہیں۔

میرے کئی کلاس فیلو بہت کٹر مرزائی ہونے کے باوجود ''مرزا غلام احمد قادیانی'' اور اس کی ذریت کے بارے میں میرے خیالات کو درست تسلیم کرتے تھے۔ میں نے اپنے ایک ہم جماعت سے پوچھا: ''یار! یہ صحابی کا کیا چکر ہے۔ تمہارے شہر میں ہر گھر سے کوئی نہ کوئی صحابی نکل آتا ہے۔'' موصوف نے کہا: ''یار تم ان چکروں میں نہ پڑا کرو۔ کون کیا ہے؟ یہ صرف اللہ جانتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خود کو صحابی کہہ کر دل پشوری کر لیتا ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ یہاں تو ایک اینٹ اٹھاؤ، اندر سے صحابیوں کے ''اجڑ'' نکل آئیں گے۔ کیونکہ ربوہ میں یہ فیشن ہے کہ ہر شخص ''خاندان نبوت'' سے قرابت داری ظاہر کرنے کے لئے اپنے باپ دادا کو صحابی یا نیم صحابی کا درجہ دے ڈالتا ہے۔''

گھونگٹ کی ہوا

مرزا محمود احمد نے دنیا سے کوچ کیا تو مرزا ناصر احمد تعلیم الاسلام کالج کی پرنسپل شپ چھوڑ کر عازم قصر خلافت ہوئے۔ مرزا رفیع احمد اور مرزا ناصر احمد کے درمیان خلافت کا میچ پڑا۔ دونوں کے ووٹ برابر تھے مگر دھاندلی سے ''فرشتوں'' کے ووٹوں نے مرزا ناصر احمد کا مینڈیٹ بھاری کر دیا اور یوں کالج کا پرنسپل ''اپنی امت'' کا خلیفہ بن گیا۔

۱۹۶۵ء خدا حافظ ہونے کو پر تول رہا تھا۔ جب میں نے پہلے بار مرزا ناصر احمد کو دیکھا۔

خلیفہ بننے کے بعد انہیں ہمارے سکول میں مدعو کیا گیا۔ سکول کے بشیر ہال میں ان کا خطاب ہوا۔ خطاب کیا تھا، میں نے کان ہی نہ دھرا۔ دراصل مجھے مرزائیوں کی تقاریر اوران کے خانوادہ نبوت کے برزجمہروں کی تصاویر سے کوئی رغبت نہیں۔ ان کے خطاب اتنے بور ہوتے ہیں نہ جانے یہ بدذوق اہل جماعت کیسے سنتے اور برداشت کرتے ہیں۔ ان کی تقاریر عیسائیوں سے محبت نما نفرت، یہودیوں کی کاسہ لیسی، انگریزوں اور ہندوستانیوں کے قصائد اور ڈاکٹر ڈوئی کے نام نہاد فسانوں کا ملغوبہ ہوتی تھیں۔ میں نے مرزائیوں کی کوئی کتاب سرورق کے علاوہ نہیں پڑھی۔ کیونکہ یہ سب خرافات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ میرا فلسفہ یہ ہے کہ جو حقیقت دلیل کی محتاج ہو، وہ آدھی حقیقت ہوتی ہے۔ مرزائیوں کے بارے میں یہ نکتہ نظر ہی کافی ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا یہ جاننے کے لئے ان کی کتابیں پڑھنا یا ان کے علماء کے واعظ سننا کہ شاید مرزائی سچے نہ ہوں پرلے درجے کی احمقانہ حرکت ہے۔ میں انہیں شروع دن سے جھوٹا سمجھتا ہوں اور یہی میرے دل کی آواز ہے۔ لہٰذا ان کی تقریر وتحریر سے مجھے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔ ہاں تو مرزا ناصر احمد سے ملاقات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ہوا یوں مرزا ناصر کے خطاب کے بعد ہر لڑکا باری باری سٹیج پر جا کر ان سے مصافحہ کر رہا تھا۔ جب میری باری آئی تو میں نے حسب عادت ’’نصف ہاتھ‘‘ ملایا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نصف ہاتھ ملانا بچپن سے میری لاشعوری عادت ہے۔ اکثر لوگ اسے تکبر بھی کہتے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ ’’میں کیا ہوں یہ میں جانتا ہوں۔ اس لئے تکبر کیوں کروں۔‘‘ اس غلطی پر مجھے اپنے گھر والوں سے بے شمار دفعہ ڈانٹ پڑ چکی ہے۔ اس کے باوجود لاشعوری طور پر یہ حرکت اب بھی کبھی کبھار مجھ سے سرزد ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جب میں نے مرزا ناصر سے آدھا ہاتھ ملایا تو اس موقع پر موجود ہمارے ہیڈ ماسٹر میاں محمد ابراہیم نے مرزا ناصر سے کہا: ’’حضور‘‘ آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں یہ زراعت والے صوفی فضل کریم صاحب کا صاحبزادہ ہے۔ اس پر مرزا ناصر احمد نے مجھے کندھے سے پکڑ کر دوبارہ اپنی طرف موڑا اور کہا ’’بھئی‘‘ آپ کے ابا تو بڑے پہلوان قسم کے انسان ہیں۔ مگر آپ نے انتہائی بے جان انداز میں ہاتھ ملایا ہے۔ لاؤ پھر سے ہاتھ ملاؤ۔ اس پر انہوں نے میرا پورا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تین مرتبہ زور سے ہلایا۔

ہیڈ ماسٹر ابراہیم اور دیگر اساتذہ جو میری قادیانیت سے بے اعتنائی سے خاصے واقف تھے، مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھ اور سوچ رہے تھے کہ شاید مرزا ناصر احمد کی یہ شفقت مجھ پر اثر انداز ہو جائے گی۔ بعد میں میرے ہم جولیوں نے کئی بار مجھے کہا: ’’دیکھو ہمارے حضرت صاحب

نے تمہیں کتنا وقت دیا اور تمہارے ساتھ شفقت فرمائی۔ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا؟'' میں نے اپنا مخصوص جواب دے کر ان کے ارمانوں پر اوس ڈال دی اور کہا ''بھئی اس میں متاثر ہونے والی کون سے بات ہے۔ مرزا ناصر احمد میرے ابا جی کے یار ہیں۔ لہٰذا انہوں نے مجھے تم لوگوں سے زیادہ لفٹ کرادی۔''

میں ۱۹۶۶ء میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں میرے چہرے کی جلد خشک اور سخت ہو کر پھٹ جایا کرتی۔ بعض اوقات تو اس سے خون بھی رسنے لگتا تھا۔ ایک روز ابا جی مجھے چیک کرانے کے لئے فضل عمر ہسپتال لے جارہے تھے۔ ہم سٹیشن کی دوسری طرف دارالضیافت والی بغلی سڑک پار کر کے گول بازار جارہے تھے کہ قصر خلافت اور امور عامہ کے سامنے سے گزرنے والی سڑک پر گاڑیوں کا ایک کارواں نمودار ہوا۔ واضح رہے مرزا ناصر احمد نے جب کہیں جانا ہوتا تھا تو قاعدے کے مطابق ان کا قافلہ تین موٹر سائیکلوں اور پانچ گاڑیوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ ایک موٹر سائیکل آگے ہوٹر بجاتی جب کہ اس کے پیچھے دو موٹر سائیکلیں ہوتی تھیں۔ اس کے بعد ایک جیپ پھر کار درمیان میں نیلے رنگ کی شیورلیٹ کار جس میں پردے آویزاں ہوتے تھے۔ اس میں مرزا ناصر احمد اوران کی اہلیہ منصورہ ہوتے جب کہ اس کے پیچھے دو محافظوں کی گاڑیاں ہوتی تھیں۔ عبدالمنان صوبیدار اور حوالدار صالح محمد مرزا ناصر کے چیف سیکورٹی آفیسر ہوا کرتے تھے۔

ہم اس سڑک کے کنارے کنارے رواں تھے کہ مرزا ناصر احمد کا کارواں ہمارے پاس سے گزرا۔ نہ جانے کیسے، کب اور کیوں مرزا ناصر احمد نے گاڑی کا پردہ اٹھایا۔ بے ساختہ ان کی نظر ابا جی پر پڑی اور مرزا ناصر احمد نے گاڑیاں روک دینے کا حکم دیا۔ گاڑیاں رک گئیں۔ مرزا ناصر احمد نے ابا جی سے استفسار کیا۔ ''صوفی صاحب! کہاں جارہے ہیں؟''

''بچے کو ہسپتال چیک کرانے کے لئے جارہا ہوں۔'' ابا جی نے جواب دیا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' مرزا ناصر نے پوچھا۔

میرا چہرہ دکھاتے ہوئے ابا جی نے ساری کہانی کہہ ڈالی۔ مرزا ناصر احمد نے مجھے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔ میں نے پاؤں میں ہوائی چپل پہن رکھی تھی۔ ان دنوں اس چپل کا عام رواج تھا۔ مرزا ناصر احمد نے مجھے کہا: ''بیٹا! ہوائی چپل پہننا چھوڑ دو، چہرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ڈرائیور سے کوئی دوا طلب کی اور پھر ہومیو پیتھک کی

گولیوں سے بھری ہوئی ایک نیلی شیشی مجھے دے دی اور کہا کہ اب ہسپتال جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس وقت مرزا ناصر احمد کی بیوی منصورہ بھی حسب معمول ساتھ تھی۔

ربوہ کی تاریخ میں خلیفہ کی سواری کا کسی عام اور خاص طور پر غیر احمدی کے لئے رک جانا اپنی نوعیت کا واحد واقعہ تھا۔اس وقت سڑک پر اور لوگ بھی تھے جو ہمارے مقدر پر رشک کر رہے تھے۔ جب کہ ہم ان کی احمقانہ سوچ پر ماتم کر رہے تھے۔اس بات کی ربوہ شہر میں دھوم مچ گئی۔ کیونکہ اہل ربوہ کے لئے یہ انوکھی بات تھی۔ وہ لوگ جو''خلیفہ صاحب'' سے ملاقات کے لئے ہفتوں پہلے درخواست دیتے ہیں، پھر دنوں تک انہیں ملاقات کے لئے باری کا انتظار رہتا ہے۔ اس واقعہ پر حیران بھی تھے اور تلملا بھی رہے تھے کہ آخر ہمارے حضور ایک غیر مرزائی شخص پر اس قدر کیوں مہربان ہیں۔ جوان عنایات خسروانہ کو خاطر میں لاتا ہے نہ جماعت میں داخل ہوتا ہے۔

سڑک پر کھڑے لوگوں نے اباجی سے کہا:''آپ بہت خوش قسمت ہیں۔اللہ نے آپ پر بڑا اکرم کر دیا ہے۔اب آپ کو بھی چاہئے کہ''احمدی جماعت میں شمولیت کر لیں۔'' اباجی نے جواباً کہا میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے حضرت محمد واحمد ﷺ کا امتی بنایا ہے۔ لیکن مجھے کیا پڑی ہے کہ میں ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے متاثر ہو کر اپنا دین چھوڑ دوں۔ کہنے والوں، جن کی ہمارے مرزائی ہونے کے لئے رال ٹپک رہی تھی، کے منہ لٹک رہے تھے۔''

ایک بار ایک شخص نے جو مرزائی سنڈیکیٹ کا سرکردہ رکن تھا، اباجی کو بتایا کہ مرزا ناصر سے کسی شخص نے شکایت کی کہ آپ کی صوفی فضل کریم پر بے پناہ عنایات ہیں۔لیکن وہ کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔آپ کسی طرح انہیں مرزائی کریں یا پھر ان کے ساتھ مروت آمیز سلوک ترک کر دیں۔ مرزا ناصر احمد نے اسے جواب دیا:''تم لوگوں کو صوفی صاحب کے مقام کا علم نہیں۔ایسے بلند مرتبت لوگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ان کے اوصاف ہر عامی نہیں سمجھ سکتا۔ان کو سمجھنے کے لئے دیدہ بینا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ میں ان کے مقام کے مطابق ان کی عزت کرتا ہوں۔''

میرے دادا جان میاں محمد بخش کا ۱۹۶۸ء میں انتقال ہوا تو مرزا ناصر احمد نے اباجی کو خصوصی طور پر اپنے ہاتھ سے تعزیتی خط لکھا۔حالانکہ عام طور پر خلیفہ کی طرف سے جماعت کے لئے طبع شدہ تہنیتی اور تعزیتی خطوط ارسال کئے جاتے ہیں جن پر صرف پین سے مکتوب الیہ کا نام اور پتہ لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ خطوط ہمارے لئے کسی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔لہٰذا ہم نے سنبھال کر نہیں رکھے تھے۔ مرزا ناصر احمد، مرزا غلام احمد کا پوتا تھا۔جس نے قصر رسالت اور کاشانہ نبوت میں نقب لگائی۔ لیکن یہ شخص اباجی کو باقاعدہ خطوط تحریر کرتا جن میں دعا کی درخواست کی جاتی تھی۔

حالانکہ مرزائی دنیا کے باسی مرزا ناصر احمد سے دعا کی التجا کیا کرتے تھے۔

ایک بار اباجی سے چند لوگوں نے کہا کہ مرزائی خلیفہ بلکہ ’’خاندان نبوت‘‘ کے دیگر چشم وچراغ آپ کا پیروں کی طرح احترام کرتے ہیں۔ آپ انہیں دعوت تبلیغ کیوں نہیں دیتے اور ان کے راہ راست پر آنے کے لئے دعا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر اباجی نے کہا: ’’ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہو وہ کیسے ہدایت پا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرزا ناصر احمد مرزائی سلطنت کا بادشاہ ہے۔ اپنا تخت وتاج اسے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ چنانچہ کسی حکمران کو حکومت چھوڑنے کے لئے کہا جائے تو وہ کبھی بھی نہیں مانے گا۔ یہی حال ان کا ہے۔ لہٰذا راندہ درگاہ لوگوں کو راہ پر لانے کے لئے کوشش کرنا فضول عمل ہے۔‘‘

ہمارے پڑوس میں مستری فضل دین آف سائبریا کا گھر تھا۔ اس کا بیٹا ادریس احمد بشیر بھی اباجی کا بہت معتقد تھا۔ ہر کام کرنے سے پہلے ان سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ادریس کے بھانجے ہمایوں سلیم کی سالگرہ تھی۔ جس میں مرزا ناصر احمد کو بطور مہمان خصوصی بلایا گیا تھا۔ جب کہ ہم بھی تقریب میں مدعو تھے۔ میں اور میرے اباجی تقریب میں شرکت کے لئے گھر سے نکل رہے تھے۔ عین اس وقت مرزا ناصر احمد کی سواری ہمارے دروازے کے سامنے رکی۔ مرزا ناصر احمد کی نگاہ ہم پر پڑی تو کہا: ’’اخاہ صوفی صاحب! آپ یہاں رہتے ہیں؟‘‘

’’جی یہی میرا غریب خانہ ہے۔‘‘ اباجی نے کہا۔

’’تو پھر پہلے آپ کے دولت خانے پر حاضر ہونا چاہئے۔‘‘ مرزا ناصر نے کہا۔

’’ضرور ضرور‘‘ اباجی نے کہا اور بیٹھک کھلوائی۔

دو کرسیوں اور ایک چارپائی پر مشتمل ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ’’سکنجبین‘‘ نوش کی گئی اور پھر ہمارے ساتھ ہی ادریس کے گھر روانہ ہوئے۔ اس واقعہ پر بہت سے مرزائی جل بھن کر رہ گئے۔ کئی ایک نے اباجی سے کہا: ’’دیکھیں نور کی برسات چل کر آپ کے گھر آگئی ہے۔ مگر آپ کو نہ جانے کیوں کوئی اثر نہیں ہوتا۔‘‘

اباجی نے کہا: ’’احمقو! سوچو تو ذرا، تمہاری نام نہاد نور کی برسات جس شخص کے گھر چل کر آئی ہے، اس کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے کسی صلاحیت سے نوازا ہوگا۔ جس کی بناء پر یہ سب کچھ ہوا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ایسی برسات آئے یا جائے پتھر کو بھی جونک نہیں لگ سکتی۔‘‘

اباجی کا قاعدہ تھا کہ وہ کسی کے ذاتی کام پر توجہ دینے کے بجائے امور سرکار باقاعدگی اور بروقت انجام دینے کی پالیسی پر کاربند رہتے تھے۔ ان کے دور میں ربوہ کے نواحی علاقوں میں

فصلوں کی پیداوار دوگنا ہوگئی۔ ربوہ جیسی کلر والی زمین جہاں پانی بھی کھاری تھا، وہاں اعلیٰ نسل کے پھل اور پھول دار پودوں نے نشوونما پائی۔ ورنہ وہاں صرف جنگلی کیکر کے سوا کچھ اگتا ہی نہیں تھا۔ آپ اپنے حلقے میں ہر شخص کی زمینوں پر جایا کرتے تھے۔ فصلوں، پودوں اور زمین کا معائنہ کرتے، کاشتکاروں اور زمینداروں کو مشورے دیتے اور زمین زرخیز بنانے کے زرعی طریقے بتاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک روز وہ مرزاناصراحمد سے محکمانہ ملاقات کرنے کے لئے قصر خلافت گئے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مرزاناصراحمد کے پرائیویٹ سیکرٹری ظہور باجوہ نے اباجی سے کہا: ''آج ملاقات کا دن ہے نہ آپ کی طرف سے ملاقات کی کوئی درخواست آئی ہے۔ جس پر خصوصی غور کیا جاسکے۔'' اباجی نے کہا ملاقات کی درخواست تب کی جاتی ہے جب اس کی خواہش ہو۔ یہ ملاقات تو آپ کے خلیفہ صاحب کی ضرورت ہے۔ میں اپنی سرکاری ڈیوٹی نبھانے آیا ہوں۔ ''ملاقات نہیں ہوتی تو نہ سہی۔'' یہ کہہ کر ہم وہاں سے نکل آئے۔ ابھی گیٹ عبور بھی نہیں کیا تھا کہ ظہور باجوہ بھاگا بھاگا آیا اور کہنے لگا ''صوفی صاحب! آیئے حضور یاد فرمارہے ہیں۔''

''اب کیا ہوا۔'' اباجی نے پوچھا۔

''ہوا یہ کہ جب آپ نکلے ہیں تو انٹرکام پر میری ''حضور'' سے بات ہوئی تو میں نے آپ کا ذکر کردیا۔ جس پر انہوں نے کہا کہ صوفی صاحب کو فوراً بلایا جائے۔'' ظہور باجوہ نے کہا۔

ہم واپس آ گئے۔ پھر ہمیں مرزاناصر نے اپنے دیوان خاص میں بلایا۔ یہاں عجیب قسم کا طلسمی اور پراسرار ماحول تھا۔ معطر اور سحر آفریں فضا میں یوں لگتا تھا جیسے یہ کوئی اور ہی دنیا ہو۔ یہاں ہی میں نے وہ طلسمی صندوق بھی دیکھا جسے زائرین اور ملاقات کے لئے آنے والے اپنے نذرانوں سے بھر دیا کرتے تھے۔

مرزاناصر سے بات چیت کے دوران اباجی نے ظہور باجوہ کے روّیے کی شکایت کی تو اسے طلب کرلیا گیا۔ مرزاناصر نے سرزنش کرتے ہوئے کہا: ''باجوہ صاحب! آپ ایک مدت سے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آپ کو لوگوں کی پہچان نہیں ہوئی۔'' صوفی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو یہاں آتے ہیں تو یہ ان کی مہربانی ہے۔ نہ آئیں تو بھی ہم ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ آپ ان سے معذرت کریں اور آئندہ ایسی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ ظہور باجوہ نے والد صاحب سے باقاعدہ معذرت کی۔

مرزاناصراحمد بھی اپنے والد مرزامحموداحمد کی طرح تعدد ازدواج کے زبردست شوقین تھے۔ مگر ان کی بیوی منصورہ نے ان کی لگام ایسے کھینچ کر رکھی ہوئی تھی، وہ ادھر ادھر منہ تو مار لیتے مگر

اس کی زندگی میں دوسری شادی کوشش کے باوجود نہ کر سکے۔ لیکن جونہی منصورہ آنجہانی ہوئی تو مرزا ناصر احمد نے اس لڑکی سے شادی رچالی جو مرزا لقمان کی محبوبہ تھی۔ باپ بیٹے میں بہت جنگ ہوئی۔ لقمان نے یہاں تک کہا: ''ابا حضور! پچ میں نے بنائی مگر بیٹنگ آپ نے کرڈالی۔'' مرزا ناصر احمد نے نوجوان دلہن کی برابری کرنے کے لئے طب یونان اور ہومیو پیتھک کے کئے نسخے آزمائے۔ انہی نسخوں نے آخرکار انہیں جہنم واصل کردیا۔ اکثر مرزائی منچلے کہا کرتے تھے کہ ''ہمارے حضرت صاحب کو گھونگٹ کی ہوا لگ گئی ہے۔''

پلے بوائے

مرزا طاہر کو جب میں نے دیکھا وہ ایک مکمل ''پلے بوائے'' تھے۔ منہ میں پان، جیب میں کیپسٹان ڈالے سرخ رنگ کی لیڈیز سائیکل پر پھرنے والا یہ شخص شہر بھر کی خواتین کے دل کی دھڑکن تھا۔ عمر کی قید سے قطع نظر ہر خاتون ان سے تعلق وواسطہ پر فخر کیا کرتی تھی۔ نوجوان خواتین تو بڑے ناز سے انہیں ''میاں تاری'' کہا کرتی تھیں۔

مرزا طاہر بھی اپنے بڑے بھائی مرزا ناصر کی طرح ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ان کا کلینک صبح اور شام کھلا کرتا جہاں ماہ رخان شہر کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ کسی خاتون کو کوئی مرض ہو یا نہ ہو، وہاں جاکر دل پشوری کرلیا کرتی تھی۔ کسی نوجوان لڑکی کے پیٹ میں ہلکا سا درد بھی اٹھتا والدین اسے تریاق لینے میاں تاری کے پاس بھیج دیا کرتے۔

۱۹۶۶ء کی شدید گرمیوں کی ایک صبح کو ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو گرے رنگ کی پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان سامنے کھڑا تھا۔ گورا رنگ، چہرے پر ہلکی اور بکھری بکھری سی داڑھی تھی۔ جب کہ ہونٹ پان سے سرخ تھے۔ موصوف نے مسکراتے ہوئے کہا: ''آپ غالباً صوفی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔''

''کہاں جی بالکل ہوں۔''

''تو کیا صوفی صاحب گھر پر موجود ہیں۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''میں نے کہا، جی اباجی گھر پر ہیں۔''

''انہیں اطلاع کریں کہ مرزا طاہر آئے ہیں۔''

میں نے ''اچھا'' کہا اور اندر جاکر اباجی کو اطلاع کی۔ انہوں نے مجھے بیٹھک کھولنے کو کہا اور خود باہر چلے آئے اور مرزا طاہر کو لے کر بیٹھک میں آگئے۔ مرزا طاہر نے اباجی کو بتایا ''میں

صبح صبح اپنی زمینوں پر گیا ہوا تھا۔ واپسی پر میں نے سوچا کہ آج صوفی صاحب کے ہاں ناشتہ کیا جائے۔‘‘

ابا جی مسکرائے اور کہا: ’’جناب جتنا دل چاہے ناشتہ کریں۔‘‘ کافی دیر تک مرزا طاہر نے اپنی زمینوں اور زراعت سے متعلق باتیں کیں۔ پھر ابا جی نے پوچھا ’’جی صاحب! فرمائیں ناشتہ میں کیا چلے گا؟‘‘

مرزا طاہر نے کہا: ’’آج تو پراٹھے اور خربوزے کا ناشتہ کریں گے اور اگر ساتھ سرکہ ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔‘‘

ان دنوں پیاز پر سرکہ ڈال کر کھانے کا بہت رواج تھا۔ سب چیزیں گھر میں موجود تھیں۔ مرزا طاہر نے ناشتہ کیا۔ کافی دیر تک نشست جمائی اور چلے گئے۔ یہ تھی مرزا طاہر سے میری پہلی ملاقات۔

مرزائیوں کی تنظیم مجلس خدام احمدیہ درحقیقت جماعت کی ایک ایسی فوج ہے جس سے ہر جائز و ناجائز کام لیا جاسکتا ہے۔ ان میں بہت سے جرائم کے بادشاہ ہیں اور اس فوج کے کمانڈر مرزا طاہر تھے۔ یہ صبح اپنا کلینک بھگتا کر خدام الاحمدیہ کے دفتر میں آجاتے اور پھر وہاں مرزائیت کی گھناؤنی سرگرمیوں کے لئے سکیمیں تیار کی جاتی تھیں۔

مرزا طاہر کے کلینک پر مرد و زن دونوں ہوا کرتے تھے۔ لیکن صنف نازک کی تعداد زیادہ ہوتی۔ خواتین کہتی تھیں ’’میاں تاری تو باتوں سے مرض دور کر دیتے ہیں۔‘‘ ایک بار موصوف نے ایک خاتون نور احمد عابد کی بیوی رشیدہ بیگم کو کہہ دیا: ’’آپ کی جوانی تو برسوں قائم رہنے والی ہے۔‘‘ جس پر موصوفہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ دنوں تک مرزا طاہر کے تاثرات اپنی سہیلیوں کو بتاتی پھرتی۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جب یہ بات کسی کو بتاتی تو ساتھ ہی شرم سے گلنار ہو جاتی تھی۔ مرزا طاہر کی نیلی شیشیوں میں سفید دانے دار گولیوں میں کوئی شفا تھی یا نہیں تھی۔ مگر اس کی ’’زبان اور ہاتھ‘‘ خواتین کے لئے بڑے شافی تھے۔

مرزا محمود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخریب کارانہ ذہن کے مالک تھے۔ جماعت میں سے کہیں سے کوئی تنقید یا فتنہ سر اٹھاتا تو وہ بڑی چابک دستی کے ساتھ اسے دبا دیا کرتے تھے۔ اس کے لئے اعلیٰ درجے کے مخبر رکھے جاتے جو اوّل تو فتنہ اٹھنے ہی نہ دیتے اور کہیں کوئی ’’ابنارمیلٹی‘‘ نظر آتی ان کے کارندے وہاں پہنچتے اور صورتحال پر قابو پالیا کرتے تھے۔ مرزا محمود احمد کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری بھی مرزا طاہر نے اپنے سر لے لی۔ آل نبوت کے

کالے کرتوتوں پر اگر کسی شخص نے انگشت نمائی کرنے کی کوشش کی تو مرزا طاہر نے اس کی گردن وہیں ماردی۔ ربوہ میں ’’گردن مارنا اور جان مار دینا‘‘ کے الفاظ محاورہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور یہ جملے خاندان نبوت کے سپوت زیادہ تر استعمال کرتے تھے۔ مرزا طاہر کو دہشت گردی اور تخریب کاری کی علامت اور روح رواں سمجھا جاتا تھا۔ اپنی انہی خوبیوں اور سازشوں کی بناء پر انہیں ’’مسند خلافت‘‘ حاصل ہوئی۔

مرزا طاہر کا ایک ڈرائیور ولی محمد اباجی کا بہت معتقد تھا اور انہیں چاچا جی کہتا تھا۔ اس شخص کو مرزا طاہر کی اصلیت کا علم تھا۔ لہٰذا وہ اکثر ہمیں ان کی منافقت کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ اسے اباجی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جب تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں تو پھر تم کفر کی یہ زندگی چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ ولی محمد مسکرا کر کہتا: ’’چاچا جی انشاء اللہ! مرنے سے پہلے مرزائیت ضرور چھوڑ دوں گا۔‘‘ خدا کا کرنا ایسا ہوا اس شخص نے جونہی مرزائیت سے توبہ کی، اور حلقہ بگوش اسلام ہوا، چند روز بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

مرزا طاہر نے تخریب کاری، غنڈہ گردی اور دہشت سے ’’جماعت مرزائیہ‘‘ کی جو خدمات انجام دیں، وہ قادیانیوں کے لئے بجا طور پر قابل فخر ہیں۔ لیکن مرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانے کے لئے جو معجزانہ اسباب پیدا ہوئے، وہ بھی قدرت نے مرزا طاہر کی دہشت پسندانہ ذہنیت سے ہی تیار کروائے۔

۱۹۷۴ء میں نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر مرزائیوں کا حملہ درحقیقت قدرت کی طرف سے مرزائیت کو نابود کرنے کی پیش قدمی تھی۔ اس آپریشن کا ماسٹر مائنڈ مرزا طاہر تھے۔ لیکن ان کے تمام منصوبے اور تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔ نشتر میڈیکل کے طلبہ بالکل بے قصور تھے۔ مگر مرزائی جماعت نے ان کو سزا دینے کے لئے اپنے جوروستم کی انتہاء کردی۔ تفریحی ٹورز اور سیاحتی دوروں پر جانے والے طلبہ شرارتیں اور ’’شغل میلہ‘‘ تو کرتے ہی ہیں۔ ربوہ کے اسٹیشن پر بھی طلباء نے شوروغل مچایا جو مرزائیوں کو ناگوار گزرا۔ گروپ میں شریک چنیوٹ کے زرگر کے مرزائی بیٹے ڈاکٹر ابرار نے ساتھیوں سے غداری کی اور ربوہ کے مرکز کو نشتر کالج کے طلباء کی واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ جس کی بناء پر طلبہ کے خلاف ’’آپریشن‘‘ کا منصوبہ تشکیل دیا گیا۔

ان دنوں سرگودھا سے ربوہ تک تمام سٹیشنوں پر تقریباً مرزائی سٹیشن ماسٹر تعینات تھے۔ ان کو خصوصی ہدایات دی گئیں کہ طلبہ کی گاڑی جونہی ان کے سٹیشنوں پر رکے تو اس کے قیام کا دورانیہ بڑھا دیا جائے تاکہ مرزائی غنڈے اطمینان سے طلبہ والے ڈبے سے ملحقہ بوگیوں میں سوار

ہو جائیں۔ اس کے علاوہ دوسری طرف اس روز یعنی ۲۹ ر مئی ۱۹۷۴ء کو تعلیم الاسلام کالج میں فرسٹ ایئر اور فورتھ ایئر کا رزلٹ آؤٹ ہونے والا تھا۔ اس کے بارے میں خاص منصوبہ بندی کی گئی۔ تاکہ ''آپریشن'' کے دوران طلبہ سٹیشن کی طرف نہ آئیں۔ دنیا جانتی ہے کہ کالجز میں طریقہ کار کے مطابق فرسٹ ایئر اور تھرڈ ایئر کے سالانہ امتحان کے نتائج نوٹس بورڈ پر آویزاں کر دیئے جاتے ہیں۔ طلبہ کو خود ہی اپنے فیل پاس ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن اس روز سب طلبہ کو کیمسٹری تھیٹر میں اکٹھا کیا گیا اور رزلٹ اس طرح سنایا گیا جیسے عموماً پرائمری سکولوں میں بول کر سنایا جاتا ہے۔ میں بھی تھرڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ رزلٹ کے اعلان سے قبل اساتذہ نے مختلف موضوعات پر تقاریر کیں اور پھر رزلٹ سنایا گیا۔ اس سارے کام پر دو تین گھنٹے صرف ہوئے۔ اس دوران سٹیشن پر مرزا طاہر کا آپریشن مکمل ہو گیا۔

لوگ بتاتے ہیں ٹرین سرگودھا سے چلی تو مختلف سٹیشنوں سے حسب پروگرام مرزائی غنڈے چناب ایکسپریس میں سوار ہوتے گئے اور جب ٹرین ربوہ پہنچی تو مرزائی غنڈوں نے طلبہ کے ڈبے کو گھیرے میں لے لیا اور کمپارٹمنٹ میں داخل ہو کر انہیں پلیٹ فارم پر لا پھینکا۔ ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر مرزا عبدالسمیع نے سٹیشن پر گاڑی کو زیادہ سے زیادہ دیر روکے رکھا اور مرزائی غنڈے مرزا طاہر کی سرکردگی میں کام انجام دیتے رہے۔

نشتر کالج کے طلبہ پر جو تشدد کیا گیا، اس کی تفصیلات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ ربوہ کے ریلوے اسٹیشن کے کراسنگ پل پر حوریں اپنے شیر جوانوں کی ہمت بندھانے اور نہتے طلبہ کو انجام تک پہنچانے کے لئے رزمیہ شاعری کرتی رہیں۔

طلبہ کو ادھ موا کر کے گاڑی روانہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس روز مرزائیوں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی کہ انہوں نے ربوہ میں مسلمان طلبہ کو بدتمیزی کی سزا دے دی۔ ہم لوگ کالج سے نکلے تو سب سے پہلے مجھے میرے ایک کلاس فیلو عبدالحئی طاہر نے اس قصے سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج نشتر کالج کے غیر احمدی طلبہ کا حساب چکا دیا گیا ہے۔

ربوہ شہر میں ایک جشن کا سماں تھا۔ لیکن شام ہوتے ہی ساری خوشیوں کی بھی شام ہوگئی۔ پورے ملک میں اس واقعہ سے غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اگلے روز ہنگاموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جو مرزائیوں کو کافر قرار دینے پر ختم ہوا۔ مسلمانوں نے مرزائیوں کا بائیکاٹ کر دیا۔ ربوہ میں ٹرین اور بسیں رکنا بند ہو گئیں۔ سبزی، گوشت اور اشیائے صرف کی ترسیل رک گئی اور ربوہ ملک بھر سے کٹ کر رہ گیا۔ انتظامیہ نے اس واقعہ کو محض طلبہ کا جھگڑا قرار دے کر معاملہ

دبا دینے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں اس وقت کے جھنگ کے ایس. پی ملک یارن خان نے تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل چوہدری محمد علی سے مل کر کہا کہ ہوسٹل کے دو تین سولڑکے گرفتار کرا دیئے جائیں تا کہ وقتی طور پر ملک بھر کے ہنگاموں کو سرد کیا جاسکے۔ لیکن قدرت نے مرزائیوں کو انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ چوہدری محمد علی سے سنگین سیاسی غلطی ہوئی اور انہوں نے ہوسٹل کے طلبا کو گرفتار کرانے سے انکار کر دیا۔ ملک بھر میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبے زور شور سے ہو رہے تھے۔ انتظامیہ مرزائیوں کی گرفتاریوں کو یقینی بنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ جب ہوسٹل سے کوئی لڑکا نہ ملا تو ملک یارن خان نے ربوہ کے شہریوں اور کانداروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں بھی قدرت کا کمال ملاحظہ ہو۔ پولیس نے جن افراد کو گرفتار کیا، درحقیقت وہی سانحہ ربوہ کے مجرم تھے۔ پرنسپل کی اس روش پر مرزا طاہر اور مرزا ناصر بہت سیخ پا ہوئے۔ مگر اب چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ وہ پرنسپل کو ملازمت سے برطرف بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ۱۹۷۲ء میں تعلیمی ادارے قومیائے جانے کے بعد موصوف سرکاری ملازم تھے۔ بہرحال چوہدری محمد علی کی مرکز کی طرف سے کافی کلاس ہوئی۔

بعدازاں اس واقعہ کی تحقیق جسٹس کے.ایم صمدانی کی سربراہی میں تشکیل دیئے گئے ایک کمیشن نے کی۔ مرزا ناصر کو قومی اسمبلی میں علماء کے روبرو پیش کیا گیا۔ علماء کی بحثوں نے مرزا ناصر کے چھکے چھڑا دیئے۔ وہ پسینے سے شرابور ہو جاتے اور ایک ہی نشست میں سات سات گلاس پانی پی جاتے اور ساتھ اپنے دادا کو کوستے کہ اس کی کرنی انہیں بھرنی پڑ گئی ہے۔ علماء کی شبینہ روز کوششوں اور دلائل و براہین نے قومی اسمبلی کو اس بات پر قائل کر لیا کہ مرزائی کافر اور مرتد ہیں۔ لہٰذا انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو تاریخی فیصلہ ہوا جس کی بناء پر مرزائی کافر قرار دے دیے گئے۔ ربوہ کے مرزائیوں کی اکثریت مرزا طاہر کے اس سیاہ کارنامے کی بناء پر اسے کوستی کہ نہ وہ نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر حملہ کرواتے نہ انہیں یہ دن دیکھنا پڑتے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اس کی گمراہی کی سزا دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس میں بعض لوگوں سے کام لیتا ہے اور قوم قعر مذلت میں غرق ہو جاتی ہے۔ لیکن مرزا طاہر کی غنڈہ لابی نے لوگوں کے منفی اذہان کو کچھ مدت میں پھر اپنے موافق کر لیا۔ درحقیقت جعلی خاندان نبوت کے پاس اپنے جدامجد کی طرح بے شمار جھوٹے دلائل ہوتے ہیں۔ جن کے استعمال سے وہ مطلب براری کر لیتے ہیں۔

مذکورہ واقعے پر مرزا القمان اور مرزا طاہر کے درمیان بھی گہری ٹھن گئی تھی۔ لیکن

مرزا طاہر نے انتہائی شاطرانہ پالیسی اختیار کر کے مرزا لقمان کا غصہ سرد کر لیا اور اس کو اپنی بیٹی دے کر جملہ ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ پھر سسر داماد مل کر سیاہ کاریوں کو فروغ دینے میں مشغول ہو گئے۔

جب مرزا ناصر نے ایک ''نوخیز'' لڑکی سے شادی رچا کر عمر رفتہ کو صدا دی تو انہیں جہنم سے بلاوا آ گیا اور خلافت کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ پہلے تو خلافت کے لئے صرف خاندان نبوت میں نامزدگیاں اور میچ پڑا کرتے تھے۔ اس بار جماعت کے دیگر لوگوں میں شعور خلافت عود کر آیا اور شہری حلقوں میں سے کئی امیدوار میچ کھیلنے آ گئے۔ ان امیدواروں میں صوفی بشارت الرحمٰن قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کا موقف تھا کہ مرزائیت کے لئے خدمات اگر خلافت کا پیمانہ ہیں تو ہماری خدمات کسی بھی طالع آزما سے زیادہ ہیں۔ مگر مرزا طاہر کی لابی بہت تگڑی تھی۔ چنانچہ خلافت کی گیند خود بخود مرزا طاہر کی کورٹ میں جا پہنچی اور یوں صوفی بشارت الرحمٰن ہاتھ ملتے رہ گئے۔

خلیفہ بننے کے بعد بھی مرزا طاہر نے خوب پر پرزے نکالے۔ مرزائیت کو اقلیت قرار دیئے جانے والے سرکاری فیصلوں سے ٹکرانے کے لئے حکمت عملیاں تیار کی گئیں۔ ایک بار مرزا طاہر نے مسلمان علماء کو مناظرے کا چیلنج کر دیا۔ لیکن علمائے کرام نے اس کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے کہ: ''اے بدبخت زمانہ! مناظرہ تو مسلمان علماء کا مسالک پر ہوتا ہے۔ تمہارے ساتھ تو مباہلہ ہو سکتا ہے اور نکلو میدان میں مباہلہ کرو۔ مگر یہ شخص جھوٹا تھا اپنے دادا کی طرح گھر میں دبک کر بیٹھ گیا۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو مرزا طاہر کی تخریبی ذہنیت مسلمان علماء پر حملے کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہ بعد ازاں ایک رات لندن فرار ہو گیا۔''

اب مرزا طاہر احمد سیٹلائٹ پر ساری دنیا کے مرزائیوں سے خطاب کرتے ہوئے لیکن یہ بات نوشتہ دیوار بن چکی ہے کہ مرزا طاہر احمد اب کبھی ربوہ واپس نہیں آ سکیں گے۔ بلکہ لندن سے سیدھا جہنم جائیں گے۔ پاکستانی علماء کے خلاف زہر اگلنے والا یہ شخص سیٹلائٹ پر لاکھ خطاب کرے مگر اب انہیں ربوہ میں خطاب کرنے کا کبھی موقع نہیں ملے گا۔

مجھے میرے ایک جاننے والے نے ایک روز کہا: ''چلیں آپ کو ماڈل ٹاؤن لے چلیں۔'' میں نے پوچھا: ''کیوں؟'' کہنے لگا: ''آج حضرت مرزا طاہر ڈش پر جماعت سے خطاب کر رہے ہیں۔ آپ کو وہ سنوائیں گے۔'' میں نے کہا: ''انہیں ہمیں کچھ سنانے کی جرأت ہوتی تو وہ یہاں سے بھاگ کر لندن کیوں جاتے۔ ہم کسی بھی بھگوڑے اور خود پر خود ساختہ جلاوطنی کا لیبل لگانے والے جھوٹے شخص کی تقریر نہیں سنتے۔ اس پر مذکورہ صاحب کا لمبا سا منہ لٹک گیا۔''

طلسمی صندوق

میرے ذہن میں یہ سوال اکثر گردش کیا کرتا تھا کہ مرزائی قوم اتنی دولتمند کیوں ہے۔ اس کے خاندان نبوت کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی۔ حالانکہ مال وزر اہل نبوت کا خاصہ نہیں ہوتی۔ اس سوال کا جواب مجھے میرے کلاس فیلو عبدالسلام عمّی نے نہایت مفصل اور مدلل طریقے سے دیا۔ عمّی نہایت بے ضرر، کھرا اور مرزائی بے زار شخص تھا۔ اس کے والد ماسٹر یوسف پرائمری سکول کے ٹیچر تھے۔ بقول اس کے اسے احمدیت سے شدید نفرت تھی۔ لیکن والدین کی وجہ سے اس طوق کو گلے لگا رکھا تھا۔ اس کی بیزاری قدرت کو شاید اس قدر پسند تھی کہ بیچارہ عمّی ابھی جوانی کی دہلیز پر ہی تھا کہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ شخص مجھے مرزائیوں کے اسرار سے آگاہ کیا کرتا تھا۔ بہت سے سمجھ نہ آنے والے مرزائیت کے عقدے کھولنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

مرزائیوں کی اقتصادی خوشحالی کے بارے میں استفسار کرنے پر عمّی نے بتایا کہ کسی بھی مذہبی جماعت، سماجی اور سیاسی تنظیم کی کامیابی ٹھوس مالی بنیاد کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ مرزائی نبی اس کے خلفاء اور امت کے ''بڑوں'' نے دولت سمیٹنے کے لئے مختلف نظاموں اور پروگراموں پر مبنی ایک نیٹ ورک بنا رکھا ہے جس کے تحت وہ اپنی جماعت کے مظلوموں اور معصوموں کی جیبیں قتل بھی کرتے۔ مگر چرچا نہیں ہوتا۔ تاہم سب مرزائیوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ان کے کاشانہ نبوت میں دولت کے انبار کن کن کھیتوں اور کھلیانوں سے آتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کسی زمانے میں سیالکوٹ میں رجسٹری محرر تھے۔ انہیں زمین ہتھیانے اور اپنے نام لگانے کے جملہ گر آتے تھے پھر انگریز سے انہوں نے خلعت نبوت بھی تو حض مال وزر کے لئے حاصل کی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے وہاں کی ساری زمین لمبی مدت کے لئے پٹے پر حاصل کر لی اور پھر وہ زمین رہائشی پلاٹوں کی شکل میں اپنے ہی پیروکاروں میں فروخت کر کے قیمت حاصل کر لی۔ مگر زمین کے انتقال مرزائی خریداروں کے نام نہ کرائے گئے۔ یوں وہ رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جانے دی۔ دولت تو مرزا قادیانی کے گھر کی لونڈی اسی وقت بن گئی تھی جب انہوں نے انگریز کے کہنے پر کاشانہ رسالت میں نقب لگائی اور جھوٹے نبی بن بیٹھے۔ ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کے مرنے کے بعد یہ ساری دولت اور زمینیں نصرت جہاں کی اولاد کو مل گئیں۔ جب کہ ''پھجّا اور اس کی ماں نامراد ہی رہے۔'' مرزا محمود احمد اپنے باپ کے بھی باپ نکلے۔ جھوٹ، عیاری، عیاشی اور مکاری میں باپ کو بھی مات کر دیا۔ باپ مسیح موعود تھا تو بیٹا

مصلح موعود۔ باپ نبی تھا تو بیٹا خلیفہ۔ باپ لٹیرا تھا تو بیٹا راہزن تھا۔ بہرکیف قیام پاکستان کے بعد مرزائی نبی کی آل اور مرزائی امت جب بادل نخواستہ قادیان سے ربوہ آئے تو یہاں مرزا محمود نے باپ والی چالی چلی۔ پہلے تو اس نے قادیان کی جملہ زمینوں کے بدلے سندھ میں سونا اگلتی زمینیں کلیم کرالیں اور ان کو مختلف دیہات بنا کر اپنے بیٹوں کے نام لگادیا۔ عمّی کے بقول سندھ میں ناصر آباد، منصور آباد، مبارک آباد سمیت کئی ریلوے سٹیشن مرزائیوں کے نبی زادوں کے نام ہیں۔ ان زمینوں سے اگلنے والا سونا بھی مرزائی آل نبوت کی تجوریوں کو ہی بھرتا ہے۔

اس کے علاوہ مرزا محمود احمد نے ربوہ جس کا اصل نام ''چک ڈھگیاں'' ہے یہاں ۹۹ سال کے لئے غالباً ۱۰۳۴/۱ ایکڑ زمین ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے حاصل کرلی۔ یہ زمین بھی مرزائی امت کو فروخت کر کے اپنے مالی گھڑے بھر لئے گئے۔ مکان خریدنے کے باوجود زمین کا انتقال کبھی بھی خریدار کے نام نہیں کرایا گیا۔ یوں مرزا محمود احمد نے اپنی امت سے دھوکہ دہی کی بناء پر کروڑوں روپیہ کمالیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مرزائی خواہ کتنا ہی اس مذہب سے بے زار کیوں نہ ہو وہ صرف مکان کی خاطر ربوہ چھوڑنے کی جسارت نہیں کرتا۔

ربوہ میں مختلف ادارے بھی ہیں جو خودساختہ قوانین کے سہارے چل کر اپنی امت سے پیسے بٹورنے کے لئے حیلہ جوئی کرتے ہیں۔ ان اداروں اور دفاتر میں امور عامہ، تحریک جدید، فضل عمر فاؤنڈیشن، فضل عمر ہسپتال اور مجلس خدام احمدیہ شامل ہیں۔ یہ سب سونے کی مرغیاں ہیں جو مسلسل سونے کا انڈہ دے کر جماعت بڑوں کے خزانے بھرتی رہتی ہیں۔

عبدالسلام عمّی نے صرف فضل عمر ہسپتال کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ہسپتال درحقیقت ایک خیراتی ہسپتال ہے جس کی تعمیر لوگوں کے عطیات سے ہوئی ہے۔ ہسپتال کے ہر کمرے کے باہر نصب تختی یہ بتاتی ہے کہ اس کمرے کا خرچ کس نے دیا ہے۔ یہاں ادویہ لوگوں کے صدقات وخیرات سے آتی ہیں۔ انتہائی قیمتی آلات جماعت کے خون پسینے کی کمائی سے لائے گئے ہیں۔ لیکن علاج کی سہولیات ومراعات صرف ''بالا بلندوں اور منہ لگے'' لوگوں کو حاصل ہیں۔ جہاں تک غرباء کا تعلق ہے انہیں دوا ملے نہ ملے لیکن دھکے ضرور ملتے ہیں۔ ہسپتال کی باگ ڈور ''مرزا منور'' کے ہاتھ میں ہے۔ جن کی رسائی ہے ان کے وارے نیارے، نہیں تو جہنم میں گئے سارے۔

دیگر دفاتر میں بظاہر جماعت کے بے شمار لوگوں کو ملازمتیں حاصل ہیں۔ لیکن حقیقت دیکھی جائے تو ہر شخص اک عذاب سے دوچار ہے۔ جو جماعت کے لئے کام کر کے قلیل معاوضہ لیتا

ہے لیکن اس میں سے بھی ایک حصہ جماعت والوں کو دے دیتا ہے۔ یہ بات تو میرے اپنے مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ ہمارے ایک دوست کا بھائی تحریک جدید میں ملازم تھا۔ اس کی آمدن اس قدر قلیل تھی کہ اس کی بیوی دور افتادہ ایک گاؤں میں ملازمت کر کے بچوں کا پیٹ پالتی تھی۔ حالانکہ جس دور کی یہ باتیں ہیں خواتین کی ملازمت کا رواج بھی نہیں تھا۔

ٹاؤن کمیٹی ربوہ جس کی چونگیوں کے ٹھیکے اور دیگر معاملات پر بھی مرزائی جماعت کی اپنی گرفت تھی۔ مرزا انور اس کا کرتا دھرتا تھا اور مال کما رہا تھا۔ شہر کے گرد پھیلی ہوئی پہاڑیوں کی وسیع وعریض چادر کے تمام ٹھیکے مرزا ناصر کے بھائی مرزا رفیق کے پاس تھے۔ اس نے ان کو ''سب لیٹ'' کر رکھا تھا۔ لڑکے لڑکیوں کے سکول وکالج بھی دولت کے دریا تھے۔ یہاں طلبہ سے تو سرکاری نرخوں کے مطابق فیس لی جاتی تھی جب کہ اساتذہ کو بہت کم تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ جب تعلیمی ادارے قومیائے گئے تھے تو ان اداروں کے اساتذہ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

چندے جن کی کئی اقسام تھیں۔ وہ بھی مرزائی خاندان نبوت پر ''ہن'' برساتے اور اس ''شجر'' ممنوعہ کو شاداب رکھتے تھے۔ اطفال کا چندہ بچوں سے ناصرات کا چندہ لڑکیوں سے، خدام کا چندہ نوجوانوں سے۔ لجنہ اماء اللہ کا چندہ خواتین سے اور انصار اللہ کا چندہ بوڑھوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چندہ وصیت سمیت کئی چندے کالے قوانین کی طرح اس امت پر مسلط تھے اور انہیں گھن کی طرح چاٹ رہے تھے۔

جامعہ احمدیہ مرزائیوں کی ''مبلغ ساز'' فیکٹری تھی جس میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے تبلیغ کرنے والا خام مال تیار ہوتا تھا۔ جماعت کی خدمت کا جذبہ لے کر یہاں آنے والے مبلغ اپنی زندگی اور زر ادارے کی نذر کرتے اور اسے بخشش کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ جلد ہی انہیں اصل حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ مگر وہ اس کمبل کو چھوڑتے ہیں نہ ریچھ انہیں چھوڑتا ہے۔

جماعت کے تمام افراد جن کا کسی نہ کسی حوالے سے کوئی ذاتی کاروبار ہے۔ انہیں بھی آمدنی کا ایک حصہ بلا کسی حیل وحجت کے مرکز کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ بے شمار دکاندار، زمیندار، صنعت کار، فیکٹری مالک، ٹرانسپورٹر اور حکماء ڈاکٹر اپنی دولت پر لگے ہوئے مرزائیت کے جگے ٹیکس بڑی باقاعدگی سے جماعت کو دیا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد اور ان کی آل اولاد نے جماعت کو چندہ کی اہمیت اور افادیت سے اس قدر ہپناٹائز کر رکھا ہے کہ وہ چلتے پھرتے آتے جاتے سوتے جاگتے چندے کی ادائیگی کو ایک مسنون فعل قرار دیا کرتے ہیں۔ چندا ڈکشن کا یہ عالم تھا کہ ایک

دفعہ ایک مرزائی کو مسلمانوں نے قائل کرلیا کہ مرزا جھوٹا نبی ہے۔ لہٰذا اسے ماننا خدا اور اس کے رسول کے احکام سے انکار کے مترادف ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص مسلمان ہو جاتا مگر اس نے محض اس وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا کہ وہ مرزائیت چھوڑ کر چندہ کسے دے گا۔

میں نے سن رکھا تھا کہ مرزا ناصر قصر خلافت میں جس جگہ عام لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں وہاں ایک بڑا صندوق رکھا ہے۔ اسے یار لوگ ''طلسمی صندوق'' کہا کرتے تھے۔ ہفتے میں دو روز مرزا ناصر سے عام ملاقات ہوتی تھی۔ جس کے لئے پہلے سے وقت لیا جاتا تھا اور بعض اوقات تو باری بھی بڑی مشکل سے آتی تھی۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملاقات کے لئے آتے تو اس صندوق کا پیٹ بھرنے کے لئے دولت، قیمتی کپڑے اور تحائف، اجناس، خوشبویات اور دیگر عطیات جھولیاں بھر کر لاتے تھے۔ جب مجھے اپنے ابا جی کے ہمراہ قصر خلافت جانے کا موقع ملا تو میں نے وہ صندوق دیکھا جسے صدمے سہ کر صدقات دینے والے بھرتے تھے۔ لوگ آتے صرف ''السلام علیکم'' کہتے۔ دعا کی درخواست کرتے اور روپے، زیور، بانڈز اور اپنی متاع گراں اس صندق میں ڈال کر چلے جاتے۔ اس صندوق کی ساری آمدن صرف اور صرف مرزا ناصر احمد کی ہوا کرتی تھی۔ یہ سب تو آمدن کے جائز اور ظاہری ذرائع تھے جن سے مرزائیت پھل پھول رہی تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار ناجائز ذرائع بھی مرزائیت کو پال پوس رہے تھے۔

یہود و ہنود اور عیسائی اقوام مسلمانوں کی جس قدر دشمن ہیں اس حقیقت سے انکار اور فرار نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اسلام میں دراڑیں ڈالنے اور مسلمانوں کو ان کی مقصدیت سے دور کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا۔ انگریز نے اپنے خود کاشتہ پودے کو تناور درخت بنانے اور زندگی بھر ہرا بھرا رکھنے کے لئے ہمیشہ آب زر سے اس کی آبیاری کی۔ اس کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے آج بھی اسرائیل اسے دولت کی کھاد فراہم کرتا ہے۔ بہت سے غریب اور بے زار مرزائی تب بھی اور آج بھی اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ مرزائیت عالمی قوتوں کی مضبوط کردہ جماعت ہے۔ ورنہ اس کی ذاتی، مذہبی اور سماجی طور پر کوئی حیثیت نہیں۔ ایک مرزائی کلاس فیلو نے مجھے ایک بار بتایا کہ اگر سارے احمدی ہمت کر کے جماعت کو چندے دینا بند کردیں جو جگا ٹیکس کے طور پر وصول کئے جاتے ہیں، مرزائی جماعت کی سانس بند ہو جائے۔ چندوں کا آکسیجن نے ہی درحقیقت اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں۔ مرزائی نبی اور خلفاء نے یہ نظام اس مضبوطی سے چلایا ہے کہ اس کو توڑنا خاصا مشکل کام ہے۔ لیکن وقت کی ضربیں خود بخود اسے کمزور کررہی ہیں۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ ربوہ میں چندہ دینے والے غریب، وصول کرنے والے درماندہ وپسماندہ جب کہ چندہ جن کے لئے لیا جاتا ہے، وہ مضبوط اہل ثروت اور حکمران ہیں۔ ستم ظریفی کا یہ عالم ہے کہ اپنے ہی دیئے چندوں میں سے مرزائی مستحقین کو جب صدقات وخیرات ملتے ہیں تو وہ قسمت کے مارے اس بات پر نازاں ہوتے ہیں کہ ان کا ''خاندان نبوت'' ان کی مالی امداد کر رہا ہے۔

کوتوال شہر

''پتا پہ پوت اور نسل پر گھوڑا بہت نہیں تو ضرور تھوڑا'' والی مثال کے مطابق مرزا ناصر کا بیٹا لقمان اپنے باپ بلکہ دادا مرزا محمود احمد کے خصائل کا مکمل پرتو تھا۔ چھٹی جماعت میں یہ ہمارے ساتھ پڑھتا تھا۔ مسلمان کیا اپنے جیسے مرزائیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اگر بھولے سے کسی امتی کے ساتھ ہاتھ ملا لیتا تو وہ مرزائی اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوتے ہوئے گھنٹوں کبھی خود کو کبھی اپنے ہاتھ کو دیکھتا رہتا تھا۔ ایک بدمعاش بچپن میں جو ''کچھ'' ہوتا ہے مرزا لقمان ان حقائق کا عین عکاس تھا۔ فرعونی خصوصیات، یزیدی اوصاف مرزا لقمان کی شخصیت کا جزو لاینفک تھے۔ کتے پالنا، گھوڑے رکھنا، چادر اور چاردیواری کے تقدس کو پامال کر کے اپنی جنسیت کی تسکین کرنا اس شخص کی زندگی کے لوازم تھے۔ شرفاء کی لاج کو مرزا لقمان نے لچوں کا قہقہہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

جن لوگوں نے مرزا محمود احمد کی جوانی دیکھی، ان کا کہنا تھا کہ مرزا لقمان کے سارے چلن اپنے دادا جیسے تھے۔ جس طرح موصوف اپنی تخریبی چالوں سے فتوحات حاصل کرنے کے خوگر تھے۔ اسی طرح لقمان بھی تخریبی کارروائی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ طالب علم رہنما رفیق باجوہ نے مرزائیت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا تو مرزا لقمان نے اس کو ختم کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ اس کی تلاش میں رفیق باجوہ کے باپردہ گھرانے میں داخل ہوکر چادر اور چاردیواری کے تقدس کی دھجیاں اڑا دیں۔

مرزا محمود احمد کی طرح مرزا لقمان بھی امت کی جس حور شمائل کو چاہتا، قصر خلافت بلا لیتا اور اپنے دادا کی سنت ادا کر لیتا تھا۔ شہر کے غنڈوں کی ایک فوج مرزا لقمان کے اشارے پر ہر جرم کرنے پر آمادہ رہتی تھی اور اس بے مہار فوج کا یہ سپہ سالار کرائے کے بازوؤں سے اپنے مقاصد حاصل کر لیا کرتا تھا۔

مرزا ناصر بھی اپنے اس سپوت سے ڈرتے تھے۔ مرزا لقمان کے بڑے بھائی

مرزا فرید نے ایک مرزائی خاندان کی لڑکی اغواء کرلی تو مرزا ناصر نے امت اور لڑکی کے والدین کی اشک شوئی کے لئے مرزا فرید کو ربوہ بدر کر دیا۔ جب کہ مرزا لقمان ایسے کئی کارنامے انجام دینے کے باوجود ہر گرفت سے بالا تھا۔ ربوہ میں بدمعاشوں اور قبضہ گروپ کے کئی دھڑے تھے۔ جن کی پشت پناہی مرزا انور چیئرمین ٹاؤن کمیٹی اور مرزا طاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مرزا لقمان نے جوانی میں قدم رکھا ہر بدمعاش اس کے ساتھ وابستہ ہوگیا تھا۔ جماعت اور جھوٹی نبوت کے خاندان کے قواعد واحکام سے سرتابی کرنے والوں کے لئے عقوبت خانے اور ٹارچر سیلز قائم تھے۔ جن کی سربراہی بھی مرزا لقمان ہی کیا کرتا تھا۔

شہر میں نوجوانوں کی مختلف ٹولیاں رات کو پہرہ دیا کرتی تھیں۔ ان کی تشکیل بھی مرزا لقمان کے دائرہ اختیار میں تھی۔ انہی گروہوں سے کئی افراد چوری کی وارداتوں میں ملوث ہوا کرتے تھے۔ ایسے تمام چور بھی خلیفہ زادے کے پروردہ تھے۔ ربوہ والے اپنے ساتھ ہونے والے کسی ظلم وزیادتی کی اطلاع پولیس کو نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ مرزائی مرکز کی خود ساختہ امور عامہ سے دادرسی حاصل کرلی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص پولیس کے پاس جانے کی کوشش کرتا تو اسے نہ صرف مرکز کے انصاف بلکہ جماعت سے بھی محروم ہونا پڑتا تھا۔ مرزا لقمان ربوہ کے نام نہاد نظام انصاف کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔

چودہ سو سال قبل عرب کا معاشرہ جس اخلاقی انحطاط کا شکار تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات نے حضرت نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر معاشرے میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔ لیکن قادیان کے جھوٹے پیغمبر کے دعویٰ نبوت کے بعد اخلاقی لحاظ سے ایک ایسے پست معاشرے نے جنم لیا جس کی اصلاح عبث ہوچکی ہے۔ مرزائی خلیفہ وقت کی دورخی پالیسی کا یہ عالم تھا کہ اغواء کے کیس میں ملوث مرزا فرید کو شہر بدر تو کر دیا گیا۔ مگر اسے یہ سہولت بھی دے دی گئی کہ وہ جب چاہے ربوہ آسکتا تھا۔ جس خاندان کی لڑکی اغوا ہوئی تھی وہ مرزا فرید کو ربوہ میں دیکھتا تو خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ مگر مرزا لقمان کے خوف سے ان میں دم مارنے کی بھی مجال نہیں تھی۔

ربوہ میں ''قدمے، چھدے، جگے، بشیر بلے، مقصودے پٹھان اور لطیف ننھے'' جیسے ناموں سے موسوم بدمعاشوں کے کئی دھڑے تھے۔ ان گروپوں کی آپس میں لڑائی اور پھر ان میں فیصلہ کر کے اپنی چوہدراہٹ قائم رکھنے کے لئے مرزائی خاندان نبوت نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کا اصول بنا رکھا تھا۔ ابتدائی صفحات میں ایک پٹھان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بدمعاشوں کے

گروہوں میں مقصودا پٹھان گروپ کا مقصود خان اور اسی کا بیٹا تھا جب کہ اس کے دیگر دو بھائی رفیقا پٹھان اور فاروقا پٹھان بھی اپنے بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہروقت اپنے خلیفہ زادے کے حکم کے غلام رہتے تھے۔

مقصود پٹھان وغیرہ بے شک مرزائیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے، مگر جب سے ان کے ماں باپ مرزائیت سے متنفر ہوئے، ان کے دل میں بھی جھوٹی نبوت کے دعویداروں کے خلاف گرہ پڑگئی تھی۔ مرزا انور نے ایک بار مقصودے پٹھان کو غنڈہ گردی کا کوئی معرکہ سرانجام دینے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ ایسی حکم عدولی کہاں برداشت کی جاسکتی تھی۔ بس پھر کیا تھا، مرزا لقمان، مرزا طاہر اور مرزا انور نے آپس میں سر جوڑ لیے اور مقصودے پٹھان اور اس کے بھائیوں کو سبق سکھانے اور ٹھکانے لگانے کے لئے بدمعاشوں کے کئی گروپوں کو پٹھان بھائیوں کے پیچھے لگا دیا گیا۔ ان پر کئی بار حملے کرائے گئے۔ ایک بار مرزا انور کی سرکردگی میں مقصودے کے گھر پر زبردست حملے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مقصودا پٹھان نہایت سخت گیر انسان تھا کہ ایک بار اس کے پالتو کتوں میں سے ایک نے فریج کا دروازہ کھول کر گوشت نکالا اور کھالیا۔ اس پر مقصودے کو اتنا شدید غصہ آیا کہ اس نے کتے کو چاروں ٹانگوں سے پکڑ کر دیوار کے ساتھ اس زور سے مارا کہ اس کا بھیجا نکل کر دور جا گرا۔ پھر اس کتے کو درخت سے لٹکا دیا تاکہ دوسرے کتوں کو سبق حاصل ہو اور وہ ایسی حرکت نہ کرسکیں۔

ایسے مزاج کے شخص سے کسی بھی سلوک کی توقع کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ پٹھان بھائیوں کو جب مرزائی حملے کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی تیاری کر لی اور گھر کے اندر سے جوابی حملہ کا پروگرام بنایا۔ مرزا لقمان، مرزا انور اور مرزا طاہر کی غنڈہ فوج شام ڈھلے پٹھانوں کے گھر کی طرف بڑھی۔ تینوں بھائی گھر سے باہر آنے لگے تو ان کی ماں نے انہیں روک دیا اور کہا کہ اس بار وہ اس جھوٹے خاندان نبوت کا مقابلہ خود کرے گی۔ جس کی مدت سے وہ پیروکار رہی اور جن پر میری وجہ سے تمہارا باپ بھی ایمان لے آیا۔ بہادر خاتون بندوق لے کر چھت پر چڑھ گئی اور اس سے پہلے کہ حملہ آور فائرنگ کرتے اس نے نشانہ لے کر گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ مرزائی سالار اور ان کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کے دو تین افراد شدید زخمی ہوئے۔ جنہیں حملہ آور وہیں چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسی رات پٹھان بھائیوں کا باپ ہمارے ہاں آیا اور ابا جی سے کہا: ”صوفی صاحب! آج تمہارا بھابھی نے مرزائی تابوت میں کیل ٹھوکنے کا آغاز کر دیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اس

خاندان نے ربوہ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر چارسدہ چلے گئے۔‘‘

محمد علی پھل فروش گول بازار میں پھلوں کی ریڑھی لگایا کرتا تھا۔ یہ شخص قصر خلافت کے ان پرانے ملازموں میں سے تھا جو اندر کے بھید اور خاصے کی بات جانتے تھے۔ نہ جانے اس شخص سے کیا خطا ہوئی جس کی بناء پر اسے قصر خلافت کی خدمت سے الگ کر دیا گیا۔ محمد علی نے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے گول بازار میں ریڑھی لگالی۔ لیکن جھوٹے خاندان نبوت پر یہ خوف سوار رہنے لگا کہ محمد علی کہیں ان کے اندر کے راز افشانہ کردے۔ یہ خوف بالآخر محمد علی کے قتل پر منتج ہوا۔ اسے کسی نامعلوم شخص نے قتل کر کے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے قریب پہاڑی کے ساتھ عیسائیوں کی بستی میں پھینک دیا۔ مقتول کے لواحقین کے اصرار کے باوجود مرزائی ارباب حل وعقد نے یہ کیس پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے نام نہاد تھانیدار عزیز بھانبڑی کے حوالے کر دیا۔ لیکن جب دباؤ بڑھا تو مجبوراً یہ مقدمہ پولیس کو دینا پڑا۔ تاہم مرزائیوں نے یہ قتل عیسائیوں پر ڈال دیا۔ جب پولیس نے عیسائیوں کو پکڑا اور تھانے میں مارا پیٹا تو ربوہ بھر کے تمام خاکروبوں نے احتجاجاً ہڑتال کر دی۔ دو تین دن کوڑا کرکٹ اٹھانے جب کوئی نہ آیا تو تعفن نے مرزائی امت اور اس کے آقاؤں کی عقل ٹھکانے لگادی۔ انہوں نے پولیس کے حکام بالا کی مٹھی اور جیب گرم کر کے عیسائی چھڑا لئے اور یوں محمد علی کا پراسرار قتل داخل دفتر کرا دیا گیا۔ اس قتل کے محرکات کیا تھے، اندر کے لوگ جب دبے دبے الفاظ میں سرگوشیاں کرتے تو کئی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔ کہنے والوں کا کہنا تھا کہ محمد علی قصر خلافت کے خواتین و حضرات کے بہت سے رازوں سے واقف تھا۔ ایک بار اس نے اپنے کسی ساتھی ملازم سے یہ بات کہہ دی کہ اسے جب بھی موقع ملا وہ قصر خلافت اور مرزائیت چھوڑ دے گا اور جھوٹے خاندان نبوت کی کہانیاں عام کر دے گا۔ یہ بات مذہبی وڈیروں کو پتہ چلی تو انہوں نے محمد علی سے اس کا روزگار، مکان اور بیوی بچے چھین لینے کی دھمکی دی۔ جس پر اس نے جواباً للکارا کہ وہ بھی اندر کے راز ساری امت میں پھیلا دے گا۔ بعد میں اسے قصر خلافت سے نکالتے وقت یہ سمجھوتہ ہوا کہ خاندان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب کہ محمد علی بھی اپنی زبان بند رکھے گا۔ محمد علی نے کچھ عرصہ تو زبان بند رکھی مگر مرزائیوں کی سی.آئی.ڈی کو معلوم ہوا کہ محمد علی وقتاً فوقتاً خاندان والوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ربوہ میں خاندان کا لفظ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے خانوادہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ مرزائی ظالموں نے محمد علی کو قتل کرادیا۔ شہر میں اکثر واقف حال لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی ماہر کھوجی محمد

علی کے قتل کا کھوج لگائے تو ’’کھرا‘‘ مرزالقمان کے گھر جانکلے۔

یہ مرزالقمان کے قول وعمل کا اثر تھا یا مرزاغلام احمد قادیانی کی تعلیم کی کرامت تھی کہ ربوہ میں عام لڑکے بھی معمولی معمولی باتوں پر اتنی لمبی لڑائیاں کرتے جو کئی کئی ہفتوں اور مہینوں پر محیط ہو جاتیں اور فریقین موقع ملتے ہی مخالف پر حملہ کردیا کرتے تھے۔ سکول سے چھٹی کے بعد عموماً لڑکے گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور مخالف فریق کو آتے ہی اپنی زد میں لے لیتے۔ لوہے کے ’’مکے اور چاقو‘‘ عام سے عام لڑکے کی جیب میں ہوا کرتے تھے۔

ہمارے ساتھ ایک لڑکا نعیم شاہ پڑھتا تھا۔ اس کی لڑائیاں اکثر چلتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ اس کے ایک دشمن نے جو اسی جیسا مرزائی تھا، اس کے سر میں چاقو مار دیا۔ اگر مرزائی لڑکے یہ لڑائیاں مسلمانوں یا کسی غیر مذہب کے لوگوں سے لڑتے تو اس کی سمجھ بھی آتی۔ مگر ان کے لوہے کے مکے اور چاقو تو اپنے جیسے مرزائیوں پر ہی چلا کرتے تھے۔ اس صورتحال پر کئی متاثرین مرزائیوں کا یہ تبصرہ ہوتا تھا کہ مرزاطاہر، مرزاانور اور مرزالقمان اپنی چوہدراہٹ قائم رکھنے کے لئے اپنی امت کے لوگوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے اور پٹواتے رہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی عام لوگوں کے بچے بھی ’’ایڈونچرز‘‘ بننے کے شوق میں عام سطح پر محاذ کھول لیتے تھے۔ اکثر والدین کو اس وقت سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا جب ان کا بچہ سکول سے واپس آتا تو اس کا گریبان چاک اور ناک وسر لہولہان ہوتے تھے۔

ہماری کلاس میں رشید جوئیہ اور شریف شریفی دولڑکے پڑھتے تھے۔ دونوں میں کسی بات پر لڑائی ہوگئی۔ چھٹی کے بعد راستے میں دونوں میں مادروخواہر کی مغلظات کے تبادلے ہوئے اور شریفی نے ایک پتھر رشید جوئیہ کو دے مارا جو اس کی آنکھ کے عین اوپر لگا اور خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ ایسی باتوں کا سدباب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا کہ اگلے روز متاثرہ لڑکوں کے والدین سکول آتے، شکایت کرتے۔ اساتذہ انہیں یقین دہانی کراتے کہ آئندہ انہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اگر بات زیادہ بڑھ جاتی تو ہیڈ ماسٹر صاحب جارح فریق یا لڑکے کو چھ چھڑیاں لگادیتے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ ربوہ کے سکول میں چھ چھڑیاں بہت بڑی اور سنگین سزا ہوا کرتی تھی۔

مرزالقمان کے بعد ربوہ میں اگر کسی کا راج تھا تو وہ عزیز بھانبڑی تھا یہ ہمارے سکول ٹیچر مولوی ابراہیم بھانبڑی کا بھائی اور اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سرکردہ آفیسر منیر احمد بھانبڑی کا سسر تھا۔ عزیز بھانبڑی نہ صرف مرزالقمان کے عقوبت خانوں اور ٹارچر سیلز کی نگرانی کرتا بلکہ اس کے اپنے بھی تشدد گھر تھے۔ جرم وخطا اور تعزیروسزا کو جانچنے کا اس شخص کا اپنا ہی معیار تھا۔ ستم پے یہ

خوش، کبھی لطف وکرم پر رنجیدہ، کے فلسفے کے مطابق کسی کو معمولی سی بات پر دھن کر کے رکھ دیتا اور کسی کو بڑے سے بڑے جرم پر بھی معافی دے دیتا تھا۔ لڑکوں کے سر پر ٹوپی نہ ہوتی تو انہیں چھڑیوں سے مارتا، کسی کے بال بڑھے ہوتے یا قلمیں لمبی ہوتیں تو سرعام بال کاٹ دیتا تھا...... اسے دیکھ کر مرزائی لڑکوں کی سٹی گم ہوجاتی تھی۔ اسے مرکز کی طرف سے اچھی رہائش اور بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ کہنے والے کہتے تھے کہ یہ سب کچھ محض اس وجہ سے ہے کہ عزیز بھانبڑی ''خاندان'' والوں کا بھیدی ہے اور اس ڈر سے کہ کسی وقت کوئی لنکا نہ ڈھادے، وہ لوگ اس کو ہمیشہ خوش رکھا کرتے تھے۔

واقفان حال کا کہنا ہے کہ محمد علی پھل فروش کی زبان بندی کے لئے بھی عزیز بھانبڑی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ لیکن مقتول اپنی ضد پر اڑا رہا تو اسے ٹھکانے لگانے میں بھی عزیز بھانبڑی نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہ کوتوال شہر دوپہر ڈھلتے سائیکل پر سوار ہوکر پورے شہر کا گشت کیا کرتا تھا۔

مرزائی اکابرین کی ''ذاتی'' بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ربوہ کے باغی نوجوانوں نے رابعہ انقلابی کے نام سے ایک گروہ بنایا اور رابعہ انقلابی کے نام سے مرزا ناصر کو خط لکھا کہ وہ اپنے لاؤلشکر سمیت ربوہ فتح کرنے آرہی ہے۔ بس پھر کیا تھا، خوف کی ایک لہر نے ''خاندان'' کے ہر مرد کو چوڑیاں پہن کر قصر خلافت میں چھپ جانے پر مجبور کر دیا۔ جب کہ ''امت'' کے نوجوانوں کو قصر خلافت اور شہر کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔ شہر کے داخلی راستوں پر موجود پہرے دار شہر میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تلاشی لیتے اور کسی اجنبی کو ربوہ میں نہ آنے دیتے۔

یہ صورتحال ایک دو ماہ قائم رہی۔ مگر مرزائی قوم اور اس کے سالار ایک بار تو خوف سے لرز گئے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ تنویر فوٹو سٹوڈیو کے مالک احمد زمان کے ساتھ پیش آیا۔ یہ لوگ لاری اڈا کے پاس پہرہ دے رہے تھے کہ خواتین کا ایک گروپ شہر میں داخل ہوا۔ ان لوگوں نے حسب معمول انہیں پرسش کئے بغیر ہی شہر میں جانے دیا۔ مرکز کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو فوٹو گرافر اور اس کے ساتھیوں کو قصر خلافت طلب کر کے پوچھا گیا کہ مذکورہ خواتین کو تلاشی کے بغیر کیوں جانے دیا گیا ہے؟ تنویر نے مرزا ناصر کو بتایا کہ خواتین کو نہ روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ''خاندان'' کی عورتیں تھیں۔ اس پر سوال کیا گیا کہ ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ خاندان کی عورتیں تھیں۔'' تنویر نے جواب دیا: ''آنکھوں سے کیونکہ ایسی آنکھیں صرف خاندان والوں کی ہی ہوسکتی تھیں۔'' اس معنی خیز جواب نے مرزا ناصر کو چپ کرادیا۔

منافقت کے چکنے چکنے پات

یہ حقیقت ہر شخص جانتا ہے کہ ملک کی تمام کلیدی آسامیوں پر آج بھی مرزائی براجمان ہیں اور جن دنوں کے حقائق یہاں رقم ہیں تب تو ملک بھر میں مرزائی راج تھا۔ ہر محکمے کی بڑی بڑی کرسی مرزائیوں کے قبضے میں تھی۔ یہ اتفاق کی بات نہیں بلکہ مرزائی نبی اور اس کے خلفاء کی منظّم منصوبہ بندی تھی کہ ملک کے اعلیٰ اداروں کی اعلیٰ آسامیوں پر ان کا قبضہ رہے۔ انہی حقائق کے پیش نظر مسلمان کیا مرزائی بھی نوکریوں کے لئے مرزائی خاندان نبوت کے پیچھے مارے مارے پھرتے تھے۔

ہم لوگ ربوہ آئے تو بھیرہ سے ہمارا ہر جاننے والا نوکری کے لئے اباجی کے پاس آتا۔ ان کی مدد کے لئے وہ مرزا منصور، مرزا طاہر، میر داؤد، مرزا مبارک، مرزا منور اور بعض اوقات مرزا ناصر سے رابطہ کر کے انہیں سفارشی خطوط لے دیا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بھیرہ کے ایک صاحب ’’اعجاز احمد‘‘ اور ’’عبدالرحمٰن مانا‘‘ کو ہفتوں ربوہ ہمارے گھر قیام کرنا پڑا۔ جلسہ سالانہ پر تو لوگ ہمارے ہاں ڈیرے ڈال لیا کرتے تھے۔ مرزائی اکابرین ملازمت کے لئے سفارشی خطوط تو دے دیتے لیکن ہر سائل یہ شکایت کرتا کہ متعلقہ حکام مرزائی ہونے کے باوجود اپنے اکابرین کے خطوط کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ اتنی مؤثر سفارش کے باوجود لوگوں کو نوکری نہیں ملتی تھی۔ آخرکار یہ عقدہ بھی ایک مرزائی شہری نے حل کر دیا اور اباجی کو بتایا: ’’مرزائی نبوت زادے اپنی امت کے لئے تو جو سفارش کرتے ہیں وہ ایک نمبر ہوتی ہے جب کہ مسلمانوں کے لئے کی جانے والی سفارش دو نمبر ہوتی ہے...... یعنی ان کے سفارشی خطوط پر ایک مخصوص علامت ڈال دی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ٹال دیا جائے نوکری نہ دی جائے۔‘‘

ہمارے ایک رشتہ دار محمد عمر انجم مرحوم کو ڈی سی آفس لاہور میں ملازمت درکار تھی۔ سابق وفاقی وزیر اور سیکرٹری ایف کے بندیال ان دنوں لاہور کے ڈپٹی کمشنر ہوا کرتے تھے۔ بندیال صاحب اگرچہ اباجی کے منہ بولے بیٹے بنے ہوئے تھے اور ان سے کام کے لئے کسی سفارش کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم ’’سخت کمپٹیشن‘‘ کی بناء پر محمد عمر انجم مصر تھے کہ بندیال صاحب کو مرزا طاہر سے سفارش کرائی جائے۔ کیونکہ وہ ان کے کلاس فیلو تھے۔ چنانچہ مرزا طاہر سے بات کی گئی تو وہ فوراً مان گئے۔ مگر اباجی نے کہا:

’’میاں صاحب! سفارش کرنا مگر وہ والی نہ کرنا۔‘‘

’’وہ والی کون سی صوفی صاحب؟‘‘ مرزا طاہر نے پوچھا۔

’’وہی دو نمبر سفارش یعنی ٹال دو، نوکری مت دو۔‘‘ ابا جی نے برملا کہا۔

’’اوہو! آپ کو یہ سب کس نے بتادیا۔‘‘ مرزا طاہر نے حیران ہوکر کہا۔

ابا جی نے کہا: ’’صاف ظاہر ہے ایسی لنکا تو کوئی گھر کا بھیدی ہی ڈھا سکتا ہے۔ آپ کے کسی امتی نے ہی بتایا ہوگا۔ بہرحال دو نمبر سفارشی خط نہ دینا۔‘‘ اس پر مرزا طاہر نے ’’خالص خط‘‘ بندیال صاحب کے نام دیا تاہم بندیال صاحب ابا جی سے ناراض ہوئے کہ جب ہمارے براہ راست تعلقات تھے تو مرزا طاہر سے سفارش کی کیا ضرورت تھی؟

ایک بار ایک اور شخص نے ابا جی سے آکر گلہ کیا کہ مرزا منصور کی دی ہوئی سفارشی چٹھی سے اس کا کام نہیں ہوا۔ ابا جی نے تو جاکر مرزا منصور کی خوب خبر لی جس پر اس نے کہا:

پیر جی! آپ ناراض نہ ہوا کریں۔ اب آپ ہمارے بھیدی ہوگئے ہیں۔ آئندہ آپ کو ’’دو نمبر‘‘ سفارشی خط نہیں دیا جائے گا۔

ہمارا بیلدار متھیلا بڑا دبنگ اور نڈر مسلمان تھا۔ اس کو مرزائیوں سے متھا لگانے کا بڑا شوق تھا۔ ایک بار اس نے ایم ایم احمد کے بھائی مرزا مجید احمد سے اپنے کسی عزیز کے کام کے لئے سفارشی چٹھی لی، جو دو نمبر تھی۔ چنانچہ اس کا کام نہ ہوا۔ اس دوران مرزا مجید نے متھیلا کو کسی کام کے لئے بلا بھیجا۔ متھیلا نے اس کے ملازم سے کہا۔ میں سرکاری ملازم ہوں، کام باری سے کرتا ہوں، آج احمد نگر کے مہر عیسیٰ کی باری ہے۔ اس کا کام کرکے آؤں گا۔

چنانچہ جب متھیلا مرزا مجید کے گھر گیا تو وہ غصے سے بھرے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے: ’’مسٹر متھیلا! تمہیں معلوم نہیں ہم نے تمہیں بلایا تھا۔‘‘ متھیلا نے کہا: ’’معلوم ہے تبھی تو آیا ہوں۔ مگر ایک بات یاد رکھیں مجھے تم کی بجائے آپ کہیں ورنہ میں بھی اسی طرز تکلم میں بات کروں گا۔‘‘

’’میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔‘‘ مرزا مجید دھاڑے۔

’’میں سرکاری ملازم ہوں تمہارا غلام نہیں۔ تم رپورٹ کروگے میں استعفیٰ دے دوں گا۔ رازق اللہ ہے۔ تنخواہ حکومت دیتی ہے، تم نہیں۔ میں تمہارے جھوٹے نبی کی امت نہیں جو تمہارے زیربار ہوں۔‘‘

متھیلا نے جواب دیا تو مرزا مجید نے اسے احسان فراموش کہہ دیا۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ متھیلا تو بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔ ’’احسان فراموش ہم ہیں یا تم، ہم سرکاری ملازم ہونے کے باوجود

دیانتداری سے تم لوگوں کا کام کردیتے ہیں۔تم نے ایک سفارشی رقعہ دیا تو وہ بھی دو نمبر نکلا۔جس سے کام بھی نہیں ہوا اور تم احسان نہ جانے کس بات کا جتلا رہے ہو۔‘‘

متھیلا مرزا مجید کی خوب بے عزتی کر کے واپس آ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ رپورٹ کرتا متھیلا نے خود ہی استعفیٰ دے دیا۔ اباجی نے اس پر مرزا ناصر کو لکھا: ’’آپ کے خاندان والے ہمارے سرکاری ملازموں کو تنگ کرتے ہیں۔آج مرزا مجید نے متھیلا کے خلاف کارروائی کی دھمکی دی ہے تو کل لامحالہ وہ ہمارے خلاف بھی اقدام کریں گے۔یہ طرزعمل درست نہیں۔اس طرح کام نہیں چلے گا۔متھیلا نے مرزا مجید کے غلط رویے کے باعث استعفیٰ دے دیا ہے۔لہٰذا اس سے معذرت کی جائے اور اسے استعفیٰ واپس لینے کے لئے کہا جائے۔‘‘

یہ لکھنے کی دیر تھی مرزا ناصر نے فوری ایکشن لیا اور بالآخر مرزا مجید کو متھیلا سے معافی مانگنا پڑی۔

ایک بار متھیلا رات کے وقت لالیاں سے ربوہ آیا تو شہر میں خدام الاحمدیہ کی ایک گشتی ٹیم نے اسے گھیر لیا اور پوچھا تم کون ہو۔متھیلا نے جواب دیا: ’’مسلمان۔‘‘ ٹیم نے سوال کیا: ’’مسلمان تو ہو لیکن احمدی بھی ہو کے نہیں۔‘‘ متھیلا نے برجستہ کہا: ’’ہاں احمدی ہوں۔مگر مرزائی نہیں، اپنے سچے نبی کالی کملی والے کا غلام ہوں۔‘‘

اس پر ان لوگوں نے کہا: ’’اسے جانے دو، لگتا ہے یہ غیراحمدی ہے۔‘‘ متھیلا سے نہ رہا گیا۔فوراً جواب دیا۔ ’’جس مرزے کو مان کر تم خود کو احمدی کہتے ہو، میں واقعی اس کو نہیں مانتا۔‘‘

شہر میں پوش علاقے کے باسیوں کے لئے نواحی گاؤں ’’چھنی‘‘ سے پانی لایا جاتا تھا۔ لیکن لائن کے اس پار کے باسی جن کے ہاں میٹھا مگر پیٹ درد کرنے والا پانی آتا تھا۔اس میٹھے پانی کی سہولت سے محروم تھے جو ’’آل نبوت‘‘ کو میسر تھی۔چنانچہ انہیں ناقص پانی پینے سے پیٹ کا مروڑ، مروڑ کر رکھ دیتا تھا۔

غرباء پر چندہ کی جو آفت ’’مرزائی امت‘‘ کی طرف سے مسلط ہے اس کا تذکرہ اس سے پہلے کئی بار کیا جا چکا ہے۔ہمارے پڑوس میں چچا محمد حسین ایک بیمار اور لاچار شخص رہتا تھا۔اس کی بیوی گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لئے مختلف گھروں کا کام کرتی تھی۔مگر ان غریبوں کے لئے بھی چندہ دینا لازمی تھا۔اس کی زبوں حالی دیکھ کر اباجی سے رہا نہ گیا، وہ اسے لے کر مرزا منصور کے پاس گئے اور کہا: ’’ظالمو! دیکھو یہ شخص کچھ کام نہیں سکتا۔لیکن تم لوگوں کو پالنے کے لئے چندہ باقاعدگی سے دیتا ہے۔کچھ تو خوف خدا کرو۔‘‘

مرزا منصور مروتاً خاموش رہے اور ابا جی سے کہا۔ ہم محمد حسین کے لئے وظیفے کا انتظام کردیتے ہیں۔ چنانچہ اسے کمرے میں طلب کیا گیا۔ خوف کے مارے محمد حسین تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مرزا منصور کا اس کے ساتھ طرز تخاطب ایسا تھا جیسا راعی کا رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔

’’کیا کام کرتے ہو تم۔‘‘

’’جی جی، بیمار ہوں کوئی کام نہیں کرسکتا۔‘‘ محمد حسین گڑ گڑایا۔

’’پھر گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟‘‘ مرزا منصور نے پوچھا۔

’’حضور! میری بیوی محنت مزدوری کرتی ہے۔‘‘ محمد حسین نے عرض کیا۔

’’اپنا علاج کراؤ اور ٹھیک ہوکر کچھ کام کرو، کام کے بغیر کیسے زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ کتنے پیسوں میں تمہارا گزارا چل جائے گا۔‘‘ مرزا منصور نے شاہانہ انداز میں پوچھا۔

’’حضور، خود جیسا پسند کریں۔‘‘ محمد حسین نے التجا کی۔

پھر مرزا منصور نے ابا جی سے کہا: ’’پیر جی آپ فکر نہ کریں اسی کا اسی ہفتے ۸۰ روپے ماہوار وظیفہ شروع کردیا جائے گا۔‘‘

محمد حسین کا ۸۰ روپے ماہوار وظیفہ تو شروع ہوگیا مگر اس کے باوجود اسے چندہ معاف نہ ہوا۔ ہمارا ایک کلاس فیلو سلیمان ایک مزدور کا بیٹا تھا۔ وہ اتنا غریب تھا کہ اس کے بقول اس کے گھر دال کے علاوہ کبھی کوئی چیز نہیں پکتی تھی۔ مگر وہ بیچارے بھی چندہ دیتے تھے۔ مرزائی مظلوموں پر ان کی جماعت سال میں صرف ایک بار لطف وکرم کرتی اور وہ جلسہ سالانہ کے ایام تھے جب انہیں ۹ دن مرکز کی طرف سے کھانا دیا جاتا تھا۔ وہ صبح کو دال اور رات کو ’’سنڈھے‘‘ کے شوربے کی بالٹیاں بھر کر لاتے اور سال بھر کے دیئے ہوئے خراج کا ایوارڈ حاصل کرتے تھے۔

ربوہ کا سالانہ میلہ

ربوہ میں رمضان شریف کو کوئی اہمیت دی جاتی تھی نہ عیدین پر کسی مسرت کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہاں تو بس جلسہ سالانہ ہی عید اور بقر عید تھیں۔ فروری ۱۹۶۶ء کی بات ہے جب ربوہ میں ہمیں پہلا رمضان شریف گزارنے کا موقع ملا۔ ہمارے گھر میں روزہ اور تراویح کی باقاعدہ پابندی ہوتی تھی۔ میں سکول میں روزہ رکھ کر جاتا تو طلبہ میرا خوب مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اکثر ساتھی کہا کرتے۔

’’اوتوں روزہ رکھیا ہویا اے۔‘‘

’’ہاں تو۔‘‘ جواب دیا جاتا۔

’’روزہ تو طلبہ پر فرض ہی نہیں۔ اس سے پڑھنے والوں کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔‘‘ یہ مرزائی طلبہ کی دلیل ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ مرزائی مکتبہ فکر کا فلسفہ یہ تھا کہ طلبہ، محنت کش اور بوڑھے روزہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے اس بارے میں اپنے ’’باطل نبی‘‘ کا ارشاد سنایا۔ ’’روزہ رکھنے سے انسان خصی ہو جاتا ہے۔‘‘

ہمارے ایک استاد محمد ابراہیم بھانبڑی اپنے باوا کی اس فکر کی بناء پر کہا کرتے تھے۔ روزہ جماعت پر اس لئے فرض نہیں کہ ’’مسیح موعود‘‘ نے اپنی امت کو اس جسمانی مشقت سے نجات دلا دی ہے۔ ان کا اس سلسلے میں یہ استدلال تھا کیونکہ کام بھی ایک عبادت ہے۔ روزے سے انسان کم غذا لیتا ہے۔ اس وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ یوں اس کی استعداد کار کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کام جیسی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک عبادت کے لئے دوسری عبادت ترک نہیں کی جاسکتی۔

ایک مرتبہ میں اپنے اباجی کے ہمراہ مرزا ناصر کے فلاسفی کے پروفیسر بیٹے مرزا انس کے تعلیم الاسلام کالج کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مرزا انس نے اباجی سے کہا: ’’صوفی صاحب! آپ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میرا وزن کم ہو جائے۔‘‘

اباجی نے کہا: ’’آپ روزے رکھا کریں۔‘‘

’’نہیں صوفی صاحب نہیں کوئی اور بات بتائیں، روزہ رکھنے کے بعد انسان افطاری میں عام حالات سے بھی زیادہ کھا جاتا ہے۔ چنانچہ وزن کم ہونے کے بجائے بڑھ جاتا ہے۔ ویسے بھی روزہ قابل عمل عبادت نہیں۔‘‘ مرزا انس نے جواب دیا۔

ربوہ میں روزہ اور تراویح کے نعم البدل کے طور پر روزانہ نماز ظہر سے عصر تک عادت گاہ مبارک میں قرآن پاک کا درس ہوا کرتا تھا۔ جس میں ایک سپارہ کا ترجمہ وتفسیر بیان کی جاتی تھی۔ یہ درس سننا ہر شخص پر لازم تھا۔ رمضان میں سکول وکالج دوپہر ایک بجے بند ہو جاتے تھے اور تمام طلبہ وطالبات اور اساتذہ عبادت گاہ مبارک پہنچ جاتے تھے۔ کوئی طالب علم درس سنے یا نہ سنے مگر وہاں حاضری لازمی لگوانی پڑتی تھی۔ یہ پابندی رمضان کے ابتدائی ایام میں تو سختی سے کی جاتی تھی مگر رفتہ رفتہ لڑکے ادھر کے بجائے ادھر ادھر پہاڑوں میں گھومتے پھرتے رہتے۔ جب کہ اساتذہ بھی درس سننے کے بجائے گھر بھاگ جاتے تھے۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آتا کہ عبادت گاہ میں لوگ جاتے ہی نہیں تھے اور مولوی صاحب کو درس دیواروں کو سنانا پڑتا تھا۔ رمضان گزرتا تو عیدالفطر

اس طرح منائی جاتی جس طرح مسلمان کرسمس مناتے ہیں۔ نہ نئے کپڑے سلوانے کا اہتمام کیا جاتا، دکانیں لگتیں نہ کوئی تفریح پروگرام ہوتا۔ اس کے برعکس جلسہ سالانہ کی مہینوں پہلے تیاری شروع کردی جاتی تھی۔

بقرعید پر بھی لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں گوشت دیتے نہ غیروں میں بانٹا جاتا تھا۔ جب کہ ہر شخص قربانی کا گوشت آدھا اپنے گھر رکھ لیتا اور آدھا صدر محلّہ کو بھجوادیتا۔ محلّہ کا صدر گوشت کے ایک کلو کے پیکٹ بنا کر ان لوگوں کے گھروں میں بھیج دیا کرتا جو قربانی نہیں کرتے تھے۔ ہم ربوہ میں کیونکہ اکیلے تھے۔ کوئی عزیز یا رشتہ دار تو تھا نہیں۔ چنانچہ جب ہم نے پڑوسیوں کو گوشت بھجوایا تو انہوں نے لینے سے انکار کردیا۔ ہم نے خیال کیا کہ ہم مرزائی نہیں اس لئے یہ گوشت قبول کرنے سے گریز کررہے ہیں۔ ہم نے ایک پڑوسی ثناء اللہ زرگر سے پوچھا تو اس نے کہا بات احمدی غیر احمدی کی نہیں، قصہ یہ ہے کہ ''حضور'' کا حکم ہے کہ گوشت خود تقسیم کرنے کے بجائے صدر محلّہ کے حوالے کرو وہ خود جس کو مناسب سمجھے گا، بھیجے گا۔

جلسہ سالانہ جسے عیدین پر فوقیت حاصل تھی، جلسہ کم میلہ زیادہ ہوتا تھا۔ مرزائی جلسہ پر حاضری کو حج اور عمرے کے برابر سمجھتے تھے۔ مہینوں سے اس کی تیاریاں شروع ہوجاتیں۔ زنانہ اور مردانہ سکول وکالج کے وسیع کھیل کے میدانوں میں ''پرالی'' کے پہاڑ لگ جایا کرتے تھے۔ امیر مرزائی تجوریوں کے منہ کھول دیتے۔ بڑے بڑے شہروں میں شاپنگ کی جاتی جب کہ غریب مرزائی سال بھر کی جمع شدہ پونجی جلسہ پر خرچ کرڈالتے تھے۔ ربوہ میں تین لنگر خانے اور ایک دار الضیافت تھا۔ اوّل الذکر تینوں سال بھر بند رہتے تھے۔ لیکن جلسہ سالانہ کے دوران ۹ دن کے لئے کھول دیئے جاتے۔ یہاں گائے، بیل اور بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ لائے جاتے۔ جلسہ سالانہ پر آئے ہوئے مہمانوں کو صبح کے وقت ''ماش کی چھلکوں'' والی دال اور رات کو ''سنڈھے'' کا گوشت اور آلو پکا کر کھلایا جاتا۔ لنگر خانے سے روٹی کے حصول کے لئے باقاعدہ راشن کارڈ جاری کیا جاتا۔

جلسہ سالانہ پر اندرون ملک اور بیرون ملک سے مہمان آتے جس میں اکثریت اپنے ربوہ میں مقیم رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا کرتی۔ تمام تعلیمی اداروں میں جلسہ کے دنوں میں چھٹیاں کر دی جاتیں اور ان کے کمروں میں بھی مرد وزن قیام کرتے اور پرالی پر سو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کسی کو جائے قیام نہ ملتی تو وہ خیموں میں سوتے اور ۲۶، ۲۷، ۲۸ر دسمبر کو ٹھٹرتی راتوں میں اس چندہ خور خاندان کو بددعائیں دیتے جو سارا سال پیسے لینے کے باوجود ان کے لئے رہائش کا مناسب انتظام بھی نہیں کرتا تھا۔ جلسہ پر سکولوں کے طلباء، اساتذہ، شہریوں اور دیگر دفاتر کے اہل

کاروں کی ڈیوٹیاں لگائی جاتیں جو مہمانوں کی خدمت کرتے۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے۔ ظلی حج یعنی جلسہ سالانہ کے موقع پر ڈیوٹیاں لگاتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا کہ ہر شعبے میں ڈیوٹی دینے والے ''خوش شکل امرد'' لازمی شامل کئے جائیں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے آتش شوق کو سرد کریں۔ کئی خوب رو لڑکوں کو تختہ مشق بنانے کے لئے جلسہ سالانہ کا انتظار کیا جاتا اور ڈیوٹیوں کی آڑ میں انہیں شکار کیا جاتا تھا۔

مرزائی جلسہ پر اپنے خلیفہ کی تقاریر سنتے، شدید سردی میں ''دال اور شورا'' پیتے۔ پرالی پر سوتے، ڈیوٹیاں دیتے اور ''درثمین'' کے اشعار پڑھتے تھے۔ ربوہ میں جلسہ پر مختلف سٹال لگتے۔ انواع واقسام کی نمائش لگتی، سرمہ، انگوٹھیاں، مٹھائیاں بیچنے کے علاوہ ''وہ'' دھندا بھی عروج پر ہوتا۔ اکثر لڑکے لڑکیاں اپنی غربت کا دوزخ سرد کرنے کے لئے جلسہ سالانہ کا انتظار کرتے اور ضمیر کو سلا کر مال کما لیا کرتے تھے۔

جلسہ سالانہ پر بہت سے لوگ تماشائی بن کر دوسرے شہروں سے حور وغلمان اور میلہ دیکھنے ربوہ آیا کرتے تھے۔ ایک بار ہماری بھیرہ کی ایک پڑوسن ''زیبی مچھانی'' (ماچھن) مرزائیوں کا جلسہ دیکھنے ہمارے پاس ربوہ آگئی۔ امی جان اسے جامع نصرت کالج کے زنانہ جلسہ گاہ میں لے گئیں۔ مرزا ناصر کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر سال جلسہ سالانہ کے آخر پر تجدید بیعت کراتے تھے۔ میں اور میرا بھائی امی جان کے ساتھ تھے اور وہ ہمارے ساتھ مصروف تھیں کہ اسی دوران مرزا ناصر کی اختتامی تقریر شروع ہوگئی۔ تقریر کے آغاز میں انہوں نے تمام حاضرین جلسہ کو تجدید بیعت کے لئے کہا۔ پہلے قرآنی آیات پھر درود پاک پڑھا گیا۔ بیچاری ''زیبی مچھانی'' مرزا ناصر کے پیچھے آیات و درود پڑھنے لگی۔ جونہی مرزا ناصر نے کہا کہ: ''میں مرزا ناصر کے ساتھ پر سلسلہ احمدیہ کی بیعت کرتی ہوں۔'' ہماری امی جان نے بھاگ کر زیبی کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا: ''نی جھلیئے! ایہہ مردود تے اپنی بیعت کران لگا ای، تو کافر ہونا اے۔''

زیبی جو روا روی میں مرزا ناصر کے ساتھ ساتھ پڑھے جارہی تھی فوراً خاموش ہوگئی اور اس نے لاحول پڑھی۔ امی جان نے جب اسے روکا تو ان کی آواز سن کر بہت سی عورتیں ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ کئی ایک نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے یہ کوئی غیر احمدی عورت ہے۔''

جلسہ سالانہ پر ''مرزائی حوروں'' کی بھی چاندی ہوا کرتی تھی۔ ان کی ڈیوٹیاں بھی حسین لڑکوں کی طرح مخصوص خدمات کے لئے لگائی جاتیں جن کا فیصلہ خاندان نبوت کے اکابرین

کیا کرتے تھے۔ ڈیوٹیوں کی آڑ میں اکثر لڑکیاں گھروں سے باہر بہ آسانی رہ لیتی اور ’’من کی مراد‘‘ پالیتی تھیں۔

جلسہ پر ریلوے کے مرزائی حکام اعلیٰ ربوہ میں پہنچ جایا کرتے اور اس موقع پر خصوصی ٹرینیں چلائی جاتی تھیں۔ افسروں کے ’’سلیپر‘‘ کئی روز تک ربوہ میں کھڑے رہتے تھے۔ ربوہ کے اسٹیشن پر عام حالات میں کبھی ایک قلی بھی نظر نہیں آتا تھا۔ مگر جلسہ کے ایام میں ہر گلی محلّہ میں ایک ہی آواز ’’قلی مزدور قلی‘‘ گونجا کرتی تھی۔ سرخ کوٹ پہنے ہوئے لاہور کے لاتعداد قلی ربوہ پہنچ جایا کرتے تھے۔ جلسہ سالانہ کے افسر میر داؤد ہوا کرتے تھے جن کی سرکردگی میں جلسہ کے جملہ کالے امور طے کئے جاتے تھے۔

ملک بھر کے تمام محکموں میں کلیدی آسامیوں پر فائز اعلیٰ حکام اور آفیسر جلسہ سالانہ پر جب ربوہ آتے تو سرکاری رازوں سے اپنے خلیفہ کو آگاہ کرتے اور پھر ان کے مشورے کے بعد پاکستان کو نقصان پہنچانے والے منصوبے تیار کرتے۔ جن دنوں ایک روپے کے نوٹ پر ایم ایم احمد کے ’’مرزا مظفر احمد‘‘ کے طور پر دستخط ہوتے تھے۔ مرزائی نازاں ہوکر نوٹ ہمیں دکھایا کرتے۔ ایک مرتبہ جلسہ سالانہ میں مرزاناصر نے اپنی تقریر میں کہا تھا، شاہ فیصل اور ذوالفقار علی بھٹو مرزاغلام احمد کی پیش گوئی کے مطابق ان کی بددعا سے قتل اور پھانسی چڑھے ہیں اور اب کرنل قذافی کی باری ہے۔ لیکن اتنے برس گزرنے کے بعد مرزاناصر کی یہ جھوٹی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ مجموعی طور پر ربوہ کا جلسہ سالانہ ایک میلہ تھا۔ جہاں ہر چیز کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہوتی تھی۔ ہر دکاندار یہ صدا لگا رہا ہوتا کہ ’’بولو جی تم کیا کیا خریدو گے۔‘‘

کوفیوں کا شہر

مرزائیت اور بے وفائی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس بناء پر ہمارے ایک مہربان ربوہ کو کوفیوں کا شہر کہا کرتے تھے۔ کوفی خاصیتوں کے باوجود ربوہ کے باسی خود کو وفادار اور چنیوٹ کے مسلمانوں کو بے وفا کہتے تھے۔ تاہم مولانا منظور چنیوٹیؒ کے علاوہ انہیں چنیوٹ کی ہر چیز پسند تھی۔ پھر بھی وہ چنیوٹ کو اپنا حریف شہر سمجھتے تھے۔ مرزائیوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے نبی کی طرح مسلمانوں کو ہر قسم کی گالی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن اگر انہیں جواباً کوئی تسلی آمیز جملہ کہا جائے تو ان کا چہرہ فوراً اتر جاتا اور وہ ایک ہی گھسا پٹا جملہ بولتے ہیں۔ ’’یہ تو انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔‘‘

ایک مرتبہ ہمارے ایک کلاس فیلو نے چنیوٹ کے ایک طالب علم کو ''اہل کوفہ'' کہا جس پر موخرالذکر نے جوباً اسے ''ابن زیاد'' کہہ دیا۔ اس پر مرزائی لڑکے کا موڈ آف ہوگیا۔ اس کی شکل قابل دید تھی۔ یوں لگتا تھا کہ اسے چشم تصور میں واقعی اپنا باپ ''ابن زیاد'' لگنے لگا ہو۔ مرزائیوں میں کوفیوں والی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ آپس میں شدید دشمن بھی ہوں تو بھی مسلمانوں کی مخالفت میں سیسہ پلائی دیوار بن جایا کرتے ہیں۔ قیام ربوہ کے دوران بے شمار ایسے واقعات ہوئے جب ہمارے جگری دوست مسلمان دشمنی میں اپنے جیسے مرزائیوں سے اتحاد کو ثواب سمجھتے تھے۔ چنیوٹ میں ربوہ کے بے شمار مرزائی آباد ہیں اور تھے۔ لاتعداد کا یہاں کاروبار ہے۔ جب کہ چنیوٹ کے سینما گھر مرزائیوں کو تفریح فراہم کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر مرزائی چنیوٹ کے خلاف گز بھر کی زبان کھولے ہوئے نظر آتا ہے۔

ربوہ میں سگریٹ نوشی ممنوع تھی مگر لوگ سرعام تمبا کو نوشی کرتے تھے۔ ریڈیو لگانا منع تھا۔ مگر ٹیپ ریکارڈر پر دیسی اور بدیسی گانے سننے میں کوئی ممانعت نہ تھی۔ ہماری ایک جاننے والی بی.اے کی طالبہ بصیرت ایک گانا ''او ملی ٹھنڈک نگاہوں کو تیرے دیدار سے ہوسکے تو آواز دے، آواز مجھ کو پیار سے'' اس لے و لحن سے گاتی یوں لگتا جیسے مالا خود گا رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا کلاس فیلو مومن ''چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں'' سنا کر محفل جما لیا کرتا تھا۔ جب کہ اعجاز اکبر ''سجناں نے بوہے اگے چک تان لئی'' مزے لے لے کر گاتا تھا۔ شکیل کی آواز بھی بے مثل تھی۔

ربوہ میں مرزائی نبوت نے سینما نہیں بننے دیا۔ لیکن اس کی ضرورت چنیوٹ سے پوری کرنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ہم لوگ جمعہ کی چھٹی گزار کر ہفتہ کو چنیوٹ سے سکول آتے تو ہمارے مرزائی ساتھی سب سے پہلا سوال یہ کرتے کہ شمع اور نیلم سینما میں کون سی نئی فلم آئی ہے۔ قدرت کے قہر سے مالامال ربوہ شہر میں گرمیوں میں زندگی گزارنا انتہائی مشکل تھا۔ دوپہر کے وقت تو گھر سے باہر نکلنا تندور میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ اس شہر کی کلرزدہ زمین جنگلی کیکروں کے علاوہ کوئی چیز اگلتی نہ تھی۔ ایسی صورت میں چنیوٹ کا پڑوس ربوہ کے لئے کسی نعمت غیرمترقبہ سے کم نہیں تھا۔ صبح سویرے چنیوٹ سے سبزی، ترکاری کے ریڑھے بھر کر ربوہ آتے۔ گوشت گیہوں بھی وہیں سے لایا جاتا۔ اس کے باوجود مرزائی چنیوٹ کو دشمن شہر کہا کرتے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران چنیوٹ میں مرزائیوں کی جس انداز میں کمر

توڑی انہیں اس کا صدمہ تو یاد تھا۔ لیکن انہیں چنیوٹ کے بے پناہ احسان بھول گئے تھے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ربوہ میں بینک نہیں ہوتے تھے۔ جب کہ تحریک جدید اور صدر انجمن میں دو غیر قانونی بینک چلتے تھے۔ لیکن بے شمار مرزائی مختلف بینکوں میں ملازم تھے۔ چنانچہ ان میں اکثریت کی خواہش ہوتی کہ ان کی پوسٹنگ چنیوٹ میں ہو جائے اور وہ گھر کے قریب رہیں۔ دواخانہ خدمت خلق کے حکیم بشیر کا بیٹا نصیر شاہ چنیوٹ کے نیشنل بینک میں مدتوں منیجر رہا ہے۔ چنیوٹ کے سرکاری ہسپتالوں میں تقرر کئے گئے مرزائی ڈاکٹروں کی دوڑ لگی رہتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالرؤف غنی جیسے بے شمار ڈاکٹر چنیوٹ میں ملازمت کرتے رہے اور اس کے علاوہ بھی کئی سرکاری محکموں کے ملازم چنیوٹ میں پوسٹنگ کروا کے ربوہ میں مقیم رہتے تھے۔

ڈاکٹر شریف دندان ساز، معراج، سراج ٹرنک ہاؤس، احمدیہ دارلباس اور اس قسم کے بے شمار کاروباری ادارے تھے جن کے مالک چنیوٹ میں موجیں کر رہے تھے اور اپنی محسن کشی کی فطرت کے باعث چنیوٹ کو بے وفا لوگوں کا شہر بھی کہا کرتے تھے۔

ربوہ کو پہاڑوں کے لامتناہی سلسلے نے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے، جہاں سے پتھر کرش ہو کر دیگر شہروں کو سپلائی ہوتا ہے۔ اب تو ربوہ میں ٹرکوں کے کئی اڈے ہوں گے۔ لیکن اس زمانے میں بجری سپلائی کرنے کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ چنیوٹ کے گڈز ٹرانسپورٹ کے اڈوں کے ذریعے ہی ربوہ کا کاروبار چلتا تھا۔ اکثر بجری کے ٹھیکیدار جن کا گھر بار ربوہ میں تھا۔ لیکن وہ دن بھر چنیوٹ میں کام کرتے، جیب بھرتے اور رات کو کفرستان چلے جاتے تھے۔

چنیوٹ کے شہید چوک میں ایک کلینک دارالصحت تھا۔ اس کو ایک مرزائی ڈاکٹر عبداللہ قریشی چلاتا تھا۔ اس کا بیٹا طاہر بن عبداللہ ہمارا کلاس فیلو تھا۔ موصوف اپنی سدومی صفات کے باعث سکول بھر میں چلتا پھرتا اشتہار تھا۔ طاہر بن عبداللہ نے ایک بار بتایا کہ اس کے باپ کا کلینک پہلے ربوہ میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن کلینک پر مریض کوئی نہیں آتا تھا۔ مرزا منور کی اجارہ داری کے باعث دوسرے ڈاکٹر محض ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے تھے۔ چنانچہ طاہر کے والد نے اپنا کلینک چنیوٹ منتقل کیا تو چاندی برسنا شروع ہوگئی۔

ہمارے ایک کلاس فیلو احمد شریف کے والد بھی ایم. بی. ایس ڈاکٹر تھے۔ لیکن رحمت بازار میں اپنے کلینک پر سارا دن مکھیاں مارا کرتے تھے۔ انہیں بھی کسی نے نیک مشورہ اور کلینک

چنیوٹ لانے کے لئے کہا۔ ڈاکٹر شریف اپنا کلینک چنیوٹ کیا لائے ان کی قسمت پھر گئی۔

تحریک ختم نبوت کے دنوں میں جب سماجی بائیکاٹ کے باعث ربوہ ملک بھر سے کٹ کر رہ گیا تب بھی بے شمار مرزائی اپنی فرنچ کٹ داڑھی صاف اور ٹوپی ٹھکانے لگا کر چوری چھپے چنیوٹ آتے اور وہاں سے سودا سلف لے کر ربوہ چلے جاتے تھے۔ جب چاروں طرف ان کا کوئی پرسان حال نہیں تھا تو ان دنوں میں بھی انہیں چنیوٹ سے ہی سہارا ملتا تھا۔ مرزائیوں کی بڑی تعداد نے جون ۱۹۷۴ء کے دنوں میں چنیوٹ آ کر اسلام قبول کیا اور مرزا قادیانی کی ذات، نبوت اور آل پر تین حرف بھیجے اور زندگیوں کی سہولتوں سے بہرہ مند ہوئے۔

ہماری کلاس میں ایک لڑکا امجد پڑھا کرتا تھا۔ اس کا والد چنیوٹ میں اے.ڈی آئی تھا۔ یہ لوگ چنیوٹ سے منتقل ہو کر ربوہ آ گئے تو اس نے مرزائیوں کی احسان فراموشی پر ایک دن بڑی عمدہ بات کہی کہ ہم احسان شناس اس لئے نہیں، ہمارے نبی کی سنت میں ہی احسان مندی کی کوئی مثال ہی نہیں۔ بلکہ ہمارا مذہب تو صرف ''لو'' کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس میں ''دو'' کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ چنانچہ ہم جیسے پڑھے ہیں، ایسے ہی پڑھائیں گے۔ امجد ترنگ میں آ کر تقریر کر رہا تھا۔ کہنے لگا: ''چنیوٹ ہم کو سینما کی شکل میں بہترین تفریح فراہم کرتا ہے۔ اس کے باوجود اگر ہمیں ہمارے اکابرین کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا جائے تو ہم سب سے پہلے چنیوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔''

مرزائی یہودیوں کی طرح بڑی سیانی قوم ہے۔ ان کی نبوت نے اگرچہ انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے لیکن اس کے باوجود مرزائیوں کی اکثریت اپنے مالی استحکام سے لحہ بھر کے لئے غافل نہیں ہوتی۔ یہ بات ہر مرزائی جانتا تھا کہ ربوہ میں جائیداد خریدنا اپنا پیسہ کنوئیں میں پھینکنے کے مترادف ہے۔ اسی بناء پر بے شمار مرزائیوں نے چنیوٹ میں جائیدادیں خرید رکھی تھیں۔ چنیوٹ کے محلہ عثمان آباد میں ایک مرزائی خاندان نے جائیداد کی خرید وفروخت کا باقاعدہ کاروبار کئے رکھا اور مسلمانوں کی زمینیں انہیں سے خرید کر انہیں کو فروخت کر کے خوب مال کمایا۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ایک بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مرزائیوں نے ہر دور میں چنیوٹ سے فائدہ اٹھایا، مگر ہمیشہ اس محسن شہر کی بدخواہی کی۔ اس سلسلے میں ایک معمر مرزائی خدا بخش کی بات قابل ذکر ہے کہ: ''جس طرح مرزا نبی نہیں ہو سکتا اسی طرح مرزائی وفادار نہیں ہو سکتا۔''

ربوہ میں قیام کے دوران ہم جمعہ کی نماز پڑھنے چنیوٹ جاتے تو اکثر کلاس فیلو مذاق کیا کرتے تھے کہ آخر تمہیں چنیوٹ میں نماز پڑھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیتا کہ تم لوگ چنیوٹ فلم دیکھنے جاسکتے ہو تو ہم نماز پڑھنے نہیں جاسکتے۔ اس پر وہ لوگ کہتے ''بھئی چنیوٹ ہم فلم اس لئے دیکھنے جاتے ہیں کہ ربوہ میں کوئی سینما نہیں۔ لیکن ربوہ میں مساجد ہونے کے باوجود تم لوگ چنیوٹ جمعہ پڑھنے جاتے ہو؟'' میں ان کی زبان بند کرنے کے لئے کہتا کہ ربوہ میں مساجد نہیں مرزائی عبادت خانے ہیں۔ ہم یہاں نماز پڑھ کر اپنی نماز ضائع کیوں کریں۔

مرزائیت گزیدہ

اباجی نہایت سادہ اور درویش صفت انسان تھے۔ عمر بھر زہر ہلاہل کو قند نہ کہنے کے فلسفے پر کاربند رہ کر اپنوں کو خفا اور بیگانوں کو خوش کرتے رہے۔ ان کی بے نیاز شخصیت کا یہ اعجاز تھا کہ ربوہ جیسی غیر مسلموں کی بستی میں بھی دھڑلے سے رہے۔ متعصب لوگوں کے اس دیس میں بھی ان کے عقیدتمندوں کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ مرزا ناصر سمیت ''مرزائیت'' کے بے شمار پجاری انہیں سلام کرنے آیا کرتے تھے۔

بڑے بڑے مرزائی علماء وفضلاء جو ہر وقت مسلمانوں کو گھیر کر ''مرزائیت'' میں داخل کرنے پر ادھار کھائے رہتے تھے اباجی کے سامنے مہر بلب ہو جاتے تھے اور ان کی روحانی عظمتوں کو مانتے تھے۔ بے شمار لوگ اباجی کی تحریک پر ''مرزائیت'' سے تائب ہوکر دامن اسلام میں داخل ہوئے۔

مرزائیوں کا یہ قاعدہ تھا کہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کا نام رکھنے کے لئے اپنے خلیفہ کو ایک درخواست لکھتے، خلیفہ چند روز کے توقف کے بعد نام رکھ دیتا۔ مرزا ناصر کے بیٹے مرزا انس کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو اس نے نام رکھنے کے لئے اباجی سے درخواست کی تاہم انہوں نے مسکرا کر ٹال دیا۔

اباجی مسلسل تیس سال تک ۱۰ سال روزے اور رمضان میں اعتکاف کرتے رہے۔ ربوہ میں قیام کے زمانے میں وہ اعتکاف کرنے کے لئے بھیرہ چلے جایا کرتے تھے اور عیدالفطر سے اگلے روز واپس آتے تھے۔ اس دوران ہمارا سرکاری ''بیلدار'' متھیلا گھر کی اور ہماری نگرانی

کیا کرتا تھا۔ثواب کے اس کام میں اس کی شرکت بہت زیادہ تھی۔ وہ عید ہمارے پاس گزار کر اگلے روز اپنے بچوں کے پاس جایا کرتا تھا۔ اباجی کی شب بیداری اور سحر خیزی کے باعث بے شمار مرزائی عقیدت کے طور پر ان سے ملاقات کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ’’تعویز دھاگے اور دم درود کے منکر ہونے کے باوجود اکثریت چھپ چھپا کر ہمارے ہاں آتی اور اپنے درد کا درماں روحانی علاج میں تلاش کرتی۔‘‘

ہمارے پڑوسی مستری فضل دین کی بیٹی امتہ المتین ایک مرزائی سلیم کی بیوی اور دو بچوں کی ماں تھی۔ سلیم لائل پور (فیصل آباد) میں ملازم تھا۔ وہاں اس کے ایک خاتون سے تعلقات ہوگئے۔ اس نے امتہ المتین کو دھوکے سے لائل پور بلایا اور اس سے دوسری شادی کے اجازت نامے پر دستخط کرالئے۔ موصوفہ گھر لوٹی تو اس صدمے نے اس پر اس قدر اثر کیا کہ وہ پاگل ہوگئی۔ ابتدائی علاج کے لئے اسے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل کیا گیا۔ مگر جب صورتحال قابو سے باہر ہوگئی تو اسے لاہور کے مینٹل ہسپتال میں منتقل کرادیا گیا۔ کافی علاج کے باوجود اسے کوئی افاقہ نہ ہوا تو اس کے گھر والے اسے واپس ربوہ لے آئے۔ اب امتہ المتین دن رات چھت پر چڑھ کر اپنے ماں باپ، مرزائی نبی، اس کے خاندان کو انتہائی فحش گالیاں دیا کرتی تھی۔ اس کے گھر والے اور محلے دار اس کیفیت سے سخت پریشان اور نالاں تھے۔ لیکن عجیب اتفاق تھا کہ وہ ہم سب کے ساتھ نہایت پیار اور ادب واحترام سے پیش آتی۔ اباجی صحن میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ بڑی عقیدت سے انہیں دیکھا کرتی۔ ایک روز اس کی والدہ رشیدہ بیگم اباجی کے پاس آئی اور عرض کی ’’صوفی صاحب! ہم ہیں تو احمدی، آپ سے بات کرنا بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن مجبور ہیں۔ آپ ہماری مدد کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔‘‘

اباجی نے کہا: ’’بہن! بتاؤ میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔‘‘

کہنے لگی: ’’آپ میری بیٹی امتہ المتین کو کوئی ایسا تعویذ دے دیں جس سے وہ ٹھیک ہو جائے۔‘‘

اباجی نے جواب دیا۔ ’’آپ لوگ ان چیزوں پر یقین رکھتے ہیں؟ یہ تو ان لوگوں کے لئے ہیں جن کا ان پر کامل اعتماد ہوتا ہے۔‘‘

اس پر رشیدہ بیگم رونے لگ گئی اور کہا ’’احمدیت‘‘ بے شک ہمارا مذہب ہے لیکن اسے ہم نے بادل نخواستہ قبول کر رکھا ہے۔ اسے چھوڑیں تو جائیداد، رشتہ دار اور سماجی تعلقات جاتے

ہیں اس کے اختیار کرنے سے جو کچھ ہم نے کھویا ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر ہم پر ترس کھائیں مجھ سے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔

ابا جی نے امتہ المتین کو کچھ تعویذ اور پانی دم کر کے دینا شروع کیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند یوم میں وہ بالکل ٹھیک ہوگئی۔ وہ ابا جی کی اس قدر معتقد ہوئی کہ باقاعدگی سے آ کر دین کی باتیں پوچھنے لگی۔ تاہم ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس نے مرزا قادیانی اور اس کے دین کو برا بھلا اور جھوٹا کہنا نہ چھوڑا۔ وہ سرعام کہتی ''مرزا غلام احمد قادیانی ایک جھوٹا اور مکار انسان تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر مرزائی اسے پاگل سمجھتے۔ مگر درحقیقت وہ بالکل نارمل تھی جس کو اس کے گھر والے بھی تسلیم کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے امتہ المتین سے پوچھا کہ تم کس ڈاکٹر کے علاج سے تندرست ہوئی تو اس نے کہا: ''میں تو صوفی صاحب کے دم کئے ہوئے پانی سے ٹھیک ہوئی ہوں۔'' سوال کرنے والے مرزائی نے اس بات پر یقین نہ کیا اور دم کئے ہوئے پانی کو لیبارٹری میں ٹیسٹ کروایا۔ جب وہاں پانی محض خالص پانی ثابت ہوا تو وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگیا کہ مسلمان سچے یا وہ اور اس کا مذہب ''مرزائیت''۔

مرزا ناصر کا چچازاد بھائی مرزا منصور ناظر امور عامہ ابا جی کو ہمیشہ ''پیر جی'' کہا کرتا تھا۔ ایک بار میں ابا جی کے ساتھ مرزا منصور کے دفتر گیا۔ وہاں ایک شخص مرزا منصور سے گفتگو کے دوران دعا کی درخواست کر رہا تھا۔ جس پر مرزا منصور نے ''ابا جی'' کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''دعا کرانی ہے تو پیر جی سے کراؤ، ہم تو انہیں سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔'' وہ شخص ابا جی کو دیکھ کر کہنے لگا۔ ''کیا یہ صحابی ہیں؟'' اس پر ابا جی نے کہا: ''نہیں میں صحابی نہیں سچا مسلمان اور کالی کملی والے کا غلام ہوں۔''

ربوہ کے ہی ایک مرزائی کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ان کی شادیاں نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ بہت ہی متفکر تھا۔ اپنے ''مرزوں'' سے بار بار دعائیں کرا کے مایوس ہو چکا تو اسے کسی نے ہمارے ہاں بھیج دیا۔ ابا جی نے اسے کہا کہ تم ''مرزائیت'' سے تائب ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔ اس نے واقعی ایسا کیا اور قدرت نے چھ ماہ کے اندر اس کی تمام بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر کے اسے سرخرو کر دیا۔

۲۲ر رجب کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی نیاز ہم برسوں سے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ

ربوہ آ کر بھی یہ معمول برقرار رہا۔ ہم مرزائیوں کے بجائے چمن عباس سے لوگوں کو بلا کر نیاز کی چیزیں کھلاتے۔ لیکن جب ہمارے مرزائی محلّہ داروں کو پتہ چلا تو انہوں نے ازخود ہمارے ہاں آ کر نیاز کھانا شروع کر دی اور پانچ برس تک کھاتے رہے۔ بلکہ رجب کے آغاز میں ہی نیاز کے بارے میں ہم سے دریافت کرنا شروع کر دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ہم وادی عزیز میں جمعہ کی نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ بعد نماز وہاں ''اللہ ہو'' کا ذکر شروع ہو گیا۔ لوگ آنکھیں بند کر کے ''اللہ ہو'' کی ضرب اپنے دل پر لگانے میں اس قدر مصروف تھے کہ انہیں اپنے گردوپیش کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب ذکر ختم ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ربوہ کے بے شمار لڑکے وہاں کھڑے تھے اور حیرت زدہ ہو کر ذکر کرنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ صوفی محمد علی صاحب نے اپنے خادموں سے کہا کہ ان لڑکوں کو یہاں بلا لاؤ۔ لڑکے آئے تو صوفی صاحب نے پوچھا: ''بیٹا آپ کون ہیں اور یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا ہم احمدی لڑکے ہیں اور ربوہ سے یہاں شکار کی تلاش میں نکلے تھے۔ گھومتے گھومتے اس طرف آ نکلے۔ یہاں اللہ کے ذکر کی بلند آواز سنی تو بے ساختہ ادھر چلے آئے۔

صوفی صاحب نے پوچھا: ''تو پھر تمہیں ذکر کیسا لگا؟''

''ایسا طریقہ ذکر ہم نے کبھی سنا نہ تھا۔ لیکن اس میں عجیب سی لذت محسوس ہوئی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ہم بھی اس طرح بلند آواز سے اپنے رب کو پکاریں۔'' لڑکوں نے جواب دیا۔ مگر ہمارے ہاں تو نماز کے بعد دعا بھی نہیں مانگی جاتی بلکہ نماز کے بعد کچھ پڑھنے اور کرنے کا سلسلہ اس لئے منع ہے کہ نماز کا مطلب ہی دعا ہے۔ آپ لوگوں کو نماز پڑھتے یا دعا مانگتے اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے دیکھ کر عجیب سا سکون ملا ہے۔ لڑکے بے ساختہ کہے جا رہے تھے۔

صوفی صاحب نے کہا: ''تو بیٹا تم بھی اس طرح کا ذکر کیا کرو۔''

''مگر کیسے، ہم تو احمدی ہیں، ہمیں تو مسلمانوں سے ملنے جلنے سے بھی منع کیا جاتا ہے۔ ہم خود مختار بھی نہیں کہ خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔'' لڑکوں نے پھر کہا۔

صوفی صاحب نے کہا: ''دیکھو بچو! ہم تمہیں اپنے والدین کے خلاف بغاوت کا سبق تو نہیں دیتے لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ خدا کی راہ میں گھربار، والدین اور عزیز و اقارب چھوڑ دینا عین عبادت ہے۔ تمہیں اگر خدا کا ذکر اچھا لگا ہے تو تم اس پر غور کرو، زندگی میں جونہی موقعہ ملے اس

طرف چلے آنا۔ لڑکے بہت متاثر ہوئے اور صوفی صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ خود مختار ہوتے ہی احمدیت سے تائب ہوکر آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے۔'' بعدازاں سکول میں یہ لڑکے اکثر میرے ساتھ ذکروفکر کی باتیں کیا کرتے تھے،ان کے ذہن اس قدر تبدیل ہوچکے تھے کہ لگتا تھا کہ زندگی میں موقع ملتے ہی کفروالحاد چھوڑ کر ''دین مبین'' اختیار کرلیں گے۔

مرزائیوں کے زبردست مہروں میں شیخ نورالحق، شیخ شمس الحق ڈپو والے، فاروقی جنرل سٹور کے مالک ارشد، پروفیسر محمد شریف خالد سمیت بے شمار مرزائی اکثر وبیشتر اباجی کے پاس حاضری دیتے اور دعا کرانے آیا کرتے تھے۔ اباجی ان سب سے کہتے کہ دعا کا فائدہ تو تب پہنچے گا جب تم طاغوت کے راستے کو چھوڑ کر حق کی راہ پر چلنا شروع کردو گے۔ آپ برملا کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ دنیا اور جاہ وحشمت عارضی ہے۔ تم لوگ کل خدا کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے کہ تم نے ایک سچے نبی ﷺ کے پیروکار ہوتے ہوئے ایک جھوٹے نبی کی پرستش شروع کردی۔

یہ تمام لوگ بلاتامل اباجی کی باتوں کو سچا کہتے اور ان کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ صوفی صاحب! آپ سچ کہتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنی گمراہی کا پورا احساس ہے۔ لیکن ہم کیا کریں ہماری جان نہیں چھوٹ سکتی آپ ہمارے لئے دعا کریں۔

ربوہ، جہاں ایک طرف مرزائیت میں ''کانوں'' تک پھنسے ہوئے لوگ اس کفر کی دلدل سے نکلنے کے لئے بے تاب تھے، دوسری طرف وہاں کئی زندیق ایسے بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے جیسے کافر بنانے کا عہد کر رکھا تھا۔ ایک بوڑھا زندیق اپنی جماعت کی طرف سے خصوصی بھتہ لینے کی وجہ سے ہروقت احمدیت کا پرچار کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے اس تبلیغی جنون کی وجہ سے اکثر مرزائی بھی اس سے نالاں تھے۔ ربوہ کے ایک فوٹوگرافر نے اس ''زندیق بڈھے'' کے بارے میں اباجی کو بتایا کہ اس کو لوگوں کے مرزائی بننے سے کوئی غرض نہیں ہوتی، اسے تو اپنی ''دھیاڑی'' کی فکر ہوتی ہے۔ جب کوئی مسلمان مرزائی چنگل میں پھنس جاتا ہے۔ یہ ''خبیث'' سمجھتا ہے ''دھیاڑی'' لگ گئی۔

اباجی نے کافی عرصہ تک چمن عباس کی مسجد میں جمعہ کی نماز کا سلسلہ شروع کئے رکھا۔ چنیوٹ کے شریف بخاری صاحب وہاں خطبہ دینے آیا کرتے تھے۔ مگر جب ہم نے ربوہ سے نقل مکانی کی تو یہ سلسلہ بند ہوگیا۔

مشاہیر کے خطباتِ ختم نبوت

مُرتّب

مُناظرِ ختمِ نبوّت

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت

حضوری باغ روڈ، ملتان۔ 061-4783486

www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com